16793
25.X.56

176

ہندوستان کی تاریخ

16/M

مصنفہ

اودھ بہاری پانڈے۔ ایم۔ اے

محکمۂ تاریخ۔ الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد

مترجمہ

شیام بہاری لعل سکسینہ ایم۔ اے (آگرہ) ایم۔ اے (ناگپور)

پروفیسر اردو و فارسی سٹی کالج۔ ناگپور

پبلشرز

نند کشور اینڈ برادرس

بنارس

۱۹۴۷ء

طبع دوم

قیمت تین روپیہ

باہتمام مرزا امنتہ اللہ علمی الیکٹرک مشین پریس مقیم گنج بنارس میں چھپی

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 16293
Date 25. X. 56
SRINAGAR
ST-01
Rh
ST/82

تمہید

یہ کتاب ہائی اسکول کے "لازمی تاریخ" کے طلبہ کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔ نصاب تعلیم میں جن مضامین کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے ان پر نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی تاریخ کے سلسلہ کو حتی الامکان مسلسل رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں صوبوں کے حکمران خاندانوں اور دکن کی ریاستوں کا مفصل بیان نہیں ہے لیکن محل و موقع کے مطابق ان کی اہمیت کی طرف مختصراً اشارہ کر دیا گیا ہے۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں تہذیب فن اور مذہب کی ترقی کو اتنی ہی اہمیت دی گئی ہے جتنی کہ سیاسی واقعات کو۔ امید ہے کہ اس سے طلبہ کو قدیم ہندوستان کے مختلف ادوار کا حال واضح طور پر معلوم ہو جائیگا۔

ہر باب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اس میں موجودہ تحقیقات کا اختصار اس طرح آجائے کہ طلبہ کو کسی قسم کی دقت کا احساس نہ ہو۔ عموماً بحث طلب مضامین میں اس بات کی موافقت کی گئی ہے جس کی تائید بیشتر علما نے کی ہے ایسے سب ہی مقامات پر ان واقعات کا ذکر ضرور کر دیا گیا ہے جن کی بناء پر کوئی رائے قائم کی گئی ہے۔ اس طرح اس بات کی برابر کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ کو کوئی ایسی بات نہ بتائی جائے جو غلط ثابت ہو چکی ہو۔ کیونکہ اکثر ہائی اسکول کے طلبہ جو غلط باتیں پڑھ لیتے ہیں وہ ایم۔ اے تک انھیں فراموش کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔

ہر باب کے آخر میں خاص واقعات کو تاریخ وار ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ جس سے طلبہ کا خیال خاص طور پر ان کی طرف رجوع ہو جائے۔ ساتھ ہی ان واقعات کے متعلق جاننے کے قابل باتوں پر سوالات دیئے گئے ہیں۔ ان دونوں کی مدد سے طلبہ کے لئے تاریخ کی مناسب معلومات حاصل کرنا نہایت آسان ہوگا۔

اس کتاب میں جتنے نقشے دیئے گئے ہیں۔ ان میں ایسے مقامات نہیں دکھائے گئے ہیں جن کا ذکر نہیں ہے۔ اور وہ سب مقامات دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے جن کا ذکر کتاب میں ہے سلطنتوں کی حدود ظاہر کرنے میں موجودہ تحقیقات کا پورا خیال رکھا گیا ہے کچھ نقشوں میں تاریخوں نشانوں اور دوسرے طریقوں کو استعمال کیا گیا ہے جن کی وجہ سے

امید ہے کہ نقشے زیادہ فائدہ مند ثابت ہونگے۔ ہر نقشہ میں جن علامتوں کو استعمال کیا گیا ان کو مختصراً سمجھا دیا گیا ہے۔

اکثر اشخاص کی تصویریں نہیں دی گئی ہیں۔ کیونکہ ان کی تصویریں نیچے درجوں کی کتابوں میں آچکی ہیں۔ اس کتاب میں صرف ان تصویروں کو جگہ دی گئی ہے جن کا تعلق فنون اور تہذیب سے ہے۔ موجودہ زمانہ کی خصوصیات کی طرف توجہ مبذول کرنے کیلئے ہندوستانی زندگی کے مختلف میدانوں میں جن لوگوں نے شہرت حاصل کی ہے ان کی تصویریں دی گئی ہیں۔

تحریک آزادی، آئین حکومت کی تاریخ اور تعلیم کی ترقی کا حال ۱۹۴۶ء کے جون تک دیا گیا ہے۔ جو واقعات بالکل حال کے ہیں ان کو بالکل مختصراً بیان کیا گیا ہے اور حتی الامکان بحث طلب پہلوؤں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں دو ضمیمے جوڑے گئے ہیں۔ ایک میں خاص حکمران خاندانوں کے شجرے ہیں اور دوسرے میں موجودہ زمانہ کے گورنر جنرلوں کے عہد کے خاص ترین واقعات کا مسلسل بیان ہے۔ شجروں میں سب حکمرانوں کا عہد حکومت لکھ دیا گیا ہے۔ اور جہاں ایک ہی سال یا ایک ہی زمانہ میں ایک سے زیادہ حکمران ہوئے ہیں۔ وہاں ان کے سلسلہ کا اشارہ کر دیا گیا ہے۔ ان شجروں میں ان بادشاہوں کا بھی ذکر ہے جن کا اصل کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

طلبہ کی آسانی کے لحاظ سے فہرست مضامین میں ہر باب کی خاص باتوں کا اختصار دیا گیا ہے۔ اسی خیال سے بائیں طرف کے اوراق میں اوپر اس مضمون کا ذکر کر دیا گیا ہے جس کا اس میں بیان ہے۔ جہاں کوئی نئی بات شروع ہوتی ہے وہاں پیراگراف کے شروع میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ زبان کو سلیس، قابل فہم اور مضامین کے مطابق دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح کتاب کو مفید بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے

الہ آباد یونیورسٹی
جون ۱۹۴۶ء

اودھ بہاری پانڈے

تمہید ایڈیشن دوم

یہ ایڈیشن اگست ۱۹۴۷ء کے بعد نکل رہا ہے۔ اپریل ۱۹۴۶ء اور ستمبر ۱۹۴۶ء کے درمیانی، ۱۷ مہینے ہندوستان کی تاریخ میں بڑے اہم ہیں اگرچہ اس کتاب میں ان سب واقعات کا جو اس زمانے میں ہوئے ہیں پورے طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اس آزادی کی طرف جو ہمارے ملک کو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے حاصل ہوئی ہے مختصر طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔

اصل مضمون میں بھی جہاں کہیں مناسب خیال کیا گیا کچھ تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ دو گمنام شخصوں نے یہ شکایت کی تھی کہ یہ کتاب ہائی سکول کے سلیبس کے مطابق نہیں ہے لیکن ان سب ممبران کمیٹی نے جنہوں نے اس کتاب کو بغور پڑھا ہے و نیز ان سب معلم و طلبا نے جن سے پبلشرس اور مصنف کو ملنے کا موقع ملا ہے اس کتاب کے مضمون اور اس کو بیان کرنے کے طریقوں کی کافی تعریف کی ہے۔ مصنف نے سلیبس کو دوبارہ پڑھنے کے بعد بھی اس میں کوئی خاص تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اگر کوئی صاحب خواہ وہ معلم ہوں یا نہیں ہوں اس کتاب میں کسی غلطی یا کمی کو محسوس کریں اور اس کی طرف توجہ دلائیں تو مصنف ان صاحبان کا نہایت مشکور ہوگا۔

مصنف کو امید قوی ہے کہ یہ ایڈیشن معلم اور طلباء دونوں کے لئے پہلے کے بہ نسبت زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

اودھ بہاری پانڈے
لیکچرار۔ الہ آباد یونیورسٹی

فہرست مضامین

باب	مضامین	صفحہ
۱	**سرزمین ہند اور اس کے باشندے**	۱ تا ۸
	ہمارا ملک۔ ہمالیہ کا کوہستانی سلسلہ۔ سندھ، گنگا کا میدان۔ تھار اور سندھ کا ریگستان۔ وندھیاچل کا کوہستانی سلسلہ۔ دکن کا پٹھار۔ ساحل سمندر کے میدان۔ سرزمین ہند کی خصوصیات۔ ہمارے ملک کے باشندے۔	
۲	**آریوں سے قبل کی تہذیب۔**	۹ تا ۱۶
	پتھر کا زمانہ۔ دھاتوں کا زمانہ۔ شہر کی عمارتیں۔ لباس۔ خوراک۔ ذریعہ معاش۔ تفریح کے ذرائع۔ ان کا مذہب۔ زمانہ۔ باشندے۔	
۳	**وید کے زمانہ کے آریوں کی تہذیب۔**	۱۷ تا ۲۷
	آریوں کی آمد سے قبل ہندوستان۔ آریوں کی آمد۔ وید۔ سگھنا۔ ویدوں کی تصنیف کا زمانہ۔ وید کے زمانہ کے آریوں کی زندگی (۱) سکونت (۲) نام آریہ خاندان (۳) آریوں کی خوراک (۴) لباس (۵) تفریح (۶) ذریعہ معاش (۷) ذات اور ورن (۸) آریوں کا مذہب (۹) سیاسی تنظیم (۱۰) فوجی تنظیم۔	
۴	**قدیم آریہ علم و ادب اور آریہ تہذیب کا عروج۔**	۲۸ تا ۳۶
	ویدانگ۔ ششش درشن۔ مہابھارت۔ معاشری حالت۔ ذات پات۔ آشرم۔ مذہبی انقلاب۔ سیاسی اتحاد۔ صنعت و حرفت میں ترقی۔	
۵	**بودھ مذہب اور جین مذہب۔**	۳۷ تا ۴۶
	جین مذہب۔ مہاویر کی تعلیم۔ گوتم بدھ۔ بدھ جی کی تعلیم۔ جین مذہب اور بدھ مذہب کا مقابلہ۔	

باب	مضامین	صفحہ
۶	**بدھ جی کے زمانہ کا ہندوستان** سیاسی حالت۔ اقتصادی حالت۔	۴۶ تا ۵۰
۷	**عہد موریہ سے قبل کا ہندوستان** مگدھ کی تاریخ۔ بمبسار سینک۔ اجات شترو۔ اُدائن۔ ششو ناگ خاندان ۶۴۲ ق م تا ۴۱۳ ق م۔ نند خاندان ۴۱۳ تا ۳۲۱ ق م **بیرونی حملے** (۱) فارس کا حملہ (۲) سکندر کا حملہ۔ حملہ کے اسباب۔ خاص واقعات حملہ کا اثر۔	۵۰ تا ۵۶
۸	**موریہ سلطنت۔ چندر گپت موریہ اور اشوک** چندر گپت موریہ کی ابتدائی زندگی۔ چندر گپت کی مملکت۔ چندر گپت کا انتظام حکومت۔ مرکزی حکومت۔ شہنشاہ۔ مجلس وزراء۔ صوبائی سرکار مقامی حکومت۔ فوجی انتظام۔ شہروں کا انتظام۔ آئین۔ سزا۔ سرکاری آمدنی۔ چندر گپت کی وفات۔ بندسار۔ امترگھات۔ اشوک۔ فتح کلنگ۔ اشوک کا مذہب۔ تبلیغ مذہب۔ اشوک کی زندگی۔ سلطنت کا زوال ۲۳۲ - ۱۸۴ ق م۔ عہد موریہ میں رعایا کی حالت۔	۵۷ تا ۷۵
۹	**موریوں کے بعد کا ہندوستان** شُنگ خاندان۔ کانو خاندان ۷۲ تا ۲۷ ق م۔ بیرونی حملے۔ شک گوندفر نیز۔ یوچی۔ کشان۔ کُجل اور ومیکڈ فنز۔ کنشک۔ کنشک کی مملکت۔ کنشک اور بدھ مذہب۔ کشان خاندان کا زوال۔	۷۵ تا ۸۲
۱۰	**جنوبی ہندوستان کی ریاستیں۔ ساتواہن خاندان۔** آندھر ساتواہن خاندان۔ ساتواہنوں کا زوال۔	۸۲ تا ۸۵
۱۱	**شنگ۔ ساتواہن عہد کی ہندوستانی زندگی۔**	۸۵ تا ۹۳

باب	مضامین	صفحہ
	معاشرتی حالت۔ اقتصادی حالت۔ مذہبی حالت۔ فنون۔ ادب	
۱۲	**گپت شہنشاہ۔ سمدر گپت اور چندر گپت وکرمادتیہ۔** گپت خاندان کا قائم ہونا۔ سمدر گپت۔ پراکرمانک۔ سمدر گپت کی فتوحات اشومیدھ یگ۔ سمدر گپت کی بزرگی۔ چندر گپت دوم وکرمادتیہ۔ چندر گپت دوم اور سلطنت کی وسعت۔ فتوحات کی اہمیت۔ کالی داس۔ فاہیان ۳۹۹ء و ۴۱۴ء۔ کمار گپت ۴۱۳ء سے ۴۵۵ء۔ ہونوں کا حملہ۔ گپت سلطنت کا زوال۔ انتظام حکومت۔ مذہبی حالت، علم و ادب۔ صنعت۔	۹۴ تا ۱۰۷
۱۳	**ہون۔ موکھر۔ وردھن۔** ہندوستان میں ہون۔ یشودھرمن۔ وردھن خاندان۔ ہرش وردھن۔ ۶۰۶ء سے ۶۴۷ء۔ ہرش کی لڑائیاں۔ ہرش کی سلطنت۔ ہرش کا انتظام حکومت۔ ہیون سانگ ۶۲۹ء سے ۶۴۴ء۔ رعایا کی حالت۔ ہرش کی سیرت۔	۱۰۷ تا ۱۱۶
۱۴	**قرونِ وسطیٰ سے قبل کا ہندوستان حکمران خاندان۔ راجپوتوں کا عروج** جنوبی ہند کے حکمران خاندان پلو۔ چالوکیہ۔ راشٹر کوٹ خاندان۔ شمالی ہند کی حالت۔ چوہان۔ پرمار۔ چندیل۔ چیدی کے کلچوری۔ سولنکی۔ کلیانی کے چالوکیہ۔ دیوگری کے یادو۔ دوار سمدر کے ہویسل۔ وارنگل کے کاکتیہ چول خاندان۔ پانڈیہ خاندان۔ چیر خاندان۔	۱۱۷ تا ۱۲۶
۱۵	**وسطیٰ زمانہ سے قبل ہندوستان کی تہذیب۔** معاشرتی زندگی۔ راجپوتوں کی ابتدا۔ راجپوتوں کی معاشرتی زندگی۔ ولیش۔ کچھ خاص رسم و رواج۔ اقتصادی زندگی۔ انتظام حکومت۔ علم و ادب اور صنعت و حرفت کی ترقی۔ مذہبی حالت۔ برہمن مذہب دیگر مذاہب۔	۱۲۶ تا ۱۳۷

باب	مضمون	صفحہ
۱۶	**عرب اور ہندوستان کے تعلقات** عرب کے خلیفہ اور سلطنت کی توسیع۔ عرب اور ہندوستان۔ محمد ابن قاسم کا حملہ ۷۱۲ء۔ عرب کا انتظامِ حکومت۔ حملہ کا اثر۔	۱۳۸ تا ۱۴۱
۱۷	**محمود غزنوی کے حملے۔** ترک اور اسلام۔ محمود غزنوی۔ محمود کے حملے۔ راجپوتوں کی شکست کے اسباب۔	۱۴۲ تا ۱۴۶
۱۸	**محمد غوری کے حملے** غزنوی سلطنت کا زوال۔ غور خاندان کی ترقی۔ محمد غوری کے ابتدائی حملے۔ محمد غوری اور پرتھوی راج۔ پرتھوی راج کی شکست محمد غوری اور جے چند۔ توسیع سلطنت ۱۱۹۴ء تا ۱۲۰۳ء۔ محمد غوری کی وفات۔ محمد غوری کے کاموں کی اہمیت۔	۱۴۶ تا ۱۵۴
۱۹	**مسلم سلطنت کی توسیع (۱) غلام خاندان۔** ۱۲۰۶ء میں ہندوستان کی حالت۔ قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۰ء۔ التمش ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء۔ التمش کے جانشین ۱۲۳۶ء تا ۱۲۴۶ء۔ ناصر الدین محمود ۱۲۴۶ء تا ۱۲۶۶ء۔ غیاث الدین بلبن ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۶ء۔ کیقباد ۱۲۸۶ء تا ۱۲۹۰ء۔ غلام خاندان کا یہ نام کیوں پڑا؟	۱۵۲ تا ۱۶۲
۲۰	**مسلم سلطنت کی توسیع (۲) خلجی خاندان۔** جلال الدین خلجی ۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۶ء۔ علاء الدین کی بغاوت اور جلال الدین کی وفات۔ علاء الدین کی تاجپوشی ۱۲۹۶ء۔ علاء الدین اور منگول۔ علاء الدین کی ابتدائی فتوحات اور اس کا حوصلہ۔ شمالی ہند کی فتح۔ دیوگری ۱۳۰۷ء۔ وارنگل ۱۳۰۹ء۔ دوارسمدر ۱۳۱۱ء۔	۱۶۳ تا ۱۷۰

باب	مضامین	صفحہ

پانڈیہ ۱۳۱۱ء۔ شنکر دیو یادو کی بغاوت ۱۳۱۲ء۔ علاؤ الدین کا انتظام حکومت۔ فوجی تنظیم۔ بازار کا انتظام۔ سرکاری آمدنی۔ مسلمان امیروں کے خلاف قانون۔ سزائیں۔ علاؤ الدین کی وفات۔ علاؤ الدین کی سیرت اور اس کی بزرگی۔ قطب الدین مبارک شاہ ۱۳۱۶-۲۰ء۔ ناصر الدین ۱۳۲۰ء خسرو۔

۲۱ مسلم سلطنت کی وسعت (۳) تغلق خاندان۔ ۱۷۸ تا ۱۹۲

غیاث الدین تغلق۔ انتظام حکومت۔ بغاوت کا فرو ہونا۔ سلطان کی وفات ۱۳۲۵ء۔ غیاث الدین اور نظام الدین اولیاء۔ محمد تغلق ۱۳۲۵ء ۱۳۵۱ء۔ انتظام حکومت۔ دارالسلطنت کی تبدیلی۔ سکوں میں اصلاح خراسان اور ہماچل پر حملے۔ بغاوت۔ محمد تغلق کی ناکامیابی کے اسباب۔ فیروز تغلق۔ فیروز کے ابتدائی کارنامے۔ فوجی ناقابلیت۔ فوجی تنظیم۔ سرکاری آمدنی میں اضافہ۔ فیروز کے دیگر کام۔ فیروز کے جانشین۔ تیمور کا حملہ۔ تیمور کا واپس جانا۔ تغلق خاندان کے زوال کے اسباب۔

۲۲ سید خاندان ۱۹۳ تا ۱۹۹

بدنظمی پھیلنے کے اسباب۔ صوبائی ریاستوں کی ابتداء۔ صوبائی ریاستوں کا اثر۔ خضر خاں سید۔ مبارک شاہ ۱۴۲۱ء ۱۴۳۴ء۔ عالم شاہ۔

۲۳ لودی خاندان۔ سکندر لودی۔ ۱۹۸ تا

بہلول لودی ۱۴۵۱ء۔ ۱۴۸۸ء۔ باغیوں کا فرو ہونا۔ جون پور کی فتح بہلول کی طرز حکومت۔ سکندر لودی ۱۴۸۸ء۔ ۱۵۱۷ء۔ ابراہیم لودی ۱۵۱۷ء۔ ۱۵۲۶ء۔ خاتمہ۔

۲۴ مغل سلطنت کا قائم ہونا۔ بادشاہ بابر ۲۰۴ تا ۲۱۲

مغل کون تھے؟ بابر کا بچپن۔ بابر کے والد کی وفات۔ بابر کا کابل پر قبضہ۔

باب | مضامین | صفحہ

بابر کے حملہ کے وقت ہندوستان کی حالت۔ بابر کے ابتدائی حملے۔ پنجاب پر قبضہ۔ پانی پت کی لڑائی۔ بابر کی فتح کے اسباب۔ مغل سلطنت کا قائم ہونا۔ بابر اور رانا سانگا۔ کنواہ کی جنگ ۱۵۲۷ء۔ بابر کی دیگر فتوحات۔ بابر کا انتظام حکومت۔ بابر کی وفات۔ بابر کی سیرت

۲۵ ہمایوں اور شیر شاہ۔ ۲۱۲ تا ۲۱۸

ہمایوں کی تاجپوشی۔ ابتدائی کامیابی۔ زوال کی ابتداء۔ شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء۔ شیر شاہ کے کام کی اہمیت۔ سور خاندان کا زوال۔

۲۶ مغل سلطنت کی توسیع اور تنظیم۔ (۱۵۵۶ء تا ۱۷۰۷ء) ۲۱۸ تا ۲۴۳

اکبر اور بیرم خاں ۱۵۵۶ء تا ۱۵۶۰ء۔ اکبر کی توسیع سلطنت کی نئی تجویز اکبر اور توسیع سلطنت۔ سرحدی پالیسی اور سلطنت کی توسیع ۱۵۸۱ء تا ۱۵۹۸ء۔ کابل پر قبضہ۔ یوسف زائیوں اور روشنیوں کا فرو ہونا۔ فتح کاشمیر۔ بلوچستان اور قندھار۔ فتح اڑیسہ ۱۵۹۲ء فتح دکن ۱۵۹۶ء تا ۱۶۰۱ء۔ اکبر کی مملکت۔ فتح میواڑ ۱۶۱۴ء۔ جہانگیر کی دیگر فتوحات ۱۶۱۷ء تا ۱۶۲۱ء۔ قندھار کا ہاتھ سے نکلنا ۱۶۲۲ء۔ شاہجہان اور توسیع سلطنت اورنگ زیب اور سلطنت کی انتہائی وسعت۔ سلطنت کی تنظیم۔ اکبر کا انتظام حکومت۔ فوجی تنظیم۔ اقتصادی۔ اصلاح۔ سترھویں صدی کی تبدیلیاں۔ طرز حکومت میں تبدیلی۔ بغاوت۔ خاتمہ۔

۲۷ مغل سلطنت کا زوال۔ ۲۴۳ تا ۲۵۱

شاہجہان کی حکمت عملی۔ اورنگ زیب کی حکمت عملی کا برا نتیجہ۔ نا قابل جانشین۔ امیروں کی گروہ بندیاں۔ بیرونی حملے۔ سلطنت کے زوال کے خاص اسباب۔

صفحہ	مضامین	باب
۲۵۱ تا ۲۶۲	**مرہٹوں کا عروج۔** شواجی کی ولادت ۱۶۲۷ء تعلیم۔ تربیت۔ شواجی کے زمانہ میں مرہٹوں کی حالت۔ شواجی کا مقصد۔ شواجی کا کام۔ شواجی کا انتظام حکومت۔ شواجی کی سیرت اور اس کی بزرگی۔ پیشواؤں کا عروج۔ بالاجی وشوناتھ ۱۷۱۳-۲۰ء۔ باجی راؤ اول ۱۷۲۰-۴۰ء۔ بالاجی باجی راؤ ۱۷۴۰-۶۱ء۔ پانی پت کی تیسری لڑائی ۱۷۶۱ء۔	۲۸
۲۶۲ تا ۲۶۸	**سکھوں کی تاریخ۔** گرو نانک۔ گرو ارجن اور جہانگیر۔ گورو ہرگوبند۔ سنگھ مغلوں سے لڑائی ۱۷۰۸ء۔ ۱۷۶۴ء۔	۲۹
۲۶۸ تا ۲۸۱	**زمانۂ وسطیٰ میں ہندوستان کی تہذیب اور صنعت و حرفت۔** سیاسی حالت۔ اقتصادی حالت۔ معاشرتی حالت۔ علم و ادب کی ترقی۔ صنعت و حرفت کی ترقی (۱) موسیقی۔ (۲) فنِ تعمیر (۳) مصوری (۴) دیگر فنون۔	۳۰
۲۸۲ تا ۲۹۴	**کرناٹک کی لڑائیاں اور انگریزوں کی فتوحات** ایسٹ انڈیا کمپنی کی ترقی۔ فرانسیسی کمپنی کی حکمتِ عملی۔ اٹھارہویں صدی میں جنوبی ہند کی حالت۔ کرناٹک کی لڑائیاں۔ پہلی لڑائی ۱۷۴۶-۴۸ء۔ دوسری لڑائی ۱۷۴۸-۵۴ء۔ ارکاٹ کا محاصرہ۔ ڈوپلے کے کام کی تنقید۔ تیسری لڑائی ۱۷۵۶-۶۳ء۔ انگریزی کمپنی کی کامیابی کے اسباب۔	۳۱
۲۹۴ تا ۳۰۰	**بنگال کی آزادی اور نوابی کا خاتمہ۔** بنگال کی نوابی۔ نواب سراج الدولہ اور انگریز سوداگر۔ انگریزوں کا بنگال سے اخراج۔ کلائیو کا بنگال پر حملہ۔ سراج الدولہ کے خلاف سازش۔	۳۲

باب	مضامین	صفحہ

پلاسی کی لڑائی۔ امی چند کی وفات۔ کلائیو اور میر جعفر ۱۷۵۷ء تا ۱۷۶۰ء۔
بیرونی حملہ۔ کلائیو کے کام کی اہمیت۔ میر قاسم کا نواب ہونا ۱۷۶۰ء۔ میر قاسم
کا زوال۔ بکسر کی لڑائی۔ کلائیو کا دوبارہ بنگال کا گورنر ہونا۔ الٰہ آباد
کی صلح ۱۷۶۵ء۔ کلائیو کی اصلاحیں۔ بنگال کی نوابی کا خاتمہ۔

۳۳ کمپنی کی سلطنت کی توسیع۔ ۳۰۷ تا ۳۴۰
۱۷۷۲ء میں کمپنی کی حالت۔ ۱۷۷۲ء کی سیاسی حالت۔ کمپنی کی سلطنتی
حکمتِ عملی۔ کمپنی اور مرہٹے ۱۷۷۵ء تا ۱۸۱۸ء۔ (۱) پہلی لڑائی (۲)
مرہٹوں میں نفاق اور بسین کی صلح (۳) مرہٹوں کی دوسری لڑائی۔
(۴) مرہٹوں کی تیسری لڑائی (۵) مرہٹوں کی چوتھی لڑائی اور پیشوائی
کا خاتمہ (۶) مرہٹوں کے زوال کے اسباب۔ میسور سے جنگ ۱۷۸۰ء
تا ۱۷۹۹ء۔ امدادی صلح کا سلطنت کی توسیع پر اثر۔ گورکھوں کی لڑائی
۱۸۱۴ء تا ۱۸۱۶ء۔ برما کی فتح ۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۶ء (۱) پہلی لڑائی
۱۸۲۴-۲۶ء۔ (۲) دوسری لڑائی ۱۸۵۲ء۔ (۳) تیسری لڑائی ۱۸۸۵ء تا
۱۸۸۶ء۔ فتح سندھ ۱۸۴۳ء۔ پنجاب پر قبضہ ۱۸۴۵ء تا ۱۸۴۹ء۔
پہلی لڑائی ۱۸۴۵-۴۶ء۔ دوسری لڑائی ۱۸۴۸-۴۹ء دوسری
ریاستوں کا شامل ہونا۔

۳۴ برٹش انتظامِ حکومت میں اصلاحات (۱۷۷۴ء تا ۱۸۵۷ء) ۳۴۰ تا ۳۶۲
ترقی کے ذرائع۔ پٹ کا انڈیا بل ۱۷۸۴ء تا ۱۷۸۶ء کا ایکٹ۔ چارٹر ایکٹ
۱۸۱۳ء۔ چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء۔ چارٹر ایکٹ ۱۸۵۳ء۔ انتظام
حکومت میں اصلاحیں۔ وارن ہیسٹنگز کی اصلاحیں۔ کارنوالس کی اصلاحیں
سول سروس کی اصلاحیں۔ عدالتوں کی اصلاحیں۔ استمراری بندوبست
۱۷۹۳ء۔ فائدہ۔ نقصان۔ ہیسٹنگز کی اصلاحیں۔ محکمۂ

باب | مضامین | صفحہ

عدل۔ لگان اراضی تعلیم۔ امن اور خوش انتظامی، پنڈاریوں کا فرو ہونا۔ پٹھان۔ دیگر سردار اور جاگیردار۔ لارڈ ولیم بینٹنگ ۱۸۲۸-۳۵ء اقتصادی اصلاحیں۔ عدالتوں میں اصلاحیں۔ پولیس۔ معاشرتی اصلاحیں اور رسم ستی۔ ٹھگی۔ دختر کشی۔ غلاموں کی تجارت اور شادی کا خاتمہ۔ تعلیمی اصلاحیں۔

۳۵ — ۱۸۵۷ء کا غدر اور کمپنی کا خاتمہ۔ — ۳۶۳ تا ۳۷۱

۱۸۵۷ء کا غدر۔ سیاسی اسباب۔ مذہبی و معاشرتی اسباب۔ فوجی اسباب۔ غدر کی ابتداء۔ لکھنؤ، کانپور۔ جھانسی۔ سرکار کے مددگار۔ بغاوت کا فرو ہونا۔ ملکہ معظمہ کا اعلان۔ غدر کی ناکامیابی کے اسباب۔ بغاوت سے فائدے۔ کیننگ کے زمانہ کے اور کام۔

۳۶ — ہندوستان کی حدود کی حفاظت اور بیرونی حکمت عملی۔ — ۳۷۱ تا ۳۸۰

سرکار ہند کی افغان پالیسی۔ لارڈ میو۔ لارڈ نارتھ بروک اور امیر کی بے اطمینانی لارڈ لٹن اور افغانوں کی دوسری جنگ۔ گنڈمک کی صلح۔ افغانوں کی تیسری لڑائی۔ عبدالرحمٰن کی حکومت۔ لارڈ کرزن۔ امان اللہ بھوٹان تبت۔ فارس۔ دیگر ممالک۔

۳۷ — آئین حکومت کی تاریخ اور صوبائی سوراج — ۳۸۱ تا ۳۹۲

ملکہ معظمہ کا اعلان ۱۸۵۸ء۔ انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۹۲ء۔ مارلے منٹو اصلاحیں (۱۹۰۹ء) مانٹیگیو چیمسفورڈ اصلاحیں ۱۹۱۹ء۔ ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔ کرپس کی تجویز اور شملہ کانفرنس۔

۳۸ — محکمہ انصاف۔ پولیس و سرکاری نوکریاں۔ — ۳۹۲ تا ۳۹۷

۳۹ — تعلیمی اداروں کی ترقی۔ — ۳۹۷ تا ۴۰۲

تعلیمی اصلاحوں کی تاریخ۔ محکمہ تعلیم۔ صوبائی حاکم۔ صوبائی تعلیم۔ ادارے

باب	مضامین	صفحہ
	موجودہ حالت ۔ ضروری اصلاحیں ۔	
	مقامی سوراج	۴۰۲ تا ۴۰۷
	مقامی سوراج کا مطلب	
۳۱	**رائے عامہ کی تنظیم**	۴۰۸ تا ۴۲۲
	رائے عامہ کی ابتداء ۔ البرٹ بل ۔ کانگریس کی بنیاد پڑنا ۔ پہلے اجلاس کے کارنامے ۔ ۱۸۹۲ء کی اصلاحیں ۔ بنگال کی تقسیم ۱۹۰۵ء ۔ گرم پارٹی کی ترقی ۔ سورت کانگریس ۔ مارلے منٹو اصلاحیں لکھنؤ کانگریس ۱۹۱۶ء ۔ ۱۹۱۹ء کی اصلاحیں ۔ تیسری عدم تعاون کی تحریک ۔ صوبائی سوراج ۔ موجودہ جنگ ۔ دوسری پارٹیاں ۔ موجودہ حالت ۔ ۱۹۳۹ء ۔ ۱۹۴۵ء ۔	
۳۲	**معاشرتی و اقتصادی ترقی ۔**	۴۲۳ تا ۴۴۲
	موجودہ زمانہ ۔ برہمو سماج ۱۸۳۰ء ۔ آریہ سماج ۱۸۷۵ء ۔ دیگر ادارے وہابی و احمدیہ تحریکیں ۔ ہریجن تحریک ۔ عورتوں کی حالت ۔ عوام کی صحت ۔ اقتصادی حالت ۔ زراعت ۔ کپڑے کا کاروبار اور پتلی گھر ۔ چرخہ سنگھ ۔ لوہے اور کوئلے کا کاروبار ۔ دیگر ذرائع معاش ۔ معدنیات ۔ ذرائع آمد و رفت ۔ تار ۔ ڈاک ۔ ریڈیو ۔ بینک ۔ تنظیم مابعد جنگ کی تجویزیں ۔ خاتمہ ۔	
	ضمیمہ ۱ ۔ شجرے ۔	۴۴۳ تا ۴۵۲
	ضمیمہ ۲ ۔	۴۵۳ تا ۴۵۶

پہلا باب

سرزمین ہند اور اس کے باشندے

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے یہ شمال سے جنوب تقریباً ۲۰۰۰ میل اور مغرب سے مشرق ۲۵۰۰ میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی وسعت کی وجہ سے کچھ لوگوں نے تو اسے برّاعظم تک کہہ ڈالا ہے۔ لیکن اس کے حدود اتنے واضح ہیں کہ یہ برّ اعظم ایشیا کے دوسرے حصّوں سے بالکل جُدا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہاں کے باشندوں کی زندگی ایک عجیب طریقہ کی رہی ہے۔ اور ان کے رسم و رواج اور معاشرتی حالات دوسروں سے مختلف لیکن ملک کے سب ہی حصّوں میں اکثر یکساں رہے ہیں۔ ہمارے ملک کی نصف سرحد کوہ ہمالیہ اور اس کے کوہستانی سلسلے بناتے ہیں اور نصف بحرِ ہند اور اس سے ملے ہوئے چھوٹے سمندر۔

قدرتی لحاظ سے ہم اپنے ملک کو مندرجہ ذیل حصّوں میں منقسم کر سکتے ہیں:۔

۱۔ ہمالیہ کا کوہستانی سلسلہ اور اس کی ترائی۔

۲۔ سندھ اور گنگا کا ہموار نشیبی میدان۔

۳۔ تھار اور سندھ کا ریگستان۔

۴۔ وندھیاچل کا کوہستانی سلسلہ (۵) دکن کا پٹھار اور

۶۔ سمندر کے کنارے کے تنگ زرخیز میدان۔

ہمالیہ کا کوہستانی سلسلہ

کوہ ہمالیہ ہمارے ملک کے قدرتی حسن کو ہی نہیں بڑھاتا۔ بلکہ کئی لحاظ سے بہت مفید بھی ہے۔ ہمارے یہاں شمالی ہند میں جتنی بارش ہوتی ہے وہ

اکثر موسمی ہواؤں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ ہوائیں خلیج بنگال سے بھاپ کی شکل میں پانی لے کر شمال مغرب کی طرف چلتی ہیں۔ کوہ ہمالیہ ان کو روک لیتا ہے اور ان کا سب پانی ہمارے ملک میں برس جاتا ہے وہی پانی سندھ۔گنگا کے میدان کو سرسبز بناتا اور لاتعداد دریاؤں کو جاری کرتا ہے۔ یہی پہاڑ ایک مضبوط دیوار کی طرح غیر ملکی لوگوں کو یہاں آنے سے روکتا ہے۔ اسی کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف گرمی میں پگھل کر گنگا۔سندھ۔برہم پتر اور ان کے معاون دریاؤں کو خشک نہیں ہونے دیتی۔

ہمالیہ کی ترائی میں بے مثل حسین قدرتی مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی سیاح ان مناظر کو آنکھ بھر کر دیکھنے کے لئے ہزار ہا میل کی مسافت طے کرتے اور بے انتہا دولت صرف کرتے ہیں۔ وہ یہاں آکر خوبصورت جھیلوں اور ان میں کھلے رنگ برنگ کے کنول کے پھولوں کو دیکھ کر مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ خوبصورت پرندوں کو دیکھ کر اور ان کی خوش الحانیاں سن کر وہ اپنی زندگی پر فخر کرتے ہیں۔ انہیں ترائیوں میں تناور درختوں سے بھرے ہوئے گھنے جنگل ہیں ان کی لکڑی ہمارے بہت کام کی ہے۔ انھیں جنگلوں میں پوشیدہ جنگلوں جانور بہادر آدمیوں کو شکار کا لطف حاصل کرنے کا موقع دیتے ہیں۔

سندھ۔گنگا کا میدان

ہمالیہ کی ترائی سے ملا ہوا ایک ہموار چورس میدان ہے اس میں بڑی زرخیز مٹی بھری پڑی ہے اس مٹی کو لاکھوں برس سے ہمالیہ سے نکلنے والے دریا ڈھوتے رہے ہیں۔ ان ہی کے پانی سے اس میدان کے کھیتوں کی آبیاری ہوتی ہے۔ اس میں آبادی بہت گنجان ہے۔ اکثر سب ہی قسم کے اناج اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ پنجاب، صوبۂ متحدہ، بہار اور بنگال اس میدان

کے خاص حصے ہیں۔ ہندوستان کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اسی حصہ میں بڑی بڑی سلطنتیں بنی اور بگڑی ہیں۔ یہیں پر بڑے بڑے مہاتماؤں نے نئے نئے مذہبوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہیں کے لوگوں کی دولت مندی کے سبب سے غیر ملک والے ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا کرتے تھے۔ زراعت اور صنعت و حرفت میں کافی ترقی ہونے پر اس کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مالدار اور خوشحال حصوں میں ہوگا۔

گنگا۔ سندھ کے میدان اور وندھیاچل کے کوہستانی سلسلہ کے درمیان

تھار اور سندھ کا ریگستان

کچھ حصہ ایسا ہے۔ جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے اس سبب سے یہ حصہ ریگستان ہوگیا ہے۔ اس میں سندھ اور راجپوتانہ کا بہت سا حصہ آتا ہے۔ سندھ کے ریگستان کو زرخیز بنانے کے لئے سکھر کا بند باندھا گیا ہے۔ لیکن راجپوتانہ کی اصلاح کی کوشش ابھی تک نہیں کی گئی۔ راجپوتانہ کے لوگ اکثر بڑے محنتی اور بہادر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اپنی معاش حاصل کرنے کے لئے بہت سی ترکیبیں کرنی پڑتی ہیں۔

شمالی ہند کے میدان اور جنوبی ہند کے پٹھار کو علیحدہ کرنے

وندھیاچل کا کوہستانی سلسلہ

والا کوہ وندھیاچل ہے۔ یہ مغرب میں بحر عرب سے لے کر مشرق میں خلیج بنگال تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ کہیں پر بھی بہت اونچا نہیں ہے۔ لیکن اس کا زیادہ تر حصہ جنگلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس لئے شمال سے جنوب کو جانے میں یہ کافی رکاوٹ ڈالتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں یہ بہت ہی اونچا تھا۔ اور اس کی وجہ سے شمالی اور جنوبی ہندوستان میں کوئی میل نہیں ہونے پاتا تھا۔ ایک بار خوفناک زلزلہ آنے کی وجہ سے وندھیاچل کا کوہستانی سلسلہ نیچا ہوگیا۔ اور شمال کا

میدان آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھ گیا ۔ وندھیاچل کے پہاڑی علاقہ میں آج تک جنگلی قومیں رہتی ہیں جو کہ تہذیب میں بہت پچھڑی ہوئی ہیں ۔

دکھن کا پٹھار

ہندوستان کا سب سے قدیم حصّہ دکھن کا پٹھار ہے ۔ شمالی ہندوستان بہت بعد میں سمندر کے اندر سے نکل کر اُوپر آیا ہے ۔ جنوبی پٹھار کی شکل سنگھاڑے کی سی ہے ۔ اس کے تینوں طرف پہاڑوں کی ایک دیوار سی ہے ۔ شمال میں وندھیاچل اور اس کی شاخیں ۔ مغرب میں مغربی گھاٹ ۔ مشرق میں مشرقی گھاٹ ۔ مغربی گھاٹ ۔ اور مشرقی گھاٹ کی وجہ سے یہاں بارش بھی کچھ کم ہوتی ہے ۔ اس لیے زمین اتنی زرخیز نہیں ہے جتنی کہ شمالی ہندوستان میں ۔ لیکن ریگر نام کی کپاس کی کالی مٹی یہاں خوب ملتی ہے ۔ اس پٹھار کا ڈھال مشرق کی جانب ہے اور سب ہی دریا مغربی گھاٹ سے نکل کر مشرقی گھاٹ کو پار کرتے ہوئے خلیج بنگال میں گرتے ہیں ۔ گوداوری ۔ کرشنا اور کاویری ان میں خاص ہیں ۔ اس پٹھار کا شمالی مغربی حصّہ جو مہاراشٹر کے نام سے مشہور ہے ۔ قلعے بنانے کے لئے بہت ہی اچھا ہے ۔ اس لئے یہاں کے باشندے اکثر آزاد رہے ہیں ۔ ان میں ہمّت ، جوش اور محنت کرنے کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ۔

سمندر کے کنارے کے میدان

مشرقی گھاٹ ، مغربی گھاٹ اور سمندر کے درمیان دو تنگ زرخیز میدان ہیں ۔ مغرب کی جانب کے میدان کے شمالی حصّہ کو کونکن اور جنوبی حصّہ کو مالابار کہتے ہیں ۔ ان میدانوں میں آبادی خوب گنجان ہے ۔ یہاں مصالحہ ، ناریل وغیرہ کی اچھی پیداوار ہوتی ہے ۔ اس حصّہ میں کئی چھوٹے بڑے بندرگاہ بھی ہیں ۔ جن میں بمبئی سب سے خاص ہے ۔ یہاں کے باشندے

اچھے ملاح بھی ہوتے ہیں۔ بار بردار جہازوں کا کام یہاں بہت بڑھایا جاسکتا ہے۔ مشرقی سمندر کے کنارے کے میدانوں کو شمال میں کلنگ اور جنوب میں چول منڈل یا کارومنڈل کہتے ہیں۔ اس طرف دریاؤں کے ڈیلٹے بہت زرخیز حصے ہیں۔ لیکن سمندر کا کنارہ ایسا ہموار ہے کہ اس میں اچھے بندرگاہ بنانا مشکل ہے۔ اس طرف مدراس کا بندرگاہ بہت روپیہ خرچ کر کے تیار کیا گیا ہے۔

سرزمین ہند کی کچھ خصوصیات

ہمارے ملک کا زیادہ تر حصہ منطقہ معتدلہ میں ہے۔ اس میں نہ تو یہاں بہت گرمی ہی پڑتی ہے نہ بہت ٹھنڈک۔ لیکن اس کے مختلف حصوں کی آب و ہوا میں کافی فرق ہے۔ شمال کا پہاڑی ملک اتنا ٹھنڈا ہے کہ وہاں پر لوگ گردن میں انگیٹھی لٹکائے رہتے ہیں۔ جاڑے میں خوب برف گرتی ہے اور موسم گرما میں بھی دھوپ کبھی ناقابل برداشت نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے برخلاف صوبۂ سندھ میں یعقوب آباد کے آس پاس کا حصہ اتنا گرم ہو جاتا ہے کہ گرم سے گرم ملک کا مقابلہ کرنے لگتا ہے۔ اس ملک میں دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ، سب سے زرخیز میدان، اور سب سے زیادہ پاک و صاف پانی والا دریائے گنگا موجود ہیں۔ اس میں ایک طرف دنیا کا سب سے زیادہ بارش والا ملک آسام ہے اور دوسری طرف سندھ۔ راجپوتانہ کا ریگستان۔ اس ملک میں اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ پیدا ہوتا ہے۔ شکر کے لئے نیشکر، اور کپڑوں کے لئے اون اور سوت بھی کم نہیں ہے اور جوٹ کی پیداوار میں تو ہندوستان کو سب ملکوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس میں لوہا۔ کوئلہ اور ابرک وغیرہ بھی خوب ملتا ہے۔ دریاؤں کے پانی سے آبپاشی کی نہریں اور کارخانے چلانے کے لئے بجلی گھروں کے بنانے میں بھی

آسانی ہے۔ اس لئے یہ ملک دنیا کے بہترین حصّوں میں سے ایک ہے۔

ہمارے ملک کے باشندے

دوسرے ملکوں کی طرح ہمارے ملک میں بھی لوگ کسی ایک ہی نسل یا ذات کے نہیں ہیں۔ علماء نے بنی نوع انسان کو رنگ، ناک اور سر کی بناوٹ کے اعتبار سے کئی حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے خاص ذاتیں جن کا خون ہمارے ملک کے باشندوں کی رگوں میں رواں ہے، پانچ ہیں۔ وہ ہیں۔ آگنے، حبشی، دراوڑ، آریہ اور منگول۔ آگنے ذات کے لوگوں کی اولاد آج کل بھی جزیرۂ نکوبار میں رہتی ہے۔ یہ پست قد، بھدّی شکل اور کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ممالک متوسطہ میں رہنے والے کول سنتھال اور منڈ اور آسام کے خاصی ذات کے لوگ بھی انہی کی نسل سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان بھی الگ ہے۔ اس ذات کا کچھ خون دراوڑ اور آریہ قوم کے لوگوں میں بھی شامل ہو گیا ہے۔ اور اس طرح کے مل جانے والے لوگ زیادہ مہذب ہیں۔

حبشی قوم کے لوگ ہندوستان کے باہر افریقہ میں سب سے زیادہ رہتے ہیں۔ کچھ عالموں کی رائے ہے کہ جزیرۂ انڈمن کے کالے پست، بھدّی شکل اور خوب گھنے بالوں والے لوگ انہیں کی اولاد سے ہیں۔ ہندوستان کے دیگر حصّوں میں ان کے خاندان والوں کا اب کوئی پتہ نہیں چلتا۔

دراوڑ قوم کے لوگ گندمی رنگ، اوسط قد، لمبا سر اور اچھی شکل وصورت کے ہوتے ہیں۔ جنوبی ہند میں اکثر دراوڑ ہی رہتے ہیں۔ شمالی ہند کے باشندوں میں بھی ان کا خون کافی ملا ہوا ہے۔ کیونکہ ایک زمانہ ایسا تھا جبکہ کل ہندوستان پر انہیں کا قبضہ تھا۔

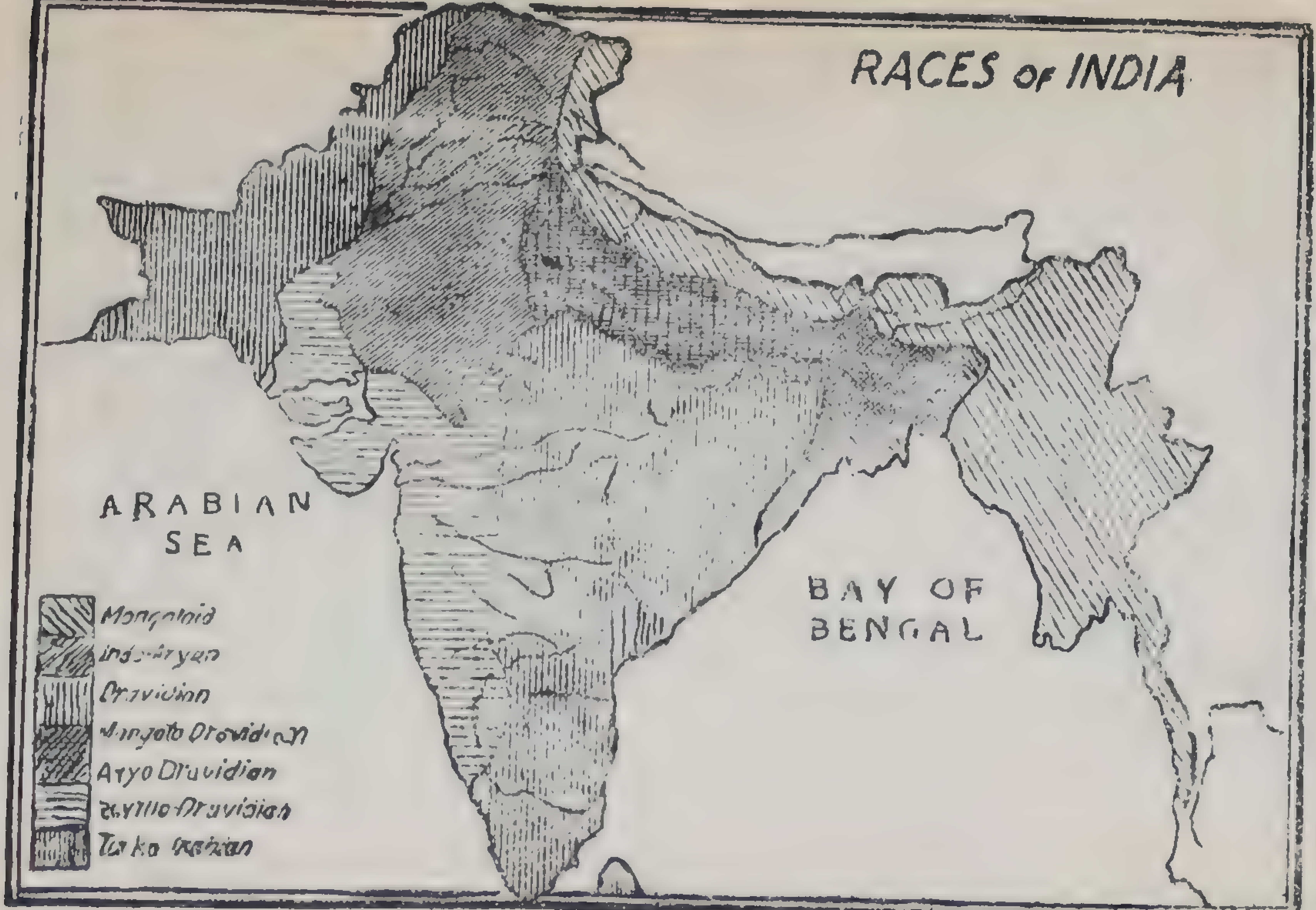
RACES of INDIA
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL
Mongoloid
Dravidian
Aryo Dravidian

منگول قوم کے لوگ زرد رنگ، چوڑا منہ، چپٹی ناک، کچھ پست قد،
اور پتلی آنکھ والے ہوتے ہیں۔ ان کے داڑھی مونچھ بھی بہت کم ہوتی ہے۔
ہمارے ملک میں یہ قوم اپنی اصلی شکل میں بہت کم ملتی ہے۔ آسام اور
ہمالیہ کی شمالی ترائی میں اس قوم کے لوگ کچھ زیادہ تعداد میں ہیں۔
لیکن نیپال، بنگال، آسام، گڑھوال اور کمایوں کے عام باشندوں
میں بھی ان کا خون کافی شامل ہے۔

آریہ قوم کے لوگ لمبے قد، گورے رنگ، لمبی ابھری ہوئی ناک حسین
شکل اور لمبے سر والے ہوتے ہیں۔ پنجاب، راجپوتانہ اور کاشمیر میں اس
قوم کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ممالک متحدہ، بہار، صوبۂ متوسط
گجرات، مالوا وغیرہ کے باشندوں میں بھی ان کا کافی جزو شامل
ہے۔

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ہندوستان کے قدرتی حصوں کا مختصر حال بیان کرو۔

۲۔ ہمارے ملک میں کن کن نسلوں کے لوگ پائے جاتے ہیں اور کہاں؟

دُوسرا باب

آریوں سے پہلے کی تہذیب

آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے کی تہذیب کی تاریخ ہمیں بہت کچھ معلوم ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں اس سے لاکھوں سال پہلے ہی لوگ رہنے لگے تھے۔ زیادہ علماء کی رائے ہے کہ ہندوستان کے سب سے قدیمی باشندے بھی کہیں باہر ہی سے آئے تھے۔ ہندوستان میں بنی نوع انسان کی ابتدا نہیں ہوئی۔ جن لوگوں کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلومات خاص ہیں۔ وہ پتھر کے زمانہ کے باشندے کہے جاتے ہیں۔

پتھر کا زمانہ

جس وقت انسان بالکل جنگلی اور جاہل تھا۔ اس وقت وہ پتھر کے ہتھیاروں اور اوزاروں کا استعمال کرتا تھا۔ یہ ہتھیار شکار کرنے کے کام میں آتے تھے۔ جس پتھر کا یہ استعمال کرتے تھے وہ کھرکھرا اور کمزور ہوتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ پتھر کے ہتھیاروں کی مدد سے ہی اپنی معاش حاصل کرتے تھے۔ اس لئے ان کو پتھر کے زمانہ کا باشندہ کہتے ہیں۔ پتھر کے زمانہ کے باشندوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا پتھر کا دور۔ اور جدید پتھر کا دور۔

پہلے پتھر کے دور کے باشندے ناٹے قد، کالے رنگ، بھدی شکل اور گھنے بال والے لوگ تھے۔ کچھ عالموں کی رائے ہے کہ وہ حبشی نسل کے تھے۔ ان کی خوراک جنگلی پھل اور جڑیں، شکار کئے ہوئے جانوروں کا گوشت اور دریاؤں اور تالابوں سے پکڑی ہوئی مچھلیاں تھیں۔ شاید یہ آگ جلانا جانتے تھے۔ مگر اس بات کا کوئی پختہ ثبوت نہیں کہ وہ لوگ اپنا کھانا پکا کر کھاتے تھے یا کچّا۔ ان کا لباس بہت ہی سادہ تھا۔

وہ اکثر لمبی پتیاں، درختوں کی چھال یا چمڑے کے ٹکڑے کمر کے نیچے باندھ لیتے تھے۔ اور باقی جسم ننگا رکھتے تھے۔ ابھی انہوں نے ایک جگہ خاندان بنا کر رہنا نہیں سیکھا تھا۔ پہاڑوں کے غار۔ بڑے درختوں کا سایہ یا ان کی شاخیں ہی ان کے گھر تھے۔ اور ان گھروں کو وہ برابر بدلتے رہتے تھے۔ انہیں غاروں میں ان کے کچھ ہتھیار ملے ہیں۔ ہمارے ملک میں اس زمانہ کے لوگوں کے ہتھیار مدراس، گنٹور اور گڑاپا ضلعوں میں ملے ہیں۔ جس پتھر کا استعمال یہ لوگ کرتے تھے۔ وہ گڑاپا اور مدراس میں خوب ملتا ہے۔ اس سبب سے اس حصہ کو 'پہلے پتھر کے دور' کے لوگوں کے رہنے کا مقام کہتے ہیں۔

آہستہ آہستہ بنی نوع انسان نے تہذیب کی ایک اور منزل طے کی۔ اب وہ زیادہ چکنے اور مضبوط پتھر کے نوکیلے اور چمکدار ہتھیار بنانے لگے۔ اس زمانہ کو 'جدید پتھر کا دور' کہتے ہیں۔ ہندوستان میں اس کا رواج غیر ملک والوں کے آنے سے ہوا۔ اس نئی ذات کے لوگ غالباً آسٹریلیا، نکوبار کی طرف سے ہندوستان میں آئے۔ یہ کافی تہذیب یافتہ تھے۔ ان کے ہتھیار مختلف قسم کے تھے۔ اور زیادہ مہلک چوٹ پہنچاتے تھے۔ جس پتھر کا استعمال ان لوگوں نے کیا ہے، وہ جنوبی ہند میں بلاری ضلع میں بہت ملتا ہے۔ وہیں پر ان کے ہتھیار بہت بڑی تعداد میں ملے ہیں۔ لیکن اس دور کے ہتھیار ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی کافی تعداد میں پائے گئے ہیں۔ صوبہ متحدہ میں مرزاپور اور غازی پور کے ضلعوں میں بھی ایسے بہت سے ہتھیار دستیاب ہوتے ہیں۔

اس زمانہ کے لوگ کافی مہذب ہو گئے تھے۔ ان کے ہتھیاروں کے دیکھنے سے ان کی کاریگری کا پتہ چلتا ہے۔ بہت سے ہتھیاروں میں

وہ دانت بنلتے تھے ان کو گھسکر وہ چکنا اور تیز کرتے تھے۔ اور مختلف حالتوں کے مطابق طرح طرح کے ہتھیار تیار رکھتے تھے۔ وہ خاندان بنا کر مقررہ مقامات پر رہنے لگے تھے۔ گھر کے کاموں کے لئے وہ مٹی کے برتن بھی بناتے تھے۔ جو کہ چاک کی مدد سے تیار کرتے تھے۔ ان کے کچھ برتن کافی چکنے اور خوبصورت تھے۔ ایک مقام پر رہنے کی وجہ سے وہ مویشی پالنا اور کھیتی کرنا بھی سیکھ گئے تھے۔ آگ کا استعمال وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ یہ اپنے مردوں کو پتھروں کی قبروں یا مٹی کے برتنوں میں دفن کرتے تھے۔ مردوں کے ساتھ قبر میں ہتھیار اور غلہ بھی رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جسم برباد ہونے پر بھی روح رہتی ہے۔ یہ لوگ شکار کو تفریح کا بھی ذریعہ سمجھتے تھے۔ مرزاپور اور دوسرے مقاموں میں ان کی کچھ تصویریں ملی ہیں جن میں انہوں نے شکار میں مشغول لوگوں کی تصویر کھینچی ہے۔ تصویروں سے ان کی صنعت وحرفت کا شوق بھی ظاہر ہوتا ہے۔

دھات کا زمانہ

جدید پتھر کے دور کے باشندوں نے آہستہ آہستہ یہ تجربہ کیا، کہ پتھر یا ہڈی کے ہتھیار کافی مضبوط نہیں ہوتے۔ وزن بھی ان کا بہت ہوتا تھا اس لئے وہ کسی ایسی چیز کی تلاش کرنے لگے جو ان دقتوں کو دور کردے۔ دھاتوں کی آمد اسی جستجو کا نتیجہ ہے۔ جنوبی ہند کے لوگوں نے پتھر کے بعد سیدھے لوہے کا استعمال کرنا شروع کیا لیکن شمالی ہند میں پتھر اور لوہے کے زمانہ کے درمیان ایک تانبے کا زمانہ بھی ہوا۔ یہاں کے لوگوں نے پہلے تانبا استعمال کیا اس کے بعد لوہا۔

شمالی ہند میں اکثر سب ہی مقامات پر تانبے کے ہتھیار، برتن، اور اوزار وغیرہ ملے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تانبے کے دور کی تہذیب کا رواج اکثر تمام شمالی ہندوستان میں تھا۔ اس زمانہ کے کچھ پرانے شہروں

کے کھنڈر پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں دریائے سندھ کی وادی میں ملے ہیں۔ ان شہروں میں پنجاب کے مانٹگومری ضلع میں ہڑپا اور صوبۂ سندھ کے لاڑکانہ ضلع میں موہنجوداڑو، خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان شہروں کے کھنڈروں کی جانچ سے پتہ لگتا ہے کہ اس وقت کے لوگوں نے پتھر کا استعمال بند نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ دھاتوں کا استعمال بھی کرنے لگے تھے۔ دھاتوں میں اگرچہ کچھ زیور، بُت، اور برتن، سونا چاندی، کانسا، ٹین اور پیتل کے بھی ملے ہیں۔ لیکن تانبے کی بنی ہوئی چیزیں بہت زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے ان شہروں کو تانبے کے دور کی تہذیب کا نمونہ مانتے ہیں۔ دریائے سندھ کی وادی میں مقیم ہونے کی وجہ سے اسے دریائے سندھ کی وادی کی تہذیب بھی کہتے ہیں۔

شہر کی عمارتیں

موہنجوداڑو کے گھر تالاب وغیرہ بہت ٹوٹے پھوٹے نہیں ہیں۔ وہاں جانے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایسے مہذب لوگوں کے شہر میں ہیں جو کسی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ شہر میں صاف چوڑی سڑکیں اور ان سے ملتی ہوئی سیدھی گلیاں بنی ہوئی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے پانی کے بہنے کے لئے نالیاں بنی ہیں۔ گھروں کے اندر کے گندے پانی کے بہنے کے لئے بند نالیاں ہیں۔ وہ اس ہوشیاری سے بنائی گئی ہیں، کہ ضرورت پڑنے پر ان کو کھولا بھی جا سکے۔ اور باقی وقت میں بغیر اوپر کی ہوا کو خراب کئے گھروں کی گندگی کو باہر نکال لے جائیں۔ کوڑا کرکٹ جمع کرنے کا بھی معقول انتظام تھا۔ گھر چھوٹے بڑے سب ہی قسم کے تھے۔ کچھ میں تو صرف دو تین کمرے ہیں اور کچھ اتنے بڑے ہیں کہ محل معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا ۹۷ فٹ لمبا اور ۸۵ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے دروازہ پر دربان کی کوٹھری بھی ہے۔ اکثر وہ پختہ اینٹوں یا چونے کے گارے سے بنائے

موہنجوداڑو تہذیب کے زمانے کی بیل گاڑی

گئے ہیں۔ مکانوں میں غسل خانوں، کنوؤں، پانی باہر نکالنے کے لئے نالیوں اور صاف ہوا و روشنی آنے کے لئے دروازوں اور کھڑکیوں کا خاص انتظام ہے۔ اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہیں۔ ان مکانوں سے ان میں رہنے والوں کی صفائی، سادگی اور خوشحالی صاف ظاہر ہوتی ہے۔

شاندار غسل خانہ

ان سے کہیں زیادہ اہمیت کی چیز ایک شاندار غسل خانہ ہے۔ یہ ۳۹ فٹ لمبا، ۲۳ فٹ چوڑا اور ۸ فٹ گہرا تھا، اس کی دیواریں ایسی چیز سے بنائی گئی ہیں کہ جس میں پانی جذب نہ ہو سکے۔ صاف پانی آنے اور گندا پانی نکالنے کا انتظام قابل تعریف کیا گیا ہے۔ غسل خانہ کے آس پاس برآمدے اور چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ جن میں گرم ہوا یا گرم پانی سے نہانے کا اثر کم تھا۔ اس کا استعمال شہر کے سب لوگ ہی کر سکتے تھے۔

لباس

یہاں کے باشندوں کا لباس بھی پچھلے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ مہذب اور شائستہ تھا۔ یہ سوت اور اون کاتنا اور بُننا جانتے تھے مرد اکثر ایک کپڑا دھوتی کی طرح پہنتے تھے۔ اور ایک کپڑا چادر کی طرح اوڑھتے تھے۔ عورتوں کا لباس کچھ مختلف تھا۔ کپڑوں کے مقابلے عورتوں اور مردوں دونوں ہی کو زیوروں کا بہت شوق تھا۔ ہار، بالیاں، ہاتھوں کی چوڑیاں، کنگن۔ انگوٹھی، پیروں کے کڑے اور کمر کی کردھنی وغیرہ زیورات دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے اور دیگر زیوروں سے ان کا زیوروں کا شوق ظاہر ہوتا ہے۔ زیور سونے چاندی، کانسے مونگے اور ہاتھی دانت کے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کو بال سنوارنے کا بھی بہت شوق تھا۔ عورتیں کئی قسم کے بال سجاتی تھیں۔ مرد داڑھی رکھتے تھے اور سر کے بالوں میں کنگھی کرتے تھے۔

ان کی غذا اچھی سادہ معلوم ہوتی تھی۔ ان کو زراعت کا علم ضرور

غذا تھا۔ گیہوں اور جَو ضرور پیدا ہوتا تھا۔ غالباً کچھ اور اناج بھی ہوتے ہونگے گوشت، دودھ، دہی، پھل، جڑیں وغیرہ اشیائے خوردنی بھی شامل تھے۔

پیشہ — اس زمانہ کے باشندے اکثر سوداگر تھے۔ وہ خشکی اور تری کے راستوں سے تجارت کرتے تھے۔ شاید وہ اپنے نام کے ٹھپّے بھی رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ کھیتی بھی کرتے رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ سُنار، بڑھئی، کمہار (برتن بنانے والا) دھوبی۔ نائی وغیرہ کا بھی کام کرتے تھے۔ پکائے ہوئے پالش کیئے ہوئے اور رنگین مٹی کے برتن۔ اس زمانہ کے مٹی کے برتن بنانے والوں کی ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہیں۔ اتنے اعلیٰ قسم کے برتن اس زمانہ میں کہیں نہیں بنتے تھے۔ ہڑپا میں ایک گھڑا ملا ہے، جس پر بہت خوبصورت بینے کا کام ہے۔ تانبے کے خوبصورت برتن، ہتھیار اور مورتیاں بھی بنتی تھیں۔ ان مورتیوں میں ایک ننگی رقاصہ کی مورتی بھی ہے۔ غالباً وہ جنگلی قوم کی تھی۔ ان کی گاڑیاں آجکل کی سی ہوتی تھیں۔

فرصت اور تیوہاروں کے موقعوں پر وہ خوب رنگ رلیاں کرتے تھے۔

تفریح کے ذریعے — وہ ناچنا گانا پسند کرتے تھے۔ جوُا اور شطرنج سے ملتا جلتا کھیل بھی کھیلتے تھے۔ عام مقامات (چوپال) میں جمع ہو کر بھی وہ اپنا دل بہلاتے تھے۔ ایک ایسی عالی شان عمارت کے کھنڈر ملے ہیں۔ جس میں بہت سے ستون ہیں۔ اور جس کا صحن بہت بڑا ہے۔ وہ غالباً پنچایت گھر یا مندر تھا۔ اگرچہ اس میں کوئی مورتی نہیں ملی ہے۔

موہنجودڑو میں جو تمام ٹھپّے (مہریں) دستیاب ہوئی ہیں ان کو دیکھنے

ان کا مذہب — سے ان کے مذہبی خیالات کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ ان میں کچھ لوگ یوگیوں (عبادت گذاروں) کی طرح عبادت کرنا

اچھا سمجھتے تھے۔ ایک ٹھپّے پر شیو (دیوتا) کا نقش بنا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے ترشول بنا ہے۔ ارد گرد جانور ہیں۔ اور وہ (شیو دیوتا) خود محوِ تصوّر ہیں۔ زیادہ تر لوگ درختوں، ندیوں، مادرِ زمین، شِو اور پاروتی کی عبادت کرتے تھے۔ سانپ، چیتا ایسے مہلک جانوروں کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ وہ اپنے مُردوں کو جلاتے تھے۔ شاید ان کے مندر بھی ہوتے تھے جہاں لوگ مل کر عبادت کرتے تھے۔

زمانہ

موہنجوداڑو میں جو کھنڈر ملے ہیں ان کی سات تہیں ہیں۔ ان ساتوں شہروں کی پوری کھدائی نہیں ہو پائی ہے۔ پھر بھی جو چیزیں ملی ہیں ان کی بنیاد پر اس تہذیب کو تقریباً ۳۲۵۰ ق م کا بتایا جاتا ہے۔ لیکن جدید پتھر کے دور سے ترقی کرکے اس درجہ کی مہذب حالت تک پہونچنے میں کئی صدیاں لگی ہوں گی۔ اس لئے بہت سے عالموں کی رائے ہے کہ وادیٔ سندھ کی تانبے کے دور کی تہذیب آج سے قریب ۶ ہزار سال پرانی ہوگی۔

باشندے

ان شہروں کے باشندے کس قوم کے تھے؟ عالموں میں ابھی اس معاملہ میں بڑا اختلاف ہے۔ یہ تہذیب آریوں سے پہلے کی ضرور ہے۔ آریہ لوگ شہروں میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے شہروں میں رہنے والے بہت سے راکشسوں اور دسیوں (ظالم دشمنوں) کو برباد بھی کیا تھا۔ ان سے اور دراوڑوں سے سرزمینِ ہند کے لئے بہت لڑائی بھی ہوئی تھی۔ اس لئے ممکن ہے، کہ وادیٔ سندھ کے باشندے دراوڑ ہی ہوں۔ بلوچستان میں ایک زبان بولنے والی قوم ملی ہے۔ جس کی زبان دراوڑ لوگوں کی سی معلوم ہوتی تھی، اس سے بھی یہی شک ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب دراوڑ تہذیب تھی۔ فارس۔ میسوپوٹامیا وغیرہ میں ہندوستانی مہروں سے ملتی ہوئی مہریں

ملی ہیں لیکن ان سے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہاں کے باشندوں نے وادیٔ سندھ پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ ان لوگوں کی مہروں پر جو نشانات کندہ ہیں۔ وہ تصویری زبان کے حروف معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ عبارت ابھی تک پڑھی نہیں جا سکی۔ ممکن ہے پڑھے جانے کے بعد ان کی نسل کا تعین کرنا آسان ہو جائے لیکن جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے، ابھی پورے طور پر یہ طے نہیں ہے کہ تہذیب کے بانی کون تھے؟

خاص تاریخیں

ہندوستان میں تانبے کے دور کی ابتداء	۴۰۰۰ ق۔م
موہنجو دڑو کی تہذیب کا زمانہ	۳۲۵۰ ق۔م

مشق کے لئے سوالات

۱۔ پتھر کے دور کے باشندوں کا حال بیان کرو۔
۲۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کو جاننے کے لئے کیا ذریعے ہیں؟
۳۔ موہنجو دڑو کے باشندوں کے مہذب اور مالدار ہونے کے کیا ثبوت ہیں؟
۴۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے کون سے حصے اب تک ہماری سوسائٹی میں موجود ہیں؟

تیسرا باب

ویدوں کے عہد کی آریوں کی تہذیب

تانبے کے دور کے لوگوں کا حال ہم دوسرے باب میں پڑھ چکے ہیں۔

ہندوستان۔ آریوں کی آمد سے قبل

کچھ زمانہ کے بعد یہاں لوہے کا بھی رواج ہو گیا موہنجو دڑو کے باشندے خواہ کوئی رہے ہوں لیکن آہستہ آہستہ کل شمالی اور جنوبی ہند پر دراوڑوں کا قبضہ جم گیا۔ دراوڑ ہمارے ملک کے پہلے مہذب باشندے ہیں۔ عالموں کی رائے ہے کہ وہ بھی کہیں باہر سے ہی آ کر ہندوستان میں آباد ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے یہاں کے باشندوں سے سب ہی اچھے مقامات چھین لئے۔ ان کو اپنے بس میں کر لیا۔ اور ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہاں کے بہت سے منڈ۔ سنتھال وغیرہ دراوڑوں کے ساتھ گھل مل گئے، اور ان ہی کا مذہب ماننے لگے۔ ان کی زبان بولنے لگے۔ اور ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنے لگے۔ جس وقت دراوڑ اس طرح ہندوستان پر اپنا سکہ جمائے ہوئے تھے، اسی زمانہ میں آریہ قوم نے ہندوستان پر حملہ کیا۔

آریوں کی آمد

یہ شمال مغرب کے دروں سے ہندوستان میں داخل ہوئے یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ کہاں سے چل کر آئے تھے۔ بال گنگادھر تلک نے کنارہ بحر آرکٹک۔ بابو سمپورنانند نے ہندوستان میکسمولر وغیرہ نے وسط ایشیا اور گائلس نے وسط یورپ کو ان کا قدیم رہنے کا مقام بتایا ہے۔ آج کل گائلس کا خیال زیادہ قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہاں آنے سے ٹھیک پہلے وہ فارس اور

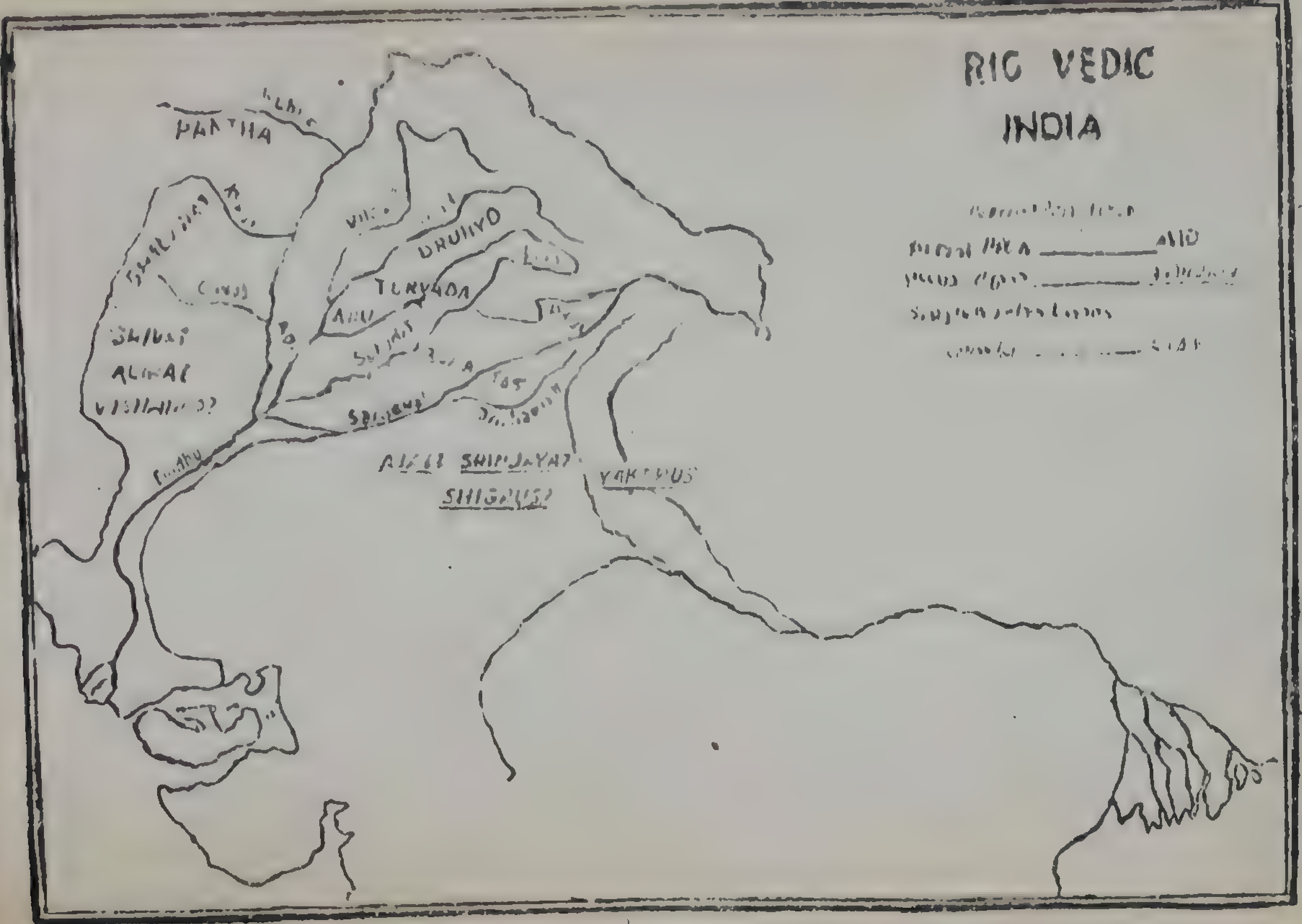
RIG VEDIC
INDIA
DRUHYO

افغانستان میں ٹھہر چکے تھے۔ یہ لوگ بڑے گورے، خوبصورت، تندرست اور بہادر و جنگجو تھے۔ دریائے سندھ کے نزدیک پہونچنے پر انہیں یہ ملک بڑا دلکش معلوم ہوا۔ اور وہ جان توڑ کر اس میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ دراوڑوں نے ان کا جم کر مقابلہ کیا۔ قدم قدم پر ان کو روکا۔ اور یکایک گھسنے نہیں دیا۔ لیکن آریوں کا فوجی اتحاد اور جسمانی طاقت آخر میں دراوڑوں سے بہتر نکلی۔ دراوڑوں کے پیر اکھڑنے لگے۔ ان کی کچھ زمین پر غیر ملکی آریوں کا قبضہ ہو گیا۔ آریوں نے فتح کی ہوئی زمین سے بڑھکر کچھ اور حاصل کرنا چاہا۔ ادھر دراوڑوں نے انھیں سندھ پار کھدیڑنا چاہا لیکن سینکڑوں برس کی کشمکش کے بعد آریوں نے دراوڑوں کو پنجاب سے نکال باہر کیا۔ اسی بڑے حملے میں انہوں نے گنگا۔ جمنا کی وادی پر بھی اپنا قبضہ کر لیا۔ اور تقریباً کل شمالی ہند پر اقتدار حاصل کر لیا۔ کچھ دراوڑ جنوب میں بھاگ آئے اور وہاں انہوں نے اپنی طاقتور سلطنت بنا کر آریوں کا جنوب کی طرف بڑھنا روک دیا۔ کچھ شمالی ہند میں ہی رہ گئے۔ اور انہوں نے آریوں سے میل کر لیا۔ ابتدا میں قیدی دراوڑوں کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا گیا لیکن بعد میں آریہ سیاست دانوں نے اس طرزِ عمل کو بدل دیا۔ انہوں نے دراوڑوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا شروع کیا۔ دراوڑ تہذیب نے آریہ تہذیب پر فتح پائی۔ آہستہ آہستہ شمالی ہند میں یہ دونوں قومیں اس طرح مل گئیں جس طرح پہلے دراوڑ اور پرانے باشندے شیر و شکر ہو گئے تھے۔

ہندوستان میں آنے کے بعد آریوں نے ویدوں کو تصنیف کیا۔

وید ان ویدوں سے ہی ہمیں آریوں کی روزانہ زندگی، ان کے مذہب، عادات و اطوار وغیرہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ وید چار ہیں۔ رگ وید۔ یجر وید، سام وید۔ اتھر وید۔ ان میں سے رگ وید

سب سے قدیم اور اہم ہے۔ ہندو ویدوں کو کلامِ الٰہی مانتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ وہ برہما کے چار مونہوں سے نکلے ہیں۔ پرانے رشیوں نے ویدوں کے منتروں کو دیکھا تھا۔ انہوں نے ان منتروں کی تصنیف نہیں کی اس لئے انھیں ان منتروں کا درشٹا (دیکھنے والا) کہتے ہیں۔ یہ وید منتر برہما کے منہ سے نکلے اور رشیوں نے ان کو گوش ہوش سے سُنا۔ اس لئے ویدوں کو شُرت (سُنا ہوا) بھی کہتے ہیں۔ ہر وید میں منتروں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس منتروں کی تالیف یا تقسیم کو "سنگھتا" کہتے ہیں۔ سنگھتا کا مطلب سمجھانے اور یگیہ کرنے کے طریقے بتانے کے لئے کچھ تصنیفیں نثر میں کی گئیں۔ ویدوں کے اس حصّہ کا نام "براہمن" ہے۔ ان براہمن گرنتھوں کا کچھ حصّہ ایسا ہے جو گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر مطالعہ اور غور کرنے کے لائق ہے۔ اس طرح کے جتنے حصّے ہیں۔ اُن کو "آرنیک" (جنگل میں تنہائی میں، مطالعہ کرنے کے لائق حصّہ) کہتے ہیں۔ آرنیک بھگوان کی شکل، تخلیق اور آتما وغیرہ کے بارہ میں ذکر کرتے ہیں۔ ان آرنیکوں میں جو حصّہ معرفتِ الٰہی سے واضح طور پر تعلق رکھتا ہے۔ اُسے "اُپنشد" کہتے ہیں۔ اس طرح ویدوں کے چار حصّے ہوئے۔ سنگھتا۔ براہمن۔ آرنیک اور اُپنشد۔

اُوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ ان چاروں میں سنگھتا والا حصّہ

سنگھتا سب سے قدیم اور زیادہ اہمیّت رکھنے والا ہے۔ سنگھتا میں جو منتر ہیں وہ مختلف دیوتاؤں کی حمد وثنا ہیں۔ ان میں ان دیوتاؤں کا ذکر ہے جن سے آریہ لوگ مصیبت میں مدد اور امن میں آرام کی خواہش رکھتے تھے۔ دیوتاؤں کی تعریف کرنے کے سلسلے میں وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ جن سے اس وقت کی سماجی۔ مذہبی و سیاسی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ کس زمانہ میں آریہ کہاں تک گئے

تھے، یہ بھی سنگھتا کا حصہ پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ رگ وید کی سنگھتا والے ہی منتر کچھ کمی بیشی کے ساتھ۔ لیکن کسی دوسری ترتیب سے دیگر سنگھتاؤں میں رکھے گئے ہیں۔

ان چاروں ویدوں کے علیحدہ علیحدہ حصے مختلف زمانوں میں بنے

ویدوں کی تصنیف کا زمانہ

ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ عالموں کی رائے ہے، کہ ویدوں کا سب سے قدیم حصہ تقریباً ۲۵۰۰ ق۔م کی تصنیف ہے۔ اور باقی حصہ ۸۰۰ ق۔م تک ضرور بن گیا تھا۔

جب آریہ پہلے پہل یہاں آکر آباد ہوئے۔ تب ان کی زندگی بہت

ویدوں کے زمانہ میں آریوں کی معاشرت

سادہ تھی۔ وہ ندیوں کے کنارے چھوٹے چھوٹے گاؤں بنا کر رہتے تھے۔ ان کا خاص پیشہ مویشی پالنا اور زراعت کرنا تھا۔

اس لئے ان کو ایسا ہی مقام پسند آتا تھا۔ جہاں زراعت کے لئے

(۱) سکونت

زرخیز زمین، مویشیوں کے لئے گھاس کے میدان اور پینے و نہانے کے لئے صاف پانی مل سکے۔ ندیوں کے کنارے یہ تمام ضرورتیں بخوبی پوری ہو جاتی تھیں۔ وہ شہروں میں رہنے سے نفرت کرتے تھے۔ دراوڑوں کو وہ شہروں میں رہنے والے راکشس کہتے تھے۔ اور اپنے ایک ایسے دیوتا کی تعریف میں انہوں نے اس کا نام 'پرندر' یعنی شہروں کو برباد کرنے والا رکھ دیا تھا۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ صاف ہوا، صاف پانی اور قدرتی مناظر کے درمیان ہی خاص خوش رہتے تھے۔ ان کے گھر اکثر پھوس اور مٹی کے ہوتے تھے۔ گاؤں کے بنانے کے طریقے مقرر تھے۔ گلیاں اور سڑکیں ایک مقررہ سمت میں ہی بنائی جاتی تھیں۔ ہر گاؤں میں ایک ایسی جگہ رہتی تھی۔ جہاں گاؤں والے جمع ہو کر سب کے

فائدے کی باتوں پر غور کرتے تھے۔

ہر گاؤں میں کئی ایک گھر ہوتے تھے۔ ہر گھر کا مالک باپ ہوتا تھا۔ اس کے حکم کے مطابق سب لوگ گھر کا کام کرتے تھے۔ خاندان میں ماں کا رتبہ بھی کافی پُر عزت تھا۔ جس طرح باپ گھر کا مالک کہلاتا تھا، اسی طرح ماں گھر کی مالکہ کہلاتی تھی۔ والدین کی رائے سے ہی گھر کے سب کام ہوتے تھے۔ خاندان کے رسم و رواج کی حفاظت بھی وہ دونوں ہی کرتے تھے۔ عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں۔ اپالا اور گھوشا نو وید منتروں کی درشٹا مانی جاتی ہیں۔ شادیاں مرد۔ عورت کی مرضی سے ہوتی تھیں۔ عورتوں میں پردہ کی رسم نہیں تھی۔ وہ اکثر سب ہی جگہ آجا سکتی تھیں اور شوہر کے کام میں حتی الامکان مدد دیتی تھیں۔ بچوں کی شادیاں یا بے جوڑ شادیاں نہیں ہوتی تھیں۔ ستی کی رسم نہیں تھی۔ اور غالباً بیوہ عورتوں کی شادی کی رسم بھی موجود تھی۔

(۲) آریہ خاندان

آریوں کی خوراک سادہ لیکن فرحت افزا تھی۔ وہ گیہوں، جَو کی روٹی ساگ، سبزی، پھل، جڑیں، دودھ، گھی، دہی وغیرہ عام طور پر کھاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ گوشت بھی کھاتے تھے۔ تندرستی قائم رکھنے کے لئے جو بھی مفید چیزیں انھیں معلوم تھیں وہ ان کا استعمال کرتے تھے۔ آریوں نے اپنے ویدوں میں 'سوم' کی بہت تعریف کی ہے۔ اپنے دیوتاؤں کی طویل عمر ہونے کا ایک سبب وہ اسی کو سمجھتے تھے۔ انہوں نے رگ وید کے دس منڈلوں (حصّوں) میں سے پورا نواں منڈل 'سوم' کی ہی تعریف میں لکھ ڈالا تھا۔ اس 'سوم لتا' (ایک پودہ) کے ڈنٹھل کو کوٹ کر جو رس نکلتا تھا۔ اُسے وہ بڑے شوق سے پیتے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ سوم

(۳) آریوں کی غذا

رس نشیلا تھا یا نہیں۔ سوم کے علاوہ وہ 'سُرا' کا استعمال بھی کرتے تھے، اسے کچے جو سے تیار کرتے تھے۔ یہ نشیلی ہوتی تھی۔ یہ خاص طور پر تیوہاروں کے موقعوں پر استعمال کی جاتی تھی۔

آریہ اُون کے کپڑے پہنتے تھے۔ ان کی پوشاک میں اکثر تین کپڑے ہوتے تھے۔ کمر سے نیچے لپیٹنے والے کپڑوں کو 'نیوی' کہتے تھے۔

(۴) لباس

اس کے علاوہ ایک اور کپڑا اُوپری حصّہ پر پہنتے تھے۔ اس کے اُوپر سے ایک ڈھیلا کوٹ یا انگرکھا پہنتے تھے۔ جس میں کنارے پر کارچوبی رہتی تھی۔ کپڑوں کے علاوہ مرد۔ عورت دونوں ہی زیور پہنتے تھے۔ کانوں میں موتی بالیاں، گلے میں ہار، اور ہاتھوں میں بازو بند۔ کڑے اور انگوٹھی پہنتے تھے۔ زیور سونے کے ہوتے تھے۔ کچھ مالدار لوگ جواہرات کے زیور بھی زیب تن کرتے تھے۔ آریہ اپنے جسم کو خوب صاف رکھتے تھے۔ آدمی بالوں میں تیل ڈالتے اور کنگھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ سکھوں کی طرح بالوں کا جُوڑا بھی باندھتے تھے۔ داڑھی بھی زیادہ تر لوگ رکھتے تھے۔ لیکن ان کو استرے کا استعمال معلوم تھا۔ اور وہ بال بناتے بھی تھے۔ عورتیں اپنے بالوں کی چوٹی گوندھتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ چار چوٹیاں بناتی تھیں۔ عورتیں رنگین کپڑے چمکیلے زیور اور خوشبودار پھول خوب استعمال کرتی تھیں۔

آریہ مرد اور عورتیں آرام کی زندگی گذارنے کے شائق تھے۔

(۵) کھیل و تفریح

تیوہاروں اور دیگر موقعوں پر وہ خوب خوشیاں مناتے تھے۔ اور دل بستگی کے ذریعوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ باجے بجاتے۔ گانا گاتے اور ناچتے تھے۔ اس میں مرد اور عورت دونوں ہی حصہ لیتے تھے۔ گھوڑ دوڑ اور رتھ دوڑ کا بھی انھیں شوق تھا۔ پانسے سے جُوا کھیلنا انہیں بہت پسند تھا۔

اس قدر خوشی اور آزادی کی زندگی بسر کرنا اسی حالت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ان کی مالی حالت اچھی رہی ہو۔ آریہ مویشی پال لیتے تھے۔ اور کھیتی کرتے تھے۔ یہی ان کے خاص پیشے تھے۔ زرخیز زمین ہونے کی وجہ سے ان کو کافی فائدہ ہوتا تھا۔ ان کاموں کے علاوہ کچھ لوگ سنار، بڑھئی اور کمہار وغیرہ کا بھی کام کرتے تھے۔ رتھ بنانے والے بڑھئی کی بڑی اہمیت تھی۔ کیونکہ رتھ کے عمدہ ہونے پر ہی آریہ فتح کی امید رکھ سکتے تھے۔

(۶) ذریعہ معاش

کاموں کی تقسیم کی بناء پر آج کل کی سی ذاتوں کی ترتیب اس وقت نہ تھی۔ ہندوستان آنے سے قبل شاید ان میں ذاتوں کی تقسیم بھی نہ تھی۔ لیکن یہاں آنے پر جب انھیں برابر لڑائی میں ہی مشغول رہنا پڑا۔ تب ان کو کاموں کو بانٹنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو عبادت ریاضت کرنے اور علم پڑھنے اور پڑھانے کا کام خاص طور سے سونپ دیا۔ وہ لوگ براہمن کہے جاتے تھے۔ کچھ لوگوں کے سپرد رعایا کی حفاظت کا کام کیا گیا تھا۔ وہ سپہ سالاری اور حکمرانی کا کام کرتے تھے۔ ان کو چھتری (کشتری) کہتے تھے۔ تیسرے درجہ کے لوگ وہ ہوتے تھے جن کا کام زراعت اور تجارت تھا وہ ویش کہلاتے تھے ان کے علاوہ دراوڑ قیدیوں کا ایک نیا طبقہ بنایا گیا وہ شودر کہلاتے تھے ان کا کام اونچے طبقہ والوں کی خدمت کرنا تھا۔ پہلے تین طبقوں میں کوئی اونچ نیچ کا فرق نہ تھا۔ وہ آپس میں برابر مرتبہ رکھتے تھے سب ایک دوسرے کے یہاں کھاتے پیتے تھے اور شادیاں کرتے تھے۔ کسی ویش یا چھتری کے لئے برہمن بن جانا یا برہمن کے لئے ویش یا چھتری بن جانا ممکن اور رائج تھا۔ یعنی وید کے زمانہ میں ذات پات

(۷) ذاتوں کی ترتیب

کی صرف ابتدا ہوئی تھی آگے چل کر اس میں خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ ذاتوں کے اندر قیام طعام وغیرہ کے لحاظ سے لوگ الگ الگ ہوگئے۔ اور وہ مختلف ذاتیں کہلانے لگیں۔ مختلف ذاتوں کا اتحاد خاندان کے بجائے کاموں پر رکھا جانے لگا۔ اور کھانے پینے اور شادی وغیرہ میں فرق پیدا ہوگیا۔ یہاں تک کہ آجکل قریب... ۳۰۰ ذاتیں ہوگئی ہیں، جن کا کھانا، پینا اور بیاہ شادی کے طریقے الگ الگ ہیں۔ اس زمانہ میں ذات پات صرف سماج کی آسانی کے لیے پیدا ہوئی تھیں اور ان کا مطلب تھا کاموں کی تقسیم۔

(۸) آریوں کا مذہب

اکثر سب ہی آریہ فطرت پرست تھے۔ ابتدائی زمانہ میں وہ تینتیس ۳۳ خاص دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے جن میں اندر (دیوتاؤں کا راجہ) وُرن (بارش کا دیوتا) سورج اور ہوا خاص ہیں۔ ان کو خوش کرنے کے لیے وہ منتر پڑھتے تھے اور یگیہ کرتے تھے۔ یگیوں میں جانوروں کی قربانی بھی کی جاتی تھی۔ آریوں کا اعتقاد تھا کہ جو کھانے کی چیزیں ہون (آگ) میں ڈالی جاتی ہیں، ان سے دیوتاؤں کو کھانا ملتا ہے۔ ان یگیوں میں وہ سوم اور سُرا بھی چڑھاتے تھے۔ قدرت کی طاقتوں کو ہی وہ دیوتا مانتے تھے۔ اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ گائے کی بھی پوجا کی جاتی تھی کیونکہ گائیوں سے ان کو دودھ، گھی، دہی اور کھیتی کے لیے خوبصورت بچھڑے ملتے تھے۔ رگ وید کے کچھ منتروں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں یہ بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ ان دیوتاؤں سے بڑا ایک ایشور ہے جس کی طاقت لامحدود ہے۔ اور جس کی خواہش کے مطابق ان سب دیوتاؤں کو کام کرنا پڑتا ہے۔ وید کے زمانے کے ختم ہوتے ہوتے یگیوں کے عمل بہت مشکل ہونے لگے۔ اور ایک برہم پرماتما (قادر مطلق) پر اعتقاد راسخ ہوتا گیا۔ اُپنشدوں میں ایشور کی طاقت اور آتما پر عمیق خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

(۹) سیاسی اتحاد

ویدکے زمانہ میں آریوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، اس وقت ریاستوں کو 'جن پد' کہتے تھے۔ ہر 'جن پد' کا ایک راجہ ہوتا تھا۔ رِگ وید کے زمانہ میں دس 'جن پدوں' کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں بھرت خاندان کے راجہ سدا اس کا نام سب سے اہم ہے۔ 'جن پدوں' کے اندر کئی ایک 'وِش' (ضلعے) ہوتے تھے۔ ہر 'وِش' (ضلع) میں بہت سے گاؤں ہوتے تھے۔ اور ہر گاؤں میں قبیلے ہوتے تھے۔ جس طرح قبیلہ میں سب کو باپ کا حکم ماننا پڑتا ہے، اسی طرح گاؤں کا مکھیا 'گرامنی' ہوتا تھا۔ جنگ کے وقت وہی 'گرامنی' عوام کا سردار ہوتا تھا۔ اکثر گرامنی اور وِش پتی (ضلع کا حاکم) کا عہدہ وِشیوں کو دیا جاتا تھا۔ کل جن پد (صوبہ) کا مالک راجہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کئی جن پدوں کے اوپر بھی ایک راجہ ہوتا تھا۔ راجہ ہی لڑائی کے وقت سپہ سالاری کا عہدہ اختیار کرتا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ رعایا کو اندرونی بدامنی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھے۔ راجہ بالکل خود مختار نہ تھا۔ اُسے کچھ وزیروں کے مشورے سے کام کرنا پڑتا تھا۔ وزیروں میں پروہت خاص اعزاز رکھتا تھا۔ دیگر وزیروں میں سینانی اور گرامنی قابلِ ذکر ہیں۔ آریوں کی ایک انجمن اور ایک مجلس بھی ہوتی تھی۔ ان کی وجہ سے بھی راجہ خود مختار نہیں ہو پاتے تھے۔ بلکہ ان کو رعایا کی خواہش کے مطابق حکومت کرنا پڑتی تھی۔ راجہ رعایا سے ٹیکس وصول کرتا تھا۔ وہ انصاف بھی کرتا تھا۔ اور فوج کو ٹھیک طور پر ترتیب دیتا تھا۔

(۱۰) فوجی اتحاد

آریوں کو فوج کی طرف خاص توجہ کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ ان کے دشمن 'دسیو' (غیر آریہ) بڑے خوفناک لوگ تھے۔ وہ شہروں میں قلعے بنا کر رہتے تھے۔ آریوں کی طرح ہی لڑائی کے ہتھیار ان کے پاس تھے۔ اور ان کے راجہ بڑے طاقتور

تھے۔ وہ آریوں پر ہمیشہ ہی حملہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے آریہ اپنا فوجی انتظام بہت چست رکھتے تھے۔ اکثر ہر بالغ شخص فوجی خدمات انجام دے سکتا تھا۔ وہ رتھوں پر سوار ہو کر اور پیدل جنگ کرتے تھے۔ ان کے ہتھیار تیر کمان، تبر، برچھا، کٹار وغیرہ ہوتے تھے۔ وہ زرہ بکتر اور خود بھی استعمال کرتے تھے۔ فوج الگ الگ گاؤں کی جمع ہوتی تھی۔ لڑائی کے وقت سب ہی گاؤں کے الگ الگ دستے جمع ہوتے تھے۔ اسی لئے لڑائی کو سنگرام یعنی گاؤں کے دستوں کا اجتماع کہتے تھے۔ آریہ کبھی کبھی آپس میں بھی لڑتے تھے۔ رگ وید میں راجہ سداس اور دیگر دس راجاؤں کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کا ذکر ہے جنگ کے وقت پروہت فتح کے لئے دیوتاؤں سے دعائیں کرتے تھے۔

ان سب باتوں سے پتہ لگتا ہے کہ اگرچہ آریوں کو ابتدائی زمانہ میں برابر لڑائی کا ڈر رہتا تھا، پھر بھی وہ اپنی زندگی آرام اور خوشی سے گذارتے تھے۔ ان کا مذہب ان کے سماج کے قاعدے اور سیاسی اتحاد کافی سادہ تھا۔ وہ زندگی آرام سے بسر کرنے کے لئے پوری کوشش کرتے تھے۔ اور دنیا کے ہر آرام سے پورے طور پر مستفیض ہونا پسند کرتے تھے۔

خاص تاریخیں

دراوڑوں کا ہندوستان میں اقتدار	۴۰۰۰ سے ۲۵۰۰ ق م تک
آریوں کی آمد	۲۵۰۰ ق م
ویدوں کی تصنیف	۲۵۰۰ سے ۸۰۰ ق م

مشق کے لئے سوالات

۱۔ آریوں کو ہندوستان فتح کرنے میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

۲- آریوں میں ذات پات کیوں پیدا ہوا؟
۳- آریوں کی معاشرتی زندگی کی کچھ خصوصیات بیان کرو۔
۴- آریوں کی سیاسی اور مذہبی زندگی پر ایک مختصر مضمون لکھو۔
۵- وید کیا ہیں؟ ان کی تاریخی اہمیت کیا ہے؟

چوتھا باب

قدیم آریوں کا علم ادب اور آریہ تہذیب کا عروج

ویدوں کے بعد آریوں نے اور بہت سے گرنتھ (مقدس کتابیں) تصنیف کئے۔ جن کی تصنیف کا زمانہ ہمیں ٹھیک معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہت قدیم ہیں۔ جن گرنتھوں کا اس باب میں ذکر کیا جائے گا، ان میں سے زیادہ تر ۷۰۰ ق۔م اور ۲۰۰ ق۔م کے درمیان مرتب ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ویدوں کو سمجھنے اور ان میں بتائے ہوئے عمل درستی کے ساتھ کرنے کے لئے کچھ گرنتھ تصنیف کئے گئے۔ ان کا مجموعی نام ویدانگ ہے۔

وید کے منتروں کا صحیح تلفظ بہت ضروری تھا، کیونکہ تھوڑی سی بھی غلطی سے منتر کا مطلب کچھ سے کچھ ہو سکتا تھا۔ 'شکشا' میں وید منتروں کے صحیح تلفظ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ منتر سب یکساں نہیں ہیں وہ مختلف بحروں میں لکھے گئے ہیں 'چھند' میں ان مختلف بحروں کی اہمیت اور علامتیں بتائی گئی ہیں۔ 'ویاکرن' منتروں کو صحیح صحیح پڑھنے اور سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ بتانے کے لئے کہ منتروں میں جو الفاظ استعمال

ہوئے ہیں ان کی شکلیں کہاں اور کس قاعدے سے تبدیل ہوتی ہیں۔ 'ویاکرن' (قواعد) تصنیف کی گئی۔ ویاکرن میں پانی نی کی اشٹادھیائی (ہشت باب) بہترین ہے آگے چل کر اس ویاکرن (قواعد) کی اہمیت اتنی بڑھی کہ علماء نے صرف اس کے بھاشیہ (شرح) یا تشریح و تفسیر ہی لکھنے پر اکتفا کیا اور کوئی الگ کتاب اس کی ٹکر کی تصنیف نہیں ہوئی۔ صرف الفاظ کی اشکال معلوم ہونے سے ان کا مطلب ظاہر نہیں ہوتا۔ ویدوں کی سنسکرت بعد کی سنسکرت سے مختلف بھی ہے۔ اس لئے ان کی زبان سمجھنا اور بھی مشکل ہونے لگا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے 'نگھنٹو' کی تصنیف ہوئی۔ اس میں وید کی زبان کے الفاظ کا مطلب دیا گیا ہے۔ وید منتروں کا مطلب معلوم ہوجانے پر ان میں بتائے ہوئے یگیوں کا کرنا آسان ہوجاتا ہے لیکن سب یگیوں کا طریقۂ عمل پورے طور پر ویدوں میں نہیں بتایا گیا ہے۔ یگیوں و دیگر ضروری سنسکاروں کا طریقہ بتانے کے لئے جو گرنتھ تصنیف کئے گئے، ان کو (کلپ) کہتے ہیں۔ یگیوں اور سنسکاروں کو مناسب طریقہ پر انجام دینے کے لئے نکشتروں (ستاروں)، گرہوں (آسمانی برجوں)، کے مقامات کا علم بھی ضروری سمجھا گیا۔ نیک ساعت میں کیا ہوا کام بارآور ہوتا ہے۔ اور ساعت بد میں شروع کیا ہوا کام بجائے فائدے کے نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے جیوتش (نجوم) کی تصنیف ہوئی۔ اس طرح ویدانگ چھ ہیں۔

(۱) شکشا (۲) چھند (۳) ویاکرن (۴) نگھنٹو (۵) کلپ اور (۶) جیوتش۔

تاریخ کے اعتبار سے ان ویدانگوں میں کلپ کی اہمیت زیادہ ہے کلپ کے تین حصے ہیں۔ شروت، گرہیہ۔ اور دھرم۔ کلپ کی تصنیف سوتروں

ڈگرد النوں) کی شکل میں کی گئی ہے۔ سوتروں میں تھوڑے الفاظوں میں بہت بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس طرح سوت یا دھاگے کے ذریعہ تمام پھولوں کی ایک مالا بنالی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک سوتر (صیغہ) کے ذریعہ بہت مطلب ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سوتروں کے بنانے کی ضرورت اس لئے پڑی کیونکہ اس وقت کتاب لکھنے کا رواج نہ تھا اس لئے بیشتر باتیں حفظ رکھنی پڑتی تھیں۔ سوتروں کے ذریعہ کم محنت میں زیادہ باتیں یاد رکھی جا سکتی تھیں۔

کلپ سوتروں میں سے شروت سوتر میں ویدک یگیوں کے متعلق تمام عمل تشریح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی ضرورت یگ کرانے والے کو پڑتی تھی۔ ان سوتروں کے بن جانے سے عوام کے لئے ویدک یگ کر سکنا مشکل ہو گیا۔ برہمن پروہتوں کی عزت افزائی کا سبب ایک یہ سوتر بھی ہیں۔ گرہیہ سوتر میں ان سنسکاروں (عملوں) کا بیان ہے۔ جو کہ ایک آریہ قبیلے کے بزرگ کو جاننا چاہیئے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے خانگی یگیوں کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ دھرم سوتروں میں سماجی فرض بتائے گئے ہیں۔ سماج (سوسائٹی) کے لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور کیا نہ کرنا چاہیئے۔ اس کی تعلیم ان سوتروں میں دی گئی ہے۔ ان میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ناجائز کام کرنے والوں کو کیا سزا ملنی چاہیئے۔

ویدوں کے اُپنشد والے حصہ میں ایشور (خدا) آتما (روح) اور سنسار (دنیا) کا بیان ہے۔ اس علم کی ترقی آگے چل کر شٹ درشن (چھ شاستروں) میں ہوئی۔ ان شاستروں میں انسان کو گیان حاصل

شٹ درشن

کرنے کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گیان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کیا باتیں

سچ ہیں۔ درشنوں کے نام اور ان کے مصنفین مندرجہ ذیل ہیں۔
۱۔ کپل منی کا تصنیف کردہ سانکھیہ درشن
۲۔ پتنجلی کا یوگ درشن۔
۳۔ گوتم کا نیائے درشن۔
۴۔ کناد کا ویشیشک درشن۔
۵۔ جیمنی کا پورومیمانسا، اور
۶۔ دیاس کا اُترمیمانسا۔

اسی زمانہ میں آریوں نے دو مہاکاویہ (بلند تصنیفات) بھی تصنیف کیے۔ وہ ہیں والمیک کی تصنیف کردہ رامائن اور وید

مہاکاویہ

دیاس کا مہابھارت۔ رامائن میں ایودھیا کے راجہ دشرتھ کے فرزند ارجمند رام چندر کی زندگی کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں مہابھارت کا خاص واقعہ دھرت راشٹر کے بیٹے دریودھن اور اس کے ۹۹ بھائیوں اور پانڈو کے فرزند یدھشٹر، ارجن، بھیم، نکل اور سہدیو کی جنگ ہے۔ اس داستان کے علاوہ مہابھارت میں لاتعداد داستانیں بھری پڑی ہیں ان میں سری کرشن کی گیتا بھی ہے۔ کچھ عالموں نے مہابھارت کی عزت کو بڑھانے کے لئے اُسے پانچواں وید کہا ہے۔ کچھ نے اس کی فائدہ مندی بتاتے ہوئے کہا ہے کہ جو کچھ جاننے کے قابل ہے مہابھارت میں ہے۔ اور جو اس میں نہیں ہے، وہ خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ مہابھارت کا رواج بھی ملک میں بہت زیادہ ہے اس کی ہر دلعزیزی کا سبب اس کی دلچسپ داستانوں کے علاوہ اس میں بیان کیے ہوئے سری کرشن کے حالات ہیں۔ سری کرشن کو ہندو ایشور کا اوتار مانتے ہیں اس لئے مہابھارت ایک مذہبی گرنتھ ہوگیا ہے۔

جن مقدس کتابوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے مطالعہ سے پتہ

تمدنی حالات لگتا ہے کہ آریوں کی روزمرہ کی زندگی، تمدنی قاعدوں اور مذہبی خیالوں وغیرہ میں اب کافی تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔

عورتوں کی حالت عورتوں کی حالت پہلے سے خراب تھی۔ ان کو مردوں کے مقابلہ میں تعلیم کم دی جاتی تھی۔ لڑکیوں کو اپنے باپ کی ملکیت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ لڑکی پیدا ہونا قابلِ افسوس سمجھا جاتا تھا۔ کثرتِ ازدواج کی رسم اکثر لوگوں میں رائج ہونے لگی تھی۔ بیواؤں کی شادیاں اب بری سمجھی جانے لگی تھیں۔ خاوند کے مرنے پر ستی ہونے کی رسم بھی شروع ہو گئی تھی۔

ذات پات سوسائٹی میں چار برنوں کے علاوہ ایک نیا برن چانڈالوں کا بھی بن گیا تھا۔ عموماً چانڈالوں کی بستیاں عام لوگوں کے مکانوں سے کچھ دور ہی ہو سکتی تھیں۔ ان کو چھونا بھی منع تھا۔ باقی چار برنوں میں بھی بہت سی شاخیں پیدا ہو گئی تھیں۔ خورد و نوش اور شادی بیاہ کی آزادی پہلے کی طرح نہیں تھی۔ عموماً شودروں کا بنایا ہوا کھانا برہمن نہیں کھا سکتے تھے۔ چاروں برنوں میں برہمن سب سے معزز تصور کئے جاتے تھے۔ ان سے نیچے چھتری تھے۔ چھتریوں سے کم ویش۔ اور سب سے کم درجہ شودروں کا تھا۔ اونچے برن والا شخص نیچے کے برن کی لڑکی سے شادی کر سکتا تھا۔ لیکن اونچے برن کی لڑکی کا نیچے برن کے مرد سے بیاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ہی خاندان کے لڑکے اپنی والدہ کے برن کے مطابق اونچے نیچے سمجھے جاتے تھے۔ اس طرح برہمنی کا لڑکا برہمن باپ اور چھتری ماں کے لڑکے سے اونچا سمجھا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ذات پات میں وسعت ہونے لگی۔ اب ذات کا تعین پیدائش سے ہوتا تھا۔ اعمال سے نہیں۔ اس طرح تمدنی اتحاد میں پابندیاں ہو جانے سے اتحاد برباد ہونے لگا۔

اس زمانہ کے آریوں نے اپنی زندگی کو چار حصّوں میں منقسم کر دیا تھا۔ پہلا آشرم (حصّہ) برہم چریہ تھا۔ انہیں سنسکار (زنار بندی) کے بعد برہم چاری لڑکا گرو کے آشرم (مسکن) میں جاکر تعلیم حاصل کرتا تھا۔ ۲۴ سال کی عمر ہونے پر وہ شادی کرتا تھا۔ اب دوسرا آشرم گرہستھ شروع ہوتا تھا، وہ قبیلہ کے دیوتاؤں کی پوجا کرتا، خاندان کی عزت میں اضافہ کرتا، اہل خاندان کی پرورش کا انتظام کرتا اور اچانک آجانے والے مہمانوں کی ضیافت کرتا تھا۔ قریب ۵۰ سال کی عمر ہونے پر خاندان کا بار اپنے بیٹے پر چھوڑ کر جنگل میں گوشۂ تنہائی اختیار کرکے عبادت کرنے کے لئے چلا جاتا تھا۔ اسے "وان پرستھ آشرم" کہتے تھے۔ کبھی کبھی عورتیں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ جاتی تھیں۔ اور عبادت کرتی تھیں۔ تقریباً ۷۵ سال کی عمر ہونے پر جب انسان گیان حاصل کر چکتا تھا اور اپنی اندریوں کو مطیع کر لیتا تھا (اپنے نفس پر غالب آجاتا تھا) تب وہ "سنیاس" آشرم میں داخل ہوتا تھا۔ اب وہ سیر و سیاحت کرکے لوگوں کو فرائض کی تعلیم دیتا تھا۔ اور مانگ کر کھانا کھاتا تھا۔ اسے ایک مقام پر رہنے کی اجازت نہ تھی۔ اسے ہمیشہ گھومتے پھرتے رہنا پڑتا تھا۔ اس قاعدہ سے ایک فائدہ تو یہ ہوتا تھا کہ ہر گرہستھ کو نئے نئے سنیاسیوں سے مل کر گیان حاصل کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اور صرف ایک بار کسی کو کھانا کھلا دینے میں انہیں کوئی خاص تکلیف بھی نہ ہوتی تھی۔ ایک ہی مقام پر نہ رہنے کی وجہ سے سنیاسی کو دنیادی وابستگی سے محفوظ رہنے میں بھی آسانی ہوتی تھی۔ عموماً سنیاس صرف برہمنوں کے لئے تھا۔

مذہبی تبدیلی ویدک دھرم میں بھی اب بہت ردّ و بدل ہو گئی تھی۔ دیوتاؤں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ یگیہ ول

کی اہمیت بڑھ رہی تھی اور ان کو ٹھیک طریقہ سے کرنے کے لئے ممتاز لوگوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ ویدک یگ زیادہ سے زیادہ دو تین دن میں ختم ہو جاتے تھے۔ اور ان کا طریقہ اکثر سب ہی آریوں کو معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس زمانہ کے کچھ یگوں میں برسوں کا وقت لگتا تھا۔ اور ان کے مختلف کاموں کے لئے کئی قسم کے پروہت برہمنوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس طرح کرم کانڈ (عملی پابندی) بہت بڑھ گیا۔ اور معمولی شخص اسے نہ کر پاتا تھا۔ دیوتاؤں میں اندر کے بجائے شو اور وشنو کی اہمیت بڑھنے لگی۔ شیو کی پوجا شاید دراوڑوں کا عطیہ ہے۔ اسی زمانہ میں ایشور کے اوتاروں کا بھی تصور کیا گیا۔ خاص اوتار "رام" اور "کرشن" تھے۔ مہاکاویوں میں ان کی بزرگی کا ذکر ہے۔ کچھ لوگ کرم کانڈ سے عاجز آکر ان اوتاروں کی بھگتی (پرستش) پر ہی زور دینے لگے۔ زیادہ تر لوگ تپسیا (ریاضت) کو بہت ضروری سمجھنے لگے۔ ان کا خیال تھا، کہ ریاضت کے بغیر موکش (نجات) نہیں ملیگی۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے جنہوں نے گیان (معرفت) کی اہمیت بتائی۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھگوان (خدا) کا گیان (معرفت) حاصل کرنا کرم کانڈ سے بہتر ہے۔ ان ہی لوگوں نے "شٹ درشن" (چھ شاستر) تصنیف کئے۔

ویدک زمانہ کے چھوٹے چھوٹے جنپدوں (صوبوں) کے بجائے اب بڑی بڑی سلطنتیں بننے لگیں۔ راجاؤں کی خواہش ہونے لگی کہ وہ چکرورتی راجہ بنیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو شکست دے کر اپنی شہرت کو چار چاند لگانے کے لئے راجسویہ اور اشومیدھ یگ کرنے لگے۔ ان راجاؤں کے طاقتور ہونے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا آزاد رہنا مشکل ہو گیا۔ ایسی حکومتوں میں کچھ لوگ ایسے ہوئے جنہوں نے آزادی کی حفاظت کے لئے دو

سیاسی اتحاد

قابل تعریف ترکیبیں کیں۔ پہلا یہ کہ رعایا کی پوری ہمدردی اور مدد حاصل کرنے کے لئے حکومت میں رعایا کے اختیارات بڑھا دیئے۔ رعایا راجہ کا انتخاب کرنے لگی۔ اور راجہ کو رعایا کی انتخاب کی ہوئی انجمن کے صلاح ومشورہ سے کام کرنا پڑتا تھا۔ اگر ایسی کئی حکومتیں نزدیک ہوتی تھیں تو وہ اپنی وفاقی انجمن بھی بنا لیتی تھیں۔ اس طرح ایک تو رعایا پہلے سے زیادہ طاقتور ہونے لگی۔ اور دوسری طرف وید کے زمانہ کی مجلس اور انجمن کا اثر اتنا بڑھ گیا کہ وہ راجہ کو اپنی خواہش کے مطابق چلانے لگی۔ لیکن اگرچہ اس زمانہ میں جمہوری اور شاہی دونوں ہی قسم کی ریاستیں تھیں، پھر بھی شاہی نظام حکومت زیادہ رائج تھا۔ اور راجہ اگر قابل ہوتے تھے، تو مطلق العنان بھی ہوتے تھے۔

صنعت وحرفت کی ترقی

وید کے زمانہ کی گاؤں کی تہذیب آہستہ آہستہ شہر کی تہذیب میں تبدیل ہو گئی۔ اس زمانہ میں اکثر سب ہی راجوں میں متعدد خوبصورت شہر بن گئے تھے۔ بہت سی باتوں میں وہ قدیم دراوڑ شہروں سے ملتے جلتے تھے۔ ان میں ہوشیار کاریگر رہتے تھے۔ بدھشٹر کا محل اس ہوشیاری سے بنایا گیا تھا کہ اس میں نیا آدمی دھوکے میں پڑ جاتا تھا۔ جہاں دروازہ معلوم ہوتا تھا وہاں دیوار ہوتی تھی اور جہاں دروازہ ہوتا تھا وہاں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح اس میں خشکی اور پانی کا فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مکان بنانے کے قاعدے مقرر تھے۔ اور گاؤں وشہر کی جگہ طے کرنے اور ان کی سڑکوں اور گلیوں وغیرہ کی سمتیں مقرر کرنے کے لئے قاعدے بنائے گئے تھے۔ اسی زمانہ میں سمندر پر پل بنانے والے انجینئر بھی پیدا ہوئے۔ اسلحہ جات جنگ میں بھی بہت ترقی کی گئی تھی۔ رامائن اور مہابھارت میں جس طرح

کے ہتھیاروں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان میں سے کچھ بھی سچ ہیں تو یقیناً انہوں نے معمولی تیر و کمان، برچھی، بھالے اور گُدر سے بہت ترقی کر لی تھی۔ عورتوں کے زیور اور گھریلو کام کے سامان وغیرہ میں بھی بہت ترقی ہو گئی تھی۔

اس زمانہ پر اگر ہم ایک سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا، کہ آریہ کچھ باتوں میں آگے بڑھے اور کچھ باتوں میں نیچے گر گئے۔ وشنو و شیو کی پرستش کر کے وہ آگے بڑھے تو کرم کانڈ کے عذاب میں پھنس کر پیچھے پڑ گئے۔ اگر آشرم بنا کر انہوں نے سماج کی ترقی کی تو عورتوں کا برابری کا رتبہ چھین کر اور ذات پات کی تفریق پیدا کر کے وہ کمزور ہونے لگے۔ سیاسی معاملات میں بھی اگر جمہوری طرز حکومت عروج ظاہر کرتی ہے تو مطلق العنانی سے زوال عیاں ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے بڑے حصے میں اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ جنوبی ہندوستان پر اُن کا اثر زیادہ نہ تھا۔ لیکن وہ وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ اب راجاؤں میں صلح یا جنگ آریہ اور غیر آریہ کی بنیاد پر نہیں، بلکہ باہمی نفاق، حسد اور شجاعت کی وجہ سے ہوتی تھیں۔

خاص تاریخیں

جنگ مہابھارت	تقریباً ۱۰۰۰ ق۔م
پانینی کی ویاکرن (قواعد)	″ ۷۰۰ ق۔م
رامائن کی بنیادی داستان کی تصنیف	″ ۵۰۰ ق۔م
مہابھارت کی تصنیف	″ ۵۰۰ اور ۴۰۰ ق۔م کے درمیان

مشق کے لئے سوالات

(۱) ویدانگ کسے کہتے ہیں؟ ویدانگوں میں تاریخی اہمیت کا مواد کس حصہ میں

ملتا ہے؟

۲۔ سوتز کا کیا مطلب ہے؟ کلپ سوتروں میں کس مضمون کا ذکر ہے؟

۳۔ اس زمانہ کی تمدنی زندگی میں کون سی نئی باتیں آ گئی تھیں؟

۴۔ وید کے زمانہ کے مذہب اور اس زمانہ کے مذہب میں کیا فرق ہے؟

۵۔ جمہوری حکومت کا آغاز کیوں ہوا؟

پانچواں باب

بُدھ مذہب اور جین مذہب

گزشتہ باب میں ہم نے وید کے زمانہ کے مذہب کی کچھ خرابیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ کرم کانڈ کی اہمیت، جانوروں کی قربانی، برہمنوں کا بلند اعزاز، شودروں اور عورتوں کے لئے راہِ نجات کھلا نہ ہونا وغیرہ ایسی باتیں تھیں جن سے کچھ لوگوں کو نفرت ہونے لگی۔ آریوں میں بھی کچھ لوگ کرم کانڈ سے اکتانے لگے۔ اپنشدوں اور درشنوں میں اس احساس کی جھلک دکھائی پڑتی ہے۔ کہیں کہیں پر تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ انسان کی محض بیوقوفی ہے کہ وہ دیوتاؤں کو کھانا دینے کا انتظام کرے اور اس مقصد کے لئے یگیہ اور قربانی کرے۔ دیوتا تو ہمیں کھانا دیتے ہیں اس طرح کرم کانڈ کا مذاق بنایا جانے لگا تھا۔ لیکن ایسے خیال والے لوگ زیادہ نہ تھے۔

اسی زمانہ میں ۸۰۰ ق۔م کے قریب آجکل کے صوبۂ بہار میں کچھ نئے فرقے پیدا ہونے لگے جو برہمن مذہب کی مخالفت کرتے تھے۔ ان

فرقوں کے تبلیغ کرنے والے بہت پاک اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسرے جانوروں کی قربانی دینے کے بجائے وہ اپنے ہی جسم کو ریاضت کے ذریعہ تکلیف دیتے تھے۔ تاکہ وہ اپنی خواہشات پر غالب آجائیں۔ وہ اپنے مذہب کی اشاعت گھوم گھوم کر کرنے لگے۔ اور جلدی ہی ان کے پیروی کرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ ایسے مذہبوں میں جین مذہب اور بدھ مذہب زیادہ مشہور ہیں۔

جینی لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ان کے مذہب کی تعلیم ۲۴ تیر تھنکروں نے دی تھی۔ جن میں پہلے تیر تھنکر رشبھ دیو تھے۔ ان کے بارے میں ٹھیک ٹھیک شاید کچھ نہیں معلوم۔

جین مذہب

کیونکہ جینیوں کے اعتقاد کے مطابق ان کی لمبائی کئی میل تھی۔ اور انہوں نے کروڑوں سال حکومت کی تھی۔ حقیقت میں صرف ۲۳ ویں تیر تھنکر پارشو ناتھ اور ۲۴ ویں تیر تھنکر مہابیر سوامی کے بارے میں ہی ٹھیک ٹھیک معلومات حاصل ہیں۔ جینیوں کے دیگر تیر تھنکروں کی طرح پارشو ناتھ بھی چھتری تھے۔ ان کے والد اشو سین کاشی کے راجہ تھے۔ پارشو ناتھ جی نے سنیاس (ترک دنیا) لے لیا تھا۔ ان کی تعلیم میں 'اہنسا' جھوٹ نہ بولنا، چوری نہ کرنا اور دولت جمع نہ کرنے پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ ان کے پیرو لوگوں کی تعداد ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ ان کے تقریباً ۲۵۰ برس بعد چوبیسویں تیر تھنکر مہاویر سوامی ویشالی کے نزدیک کنڈ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سدھارتھ ایک چھتری رئیس تھے۔ مہابیر کا نام پہلے وردھمان تھا ان کے ماموں لچھوی راج کے حکمران تھے اور ان کی لڑکی مگدھ کے راجہ بمبسار کو منسوب تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وردھمان کے والد باعزت شخص تھے اور مگدھ و لچھو کی ریاستوں میں ان کی کافی عزت رہی ہوگی۔ وردھمان

۳۰ سال کی عمر تک گھر میں ہی رہے۔ لیکن شاہانہ شان و شوکت سے وہ عاجز آگئے وہ دنیا کی تکالیف اور آواگمن (تناسخ) کے چکر سے نجات حاصل کرنے کا راستہ تلاش کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد سے وہ تارک الدنیا ہو گئے اور بارہ برس کی ریاضت کے بعد ان کو گیان حاصل ہو گیا۔ انہوں نے دنیاوی تعلقات کو توڑ دیا۔ اس لئے ان کو لوگ نرگنتھ (آزاد) کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے نفس پر فتح حاصل کر لی تھی اس لئے انہیں 'جن' یا جیتنے والا (فاتح) کہتے تھے۔ جن کے پیرو جین کہلانے لگے اس طرح ثابت ہوتا ہے موجودہ جین مذہب کے حقیقی بانی یہی تھے۔ انہوں نے مایا، لوبھ، موہ (دنیاوی خواہشات) وغیرہ دشمنوں پر آسانی سے فتح پائی تھی۔ اس لئے انھیں مہابیر بھی کہنے لگے۔

گیان حاصل کرنے کے بعد وہ سیر و سیاحت کر کے دوسروں کو بھی نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بتانے لگے۔ ان کی عبادت و ریاضت اور بلند خاندان کا اثر بہت لوگوں پر پڑا۔ جلد ہی ان کے پیروؤں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اپنی زندگی کے باقی ۳۰ سال میں انہوں نے کوشل، مگدھ اور انگ سلطنتوں میں کافی اثر پیدا کر لیا۔ مہابیر سوامی نے پٹنہ ضلع کے پاوا مقام پر انتقال کیا۔ ان کے زمانہ کے بارے میں علماء مختلف الخیال ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ ان کی پیدائش ۵۴۰ ق۔م اور موت ۷۲ سال بعد ۴۶۸ ق۔م میں مانتے ہیں۔

مہابیر کی تلقین

مہابیر جی کے مطابق دنیا میں سب سے بڑی تکلیف آواگمن یعنی بار بار پیدا ہونا اور مرنا ہے۔ آواگمن کا توڑ دینا ہی مصیبتوں کا خاتمہ ہے۔ آواگمن کا سبب ہمارے اعمال ہیں۔ ہر عمل کا کچھ نتیجہ ہوتا ہے۔ اپنے اعمال کا نتیجہ ہر شخص کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی لئے بار بار پیدا ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر حیات و مرگ سے نجات حاصل کرنا ہے تو عمل کی پابندی کو توڑنا

پڑے گا اعمال کا بندھن (پابندی توڑنے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ صحیح اعتقاد، صحیح ادراک اور صحیح اعمال۔ ان ہی تینوں کو وہ "تری رتن" (جواہر ثالثہ) کہتے تھے۔ ان کے مطابق ہر جین کو یہ کامل اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس کے جسم میں ایک روح ہے، اسی طرح دنیا کی ہر شئے میں ایک روح ہے۔ ایشور دنیا کا بنانے اور بگاڑنے والا نہیں ہے۔ اس میں صرف وہی خوبیاں ہیں جو انسان میں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایشور میں وہ اوصاف مکمل طور پر روشن اور عیاں ہیں اور انسان میں معمولی مقدار میں اور کچھ پوشیدہ۔ انسان کی نجات حاصل کرنے کے لئے یہ صحیح ادراک حاصل کرنا چاہیئے۔ کہ بغیر بند اعمال کو توڑے ہوئے وہ نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ بند اعمال کو توڑنے کے لئے صحیح اعمال کی ضرورت ہے اس میں کئی باتیں شامل ہیں۔ اس کے لئے اہنسا (کسی جاندار کو تکلیف نہ دینا، جھوٹ نہ بولنا، چوری نہ کرنا، دولت جمع نہ کرنا اور برہم چریہ کے اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اپنی اندریوں (خواہشات) کو بس میں کرنے کے لئے اُسے ریاضت کرنی چاہیئے۔ ریاضت کے لئے بہت سے یوگ (معرفت) کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

اس مذہب میں نہ تو کہیں ویدوں کی اہمیت کا ذکر ہے اور نہ برہمنوں کے اعزاز کی گنجائش۔ جینی ویدوں میں لکھی ہوئی باتوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ یگیوں کے وہ سخت مخالف ہیں کیونکہ ان میں قربانی دی جاتی ہے۔ نجات کا راستہ سب کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے اس لئے مذہب کی نگاہ سے اس میں کوئی ذات پات کا فرق نہیں ہے۔

گوتم بدھ وردھمان (مہابیر) کے زمانہ میں دوسرے بڑے مذہبی تبلیغ کرنے والے گوتم بدھ تھے۔ گوتم کی پیدائش ۵۶۲ ق۔م کے قریب کپل وستو کے نزدیک 'لمبینی باغ' میں ہوئی تھی۔ ان کے والد کا

مہاتما بدھ (اجنتا)

نام شدھودن اور ماں کا نام مایا تھا۔ شدھودن شاکیہ سلطنت کے حکمران تھے۔ مایا نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے محل میں ایک خوبصورت سفید ہاتھی داخل ہو رہا ہے۔ یہ خواب نجومیوں کو بتایا گیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ یا تو چکرورتی راجا ہوگا یا ایک بڑا مہاتما (فقیر)۔ جب گوتم بڑے ہوئے تو اکثر محوِ تصور دکھائی دینے لگے، تو والدین کو ڈر ہوا کہ وہ ترکِ دنیا کر کے سنیاسی نہ ہو جائیں۔ گوتم کسی کو پریشان، بیمار یا تکلیف پاتے دیکھ کر بہت شش و پنج میں پڑ جاتے تھے۔ وہ سوچا کرتے تھے کہ ایسی زندگی سے کیا فائدہ جس میں اتنی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اس دریائے تخیل کو رد کرنے کے لئے ان کے والد نے ان کی شادی ایک نہایت خوبصورت لڑکی سے کر دی۔ اس کا نام گوپا یا یشودھرا تھا۔ گوتم کو تعلقات میں پھنسانے کے لئے دنیا کے تمام عیش آرام مہیا کئے گئے، لیکن آخر کار ایک دن ان کے خیال میں آیا کہ وہ اپنا وقت مفت ضائع کر رہے ہیں۔ بس وہ اٹھے اور اپنی بیوی اور ننھے بچے راہل کو سوتا چھوڑ کر چل دیئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ پہلے انہوں نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ لیکن اس سے دل کو سکون حاصل نہ ہوا۔ پھر انہوں نے سخت ریاضت کی جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا لیکن یہ بھی بے سود ہی رہا۔ تب انہوں نے اس کو بھی ترک کر دیا۔ ان کے ساتھی تپسیوں (عابدوں) نے بزدل اور ذلیل سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس وقت سجاتا نام کی ایک عورت نے ان کو کھیر کھلائی۔ آہستہ آہستہ یہ تندرست ہو گئے اور ایک دن جب وہ پیپل کے درخت کے نیچے آسن لگائے بیٹھے تھے۔ تب یکایک ان کو گیان حاصل ہو گیا۔ دنیا کی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ وہ سمجھ گئے۔ اس لئے آگے چل کر وہ 'بدھ' کے نام سے مشہور ہوئے۔ جس درخت کے نیچے

بدھ جی کو گیان حاصل ہوا تھا۔ اس درخت کا نام بُودھ درکشن (درخت اور اک) پڑ گیا۔ اور اس مقام کا معمولی نام "گیا" بدل کر "بدھ گیا" ہو گیا۔

بدھ جی نے پہلے کاشی کے نزدیک سارناتھ کے جنگل میں رہنے والے اپنے ساتھیوں کو تعلیم دی۔ اُسے 'دھرم چکر پرورتن' یعنی مذہبی پہیے کو چلانا کہتے ہیں۔ یہیں سے بدھ جی کے مریدوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ وہ خود گھوم گھوم کر تعلیم دیتے تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی جو بھکشو کہلاتے تھے، انہیں یہی حکم تھا۔ انہوں نے ان سے کہا تھا کہ ایک ہی سمت کو نہ جانا بلکہ ہر طرف جا کر لوگوں کو امن و سکون کا راستہ دکھاؤ۔ بدھ جی نے قریب ۴۵ برس تک تلقین کی اور اس کے بعد ۸۰ سال کی عمر میں کشی نگر نامی مقام پر ۴۸۳ ق م میں انتقال فرمایا۔

بدھ جی فرماتے تھے کہ ہم سب کو یہ جاننا ضروری ہے کہ دنیا رنج و محن کا مقام ہے۔ ہر تکلیف کا ایک سبب ہے اس سبب کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے دور کرنے کے بعد ہی تکلیف کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ ابھی تک لوگوں نے دفع محن کے دو ذریعے بتائے ہیں: (۱) اندریوں (خواہشات) کی مسرتوں میں ہی مشغول رہنا۔ (۲) سخت ریاضت کے ذریعہ تمام خواہشات کو زیر کرنا۔ یہ دونوں ہی غلط ہیں جس طرح اگر ساز کے تاروں کو ڈھیلا چھوڑ دیں تو یہ بجے گا نہیں۔ اور اگر ضرورت سے زیادہ کس دیا تو تار ٹوٹ جائیں گے۔ خوش آئند آواز کے لئے اسے نہ تو بہت ڈھیلا ہی رکھنا چاہیئے۔ نہ بہت کسنا ہی چاہیئے۔ اسی طرح دنیا کی مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

بدھ جی کی تلقین

اس درمیانی راستہ کے آٹھ حصے ہیں:- (۱) صحیح نظر (۲) صحیح ارادہ (۳) صحیح گفتگو (۴) کام کا صحیح انجام (۵) صحیح روزی (۶) صحیح ورزش۔

بودھ گیا کا بودھ مندر

(۷) صحیح یادداشت (۸) صحیح طریقۂ عبادت۔ صحیح نظر رکھنے پر ہی ہمیں صحیح راستہ مل سکتا ہے۔ صحیح نظری کافی نہیں ہے۔ ہمارا مقصد اور ارادہ بھی صحیح ہونا چاہیئے۔ جن الفاظ کا ہم استعمال کریں وہ بھی عمدہ ہونے چاہئیں۔ اس لئے صحیح گفتگو ضروری ہے۔ خیال اور زبان کی اچھائی کے ساتھ صحیح اعمال بھی ضروری ہیں۔ ہمارے اعمال اور خیالات پاک اسی وقت رہ سکتے ہیں جبکہ ہمارا ذریعہ معاش مناسب ہو۔ اس لئے صحیح روزی ہونی چاہیئے۔ اور جسم کو صاف رکھنے کے لئے مناسب ورزش بھی نہایت ضروری ہے پھر جو باتیں ہمیں معلوم ہوں اگر ہم انھیں آئندہ کے لئے یاد نہ رکھ سکیں تو ان کا جاننا بے کار ہے۔ اس لئے صحیح یادداشت ہونی چاہیئے۔ تجربہ اور مطالعہ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس پر سکون کے ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بغیر ان کی صحیح شکل سمجھ میں آنا مشکل ہے اس لئے صحیح طریقہ عبادت ضروری ہے۔ یہ آٹھ اصولوں والا راستہ ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ اگر انسان بھکشو بن کر یوں وہ جماعت میں شریک ہو جائے تو اس کے لئے نجات حاصل کرنا آسان ہوگا۔ لیکن خاندان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اس راستہ کی پیروی کر کے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے نیک عادات واطوار رکھنے سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ اگر ہم اچھے کام کرتے ہیں تو اگلے جنم میں ہم اشرف المخلوقات بنتے ہیں اور آہستہ آہستہ نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر ہم برے کام کرتے ہیں تو ہم زوال پذیر ہوتے جاتے ہیں اور ہمارے لئے نجات حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے سب ہی لوگوں کو چاہیئے کہ نیکی کے پانچ اصولوں پر کاربند ہوں۔ (۱) چوری نہ کرنا (۲) اہنسا (۳) نشیلی اشیاء استعمال نہ کرنا (۴) جھوٹ نہ بولنا (۵) بدکاریوں سے بچنا۔ بدھ جی نے اپنے مذہب کے اصولوں کی تلقین عوام کی زبان "پالی" میں کی اور ان کی

زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے انہوں نے ایک جماعت (سنگھ) بنائی۔ اس جماعت کے ممبروں کو بھکشو کہتے تھے۔ بھکشوؤں کو مذہب کے اور سب اصولوں کے علاوہ کچھ خاص قاعدے ماننے پڑتے تھے۔ ان کو رقص وسرود میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی وہ عطر، پھول اور دیگر خوشبودار چیزوں کا استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں مقررہ وقت پر ہی کھانا کھانے کی اجازت تھی۔ موٹے نرم گدّوں پر سونے کی ان کو ممانعت تھی۔ نہ وہ دولت لے سکتے تھے۔ اور نہ اُسے اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ یہ سب قاعدے ان کی عادات و اطوار کو پاک رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے۔

بدھ جی کے مذہبی اصول بہت آسان تھے۔ سب ہی ان کو اختیار کر سکتے تھے۔ اور ان کے مطابق اپنی زندگی گذار سکتے تھے۔ عام زبان میں تعلیم ہونے کی وجہ سے ان کی اشاعت اور بھی زیادہ ہوگئی۔ بدھ جی کے اعلیٰ خاندان، شخصیت اور دلکش طرز تبلیغ نے بھی لوگوں کو ان کی طرف کھینچا بھکشوؤں کی کوشش نے ان اصولوں کو دُور تک پھیلا دیا۔ بدھ جی نے نجات کا راستہ ہر ذات کے لوگوں کے لئے کھول دیا۔ اس مذہب میں بھی ویدوں یا برہمنوں کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

جین مذہب اور بُدھ مذہب کا مقابلہ

جین مذہب اور بدھ مذہب کے اصولوں میں کچھ موافقت ہونے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ان کو ایک ہی سمجھنے کی غلطی کی ہے دونوں ہی ویدوں اور برہمنوں کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔ یگیوں کو دونوں ہی بُرا بتاتے ہیں۔ اہنسا دونوں کا ہی خاص اصول ہے۔ دونوں ہی کا مقصد آواگمن (آمدورفت) کی تکالیف سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اور دونوں ہی حیات و مرگ کا سبب اعمال کو مانتے ہیں۔

اتنی موافقت ہوتے ہوئے بھی دونوں مذہبوں میں بنیادی اختلاف

ہے۔ جینی ایشور کو مانتے ہیں۔ اُسے دنیا کا بنانے والا اور بگاڑنے والا نہیں مانتے بدھ ایشور کو مانتے ہی نہیں۔ جینی اعمال سے نجات حاصل کرنے کی ترکیب تپسیا (عبادت) بتاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بھوک سے مرجانا ان کی نظر میں بہترین کام ہے۔ بودھ عبادت کے ذریعہ جسم کو تکلیف دینا بیکار اور خلاف تہذیب بتاتے ہیں۔ بودھ اہنسا کا مطلب بڑے جانداروں میں ہی محدود رکھتے ہیں۔ جینیوں کے نزدیک کھٹملوں اور مچھروں اور پتنگوں وغیرہ کا مارنا تو پاپ (عذاب) ہے ہی، اشیاء خورد و نوشش میں رہنے والے خورد جراثیم کو کھا جانا بھی پاپ ہے۔ اس لئے وہ خورد و نوش ترک کرکے مرجاتے ہیں۔ دگمبر جین ننگے رہتے ہیں اور برہنہ صورتوں کی پرستش کرتے ہیں لیکن بودھوں کو برہنہ گھومنا پھرنا پسند نہیں۔ جینی اپنے ۲۴ تیرتھنکروں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کی مقدس کتابوں کو "انگ" کہتے ہیں اس کے برخلاف بودھ یا تو بدھ جی کی مورتی پوجتے ہیں یا ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ ان کی مذہبی مقدس کتابوں کو "ترپٹک" کہتے ہیں۔ ذات پات کی تفریق جینیوں میں اب بھی باقی رہی۔ لیکن بودھوں میں اس طرح کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ یہ دونوں مذہب بالکل الگ ہیں۔

خاص تاریخیں

پارشوناتھ کا زمانہ	تقریباً ۸۰۰ ق۔م
گوتم بدھ کی ولادت	۵۶۳ ق۔م
مہابیر سوامی کی ولادت	۵۴۰ ق۔م
گوتم کا تارک الدنیا ہونا	۵۳۳ ق۔م
گوتم کا گیان حاصل کرنا	۵۲۷ ق۔م

مہابیر سوامی کا تارک الدنیا ہونا	۵۱۰ ق-م
جین مذہب کی اشاعت	۴۹۸ سے ۴۶۸ ق-م
بدھ جی کا انتقال	۴۸۳ ق-م
مہابیر سوامی کا انتقال	۴۶۸ ق-م

مشق کے لئے سوالات

۱- بدھ مذہب اور جین مذہب کی پیدائش کے کیا اسباب تھے؟

۲- جین مذہب کے بانی کون تھے؟ ان کی زندگی کے خاص واقعات بیان کرو۔

۳- جین مذہب کے خاص اصول کیا ہیں؟

۴- گوتم بدھ کی زندگی کے خاص خاص واقعات کون کون سے ہیں؟

۵- بدھ جی کے مذہبی اصول بیان کرو۔ ان کی تعلیمات کی اشاعت اتنی جلدی کیوں ہو گئی؟

۶- جین مذہب اور بدھ مذہب میں کونسی باتیں یکساں ہیں؟

۷- جین مذہب اور بدھ مذہب میں کیا فرق ہے؟

چھٹا باب

بُدھ جی کے زمانہ کا ہندوستان

چھٹی صدی قبل مسیح ہمارے ملک کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے

سیاسی حالت

اسی زمانہ میں مہابیر اور بُدھ جیسے مہاتما ہوئے جنہوں نے مروجہ مذہب کی خرابیوں کو مٹا کر نئے مذہبوں کی بنیاد ڈالی۔ اسی وقت سے مگدھ راج کی توسیع ہونے لگی اور آہستہ آہستہ مگدھ

کے حکمران، ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصہ کے مالک بن گئے اس وقت کی ریاستوں کا حال ہمیں بدھ اور جین متبرک کتابوں سے ملتا ہے۔ مہابھارت کی لڑائی کے بعد ہندوستان میں کچھ دن تک طوائف الملوکی رہی لیکن ہمیں اس وقت کے بعد کی تاریخ ٹھیک سے معلوم نہیں ہے۔ بدھ جی کے زمانہ میں پہلے زمانہ سے کچھ بڑے راج تھے۔ جن کو "مہاجن پد" کہتے تھے۔ ان میں سے کچھ کے حاکم راجہ تھے۔ جو اپنے والد کے بعد سلطنت کے حقدار ہو جاتے تھے۔ ایسی ریاستوں کو شاہی نظام حکومت کہتے ہیں۔ شاہی ریاستوں میں چار خاص تھے:۔

(۱) کوشل۔ جس کا دارالسلطنت ساکیت یا ایودھیا تھا۔

(۲) مگدھ۔ جس کا دارالسلطنت راج گرہ تھا۔

(۳) وتس یا ونس۔ جس کا دارالسلطنت کوشمبی تھا۔

(۴) اونتی۔ اس کا دارالسلطنت اُجینی تھا۔

بدھ کے زمانہ میں پرسین جیت کوشل کا حکمران تھا۔ اس کی بہن مگدھ کے راجہ بمبسار کو منسوب تھی۔ بدھ جی کے زمانہ میں بمبسار اور اس کے لڑکے اجات شترو نے مگدھ پر حکومت کی۔ انہیں کے زمانہ سے مگدھ کی ترقی ہونے لگی۔ کوشمبی میں مہاراج ادائن برسر حکومت تھے۔ یہ بہت ہی بہادر اور ماہر موسیقی تھے۔ اسی زمانہ میں اُجینی میں پردیوت حکمران تھے۔ پردیوت بہت ہی طاقتور راجہ تھے۔ انہوں نے ہمسایہ ریاستوں کو مطیع کر لیا تھا۔ آہستہ آہستہ ان چار ریاستوں نے دیگر چھوٹی ریاستوں کا خاتمہ کر دیا۔ آگے چل کر ان میں باہمی جنگ ہونے لگی۔ جس کا بیان ہم اگلے باب میں کریں گے۔

ان کے علاوہ بدھ جی کے زمانہ میں کچھ جمہوری راج بھی تھے ان میں سے کچھ نے وفاقی انجمنیں بنالی تھیں۔ ایسی انجمنوں میں مّل اور

INDIA IN 600 B.C
GANDHARAS
MATSYA
KURUS
PANCHALA
SHAKYAS
MALLA
SURSENA
CHEDI
VAMSA
AVANTI
KASHI
ASMAKA
DAKSHINAPATHA
KALINGA
CHOLA
CHERA
PANDYA
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL
16. KINGDOMS OF BUDDHA'S TOWNS.
Anga Magadha Kashi Koshala
Malla Chedi Vraj Panchala Matsya
Vamsa Sursena Kuru Kamboja
Gandhara Asmaka Avanti

ورِج خاص ہیں۔ ۱۶ مہاجن پدوں میں دو یہ بھی تھے۔ جمہوری ریاستوں میں موریا، شاکیہ، ودیہہ، مل اور کچھ تھیں۔ ان میں جمہور راج بہت دنوں تک کافی با اقتدار رہا۔ ان ریاستوں میں حکمرانی کا کام ایک انجمن کے ذریعہ انجام دیا جاتا تھا۔ یہی انجمن اپنا ایک صدر انتخاب کر لیتی تھی، جو راجہ کہا جاتا تھا۔ ریاست کے خاص کاموں کے متعلق انجمن کی رائے لینا ضروری تھا۔ اختلاف رائے ہونے پر کثرت رائے کے متعلق فیصلہ ہوتا تھا۔ ان ریاستوں کو گن راج، (جمہوری ریاست) بھی کہتے تھے۔ لیکن مگدھ کا اقتدار بڑھنے پر ان میں سے بہت سی جمہوری ریاستوں کا خاتمہ ہو گیا۔

مالی حالت

شہروں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ لیکن زیادہ تر لوگ آجکل کی طرح گاؤں ہی میں رہتے تھے۔ گاؤں اکثر بہت چھوٹے ہوتے تھے۔ مکان پھوس اور مٹی کے ہوتے تھے۔ مکان کے پاس ہی گاؤں والوں کے کھیت ہوتے تھے۔ لوگ دھان کی کھیتی زیادہ کرتے تھے۔ لیکن گیہوں، جو، دال، مٹر وغیرہ کی بھی کھیتی ہوتی تھی۔ گاؤں والے کچھ مویشی بھی پالتے تھے۔ ان کے چرنے کے لئے کچھ زمین الگ چھوڑ دی جاتی تھی۔ یہ زمین کسی ایک شخص کی نہیں بلکہ سارے گاؤں کی سمجھی جاتی تھی۔ کسانوں کے علاوہ سنار، کمہار، بڑھئی، لوہار، نائی، جوہری، سنگ تراش وغیرہ بھی تھے۔ کچھ لوگ صرف تجارت کرتے تھے۔ تجارت اپنے ملک اور غیر ممالک دونوں سے ہی ہوتی تھی۔ سوداگر بڑے مالدار تھے۔ ان کو سیٹھ یا شریشٹھی (۱) کہتے تھے۔ سوسائٹی میں ان کی کافی وقعت تھی۔ وہ سود پر روپیہ قرض بھی دیتے تھے۔ کچھ لوگ ان کے پاس اپنا روپیہ جمع بھی کرتے تھے۔ اس طرح وہ بینک کا کام بھی کرتے تھے۔ عوام آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کھانے پینے کی تکلیف کسی کو نہ تھی۔ اس لئے جرائم بھی بہت کم ہوتے تھے۔

مشق کے لئے سوالات

۱۔ مہاتما بدھ جی کے زمانہ میں شمالی ہند میں کون کونسی خاص ریاستیں تھیں؟ ان کا نظام حکومت کیسا تھا؟

۲۔ بدھ جی کے زمانہ میں لوگوں کے خاص پیشے کیا تھے؟ لوگوں کی حالت کیسی تھی؟

ساتواں باب

موریہ زمانہ سے قبل کا ہندوستان

مہاتما بدھ کے زمانہ سے لیکر چندر گپت موریہ کے زمانہ تک شمالی ہند میں، تین خاص واقعات ہوئے۔ (۱) بدھ مذہب اور جین مذہب کی اشاعت، (۲) مگدھ راج کی توسیع اور (۳) بیرونی حملے۔

بدھ مذہب اور جین مذہب کی پیدائش اور ترقی کے اسباب ہم پانچویں باب میں بتا چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ مذہب پھیلتے گئے اور برہمنوں کا اثر گھٹتا گیا۔ لیکن برہمنوں کے عادات و اطوار اتنے نیک۔ اور پاک تھے کہ ان کی شخصی خرابیاں بتانا مشکل تھا۔ انہوں نے اپنے مذہب کی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور نئے مذہبوں کی تنقید شروع کی۔ گو تینوں ہی مذہب والوں نے شاہی طاقت سے بھی مدد لینی چاہی۔ لیکن برہمن مذہب کا اثر عوام میں کم و بیش بنا ہی رہا۔

مہاتما بدھ کے زمانہ میں بمبسار، مگدھ کا حکمران تھا۔ اس نے ۵۴۳ ق۔م سے ۴۹۱ ق۔م تک حکومت کی۔ اسے شرینک بھی کہتے تھے۔ اس

مگدھ کی تاریخ
بمبسار

راج گرہ کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اور مگدھ کی اندرونی حکومت کو درست کرکے سلطنت کی توسیع شروع کی۔ اس نے انگ (مغربی بنگال) کو فتح کرکے اپنے راج میں ملا لیا۔ اور پھر کوشل و لچھور ریاستوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرکے اپنا اثر بڑھا لیا۔ کوشل کے راجہ پرسین جیت کی بہن سے بھی اس نے اپنی شادی کی اور دہیز میں اُسے کاشی راج کا کچھ حصہ مل گیا۔

کنیک
اجات شترو

بمبسار کے بعد اس کا لڑکا اجات شترو تخت نشین ہوا۔ اجات شترو بڑا با اقتدار راجہ تھا۔ اس نے کوشل سے جنگ کی۔ اور آخر کار کل کاشی راج اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس نے لچھور ریاست پر بھی فوج کشی کی۔ پہلے تو اس کی شکست ہوئی لیکن بعد میں اس نے وہاں مجلس میں پھوٹ ڈلوا دی اور ایک خاص قسم کا رتھ استعمال کرکے جو کہ آجکل کے ٹینک کی طرح تھا۔ فتح حاصل کر لی۔ اسی فتح کے بعد اس نے ویشالی پر قبضہ کر لیا۔ شاید اونتی کے راجہ پردیوت سے بھی اس کی لڑائی ہوئی۔ لیکن اس میں اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

اُداین

اجات شترو کے بعد اُداین راجہ ہوا۔ اس نے ۴۵۹ ق۔ م سے ۴۳۳ ق۔ م تک حکومت کی۔ اُس نے راج گرہ کے مقام پر دریائے گنگا اور سون کے سنگم پر نیا دارالسلطنت بنایا۔ اس نئے شہر کا نام کسم پور رکھا۔ کیونکہ اس کے پاس ڈھاک کے پھول خوب ہوتے تھے۔ اسی کا نام پاٹلی پتر بھی پڑ گیا۔ اُداین کے زمانہ میں مالوہ۔ اونتی کا حکمران بہت طاقتور تھا۔ اس لئے حکومت کی توسیع مغرب کی طرف نہیں ہو سکی۔

اُداین کے مرنے کے بعد ۲۲ سال کے اندر تین راجہ ہوئے۔ ان کے

ششوناگ خاندان
۴۱۲ سے ۳۴۴ ق۔م

ظلم اور نااہلیت سے عاجز آ کر رعایا نے ششوناگ نامی ایک وزیر (اماتیہ) کو جو کاشی کا گورنر تھا راجہ بنا دیا۔ اس طرح ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑی۔ ششوناگ نے ۴۱۲ سے ۳۹۴ ق۔م تک حکومت کی۔ اس نے راج گرہ کو پھر پایۂ تخت بنایا۔ اور مشرق کے صوبوں کا معقول انتظام کرنے کے لئے ویشالی کو دوسرا پایۂ تخت بنایا۔ اس نے اونتی کی ریاست کو بھی کمزور کر دیا اور اس کا بیشتر حصہ مگدھ کی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ششوناگ کے بعد اس کا بیٹا کالاشوک راجہ ہوا۔ اسے کاکاشوک (زاغ فام) کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا رنگ کوّے کی طرح کالا تھا۔ کالاشوک کا اس کے وزیر مہاپدم نند نے خون کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۶۵ ق۔م کے قریب ہوا۔

مہاپدم نند ۲۲ سال تک ایک شہزادہ کے محافظ کی حیثیت سے

نند خاندان
۳۴۴ سے ۳۲۱ ق۔م

حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اور اس کے خاندان والوں نے تقریباً ۳۲۱ ق۔م تک حکمرانی کی۔ پرانوں میں اسے شودر گربھودبھو یعنی شودر ماں کے پیٹ سے پیدا کہا گیا ہے۔ اس نے جلدی ہی شمالی ہند کے قریب تمام چھتری راجاؤں کو شکست دی اور ان کا راج سلطنت مگدھ میں شامل کر لیا۔ اس کی سلطنت کی وسعت مغرب میں دریائے ستلج سے لیکر مشرق میں بنگال تک اور شمال میں ہمالیہ کی ترائی سے لیکر دریائے نربدا تک تھی ہی۔ مگر اسے جنوب کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل ہو۔ مشرقی سمندر کے کنارے پر کلنگ بھی نند سلطنت میں شامل تھا۔ اس طرح نند خاندان کے راجاؤں نے اس کام کو پورا کیا جسے بمبسار نے شروع کیا تھا۔ مگدھ کے زیر اقتدار کل شمالی ہند ایک سلسلۂ حکومت میں آ گیا

اور جنوبی ہند کا کچھ حصّہ بھی اس حکومت میں شامل ہو گیا۔ نندراجاؤں کا نام دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے پاس بے شمار دولت تھی۔ ان کی فوج میں بیس ہزار سوار، دو لاکھ پیادے، دو ہزار رتھ اور تین ہزار ہاتھی تھے۔ ہم اگلے باب میں پڑھیں گے کہ یہ شاندار سلطنت چندر گپت موریہ کے ہاتھ کس طرح لگی۔

بیرونی حملے

(۱) فارس کا حملہ

مگدھ جس وقت مشرقی حصّہ میں ایک چھوٹی ریاست سے بڑھ کر ایک عالی شان سلطنت میں تبدیل ہو رہا تھا، اسی زمانہ میں مغربی ہند بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ اس کمزوری سے بیرونی حملہ آوروں نے فائدہ اٹھایا۔ آریوں کے بعد جن لوگوں نے ہندوستان پر حملہ کیا، وہ فارس کے لوگ تھے۔ غالباً انہوں نے پنجاب اور شمالی صوبہ سندھ پر قبضہ کر لیا۔ ان صوبوں سے کروڑوں روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی اور فوج کے لئے بہادر سپاہی بھی مل جاتے تھے۔

ہندوستانی دولت اور بہادروں کی مدد سے فارس کے شاہوں نے اپنی سلطنت مشرق اور مغرب دونوں ہی طرف بڑھالی۔ انہوں نے یونان کا بھی کچھ حصّہ فتح کر لیا۔ گو پورے یونان پر قابض نہ ہو سکے۔ یونان کے صوبہ میسیڈن میں فلپ نام کا ایک بااقتدار حکمران ہوا۔ اس نے نہ صرف اپنی حکومت بڑھائی، بلکہ اصلاحات کی طرف بھی توجہ کی۔ فلپ کا بیٹا سکندر اتنے جاہ و جلال کا بادشاہ ہوا کہ تاریخ میں وہ سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے۔

سکندر کی خواہش تھی کہ وہ ساری دنیا کو فتح کرے۔ خوش قسمتی سے

(۲) سکندر کا حملہ اُسے ارسطو جیسا وفادار اور قابل وزیر مل گیا۔ سکندر نے ارسطو کو جو پہلے اس کا استاد بھی رہ چکا تھا، بارِ حکومت سپرد کیا اور دنیا کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ پہلے اس نے سارے یونان کو مطیع کیا۔ پھر ایک ایک کرکے فارس کے تمام صوبوں پر قابض ہو گیا۔ اور ۳۳۰ ق۔م میں فارس کو بھی فتح کر لیا۔ اب اس کی خواہش اور مشرق کی طرف بڑھنے کی ہوئی۔ ۳۲۷ ق۔م میں وہ دریائے سندھ کے ساحل تک پہونچ گیا۔ ہندوستان پر سکندر کے حملے کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

اس حملے کے کئی سبب تھے۔ سکندر کی خواہش ساری دنیا کو فتح **حملے کے اسباب** کرنے کی تھی۔ اس لئے ہندوستان کو بھی فتح کرنا ضروری تھا۔ دوسرے ہندوستانیوں نے فارس کی فوج کے ساتھ یونانیوں کو شکست دی تھی۔ ممکن ہے سکندر کی خواہش ان سے بدلہ لینے کی بھی رہی ہو۔ تیسرے اس نے سُنا تھا کہ ہندوستان میں بے شمار دولت تھی۔ اس کے صرف ایک چھوٹے سے حصہ سے ہی فارس والوں کو کروڑوں روپیہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ سکندر ایسی سونے کی چڑیا کو پانے کا خواہاں تھا۔ چوتھے سکندر چاہتا تھا کہ یونان سے ہندستان کی تجارت زیادہ سے زیادہ پیمانہ پر ہو۔ اس کے لئے مناسب راستہ معلوم کرنا ضروری تھا۔ نئے راستہ کی تلاش بھی اس حملہ کا ایک مقصد تھا۔

سکندر نے سرحدی قوموں کو قابو میں کرکے دریائے سندھ کو پار کر لیا۔ **خاص واقعات** ٹکشلا کا راجہ آمبھی اس سے مل گیا اور اس کی مدد سے سکندر نے دریائے جہلم اور چناب کے درمیان کے ملک کے مشہور حکمران پورو (پورس) کو شکست دی۔ اس کے بعد مشرق کی طرف جانے میں اسے سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ چھوٹے

چھوٹے راج کمزور ہو گئے۔ لیکن سکندر کے سپاہیوں کی دریائے بیاس پار کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ نند سلطنت کی طاقت کی داستانوں نے ہی ان کی ہمتیں توڑ دیں۔ وہ ۳۲۵ ق۔م میں ستلج، سندھ، سمندر کے راستہ سے واپس چلا گیا اور ۳۲۳ ق۔م میں بیبیلون مقام میں اس جہانِ فانی کو خیرباد کہہ گیا۔

ہندوستان کی سیاسی ترقی پر سکندر کے حملہ کا کافی اثر پڑا۔

حملہ کا اثر پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بجائے تین چار بڑی ریاستیں بن گئیں جو برابر سکندر کے ماتحت تھیں۔ چندرگپت موریہ کو ان ریاستوں کو زیر کرنے میں خاص دقت نہیں ہوئی۔ اس طرح سکندر کے حملہ نے شاہی اقتدار قائم کرنے میں غیبی امداد دی۔ دوسرے سکندر کے حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کے چار نئے راستے معلوم ہو گئے۔ ان راستوں سے ہندوستان خیرممالک سے تجارت کرنے لگا۔ تیسرے یونان اور ہندوستان میں تعلقات قائم ہونے سے دونوں ملکوں کی تہذیب پر اثر پڑا۔ شاید ہندوستانی بت تراشی کی صنعت پر یونانیوں کا اثر پڑا۔ ہندوستانی علم طب پر بھی یونانی تعلقات نے کچھ اثر ڈالا۔ ہندوستان کے علم نجوم اور فلسفہ نے یونانیوں کو کافی متاثر کیا۔ اور ان کے ذریعہ سے انہوں نے یورپ پر بھی احسان کیا۔ ہندوستان کے مذہبوں کی اشاعت اب یونان تک ہونے لگی۔ بدھ مذہب کا عیسائی مذہب پر گہرا اثر پڑا ہے۔ اس طرح اس حملہ کا تجارت اور تہذیب کے نقطہ نگاہ سے کافی اثر پڑا۔ حالانکہ یونانیوں کی فتح کے نشانات جلد ہی ہندوستان سے مٹ گئے۔ ہندوستان کی سرحد پر البتہ کچھ یونانی ریاستیں قائم ہو گئیں جن کا اثر شمال مغربی ہندوستان پر کم و بیش کئی صدیوں تک پڑتا رہا۔

خاص تاریخیں

بمبسار کا مگدھ پر حکمران ہونا	۵۴۲ ق-م
اجات شترو کی تخت نشینی	۴۶۱ ق-م
اُداین کی تخت نشینی	۴۵۹ ق-م
اُداین کے جانشین	۴۴۳ سے ۴۱۱ ق-م
ششوناگ خاندان	۴۱۱ سے ۳۴۳ ق-م
نند خاندان	۳۴۳ سے ۳۲۱ ق-م
سکندر کی پورو (پورس) سے جنگ	۳۲۶ ق-م
سکندر کا واپس جانا	۳۲۵ ق-م
سکندر کی موت	۳۲۳ ق-م

مشق کے لئے سوالات

۱- ۵۴۳ سے ۳۲۱ ق-م تک کے زمانہ میں مگدھ سلطنت کی ترقی کا مختصر حال بیان کرو۔

۲- شمال مغربی ہندوستان کا کونسا حصہ فارس کا مطیع تھا؟ اس کو اس حصہ سے کیا فائدہ تھا؟

۳- سکندر نے ہندوستان پر کیوں حملہ کیا؟ اُسے ہندوستان کو فتح کرنے میں کن وجوہات سے آسانی ہوئی؟

۴- سکندر کے حملہ کے کیا خاص اثرات ہوئے؟

آٹھواں باب

موریہ سلطنت۔ چندرگپت موریہ اور اشوک

چندرگپت موریہ کی ابتدائی زندگی

بدھ مذہب کی متبرک کتابوں میں مگدھ کے آخری بادشاہ کا نام نند لکھا ہے۔ شاید وہ جین تھا۔ اس کا ایک وزیر شکٹار بھی جین تھا۔ اس کے مذہبی طرز عمل سے برہمن ناراض ہوگئے تھے۔ اپنی دولت اور طاقت کے نشہ میں وہ برہمنوں کی بے عزتی اور رعایا پر ظلم بھی کرنے لگا۔ براہمن اسے شودر سمجھ کر حکومت کرنے کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ جب چھتریوں کا راج اس نے چھین لیا تو وہ بھی اس سے ناراض تھے۔ ان میں سے ایک چھتری شہزادہ پپلیوان کے موریوں کا ہم خاندان چندرگپت تھا۔ نند کے یہاں اس کا باپ وزیر تھا۔ شہزادہ چندرگپت ملک سے فرار ہوگیا اور بہت دنوں تک مختلف خطوں میں گھومتا پھرتا پنجاب پہنچا۔ کہتے ہیں کہ اس نے وہاں سکندر سے ملاقات کی۔ اور اسے نند پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ کسی وجہ سے سکندر چندرگپت سے ناراض ہوگیا۔ چندرگپت کو اس بات کا پتہ لگ گیا اور وہ اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ بھاگتے بھاگتے تھک کر وہ ایک مقام پر سو گیا۔ اتنے میں یونانی اس کے بہت نزدیک آگئے۔ اتفاقاً ایک شیر آگیا۔ اس نے اپنی زبان سے چاٹ چاٹ کر چندرگپت کو جگا دیا! ایک دوسرے موقع پر اسے دشمنوں نے گھیر لیا وہ بہت پریشان ہوا کہ کس طرح جلدی بھاگوں، کہ اتنے میں ایک جنگلی ہاتھی دکھائی پڑا! اس نے آسانی سے چندرگپت کو سوار ہو جانے دیا۔ اور اسے لیکر وہ یونانیوں سے دور بھاگ گیا۔ چندرگپت کو اب یقین ہوگیا کہ خدا

اس کا نگہبان بنے وہ ضرور ایک بڑا آدمی ہوگا۔ اسی وقت اس کی ملاقات چانکیہ نامی ایک برہمن سے ہوئی۔ چانکیہ کو ٹلیہ اور وشنو گپت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ شاید وہ ٹکشلا کی یونیورسٹی میں سیاسیات کا معلم تھا۔ چانکیہ کے دماغ اور چندر گپت کی جانفشانی نے یونانیوں کو ہندوستان چھوڑ دینے پر مجبور کیا۔ چندر گپت اب ایک طاقتور حکمران ہو گیا۔ اس نے اسی زمانہ میں نند سے بدلا لینے کا مصمم ارادہ کیا۔ نند کی رعایا اس سے ناراض تھی ہی۔ چندر گپت نے نند کے کچھ کارکنوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی۔ جنگ میں چندر گپت نے نند کی فوج کو شکست فاش دی اور نند کو اپنی جان اور سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ سب تقریباً ۳۲۱ ق۔م تک ہو گیا۔

چندر گپت کی مملکت

چندر گپت نے مگدھ اور پنجاب کی فتح کے بعد دوسرے کون سے ملک فتح کیے اور کب فتح کئے یہ ٹھیک معلوم نہیں لیکن اتنا یقین ہے کہ شمالی ہند کا تقریباً پورا حصہ اس کے تحت میں آ گیا تھا۔ اس کا ثبوت مل چکا ہے کہ سوراشٹر اس کی مملکت میں شامل تھا۔ دریائے نربدا کے جنوب میں بھی شاید کچھ حصہ میں اس کی حکومت تھی۔ کچھ کتبوں اور نظموں سے شبہ ہوتا ہے کہ میسور کا شمالی حصہ اس کی مملکت میں تھا۔ ۳۰۵ ق۔م میں سیلیوکس نے پنجاب اور سندھ پر حملہ کیا۔ یہ سکندر کا سپہ سالار تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ میں سکندر کے مفتوحہ مقامات پر بہ آسانی اقتدار قائم کر لونگا۔ لیکن نہ تو اب بھی جیسے غدار اور بزدل تھے اور نہ پنجاب میں پھوٹ ہی تھی۔ اس کے برخلاف اب وہاں کا حکمران چندر گپت موریہ تھا جو کہ یونانیوں کی سب ہی چالوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اپنی عظیم الشان فوج لیکر سیلیوکس کا مقابلہ کرنے کے لئے پہونچ گیا۔ سیلیوکس اس فوج کو دیکھتے ہی ڈر گیا۔

اسی وقت اس کے ملک پر مغرب کی طرف سے ایک دوسرے یونانی فرمانبردار نے حملہ کر دیا۔ اس لئے سیلیوکس نے چندر گپت سے صلح کر کے اپنی جان بچانی چاہی۔ سیلیوکس کی مشکلات کا پتہ پاکر چندر گپت نے ایسی شرائط پر صلح کی تجویز پیش کی کہ سیلیوکس پھر کبھی ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ اس نے کہا کہ کوہ ہندوکش ہندوستان کی قدرتی سرحد ہے۔ اس لئے سندھ اور ہندوکش کے درمیان کا ملک مجھے دیدو۔ تب ہی ہم لوگوں میں مستقل صلح رہ سکتی ہے۔ اس طرح اس نے موجودہ افغانستان بلوچستان اور ہرات اپنی مملکت میں شامل کر لئے۔ سیلیوکس نے چندر گپت کے ساتھ ایک یونانی شہزادی کو بھی منسوب کر دیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام ہیلن تھا۔ اور وہ سیلیوکس کی دختر تھی۔ لیکن اس کا کوئی ٹھیک ثبوت نہیں ہے۔ دوستانہ طور پر چندر گپت نے سیلیوکس کو ۵۰۰ ہاتھیوں کا ایک دستہ پیش کیا۔ سیلیوکس اس کی مدد سے مغربی دشمن پر فتحیاب ہوا۔ اس نے چندر گپت سے برابر دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ اور اس کے دربار میں اپنا ایک سفیر میگاستھنیز بھیجا۔

چندر گپت کا نظام حکومت

کوہ ہندوکش سے دریائے برہم پتر تک اور کوہ ہمالیہ سے لیکر قریب میسور تک پھیلے ہوئے وسیع ملک کی حفاظت، امن اور ترقی کے لئے چندر گپت نے مناسب نظام حکومت بھی کیا۔ ہمیں چندر گپت کے نظام حکومت کے بارہ میں زیادہ تر باتیں میگاستھنیز کی کتاب "انڈکا" اور چانکیہ کی کتاب "ارتھ شاستر" سے معلوم ہوئی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے "انڈکا" کی کوئی جلد مکمل نہیں ملتی۔ ہمیں اس کے صرف کچھ "حصے" دوسرے مصنفوں کی کتابوں میں حوالہ کی شکل میں ملتے ہیں۔ ارتھ شاستر بھی چندر گپت کے نظام حکومت کو بیان کرنے کے لئے نہیں لکھا گیا۔ وہ تو ایک الگ

MAURYAN EMPIRE
321-250 B.C.
CHANDRAGUPTA
EMPIRE
Peshawar
Mathura
Dehradun
Kalsi
Kasi
Sahasram
Rupnath
Sanchi
PULINDAS
KALINGA
Jaugarh
Toasali (Dhauli)
Siddhapur
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL
Reference

کتاب ہے جس میں مصنف نے بتایا ہے کہ بادشاہ کو کس طرح اپنی مملکت کو متحدہ رکھنا چاہیئے۔ کن جرموں کی کیا سزا دینی چاہیئے۔ محصول کتنا لینا چاہیئے۔ اور امن و خوش انتظامی کے لیئے کیا خاص احتیاط کرنا چاہیئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب کا مصنف چانکیہ چندر گپت کا وزیر اعظم تھا۔ اس لئے معمولی طور پر ان ہی قاعدوں کے مطابق انتظام حکومت کیا گیا ہوگا۔

مرکزی حکومت شہنشاہ

مملکت کا سب سے بڑا عہدہ دار بادشاہ تھا۔ اس کا حکم سب کو ماننا پڑتا تھا۔ مناسب انتظام کے لئے وہی قاعدے بناتا تھا ان قاعدوں کو شاسن کہتے تھے۔ مملکت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کا تقرر وہی کرتا تھا۔ اور ان کے کاموں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس کام کے لئے وہ خفیہ حکام مقرر کرتا تھا، جو اسے ہر شخص کے بارہ میں خبر دیتے تھے۔ دوسرے ملکوں کے سفیروں سے وہی بات چیت کرتا تھا اور وہی دوسرے ملکوں کے لئے اپنے سفیر مقرر کرتا تھا مملکت کا سب سے بڑا حاکم عدالت (منصف) یعنی بادشاہ ہی تھا۔ وہ فوج کی ترتیب اور اہتمام جنگ کی طرف پوری توجہ دیتا تھا۔ اس بارے میں وہ سپہ سالار سے مشورہ بھی کرتا تھا۔

مجلس وزراء

اگرچہ بادشاہ کو سب کچھ کرنے کا اختیار تھا۔ پھر بھی اسے دوسرے لوگوں کے مشورہ سے کام کرنا پڑتا تھا۔ مملکت کے بڑے عہدہ دار اماتیہ اور سچو (وزیر) کہلاتے تھے۔ ان کی تعداد ٹھیک معلوم نہیں۔ ان میں ۸ خاص تھے۔

ا۔ پروہت۔ وہ راجہ کو مذہبی اصولوں کی تعلیم دیتا تھا۔ پروہت کے عہدہ پر ہمیشہ برہمن ہی رہتا تھا۔

۲- منتری۔ اس کا کام کچھ حد تک وزیر اعظم کا سا تھا۔
۳- سیناپتی (سپہ سالار) بادشاہ کے بعد یہی فوج کا سب سے بڑا افسر تھا۔
۴- یوراج (ولی عہد) اسے مجلس وزراء میں اس لئے رکھا جاتا تھا تاکہ اسے حکومت کے متعلق سب ہی باتوں سے واقفیت حاصل ہو جائے۔
۵- سماہرتا۔ وہ محکمۂ مال کا افسر تھا۔ وہی ساری مملکت کا محصول جمع کراتا تھا۔
۶- سندھاتا۔ خزانچی تھا۔ ملک کی آمدنی اور خرچ کا حساب اسی کے پاس رہتا تھا۔
۷- پردیشتر۔ وہ محکمۂ عدل اور کچھ دوسرے چھوٹے محکموں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔
۸- پرشستر۔ وہ خط و کتابت کرتا تھا۔
ان آٹھ میں سے بھی پہلے چار زیادہ اثر رکھنے والے تھے وہ بادشاہ کی خاص انجمن کے رکن تھے۔ اکثر ان کے ہی مشورے سے کام ہوتے تھے۔ باقی وزیروں کی مجلس کا انعقاد کم ہوتا تھا۔ بادشاہ اپنی خواہش کے مطابق ان کی صلاح منظور یا نامنظور کر سکتا تھا۔ تمام حکومت کا انتظام کئی حصوں میں منقسم تھا اور ہر محکمہ کے الگ الگ افسر تھے۔

صوبجاتی سرکار

تمام ملک چار چکروں یا بڑے صوبوں میں منقسم تھا۔ چکروں کی حکومت اکثر شہزادوں کو ہی دی جاتی تھی۔ پاٹلی پتر کے ارد گرد والے چکر کا انتظام بادشاہ خود کرتا تھا۔ ان صوبوں کے نام یہ تھے:-
(۱) اترا پتھ۔ اس کا پایہ تخت ٹکشلا تھا۔ اس میں افغانستان بلوچستان، ہرات، پنجاب، سندھ اور کشمیر کا کچھ حصہ تھا۔

۲۔ مدھیہ پردیش (ملک متوسط) اور پراچیہ پردیش (مشرقی ممالک)۔ اس کا پایۂ تخت پاٹلی پتر تھا۔ اس میں موجودہ صوبۂ متحدہ، بہار، بنگال اور اڑیسہ کا کچھ حصہ شامل تھا۔

۳۔ اونتی پتھ۔ اس کا پایۂ تخت اجینی تھا۔ اس کے اندر سوراشٹر، مالوا، راجپوتانہ اور صوبۂ متوسط کا کچھ حصہ شامل تھا۔

۴۔ دکشنا پتھ۔ اس کا پایۂ تخت سورگر تھا۔ اس میں نرمدا ندی کی ترائی اور جنوبی ہند کا کچھ حصہ شامل تھا۔

ہر بڑا صوبہ یا چکر کئی جن پدوں (صوبوں) میں منقسم تھا۔ ان میں سے کچھ جن پدوں میں باجگذار سردار حکومت کرتے تھے ان کی حیثیت کچھ حد تک آج کل کی دیسی ریاستوں کے راجاؤں کی سی تھی۔ باقی جن پدوں پر سرکاری عہدہ دار مقرر تھے۔ ان کو راجک اور مہاماتر کہتے تھے۔

مقامی انتظام

ہر جن پد چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ پر ایک استھانک (مقامی حاکم) حکومت کرتا تھا۔ استھانکوں کے نیچے گوپ ہوتے تھے۔ گوپوں کے اختیار میں کئی ایک گاؤں ہوتے تھے۔ گوپ کے نیچے ہر گاؤں میں ایک گرامک رہتا تھا۔ گرامک کا عہدہ گاؤں کے ہی معزز شخص کو دیا جاتا تھا۔ اسے تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ اور گاؤں کے انتظام میں اسے گرام وردھ (گاؤں کے بزرگوں کی سبھا) کا مشورہ ماننا پڑتا تھا۔ گوپوں سے لیکر مہاماتروں تک سب ہی افسر بادشاہ کے نزدیک ذمہ دار ہوتے تھے اور ان کو مقرر کرنے کے لیے کوئی رعایا کی انتخاب کی ہوئی سبھا یا انجمن نہیں تھی۔

فوجی انتظام

اتنی بڑی سلطنت کی حفاظت کیلئے ایک بڑی فوج کی ضرورت تھی۔ میگستھنیز نے چندر گپت کی فوجی ترتیب کی بڑی تعریف کی ہے۔ فوج کا سارا انتظام ایک بورڈ کے سپرد تھا۔ اس بورڈ کے ۳۰ ممبر تھے اور سپہ سالار اس کا صدر ہوتا تھا۔ بورڈ کو ۵۔۵ اراکین کی چھ کمیٹیوں میں تقسیم

کر دیا تھا پہلی پیادہ فوج کا انتظام کرتی تھی۔ چندر گپت کی فوج میں چھ لاکھ پیدل سپاہی تھے۔ دوسری سواروں کا انتظام کرتی تھی۔ سواروں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تیسری رتھ پر سوار ہو کر جنگ کرنے والی فوج کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ رتھوں کی تعداد ۹۰۰ ہزار تھی۔ چوتھی فیل پیلہ کا انتظام کرتی تھی۔ چندر گپت کے پاس ۹ ہزار عالیشان ہاتھیوں کی فوج تھی۔ پانچویں کشتیوں اور بجروں کا انتظام کرتی تھی دریاؤں کو پار کرنے کے لئے مناسب انتظام کرنا اسی کا کام تھا۔ چھٹی رسد اور سامان رسانی کا انتظام کرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ چندر گپت کی فوج میں ہزاروں بیل اور خچر ان کام کے لئے رکھے جاتے تھے۔ اسی کمیٹی کا کام طبیبوں اور دواؤں کا انتظام کرنا تھا۔ زخمی اور بیمار فوجیوں کی دوا دارو کا پورا انتظام کیا جاتا تھا۔ فوج کو تنخواہ سرکاری خزانہ سے دی جاتی تھی۔ فوجیوں کی بھرتی کے قاعدے بادشاہ ہی بناتا تھا۔ اس طرح فوج پر بادشاہ کو پورا اختیار رہتا تھا۔ اور اس کے باغی ہو جانے کا کھٹکا بہت کم رہتا تھا۔ مملکت کے امن اور حفاظت کے خیال سے اس کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں درگ پالوں (قلعہ دار) اور انت پالوں (محافظ سرحد) کے تحت میں جگہ جگہ پر رکھ دی گئی تھیں۔ موریائی پایہ تخت اور سرحدی قلعوں میں منتخب بہادر رکھے جاتے تھے۔

شہروں کا انتظام

عہد موریہ میں شہروں کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔ ان میں سے کچھ تو پاٹلی پتر، اُجینی، تکشلا، کاشی، اجودھیا کی طرح بہت بڑے تھے باقی چھوٹے تھے۔ ان کا انتظام بھی مناسب طریقہ سے کیا جاتا تھا۔ میگستھنیز نے پاٹلی پتر کے انتظام کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ممکن ہے دوسرے شہروں کا انتظام بھی اسی طرح ہوتا ہو۔ چندر گپت موریہ کے زمانہ میں پاٹلی پتر ایک خوبصورت شہر تھا اس کی لمبائی ۹ میل اور چوڑائی $\frac{2}{4}$ ۱ میل تھی۔ شہر کی فصیل لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں ۶۴ بڑے دروازے (پھاٹک) تھے اور جگہ جگہ پر ۵۷۰ گنبد اور مینارے بھی تھیں۔ اس فصیل کے باہر ایک ۶۰۰ فٹ لمبی خندق تھی۔

اس میں ۳۰ ہاتھ گہرا پانی بھرا رہتا تھا۔ اس کے سبب سے شہر پر اچانک حملہ کرنا مشکل تھا شہر کے اندر خوبصورت مکان بنے ہوئے تھے ان میں سب سے خوبصورت شاہی محل تھا۔ اسکے کھنڈر ۷۰۰ سال بعد تک موجود تھے۔ محل بھی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر خوبصورت نقش و نگار تھے محل میں سینکڑوں چور دروازے اور فرضی زینے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے کسی نئے آدمی کا اندر داخل ہو کر کسی مقررہ مقام تک پہونچنا ناممکن تھا۔ اندر آنے جانے والوں کی پوری تلاشی لی جاتی تھی۔ شہر کا سب سے بڑا افسر ناگرک کہلاتا تھا۔ سارے شہر کو چار حصّوں میں منقسم کیا جاتا تھا۔ اور ہر حصّہ ایک استھانک کے تحت میں رہتا تھا استھانکوں کے نیچے گوپ رہتے تھے جو کہ ۱۰-۱۵ خاندانوں کی نگرانی رکھتے تھے۔ شہر میں ایک ۳۰ آدمیوں کا بورڈ بھی ہوتا تھا۔ یہ شہریوں کو مدد پہونچاتا تھا۔ آسانی کے لئے اس کے اراکین کو ۶ کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ہر کمیٹی کو علیحدہ علیحدہ کام سپرد کیا گیا تھا۔ پہلی پیدائش اور موت کا حساب رکھتی تھی دوسری دستکاری کا انتظام کرتی تھی، تیسری چنگی و دیگر محصول وصول کرتی تھی۔ چوتھی پردیسیوں کے ٹھہرنے وغیرہ کا انتظام کرتی تھی اور ان پر نظر رکھتی تھی کہ وہ کیا کرتے اور کہاں آتے جاتے ہیں، پانچویں بازاروں میں دوکانوں اور سوداگروں کا انتظام کرتی تھی۔ اور مناسب قانون بناتی تھی۔ چھٹی سرکاری اور دیگر کارخانوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ پولیس کا معقول انتظام تھا۔ اور شہر کے باشندوں کے آرام کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔

سزاؤں کا طریقہ

موریہ سلطنت کو قائم ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، اسلئے سازشیں اور جرائم کچھ زیادہ ہوتے تھے۔ ان کو روکنے کے لئے چندر گپت نے سخت سزائیں مقرر کی تھیں چھوٹے چھوٹے جرموں کے بدلے ہاتھ پیر کاٹ لئے جاتے تھے۔ تالاب کا بند توڑنا، سرکاری ملازموں کو چوٹ پہونچانا، حکومت کی آمدنی کو نقصان پہنچانا، چوری

کرنا وغیرہ جرموں پر موت کی سزا دی جاتی تھی۔ انصاف کرنے کے لئے کل سلطنت میں منصف مقرر تھے۔ پولیس اور خفیہ پولیس کی مدد سے جرموں کا پتہ لگایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی مجرم کا پتہ لگانے کے لئے سخت تکلیفیں بھی دی جاتی تھیں۔

سرکاری آمدنی

سلطنت کی خاص آمدنی لگان سے ہوتی تھی۔ کسانوں کو پیداوار کا ۱/۴ حصہ لگان کے طور پر دینا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ جہاں کھیتی کے لئے تالاب بنوائے گئے تھے، وہاں آبپاشی کا محصول بھی لیا جاتا تھا۔ یہ پیداوار کا ۱/۵ حصہ ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ جنگلی اجناس، معدنیات وغیرہ سے بھی سرکار کو آمدنی ہوتی تھی۔

چندر گپت کی وفات

چندر گپت کی وفات کس وقت ہوئی یہ ٹھیک معلوم نہیں۔ جینیوں کے مطابق چندر گپت اپنے عہد حکومت کے آخری زمانہ میں جینی ہوگیا تھا۔ ۲۹۷ ق۔م کے قریب اس نے سلطنت کو ترک کر دیا اور جین مذہب کے گرو بھدر باہو کے ساتھ میسور کی پہاڑیوں میں جا کر عبادت کرنے لگا۔ کچھ دن وہیں روزے رکھکر اس نے انتقال کیا۔

بندوسار امترگھات

چندر گپت کے سنیاس لینے کے بعد اس کا لڑکا بندوسار تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ کے بہت کم واقعات معلوم ہیں، اس نے مغرب کے یونانی حکمرانوں سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ ان میں سے ایک سیریا کا بادشاہ اینٹیاکس تھا۔ بندوسار نے اس کے پاس شراب اور انجیر اور ایک یونانی عالم بھیجنے کے لئے ایک خط لکھا تھا۔ اینٹیاکس نے شراب اور انجیر کے ساتھ لکھ بھیجا کہ اس کے ملک میں علماء فروخت نہیں ہوتے۔ بندوسار کو "امترگھات" یعنی دشمنوں کو مارنے والا کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کچھ فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس نے ملک فتح کئے یا نہیں لیکن اتنا یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ اس کے زمانہ میں دور دراز کے شہروں میں بغاوتیں ہوئی تھیں اور بندوسار نے ان سب کو دبا دیا تھا۔ ایسی ہی ایک

بغاوت اس کے لڑکے سُسیم کے خلاف ٹکشلا میں ہوئی تھی۔ اور اسے فرو کرنے کے لئے اجینی سے اشوک کو بھیجا گیا تھا۔ بندوسار کی وفات ۲۷۲ ق۔م میں ہوئی۔ بندوسار کی وفات کے بعد اشوک وردھن یعنی اشوک تخت نشین ہوا۔ یہ

اشوک

اجینی اور ٹکشلا کا حکمران رہ چکا تھا۔ اور اپنی قابلیت کا ثبوت دے چکا تھا۔ لنکا کی پرانی بودھ کتابوں میں اشوک کو بہت ظالم بنایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے ۹۹ بھائیوں کو قتل کرکے تخت حاصل کیا تھا۔ یہ بات سچ نہیں معلوم ہوتی۔ بودھوں نے اپنے مذہب کی بزرگی دکھلانے کے لئے ہی شاید یہ جھوٹی کہانی گھڑ دی ہے۔ لیکن یہ ممکن کہ اشوک کو اپنے بڑے بھائی سے جنگ کرنی پڑی ہو۔ اس جنگ کے ہی سبب سے شاید اشوک ۲۶۹ ق۔م میں تخت نشین ہوا تھا۔

فتح کلنگ

تخت نشینی کے ۸ سال بعد ۲۶۱ ق۔م میں اشوک نے کلنگ پر حملہ کیا کلنگ نندوں کے زمانہ میں مگدھ کے زیر حکومت رہ چکا تھا۔ چندر گپت نے جب نندوں کو برباد کیا، اس وقت شاید کلنگ آزاد ہو گیا تھا۔ اشوک کلنگ کو کئی وجوہات سے فتح کرنا چاہتا تھا۔ ایک تو کلنگ پہلے مگدھ کے تخت میں رہ چکا تھا، دوسرے تجارت کے سبب سے وہ ایک مالدار مقام تھا۔ تیسرے فتوحات سے اپنی مملکت بڑھانا چاہتا تھا۔ اور اپنی رعایا کو دکھانا چاہتا تھا کہ وہ ایک بااقتدار اور بہادر حکمران ہے اس جنگ میں ڈیڑھ لاکھ فوجی مقید ہوئے۔ ایک لاکھ مارے گئے اور کئی لاکھ بھوک اور بیماری کا شکار ہوئے۔ اشوک پر اس جنگ کا بڑا اثر پڑا۔ اسے اپنی طمع سلطنت کے باعث اتنے بے گناہ لوگوں کی جان جانے کا سخت افسوس ہوا۔ اس لئے اس نے جنگ ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے طبل جنگ کا بجنا ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اور اس کے بجائے مذہب کی آواز کو اپنے ملک اور غیر ممالک تک پہونچایا۔

اشوک کا مذہب

اشوک نے اس زمانہ کے مروّجہ مذہبوں کی تعلیمات میں سے نیک اطواری کے اصولوں کا انتخاب کر لیا۔ اور اپنی رعایا کو ان اصولوں پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ کہتا تھا کہ ماں باپ اور اُستاد کا حکم ماننا، غریب اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا، دوستوں اور عزیز و اقارب سے محبت کا برتاؤ کرنا۔ سچ بولنا، غصّہ، غرور اور لالچ سے بچنا ہی مذہب کا نچوڑ ہے۔ ہر جاندار پر رحم کرنا انسان کا فرض ہے۔ ہمیں کسی کو بھی قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اس لئے اس نے یگوں کی ممانعت کرا دی تھی۔ شکار کھیلنا اور گوشت کھانا اس نے خود ترک کر دیا اور دوسروں کو بھی بند کرنے کا حکم دیا۔ ان اصولوں پر بدھ مذہب میں خاص زور دیا گیا تھا اسی زمانہ میں اشوک کی ملاقات اُپ گپت نامی بودھ بھکشو سے ہو گئی اس کے اثر سے اشوک بدھ ہو گیا۔ جیسا کہ اس نے خود ایک کتبہ میں قبول کیا ہے۔ لیکن اشوک کو بدھ مذہب میں نیک اطواری کے اصول، جانداروں پر رحم کرنا، خواہشات کو روکنا، اور سادگی و پاکیزگی سے زندگی بسر کرنا ہی خاص اہمیت کی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ اس کا قول تھا۔ کہ یہ باتیں سب ہی مذہبوں میں ہیں۔ اور ان پر سب کو عمل کرنا چاہیئے۔

مذہب کی اشاعت

جس مذہب کا خیال اشوک نے کیا وہ ایک معمولی مذہب انسانیت تھا۔ وہ خود برہمنوں اور جینیوں کی بھی عزت کرتا تھا۔ اور ان کو خیرات دیتا تھا۔ لیکن وہ بدھ بھکشوؤں پر خاص طور پر مہربان رہا۔ اور اس نے ان کی مدد سے ہی اپنے خیالات کو اپنے ملک اور غیر ممالک میں پھیلانے کی کوشش کی۔ مذہب کے اصول سب لوگوں تک پھیلانے اور ان کو دانشمند مذہبی بنانے کے لئے اشوک نے کئی تدبیریں کیں۔ اس نے خود گھوم گھوم کر بھکشوؤں کی طرح لوگوں کو مذہبی تعلیم دی۔ اس نے خود جگہ جگہ میلے لگوائے اور ان میں بہشت کے منظر دکھائے اور بتایا۔

کہ نیک لوگوں کو یہ سب آرام ملیں گے۔ اس نے ایک نئے قسم کے ملازم رکھے ان کا نام دھرم مہا ماتر رکھا گیا۔ وہ صرف رعایا کے چال چلن کی نگرانی کرتے اور انھیں مذہب کی تعلیم دیتے تھے۔ دوسرے ملازموں کو بھی اس نے حکم دے رکھا تھا، کہ سال میں کچھ دن وہ رعایا کو مذہب کی تعلیم دیں۔ اور ان کے عادات و اطوار کی اصلاح کریں جو اہلکار اس کام کی طرف مناسب توجہ دیتے تھے ان پر اس کی خاص عنایت رہتی تھی۔ اس نے مذہب کے خاص اصولوں کو مملکت کے گوشہ گوشہ میں چٹانوں اور ستونوں پر کندہ کرا دیا تھا۔ تاکہ لوگ ان کو آسانی سے معلوم کرسکیں۔ اور ان پر عمل کرسکیں۔ پریاگ (الہ آباد) کے قلعہ میں اب بھی ایک ایسا ستون محفوظ ہے اس نے ۲۴۲ ق۔م میں بودھ بھکشوؤں کا ایک جلسہ کیا۔ اس کا صدر اُپ گپت تھا۔ اس میں بودھوں کے باہمی فرقہ وارانہ جھگڑے طے کئے گئے اور ایک متحدہ جماعت (سنگھ) بنائی گئی۔ جماعت کا سارا خرچ اشوک نے دینا منظور کیا۔ اس جماعت کی طرف سے شمال میں ہمالیہ کی ترائی، کشمیر اور گاندھار، جنوب میں مہاراشٹر، چیر، چول، پانڈیہ، کیرل اور سنہل، مشرق میں برہما اور مغرب میں سیریا، فارس، مصر اور یونان وغیرہ ملکوں میں بودھ بھکشو بھیجے گئے۔ انہوں نے وہاں پر بدھ مذہب کی اشاعت کی۔ وہ سرکار کے خرچہ سے مدرسے اور انسانوں اور حیوانوں کے لئے شفاخانے کھولتے تھے اس کا اثر لوگوں پر بہت بڑا۔ اور بہت سے لوگ بدھ مذہب کے پیرو ہو گئے۔ اشوک نے اپنے لڑکے مہندرا اور لڑکی سنگھ مترا کو اسی کام کے لئے لنکا بھیجا۔ اشوک نے بھکشوؤں کو رہنے کے لئے بہت سے بہار بنوائے۔ مہاتما بدھ کی ہڈیاں آٹھ اسٹوپوں میں بند تھیں وہ سب مشرقی ہند میں تھے۔ ان تک پہونچ سکنا سب کے لئے آسان نہ تھا۔ اشوک نے بدھ مذہب کی اشاعت کے لئے جگہ جگہ پر سیکڑوں اسٹوپ بنوائے۔ اور ان میں بودھ جی کی ہڈیوں کا کچھ حصہ بھی رکھوا دیا ایسا ہی ایک اسٹوپ کاشی کے پاس سارناتھ میں بنوایا گیا تھا۔

مذہب کی اشاعت کرتے ہوئے بھی کسی دوسرے مذہب پر ظلم نہیں کیا، بلکہ سب مذہبوں کی عزت کی۔ وہ لوگوں کی دولت اور سلطنت کی خواہش نہ کرکے، ان کی محبت کو زیادہ قیمتی سمجھتا تھا۔ شکست ہونے کے بعد تو بہت سے بادشاہوں نے لڑائی بند کردی ہے لیکن عنفوانِ شباب میں فتح حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی خواہش سے طبلِ جنگ بند کردیا ہو، ایسا بادشاہ دنیا میں صرف اشوک ہی ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ اس نے ہمیشہ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ ان کا ملک یا مال حاصل کرنے کے بجائے وہ اپنے روپیہ سے وہاں کی رعایا کے آرام کے لئے شفاخانے کھلواتا تھا۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم بلا تکلف کہہ سکتے ہیں، کہ وہ دیوتاؤں کا بھی ضرور پیارا رہا ہوگا۔

زوالِ سلطنت ۲۳۲-۱۸۴ ق م

اشوک نے مذہب کی اشاعت کی طرف زیادہ توجہ دے کر سلطنت کی فوجی طاقت کو کچھ کمزور کردیا۔ ممکن ہے کہ اس کے مذہبی طرزِ عمل سے کچھ برہمن بھی ناراض رہے ہوں۔ کیونکہ اس نے جانوروں کی قربانی والے یگیہ بھی بند کرادیئے تھے۔ زوال کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ اشوک کے وارث اتنے قابل نہ تھے کہ اس وسیع سلطنت کی حفاظت کرسکتے۔ تیسرا سبب نیم آزاد ریاستوں کا غدر تھا، اشوک اور چندرگپت نے بہت سے راجاؤں کو اپنی ریاستوں پر حکومت کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔ مرکزی حکومت کمزور ہوجانے کی وجہ سے ایسی ریاستیں آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔ چوتھے پشپ متر شنگ جو کہ برہدرتھ کا وزیر تھا، خود راجہ بن بیٹھا۔ اس طرح موریہ سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

موریہ عہد میں رعایا کی حالت

موریہ عہدِ حکومت میں رعایا خوش حال تھی۔ زراعت، تجارت اور صنعت رعایا کے خاص پیشے تھے۔ اس زمانہ میں لکڑی، پتھر اور سونے چاندی کے بہت اچھے

لیکن اب وہ برباد ہو گیا ہے۔ سانچی اور بہار تبت میں اب بھی اشوک کے استوپ موجود ہیں۔

اشوک کے مذہبی خیالات کا اس کے نظام حکومت پر بھی بہت اثر پڑا۔ اس سے پہلے کے بادشاہ صرف امن قائم کر کے رعایا کو مالدار، خوش اور ترقی یافتہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن اشوک کہتا تھا کہ کل رعایا میری اولاد کی مانند ہے میں صرف ان کا دنیاوی عیش و آرام ہی نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہوں کہ ان کی عاقبت بھی عمدہ ہو۔ اسی لئے وہ ان کو نیک اور خوش اطوار بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی نیک اور پاک زندگی کے ذریعہ بھی رعایا کے سامنے ایک عمدہ مثال قائم کی۔ اب محکمۂ سخاوت کا کام صرف طلباء اور فقراء کی ہی مدد کرنا نہ تھا، بلکہ اس سے غریبوں کو بھی مدد دی جاتی تھی۔ اس نے سزائیں پہلے سے کچھ نرم کر دی تھیں۔ آدمیوں اور جانوروں کے لئے شفاخانے کھولے گئے۔ سلطنت کے مالدار لوگوں نے بھی اس کی نقل کی۔ سرکار کی طرف سے ایک ایک میل پر مسافر خانے بنوا دیئے گئے، جہاں غریبوں کو مفت کھانا بھی ملتا تھا۔ سڑکوں کے کنارے سایہ دار درخت لگوائے گئے۔ میٹھے پانی کے کنویں کھدوائے گئے۔ اُسے رعایا کے آرام کا اتنا خیال رہتا تھا کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ خواہ وہ سوتا ہو، غسل کرتا ہو یا کھانا کھاتا ہو، اُسے فوراً رعایا کی فریاد سے مطلع کیا جائے۔ اس نے سرکاری ملازموں کو تنبیہہ دے رکھی تھی کہ اگر وہ ظلم کریں گے تو انھیں سخت سزا دی جائے گی۔

اشوک کا رُتبہ

درحقیقت اشوک ہماری تاریخ کا ایک جگمگاتا ہوا ہیرا ہے، جس سے دنیا کا کوئی شہنشاہ برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ملکی اور غیر ملکی مؤرخ اس کی تعریف میں گوہر افشانی کرتے ہیں۔ اس نے بادشاہ کے فرائض کا جتنا بلند نمونہ پیش کیا، وہ قابلِ تعریف ہے۔ اس نے بادشاہ ہو کر بھی فقیروں کی سی زندگی بسر کی۔ اس نے اپنے

کاریگر تھے۔ چندر گپت کے محل کے بارہ میں جو ذکر ملتا ہے اس سے اس زمانہ کے لوگوں کی کاریگری کا پتہ چلتا ہے اشوک نے بودھ مذہب کی اشاعت کیلئے بہت سے ستون بنوائے اور جگہ جگہ پر ان کو قائم کرایا۔ ان کی پالش اتنی خوبصورت ہے، کہ وہ ابھی تک ویسی ہی بنی ہوئی ہے۔ سارناتھ کے ستون کے اوپری حصہ پر جو شیروں کی مورتیں بنائی گئی تھیں۔ ان کے لئے کاریگر نے ایسا سفید پتھر استعمال کیا ہے جس میں قدرتی کالی چتیاں ہیں۔ ان کی وجہ سے شیروں کی صورت شکل اور زیادہ اصل کے مطابق ہو گئی ہے اسی زمانہ میں سانچی کا استوپ اور دیگر بہت سے استوپ بنوائے گئے۔ اشوک کے زمانہ میں برابر پہاڑ کی چٹانوں کو کاٹ کر گپھائیں بنائی گئی تھیں۔ وہ گیا کے پاس ہیں اشوک نے انہیں آجیوکا جینیوں کے لئے بنوا دیا تھا۔ ان گپھاؤں کا بنانا تو قابل تعریف ہے ہی، ان سے بھی زیادہ قابلِ تعریف ان کی دیواروں اور چھتوں کی پالش ہے جو آج بھی شیشہ کی طرح چمکتی ہے۔

صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ پالی علم ادب نے بھی ترقی کی۔ اشوک کے ستونوں کے کتبے پالی زبان میں ہیں وہ جگہ جگہ پر پائے جاتے ہیں ان کتبوں سے پتہ لگتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ کافی تعلیم یافتہ ہوں گے۔ ورنہ یہ کتبے بیکار ہی ہوتے کیونکہ ان کو عوام کے لئے کندہ کرایا گیا تھا۔ عہد موریہ میں ہی بودھوں کی مذہبی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ جین مذہب کی بھی کچھ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئیں۔

صنعت اور ادب کی ترقی اسی زمانہ میں ہوتی ہے جبکہ ملک میں امن و آرام ہو میگستھنیز کے بیان سے پتہ لگتا ہے کہ رعایا کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ موریہ حکمران رعایا پرور بادشاہ تھے۔ اور رعایا کی ترقی کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ میں سزائیں بہت سخت تھیں اور خفیہ پولیس بھی کافی کام کرتی تھی۔ پھر بھی میگستھنیز لکھتا ہے کہ جرائم

بہت کم ہوتے تھے لوگ نیک اطوار تھے۔ اکثر لوگ گھروں میں تالے نہیں لگاتے تھے۔ اور ان کا سامان بالکل محفوظ رہتا تھا۔ پردیسی مسافروں کے آرام اور حفاظت کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ ان کے بیمار ہو جانے پر سرکاری طبیب ان کا علاج کرتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی مسافر مر جائے تو اس کا سامان ان کے وارثوں کو بھیج دیا جاتا تھا۔

تجارت کی ترقی کا اس بات سے بھی پتہ لگتا ہے کہ پاٹلی پتر کی چھ انتظامیہ کمیٹیوں میں سے تین تجارت، کاریگری اور دستکاری کا ہی انتظام دیکھتی تھیں سرکار کی طرف سے ایسے قاعدے بنا دیئے گئے تھے کہ لوگ ایکا کر کے سامان کی قیمتیں نہ بڑھا دیں۔ سرکار کی جانب سے رعایا کے تمام کاموں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ لیکن اس کا مقصد رعایا کو تکلیف پہونچانا نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ آرام پہونچانا تھا۔ اشوک کے زمانہ میں رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال اور بھی زیادہ رکھا گیا۔

ذات پات کی زنجیریں اب مضبوط ہوتی جا رہی تھیں۔ چھوٹے ورن کے لوگوں میں شادی کرنا برا سمجھا جاتا تھا۔ پنجاب میں عورتیں فروخت بھی کی جاتی تھیں اور بیوہ عورتیں ستی بھی ہوتی تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی حالت برابر گرتی جا رہی تھی۔ کثرت ازدواج اور کم سنی کی شادیاں بھی ہونے لگی تھیں۔ اشوک نے بہت سی ضعیف الاعتقادیوں اور بری رسموں کو بھی روک دیا اور سوسائٹی کو روشن خیال بنانے کی کوشش کی۔ انہی کی ترغیب اور بدھ مذہب اور جین مذہب کی زیادہ اشاعت کے سبب سے لوگ گوشت کم کھانے لگے تھے۔ لوگوں کے مذہبی خیالات وسیع تھے۔ برہمن، بودھ جین، آجیوکا وغیرہ سب ہی فرقوں کے سادھو، فقیر، سوسائٹی میں قابلِ عزت سمجھے جاتے تھے۔ اور لوگ ان کی خاطر مدارات کرتے تھے۔ علماء میں مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ لیکن ان کا مقصد

سر پھوڑنا نہیں بلکہ علم میں اضافہ کرنا تھا۔ پردیسیوں کو بھی ہندوستانی بنانے کا رواج تھا۔ ان سب باتوں سے روشن ہے کہ عہد موریہ میں رعایا آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتی تھی۔ لوگ خوشحال، مالدار، ترقی یافتہ، نیک اطوار اور متحمل مزاج تھے جو کہ حکومت کی کامیابی کا بہترین ثبوت ہے۔

خاص تاریخیں

چندر گپت موریہ کی تخت نشینی	۳۲۱ ق۔م
سیلیوکس سے صلح	۳۰۵ ق۔م
بندوسار کی تخت نشینی	۲۹۷ ق۔م
بندوسار کی وفات	۲۷۲ ق۔م
اشوک کی تخت نشینی	۲۶۹ ق۔م
کلنگ کی فتح	۲۶۱ ق۔م
بودھوں کی تیسری سبھا	۲۵۲ ق۔م
اشوک کی وفات	۲۳۲ ق۔م
اشوک کے وارث	۲۳۲ سے ۱۸۵ ق م

مشق کے لئے سوالات

۱۔ چندر گپت موریہ کون تھا؟ اس کو ایک عظیم الشان سلطنت بنانے میں کن باتوں سے مدد ملی؟

۲۔ چندر گپت کا نظام حکومت بیان کرو۔

۳۔ اشوک کی سلطنت کی حدود کیا تھیں؟ اس نے کلنگ کے علاوہ دوسرے ممالک کیوں نہیں فتح کئے؟

۴۔ اشوک نے بدھ مذہب کی اشاعت کے لئے کیا تدبیریں کیں؟ اسکے مذہبی طرزِ عمل کا ملک پر کیا اثر پڑا؟

۵۔ موریہ سلطنت کے زوال کے کیا اسباب تھے؟
۶۔ عہد موریہ کی سماجی حالت اور تہذیب بیان کرو۔

نواں باب

موریوں کے بعد کا ہندوستان

(۱۸۴ ق۔م سے ۳۰۰ عیسوی تک)

شُنگ خاندان

اشوک کے وارثوں نے جب فوج کی طرف مناسب توجہ نہ دی تو غیر ممالک کے حکمران ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت کرنے لگے اس وقت ملک کی آزادی ختم ہو جانے کا بڑا ڈر تھا اس عہد کے بہت سے چھتری راجہ جین اور بدھ مذہب کے اثر میں آکر فوج کی طرف سے لاپرواہ ہو گئے تھے۔ برہمنوں نے ملک کی حفاظت کے لئے شاستروں کا مطالعہ چھوڑ کر ہتھیار اٹھانا ضروری سمجھا ایسے برہمنوں میں سے ایک پشیمتر تھا۔ وہ برہدرتھ موریہ کا سپہ سالار تھا۔ ۱۸۴ ق۔م میں وہ خود پاٹلی پتر کا حکمران بن گیا۔ اور اس طرح ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جسے "شُنگ خاندان" کہتے ہیں۔ اس خاندان میں کل ۱۰ راجہ ہوئے۔ لیکن ان میں سے صرف پشیمتر (۱۸۴ سے ۱۴۸ ق۔م) کے زمانہ کے ہی کچھ واقعات ہمیں صحیح طور پر معلوم ہیں۔ اس نے موریہ سلطنت کے تقریباً کل شمالی حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ایک اشومیدھ یگیہ کر کے نہ صرف اپنی طاقت کو دکھایا۔ بلکہ برہمن مذہب کی عزت کو پھر سے بلند کیا۔

شُنگ خاندان کا آخری حکمران دیوبھوتی تھا۔ ۷۲ ق۔م میں واسدیو نے

اسے مروا ڈالا۔ واسدیو شنگ راجہ کا وزیر تھا۔ وہ کانو خاندان کا تھا۔ اس طرح

کانو خاندان
۷۲ ق م سے ۲۷ ق م تک

اس کی تخت نشینی کے ساتھ کانو خاندان کی بنیاد پڑی اس خاندان کے حکمرانوں نے پاٹلی پتر پر تو قبضہ ضرور کیا لیکن ہندوستان کے دوسرے حصہ میں کئی نئی طاقتیں پیدا ہو رہی تھیں۔ شنگ خاندان کے حکمران بھی شمالی ہند کے کچھ حصہ پر قابض تھے۔ ان سب وجوہات سے کانو خاندان کا خاتمہ ۴۵ سال بعد ہی ۲۷ ق م میں ہو گیا۔

بیرونی حملے

جس وقت موریہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی اور شمیتران ٹکڑوں میں سے کچھ کو پھر جمع کر کے شمالی ہند کو ایک حکومت میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں شمالی مغربی ہند پر کچھ بیرونی قوموں کے حملے ہوئے ان حملوں کے تین خاص سبب تھے:۔

(۱) موریہ حکومت کے کمزور ہونے پر شمالی مغربی صوبوں میں کئی آزاد ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ جو آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھیں۔

(۲) سیلیوکس نائیکیٹر نے سیریا فارس وغیرہ کو شامل کر کے جو سلطنت قائم کی تھی وہ ٹوٹ رہی تھی۔

(۳) شمالی مغربی چین میں قوموں کا انقلاب ہو رہا تھا۔ ان کی ہلچل کا اثر یہ ہوا کہ پہلے شک اور بعد میں کشن ذاتیں پیچھے سے دھکا لگنے کی وجہ سے ہندوستان کی طرف ڈھلک آئیں۔

یہ لڑائی جھگڑا اور نئے خاندانوں کا عروج و زوال کئی صدیوں تک جاری رہا۔ آسانی کے لئے ہم ان پردیسیوں کو تین حصوں میں منقسم کر سکتے ہیں:۔

(۱) یونانی۔ ان میں بکٹریا، پارتھیا اور سیریا کے حکمران شامل ہیں (۲) شک (۳) کشان۔ یونانیوں میں ڈیمیٹریس (۱۸۳ ق م کے قریب) اور مینینڈر (۱۵۰ ق م

کے قریب، جسے بودھوں نے ملند کہا ہے خاص ہیں۔ ان کا دارالسلطنت ساکل یعنی موجودہ سیالکوٹ تھا۔ ان کی شنگوں سے کئی جنگ ہوئیں۔

شک

یونانیوں کو پنجاب سندھ سے نکال باہر کرنے کی طاقت شنگوں اور کنووں میں نہ تھی۔ یونانی حکمرانوں کے خاندان باہمی جھگڑوں کی وجہ سے ہی بدلتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انھیں ایک نئی طاقت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ شک قوم کے لوگ تھے۔ شک سرندی کے شمالی ملک میں رہتے تھے۔ یوچیوں نے ان کو گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ شمالی چین سے جب ہونوں کو بھگایا گیا۔ تو انہوں نے یوچی قوم کے لوگوں کو شمال مغربی چین سے نکال باہر کیا۔ یہی یوچی شکوں پر ٹوٹ پڑے۔ مجبور ہو کر شکوں کو مغرب کی طرف بڑھنا پڑا۔ یہ لوگ افغانستان، بلوچستان کی طرف بڑھ آئے۔ اور آہستہ آہستہ انہوں نے موجودہ سندھ صوبہ پر اپنا قدم جما لیا۔

عیسیٰ کے قبل پہلی صدی میں شکوں نے اپنا اقتدار مغربی ہندوستان کے کئی حصوں پر جما لیا۔ شک حکمران اپنے کو چھترپ کہتے تھے۔ ان میں جو زیادہ طاقتور ہوتا تھا اور جس کی اطاعت دوسرے چھترپ قبول کر لیتے تھے وہ مہا چھترپ کہلاتا تھا۔ ایسے چھترپ متھرا، پنجاب، سندھ، مہاراشٹرا اور اجین میں حکمران تھے ان کی طاقت اور ان کی سلطنت کی وسعت ہمسایہ ریاستوں کی طاقت کے مطابق کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ اگرچہ سوراشٹر، گجرات، اور مالوا میں ان کا اقتدار ۔۔۔ تک تھوڑا بہت بنا رہا۔ پھر بھی سندھ اور پنجاب میں ان کی طاقت جلدہی ضائع ہو گئی۔ اس کے خاص اسباب یہ تھے

(۱) پارتھیوں کے نامی پہلو بادشاہ "گونڈوفرنیس" کے حملے اور (۲) شکوں کے پرانے دشمن یوچی جن کو کشان قوم نے پھر سے جمع کر کے ایک کر دیا تھا۔

گونڈوفرنیس

پنجاب اور سندھ کے شکوں پر پہلا مہلک حملہ پارتھیا کے پہلو حکمران گونڈوفرنیس نے کیا۔ گونڈوفرنیس نے تقریباً ۲۵ سال

حکومت کی اور اس کا انتقال ۴۵ء میں ہوا۔ شکوں کو پھر طاقت حاصل کرنیکا موقع ملنے ہی والا تھا کہ ان کے پرانے دشمن یوچی بھی آ گئے۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ہونوں کے دباؤ کی وجہ سے یوچی اپنا گھر چھوڑ کر دریائے تتر کی گھاٹی میں آ گئے تھے۔ بعد میں وہ وہاں سے بھی نکال دیئے گئے۔ اور وہ بیکٹریا میں آباد ہو گئے۔ وہاں پر وہ ایک مقام پر جم کر رہنے لگے۔ اور انہوں نے خانہ بدوشوں کی طرح گھومتے رہنا بند کر دیا۔ یہیں پر ان کے پانچ ٹکڑے ہو گئے۔ جن میں سے ایک کا نام کشان تھا۔

یوچی کشان

کشان قوم کے سردار نے دوسرے حصوں پر بھی اپنا قبضہ جما لیا۔ اس طرح یوچی قوم کی طاقت کشانوں کی ماتحتی میں پھر سے متحد ہو گئی۔

کجل اور ویکیڈ فسز

اس اتحاد کا سہرا کجل کیڈ فسز کے سر ہے اس نے جنوب مشرق کی طرف بڑھنا شروع کیا اور مشرقی فارس اور افغانستان کے کافی حصّہ پر قابض ہو گیا۔ اس کے لڑکے ومَ نے تھوڑے ہی دن حکومت کی۔ کیونکہ کجل کی وفات ۸۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی لیکن پھر بھی اس نے مملکت کو کافی بڑھایا۔ اس نے دریائے سندھ کے مشرق میں قدم بڑھایا۔ اور پنجاب شمالی سندھ اور ممالک متحدہ کا کچھ حصّہ اپنے زیر کر لیا چین کے بادشاہ سے بھی اس کی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن اس میں اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

کنشک

کشان حکمرانوں میں سب سے مقتدر بادشاہ کنشک ہوا ہے وہ ۷۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اسی وقت سے اپنا نیا سمبت (سن) بھی چلایا۔ اس سمبت کی اشاعت آگے چل کر مالوا، گجرات اور سوراشٹر میں بہت زیادہ ہوئی۔ وہاں پر شکوں کی حکومت تھی، اس لئے اسی سمبت کو آگے چل کر شک سمبت بھی کہنے لگے۔

کنشک نے اپنی مملکت کو بڑھانے کے لئے چین اور ہندوستان پر حملے

کنشک کی مملکت

لئے۔ چین کے بادشاہ سے اس نے کئی بار جنگ کی۔ پہلے تو اس کی شکست ہوئی۔ لیکن بعد میں وہ فتحیاب ہوا۔ چین کے شہزادے اس کے یہاں نظر بند رہنے لگے۔ اور یارقند، کاشغر، اور ختن اس کی مملکت میں شامل ہو گئے۔ ہندوستان میں اس نے پنجاب اور ممالک متحدہ کے علاوہ کاشمیر، سندھ اور بہار کا کچھ حصہ ضرور فتح کر لیا تھا۔ مشرق میں شاید پاٹلی پتر اس کی سرحد سے بالکل باہر تھا۔ راجپوتانہ اور مالوہ کا حصہ اس کے تابع تھا یا نہیں ٹھیک نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے مؤرخ مانتے ہیں کہ یہ حصہ بھی اس کے مطیع تھا اور اس کی مملکت کی جنوبی سرحد دریائے نربدا تھی۔ ہندوستان کے باہر افغانستان، بیکٹریا، یارقند، ختن اور کاشغر اس کے تحت میں تھے۔ اس عالی شان مملکت کا پایۂ تخت پرش پور (پشاور) تھا۔

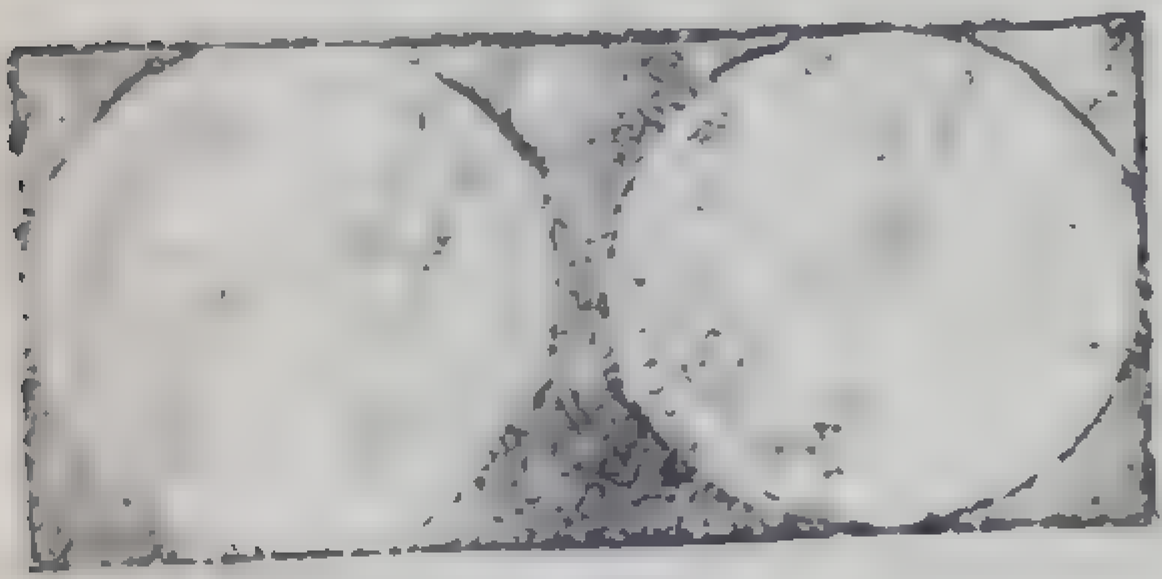

کنشک اور بدھ مذہب

کنشک کو ہمارے ملک کی تاریخ میں اس لئے اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کا تعلق بدھ مذہب سے ہے۔ ان بہت سے بیرونی حکمرانوں کی طرح جو ہندوستان پر فتح پانے کے بعد یہیں کی تہذیب کے رنگ میں رنگے گئے، کنشک بھی ہندوستانی فلسفہ اور مذہب کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس نے بودھ مذہب قبول کر لیا۔ اور اس کی اشاعت کے لئے کافی کوشش کی۔ اس بات میں کنشک اشوک کے مانند ہے۔ لیکن اس میں اور اشوک میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اشوک نے بدھ مذہب اختیار کرنے کے بعد ایک بھی جنگ نہیں کی۔ اور اپنی کل طاقت بودھ مذہب کی اشاعت میں صرف کر دی۔ لیکن کنشک بودھ ہونے کے بعد بھی جنگ کرتا رہا۔ کہتے

THE
KUSHAN EMPIRE
BACTRIA
K U S H A N
E M P I R E
NEPAL
DAVAKA
MALWA
SAURASHTRA
ABHIRAS
SATAVAHANAS
KALINGA
SATAVAHANAS KINGDOM
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL

ہیں کہ اس کی وفات ایک حملہ کے دوران میں ہوئی تھی۔ دوسرے کنشک بدھ جی کے علاوہ سورج اور یونانی دیوتاؤں کی بھی عزت کرتا تھا۔ اتنا فرق ہوتے ہوئے بھی کنشک نے بدھ مذہب کی جو خدمات کیں وہ قابلِ تعریف ہیں۔

اس تحریک سے کشمیر میں کنڈل بن نامی مقام پر ۵۰۰ بدھ بھکشوؤں کی ایک سبھا قائم کی گئی۔ اس کے صدر مہتمم بسومتر اور اشوگھوش تھے اس سبھا نے ہینیان مہایان بودھوں کے جھگڑوں کا تصفیہ کرکے بودھوں کو متحد کرنا چاہا۔ لیکن اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی سبھا نے تین خاص کام کئے اس نے مہایان خیالات کے سبھی بودھوں کو ایک جگہ کر دیا۔ ان کی مدد کے لئے سبھا نے بدھ جی کے مذہبی اصولوں کی شرح تیار کیں۔ اور ان کو تانبے کے ورقوں پر کندہ کروا کر وہیں گڑوا دیا۔ تیسرے اس نے بدھ مذہب کی اشاعت کے لئے دور دراز ملکوں میں بھکشو بھیجے۔ کنشک نے ان کے خرچ کے لئے صوبہ کشمیر کی آمدنی بھی سبھا کو دیدی۔ اس کی مدد سے وسط ایشیا میں بدھ مذہب کا اثر کافی بڑھ گیا۔ کنشک نے ہندوستان میں کئی وہار اور اسٹوپ بنوائے۔ اس طرح کنشک کی کوشش سے بودھ مذہب کی ترقی میں کافی مدد ملی۔ شنگوں، کنووں اور دوسرے بادشاہوں کی غفلت سے بدھ مذہب کو جو نقصان ہوا وہ کنشک کی مدد سے پورا ہو گیا۔ اور اس کی اشاعت غیر ممالک میں پہلے سے زیادہ ہو گئی۔

کنشک کے بعد جو بادشاہ ہوئے ان میں ہُوشک کافی طاقتور تھا۔ اس نے

کشان خاندان کا زوال

اپنے باپ کی مملکت کو محفوظ رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ لیکن سندھ اور مالوا اس کے ہاتھ سے نکل گئے اسکے بعد جو حکمراں ہوئے وہ سلطنت کے زوال کو نہ روک سکے۔ سوراشٹر اور مالوا کے شکوں کی مخالفت، ممالک متوسطہ میں ناگہ خاندان اور جنوب مشرقی پنجاب اور شمالی راجپوتانہ میں یودھیے راجاؤں کی ترقی اور کشان بادشاہوں کی نااہلیت ہی کشان سلطنت کے زوال کے خاص اسباب تھے۔

خاص تاریخیں

شنگ خاندان کی بنیاد پڑنا	۱۸۴ ق۔م
ڈیمیڈریس کا پنجاب پر حملہ	۱۸۳ ق۔م
مینینڈر کا شمالی ہند پر حملہ	۱۵۰ ق۔م کے قریب
پشیمتر شنگ کی وفات	۱۴۸ ق۔م
باسدیو کانو کا بادشاہ ہونا	۷۲ ق۔م
کانو خاندان کا خاتمہ	۲۷ ق۔م
کنشک کی تخت نشینی	۷۸ عیسوی

مشق کے لئے سوالات

۱۔ بیرونی حملہ آوروں کو ہندوستان فتح کرنے میں کن باتوں سے مدد ملی؟
۲۔ ڈیمیٹریس، مینینڈر اور گونڈو فرنیس کون تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ان کی کیا اہمیت ہے؟
۳۔ شاک کون تھے؟ ہماری تاریخ سے ان کا کیا تعلق ہے؟
۴۔ کشان قوم کے لوگ پہلے کہاں رہتے تھے؟ ان کے سب سے بڑے بادشاہ کی زندگی کے خاص واقعات بیان کرو۔

دسواں باب

جنوبی ہند کی ریاستیں۔ سانواہن خاندان

دوسرے باب میں ہم پڑھ چکے ہیں، کہ ہمارے ملک کی تاریخ جنوبی ہند سے شروع ہوتی ہے۔ کرڈاپا، گنٹور، بلاری اور تینولی اضلاع میں ہمیں پتھر کے

دور کے بہت سے ہتھیار، برتن وغیرہ ملے ہیں۔ لیکن آریوں کے آنے کے بعد یا پہلے ہمیں بہت دنوں تک جنوبی ہند کی سماجی یا سیاسی اتحاد کے بارہ میں بہت کم معلومات ہیں۔ جنوبی ہند میں دراوڑوں کی ہی تہذیب کا خاص اثر رہا۔ اور عوام میں دراوڑ اور پرانے باشندوں کی اولاد ہیں۔ عیسٰے کے قبل چوتھی صدی میں پہلے پہل جنوبی ہند کے پانڈیہ اور چول ریاستان کا ذکر ملتا ہے میگسنھنیز نے اپنی کتاب میں پانڈیہ ریاست کی شان و شوکت کا ذکر کیا ہے اور اشوک کے کتبوں میں پانڈیہ، چول اور کیرل ریاستوں کو موریہ سلطنت کے باہر آزاد بتایا گیا ہے۔

دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے جنوب میں، راس کماری تک جو حصّہ ہے اسی میں پانڈیہ، چول اور چیر (یعنی کیرل) ریاستیں تھیں۔ پانڈیہ ریاست میں صوبہ مدراس کے مدورا اور تینولی اضلاع اور موجودہ ٹراونکور ریاست کا کچھ حصّہ شامل تھا۔ چیر یا کیرل ریاست سمندر کے مغربی ساحل پر تھی۔ اس میں ملا بار، کوچین اور ٹراونکور ریاستوں کا بہت سا حصّہ شامل تھا۔ چول ریاست کے اندر دریائے کرشنا کے دہانے سے پانڈیہ ریاست کی شمالی سرحد تک کا مشرقی ساحل تھا۔ اس کو چول منڈل کہتے تھے۔ اور وہی بگڑ کر انگریزی میں کارومنڈل بن گیا ہے۔ مغرب کی جانب چول ریاست موجودہ کُرگ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں تین بڑی ریاستوں کے علاوہ بہت سی چھوٹی ریاستیں بھی تھیں، وہ اکثر ان کے زیر اقتدار تھیں۔ ان کی تعداد اور حدود اکثر بدلتی رہتی تھیں۔ چیر، چول اور پانڈیہ ریاستوں میں آپس میں لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ کبھی کبھی ان کو مہاراشٹر، کلنگ اور آندھر دیش کے حکمرانوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ان بیرونی حملوں، باہمی جنگوں اور اندرونی بغاوتوں کے سبب سے ان کی حدود اور طاقت بدلتی رہتی تھی۔

دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی حصّہ میں آندھر ریاست تھی۔

آندھر ساتواہن خاندان

اشوک نے اس کو اپنی فرمانبردار ریاستوں میں شمار کیا ہے۔ موریہ حکومت کی طاقت زائل ہونے پر شاید آندھر ریاست بھی آزاد ہو گئی۔ لیکن ہمیں اس کا کوئی ٹھیک ٹھیک حال کئی صدیوں تک نہیں ملتا۔ ۵۰ ق۔م کے قریب دریائے نربدا کے جنوب میں شاید مہاراشٹر میں ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑی۔ اس خاندان کی بنیاد ڈالنے والا سیمک تھا۔ اس نے خود کو ساتواہن کہا ہے۔ اس کے خاندان والوں نے بھی اپنے کتبوں میں خود کو ساتواہن ہی کہا ہے۔ پرانوں میں ساتواہن خاندان کے راجاؤں کو آندھر خاندان کا بتایا ہے۔ شاید یہ غلط ہے۔ آندھر اور ساتواہن دو الگ الگ خاندان تھے۔ موریوں کے زوال کے بعد جس خاندان کا اثر جنوبی اور شمالی ہند میں بہت زیادہ پڑا۔ وہ آندھر خاندان نہیں، بلکہ ساتواہن خاندان تھا۔ ساتواہنوں کا پایۂ تخت پرتشٹھان تھا۔ ان کے کتبے کے ستونوں ناسک اور سانچی میں ملے ہیں۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ وہ برہمن تھے۔ اور چھتری راجاؤں سے ان کی بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ کچھ دن بعد ساتواہنوں کا قبضہ آندھر دیش پر بھی ہو گیا تھا۔ شاید اسی سبب سے ان کو آندھر بھی کہنے لگے۔

آندھر۔ ساتواہن خاندان کے راجاؤں کا اثر کم و بیش تقریباً ۲۵۰ عیسوی تک رہا۔ یہ پہلا شاہی خاندان تھا۔ جس نے شمالی ہند پر کامیاب حملے کئے اور مگدھ پر حکومت کی۔ اس خاندان میں کئی مقتدر حکمران ہوئے جن میں گوتمی پتر کے شاتکرنی (۱۰۷-۱۳۲ء) اور وسشٹی پتر پلومادی (۱۳۲-۱۵۵ء) خاص ہیں۔

ساتواہنوں کا زوال

پلومادی کے بعد ساتواہنوں کی طاقت کم ہوتی گئی۔ شکوں کے علاوہ ان کے نئے دشمن بھی پیدا ہوئے۔ آبھیروں نے مہاراشٹر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور آندھر دیش

کا بھی کچھ حصہ لینا چاہا۔ ادھر مشرق میں اکشوا کو اور کدمب لوگوں نے ساتواہن کی باقی سلطنت چھین لی۔ اس طرح ۲۵۰ عیسوی کے قریب ساتواہن کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔

خاص تاریخیں

سیمک کی تخت نشینی	تقریباً ۱۰۰ ق م
گوتمی پتر شات کرن کی تخت نشینی	۱۰۷ عیسوی
پلومادی کی تخت نشینی	۱۳۲
ساتواہن خاندان کا خاتمہ	۲۵۰

مشق کے لیے سوال

۱۔ دکن کی ریاستوں کا مختصر حال بیان کرو۔

گیارہواں باب

شنگ و ساتواہن کے عہد میں ہندوستان کی معاشرتی حالت

قدیم زمانہ میں سے ہی رشیوں کا اثر سماج پر بہت تھا آگے چل کر جب آریوں میں کام کے مطابق ورنوں کی بنیاد پڑی تب سوسائٹی پر برہمنوں کا اثر بڑھ گیا ان کے اعزاز کا خاص سبب ان کی پاک و سادہ زندگی اور بے طمع ملک کی خدمت تھا۔ برہمنوں کی عادات و اطوار اتنے عمدہ تھے کہ دوسرے لوگ انھیں زمین کے دیوتا، بھوسر، کہنے لگے۔ برہمنوں کا اتنا اعزاز چھتریوں کو پسند نہ آیا۔ اس مخالفت کی صاف جھلک ہمیں پہلے پہل عیسیٰ کے قبل چھٹی صدی میں ملتی ہے بودھ اور جین مذہب اسی مخالفت کی یادگار ہیں

سوسائٹی کی حالت

چھتری کہتے تھے کہ سماج میں ان کو ہی سب سے زیادہ عزت ملنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ ہی ملک کی حفاظت کرتے تھے اور برہمنوں کو دان دیکر ان کی پرورش کرتے تھے۔ انہوں نے نئے مذہب چلا کر یہ بھی دکھا دیا کہ برہمنوں کی کوئی خاص اہمیت ہے ہی نہیں۔ جب چھتریوں نے برہمنوں کی مخالفت کی تو ویشیوں اور شودروں میں بھی یہ خیال پیدا ہونے لگا۔ کہ وہ بھی خود کو بڑا مانیں۔ اور چھتری و برہمنوں کی بزرگی کو نہ مانیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شودر اور ویش شاہی طاقت حاصل کرنے کے خواہاں ہوئے۔ جب شودر خاندان کے راجہ نند کی حکومت قریب کل شمالی ہند پر قائم ہو گئی۔ تو نند راجہ نے اپنے "چھتر انتک" یعنی چھتریوں کا خاتمہ کرنے والا کہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چھتریوں کو برباد کرنا کوئی اعزاز اور تعریف کی بات تھی۔ ویشیوں نے نندوں اور موریوں کے ہی زمانہ سے اپنے گروہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ اور وہ خود کو زمین کا کبیر سمجھتے تھے۔ گروہوں کے صدر "شریشٹھی" یعنی سیٹھ کی اہمیت بڑھنے لگی۔ اور شاہی سبھاؤں میں ویدک زمانہ کی طرح ان کی پھر عزت ہونے لگی۔ اس طرح ہر ورن دوسرے ورنوں سے حرص کرنے لگا۔ اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس انقلاب میں برہمنوں نے پھر آہستہ آہستہ اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ شنگ۔ کانو اور ساتواہن سب ہی برہمن تھے۔ چھتری تو اس عہد میں گویا غائب ہی ہو گئے تھے۔ شاہی خاندان یا تو برہمنوں کے تھے یا پردیسیوں کے۔ برہمنوں نے یہ کہنا بھی شروع کر دیا تھا کہ چھتری ملک کی حفاظت نہیں کر پا رہے ہیں۔ اس لیئے رفاہ عام کی خاطر برہمنوں کو اپنا کام (شاستروں کو پڑھنا، پڑھانا دان دینا۔ دان لینا وغیرہ) چھوڑ کر مجبوراً ہتھیار اٹھانا پڑے گا۔ درون اشوتھاما اور پرش رام جیسے بہادر برہمن پہلے بھی ہو چکے تھے۔ موریوں کا عہدہ سپہ سالاری ایک برہمن کو حاصل تھا۔ اور بعد میں سلطنت کا کل بار اسی نے اپنے اوپر لے لیا۔ اس طرح موریوں کے بعد کے زمانہ میں ہم ایک

خاص بات یہ دیکھتے ہیں کہ چھتریوں کا اثر گھٹنے لگا اور برہمن پھر سوسائٹی کے رہبر سمجھے جانے لگے۔ برہمنوں نے اپنی عادات و اطوار اور مذہب میں ضروری تبدیلیاں کرکے عوام کا اعتقاد اور اعزاز پھر حاصل کر لیا۔ اسی زمانہ میں 'ورنا شرم دھرم' کی حفاظت کے لئے اور سوسائٹی میں امن قائم رکھنے کے لئے 'مانو دھرم شاستر' (مذہب انسانیت) یعنی منوسمرتی تصنیف ہوئی۔ منوسمرتی سے ہمیں اس زمانہ کی معاشرتی حالت بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ ذات پات کے قاعدے سخت ہونے لگے تھے۔ اب ذات پات کا تعین کام سے نہیں پیدائش سے ہوتا تھا۔ لیکن ابھی آجکل کی سی چھوا چھوت، خورد و نوش، بیاہ شادی وغیرہ پر روک نہ تھی۔ برہمن راجہ پلوماوی ساتواہن نے اپنی شادی رودرداما کی لڑکی سے کی تھی۔ اور رودرداما حال ہی میں ہندو بنایا گیا تھا۔ سکوں، یونانیوں اور کشانوں کے ناموں، سکوں اور کتبوں وغیرہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ کے ہندو مذہب میں پردیسیوں کو جذب کرنے کی کافی طاقت موجود تھی۔ انہوں نے پردیسی فاتحوں کو اپنی تہذیب میں ایسا شیر و شکر کیا کہ وہ جلد ہی ملکی ہو گئے اور ان کے عادات و اطوار دوسرے ہندوستانی بادشاہوں کے مانند ہو گئے۔ اس زمانہ کے مذہبی رہبروں (بودھوں اور برہمنوں) کی عقلمندی کی یہ روشن دلیل ہے۔

سوسائٹی کے رسم و رواج میں بھی کافی تبدیلی ہو گئی تھی۔ بیوہ عورتوں کی شادی اب بری سمجھی جاتی تھی۔ اور اس کی ممانعت تھی۔ کثرت ازدواج اور کم سنی کی شادیاں رائج تھیں۔ پرانے آریہ سنسکاروں میں سے بہت سے اب بھی ہوتے تھے۔ بہت سے بودھ اور جینی بھی ان سنسکاروں کو وید کے مطابق مانتے تھے۔ عورتوں کی حالت پہلے سے خراب تھی۔ ان کو اب عام طور سے مکانوں کے اندر ہی رہنا پڑتا تھا۔ اس طرح پردے کا رواج شروع ہوا۔ عورتوں کے کام ایسے بنائے گئے۔ کہ وہ مردوں کی خدمت گار بن گئیں۔ لیکن

کہیں کہیں ایسی تحریریں بھی ملتی ہیں کہ جس طرح عورت کا فرض شوہر کی خدمت کرنا ہے اسی طرح مرد کا فرض عورت کی عزت کرنا ہے۔ کیونکہ جہاں عورتوں کی عزت ہوتی ہے وہاں دیوتا رہتے ہیں۔

رعایا مالدار اور خوش حال تھی۔ راجہ رعایا کے آرام کی کافی فکر رکھتا تھا۔

اقتصادی حالت

کسانوں کے آرام کے لئے آبپاشی کا خاص انتظام تھا۔ دکن میں پانڈیہ، چول وغیرہ راجاؤں نے اور شمال میں موریہ، شنگ اور شکوں نے دریاؤں میں بند باندھکر بڑی بڑی جھیلیں بنائی تھیں جن سے آبپاشی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ کہیں کہیں پر بارش کا پانی جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے تالاب بنا دیئے گئے تھے۔ ان جھیلوں اور تالابوں سے کھیتوں تک پانی پہونچانے کے لئے نہریں اور نالیاں بنائی گئی تھیں۔ کسانوں سے پیداوار کا $\frac{1}{12}$ یا $\frac{1}{6}$ محصول کی شکل میں لیا جاتا تھا قحط کے زمانہ میں رعایا کی مدد کے لئے پردیسی حکمران بھی جگہ جگہ پر اناج جمع رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ زراعت کی ترقی تھی۔ اور رعایا آسودہ اور خوشحال تھی۔

زراعت کے علاوہ اس زمانہ میں تجارت کی بہت ترقی ہو گئی تھی۔ ملک میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر سامان لے جانے کے لئے کافی ذرائع تھے۔ چنگی کم لی جاتی تھی۔ اکثر سب ہی راجہ ملکی اور غیر ملکی سوداگروں کی آسانی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان دنیا کے ہر معلوم حصے سے تجارت کرتا تھا۔ اور ہندوستان ہی اس تجارت کا مرکز تھا۔ ہمارے ملک کے سوداگر خشکی اور تری کے راستوں سے ایشیا، فارس، میسوپوٹامیا، سیریا، مصر، شمالی افریقہ، یونان اور یورپ سے۔ مشرق میں برہما، انام، شیام، ہندچینی، جاوا، سماترا، بالی، بورنیو وغیرہ سے تجارت کرتے تھے۔ ہر سال کروڑوں روپیہ کا سونا تو روم سے ہی اس ملک میں آتا تھا۔ اسی طرح سب ہی ملکوں کو ہندوستان کی بنی ہوئی چیزیں حاصل کرنے کے لئے اپنے ملک کا سونا، چاندی یا بدلے کا

سامان دینا پڑتا تھا۔ ہمارے ملک کے کاریگر اس وقت سوت، اون اور ریشم کے کپڑے، سونے چاندی کے خوبصورت برتن زیور، ہاتھی دانت، پتھر اور دھاتوں کی بہت سی چیزیں بنانے میں بڑے ہوشیار تھے۔ مصالحے، موتی اور آرائش کی بہت سی چیزیں بھی پردیسیوں میں بھیجی جاتی تھیں۔

تجارت نے اتنی ترقی کی تھی۔ کہ ملک کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے شہر بن گئے تھے۔ شہروں میں سوداگروں نے اپنے گن (گروہ) بنا لئے تھے۔ ان سے ان کے اقتصادی مفاد کی حفاظت ہوتی تھی۔ کاریگروں نے بھی اپنے گروہ بنا رکھے تھے۔ یہ گروہ بینکوں کا بھی کام کرتے تھے۔ ان کو ۹ یا ۱۰ فیصدی سود بھی ملتا تھا۔ سکے کافی چلتے تھے۔ یونانیوں سے تعلقات قائم ہونے سے ہمارے ملک کے سکے عمدہ اور خوبصورت بننے لگے تھے۔ سکے سونا چاندی اور تانبے کے ہوتے تھے۔ سکوں کے ہونے سے تجارت سے بڑی سہولت ہوتی تھی۔

اس زمانہ میں ہندوستان میں کئی بڑے بندرگاہ تھے۔ جہاں ہندوستانی جہازی بیڑوں کو آرام ملتا تھا۔ اور ملکی و غیر ملکی جہازوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ ان بندرگاہوں میں بھڑوچ، سوپارا، کاویری پٹن وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ ہندوستانی حکمران سمندری ڈاکوؤں کو کچل کر پانی کے راستوں کو محفوظ بنائے رکھنے کا معقول انتظام کرتے تھے۔ ہندوستانی سوداگروں نے دور دراز ملکوں میں جا کر اپنی بستیاں بنالی تھیں۔ اور آہستہ آہستہ صرف اس ملک کی تجارت پر ہی قبضہ نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ ان ملکوں میں اپنی تہذیب، فنون لطیفہ، اور شاہی اقتدار کا بھی اثر ڈالا تھا۔ اس طرح ہندوستانیوں کی بہت سی نوآبادیاں بن گئی تھیں۔ ان نوآبادیوں میں خاص جاوا، سماترا، بالی، بورنیو، انام اور کمبوڈیا مشرق میں تھے۔ مصر، سیریا، یونان، ختن، اور کاشغر مغرب میں تھے۔ کچھ مقاموں پر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت بھی آگئی تھی۔ باقی مقامات پر صرف تجارت ان کے ہاتھ میں تھی۔ ان سوداگروں کے

ذریعہ ہندوستانی تہذیب کی اشاعت کل معلوم دنیا پر ہو گئی بعد کو ہندوستانی آگے چل کر سمندر کے سفر کے اتنے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے اسے مذہبًا ناجائز قرار دیا۔

عہد موریہ کی طرح اس زمانہ میں بھی ملک کے خاص مذہب تین تھے۔ (۱) برہمن مذہب (۲) بودھ مذہب اور (۳) جین مذہب۔ لیکن ان تینوں ہی مذہبوں کے اندر نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ اور ان کی شکل بدلتی جا رہی تھی۔ راجہ برہمن مذہب کی طرف زیادہ جھک رہے تھے۔ لیکن وہ جینیوں اور بودھوں کو بھی خیرات دیتے تھے۔ اور ان کے مذہبی مقامات کی حفاظت کیلئے جاگیریں دیتے تھے برہمنوں نے شو اور وشنو کی پرستش کو بہت دلفریب بنایا بودھوں میں مہایان اور ہینیان دو خاص فرقے تھے۔ سب ہی مذہبوں میں بت پرستی اور کتھاؤں (مذہبی کہانیوں) کا رواج بڑھا۔ بودھوں اور برہمنوں نے اپنے مذہبوں کی اشاعت کے لئے بہت کوششیں کیں۔ وہ ملک کے باہر بھی جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ ان کی کوششوں کی وجہ سے غیر ممالک میں ہندوستانی مذہب، علم ادب اور تہذیب کی خوب اشاعت ہوئی۔

صنعت و حرفت

مذہبی جوش اور مذہبی اشاعت کی وجہ سے صنعت و حرفت کی بھی ترقی ہوئی۔ بہت سے مندروں، وہاروں چیتیوں (بگ کا مقام یا بدھ جی کا مندر) استوپوں اور ستونوں کی تعمیر ہوئی۔ پتھر کی مورتیاں بنانے اور پتھروں پر کندہ کرنے میں بھی بڑی ترقی ہوئی مکانوں مندروں، وہاروں وغیرہ میں اب آرائش کا کام زیادہ اچھا ہونے لگا۔ بھارہت اور امراوتی میں جو استوپ بنے تھے ان کے چاروں طرف پتھر کے گھیرے بنائے گئے۔ پرانے زمانہ میں جو مسافر تیرتھ کرنے جاتے تھے وہ متبرک مقامات کا طواف بھی کرتے تھے اسلئے ان چہار دیواریوں کی کافی اہمیت ہے اس زمانہ میں جو پتھر کا گھیرا استوپوں کے چاروں طرف بنایا گیا، اس میں بودھ جی

رامیشورم کے مندر کا

کی زندگی کے واقعات ظاہر کرنے والے مناظر کندہ کئے گئے۔ مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہ کھدے ہوئے مناظر مذہب کی اشاعت میں مدد دیتے تھے۔ صنعت کے اعتبار سے بھی اس کی اہمیت کم نہیں ہے۔ تصویروں کے کندہ کرنے میں بڑا ہنر دکھایا گیا ہے وہ صرف داستانوں کو ہی ٹھیک ٹھیک ظاہر نہیں کرتے، بلکہ انسانوں اور جانوروں کے اعضاء بنانے میں بھی مہارت ظاہر کرتے ہیں۔ کنشک نے اسی زمانہ میں ایک لکڑی کا اسنوپ بنوایا تھا۔ جو بعد میں برباد ہو گیا۔ کچھ راجاؤں اور مالداروں نے عظیم الشان میناریں (لاٹ) بنوائیں، اور ان پر اپنے اعتقاد کے مطابق دیوتاؤں کی تصویریں کندہ کرائیں۔ ناسک، اور کارلی کے مشہور چیتیہ (مندر) اسی زمانہ میں بنے۔ اس زمانہ کے لوگوں نے فقراء و مہاتماؤں کے رہنے کے لئے کچھ پہاڑی مقامات پر گوشۂ تنہائی میں گپھائیں بنوادیں۔ ان گپھاؤں کے بنوانے میں بھی صنعت و حرفت کا کمال دکھایا گیا ہے۔ پہاڑ کو کاٹ کر اسی کے پتھر میں ستون، دروازے، اور چھتیں وغیرہ بنالی گئی ہیں۔ غیر ضروری پتھر کاٹ کاٹ کر نکال دیئے گئے ہیں۔ دیواروں اور چھتوں کو خوب چکنا کر دیا گیا ہے۔ اور ان پر خوبصورت پالش کی گئی ہے جس سے وہ شیشہ کی طرح چمکتی ہیں یہ گپھاؤں کو بنانے کی صنعت موریوں کے زمانہ سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں اس فن میں ایک خاص ترقی کی گئی۔ ان میں ایسے رنگ استعمال کئے گئے ہیں، کہ اتنی صدیوں کے بعد بھی پھیکے نہیں پڑے ہیں۔ ایسی نقاشی والی گپھائیں کچھ تو نظام حیدر آباد کی ریاست میں اجنتا میں ہیں اور کچھ اڑیسہ کی سرگجا ریاست میں ہیں۔ جو تصویریں کھینچی گئی ہیں وہ بہت ہی پرجذبات ہیں۔

اس کے علاوہ اس عہد بت تراشی میں بھی بہت ترقی ہوئی۔ متھرا، سارناتھ، ٹیکسلا، اور امراوتی میں اچھی مورتیاں بنتی تھیں۔ ٹیکسلا اور متھرا کی بت تراشی پر یونانیوں کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ اس عہد سے قبل کی جتنی

مورتیاں ہیں وہ بھدی اور غیر فطری ہیں۔ اعضا کے تناسب اور اظہار جذبات کے اعتبار سے اس عہد کی مورتیاں بہت بہتر ہیں۔ جن مورتیوں کو کپڑا اوڑھایا گیا ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہیں۔ کنشک کا ایک ایسا ہی بلا سر کا بُت متھرا کے قریب ملا ہے پتھر کے کاریگروں کے علاوہ سونا، چاندی اور ہاتھی دانت کی کاریگری میں بھی بہت ترقی کی گئی تھی۔ اور ہندوستانی کاریگروں کا نام مشرقی اور مغربی ملکوں میں دور دور تک مشہور تھا۔

علم و ادب

مذہب کی تحریک سے جس طرح صنعت و حرفت کی ترقی ہوئی اسی طرح علم و ادب کو عروج حاصل ہوا۔ بودھوں کی جاتک کتھائیں اسی زمانہ میں تصنیف کی گئیں۔ کنشک کا معاصر اشوگھوش سنسکرت زبان کا بڑا شاعر تھا۔ اشوگھوش، ناگارجن اور وسومتر نے بودھ ادب کا ذخیرہ بڑھایا کلنگ کے بادشاہ کھارویل کی وجہ سے جین ادب کی بھی وسعت ہوئی۔ برہمنوں نے منوسمرتی تصنیف کی۔ مہابھارت اور رامائن کو از سر نو شایع کیا گیا۔ دیگر قدیم متبرک کتابوں کا مطالعہ کرکے یہ طے کیا گیا کہ ان کی کیا شکل ہونی چاہیئے۔ سوتروں کی شرح لکھی گئیں۔ ایسی شرحوں میں سب سے مشہور پتنجلی کا مہا بھاشیہ ہے۔ مہا بھاشیہ میں پانینی کی ہشت بابی قواعد (ویا کرن) کی شرح لکھی گئی ہے۔ معمولی طور پر ہم شرح (ٹیکا) لفظ کا استعمال اس کتاب کیلئے کرتے ہیں جس میں کسی کتاب کا مطلب سمجھایا جائے۔ لیکن سنسکرت میں شرح (ٹیکا) جدا تصنیف ہی ہوتی ہے جس میں صرف وہی باتیں ہوتی ہیں جو اصل کتاب میں نہیں ہیں۔ کسی قدیم متبرک کتاب کی شرح کی شکل میں لکھنے کا طریقہ اس لئے رائج ہو گیا تھا۔ کہ ہندوستانی علماء پرانے رشیوں کی اتنی عزت کرتے تھے کہ وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے (رشیوں نے) کوئی خاص بات چھوڑ دی ہے۔ اس لئے وہ اپنی شرحوں (ٹیکاؤں) میں ایک طرف تو یہ اقبال کرتے تھے، کہ اس بارہ میں جو کچھ لکھنا تھا۔ وہ پرانے رشی لکھ گئے ہیں، اور دوسری طرف اپنے خیالات

کو ظاہر کرنے کے لئے کہتے تھے کہ پرانی کتاب میں کن باتوں کو کس شکل میں کیوں کہا گیا ہے یہی سبب ہے کہ بہت سی کتابوں (گرنتھوں) کے مقابلہ میں ان کی شرحوں (ٹیکاؤں) کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

یونانیوں سے تعلقات ہوجانے کی وجہ سے ہندوستانیوں نے علم نجوم میں ترقی کی۔ انہوں نے اپنی جنتری (پنچانگ) بنانے میں بھی یونانیوں سے مدد لی۔ بہت سی یونانی کتابوں کا سنسکرت میں ترجمہ کیا گیا۔ اور یونانی علما کو ہندوستان میں عزت کے ساتھ بلایا گیا۔ سنسکرت کا رواج زیادہ تھا۔ بہت سے شاہی خاندانوں کی زبان سنسکرت تھی۔ صرف برہمنوں نے ہی نہیں بلکہ بودھوں اور جینیوں نے بھی اپنی مذہبی کتابیں سنسکرت میں تصنیف کیں۔ لیکن کہیں کہیں پر دوسری زبانوں کے ادب نے بھی ترقی کی۔ ساتواہنوں نے پراکرت کو شاہی زبان بنایا۔ ان کی وجہ سے پراکرت علم ادب میں کچھ ترقی ہوئی۔ ایک پراکرت کی کتاب "سپت شتی" کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اس کو ساتواہن راجہ ہل نے تصنیف کیا۔ جنوب کی اندرونی ریاستوں میں تامل ادب کی ترقی ہوئی۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گو عہد موریہ کے بعد ہندوستان کا شاہی اقتدار کم ہوگیا۔ اور یہاں پر بہت سے غیر ملکی شاہی خاندان قائم ہوگئے پھر بھی ہندوستانی تہذیب ترقی کرتی رہی اس تہذیب نے ہندوستان کے فاتحوں کے دل پر فتح پائی۔ اور انہیں جلد ہی غیر ملکی کے بجائے ملکی بنا دیا۔

مشق کے لئے سوالات

۱۔ شنگ وساتواہن عہد میں ہندوستان کی سوسائٹی میں کیا نئی باتیں آگئی تھیں؟ ان کی اشاعت کا کیا سبب تھا؟

۲۔ ہندوستانی نوآبادیاں کس طرح بنیں؟ ان سے ہندوستان کو کیا فائدہ ہوا؟

۳۔ اس عہد میں صنعت وحرفت اور علم وادب کی کیا ترقی ہوئی؟

بارہواں باب

گپت شہنشاہ سمدر گپت اور چندر گپت وکرما دتیہ

ساتواہن کے زوال کے بعد تقریباً ۱۰۰ سال تک ہمارے ملک کی تاریخ ہنوز پردۂ تاریکی میں ہے اس زمانہ کی سیاسی حالت کے بارے میں صرف اتنا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مگدھ اور بنگال میں کوئی با اثر ریاست نہ رہی۔ بلکہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں۔ ممالک متوسط میں ناگ خاندان کے چھتریوں کی کئی با اقتدار ریاستیں تھیں۔ لیکن ان کی ریاست کا رقبہ تھوڑا ہی تھا۔ پنجاب راجپوتانہ اور مالوا میں شاید چھوٹی چھوٹی قبائلی جمہوری ریاستیں تھیں۔ سوراشٹر۔ سندھ اور مغربی مالوا میں اب بھی شاکوں کا اقتدار تھا۔ جنوبی ہند میں بھی بیسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ اس طرح سارا ملک لاتعداد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔

گپت خاندان کی بنیاد

اسی زمانہ میں مگدھ میں گپت نام کا ایک چھوٹا سا سردار تھا جو خود کو مہاراج کہتا تھا۔ اس عہد کے آزاد راجہ خود کو کم از کم مہاراجادھراج کہتے تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ گپت کسی دوسرے راجا کا مطیع ہوگا۔ گپت کے خاندان میں چندر گپت پہلا مقتدر اور با اثر شخص ہوا ہے اس نے لچھوی خاندان کی لڑکی کمار دیوی سے شادی کی۔ اور لچھویوں کی مدد سے آہستہ آہستہ کل مگدھ۔ ترہت اور اودھ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ پریاگ اس کی مملکت کی مغربی سرحد پر تھا۔ چندر گپت اول نے مہاراجادھراج کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنی تخت نشینی کی تاریخ (۳۱۹-۳۲۰ء) سے ایک نیا سمبت چلایا۔ جو گپت سمبت کے نام سے بہت دنوں

تک چلتا رہا۔ ۳۳۰ئہ کے قریب چندر گپت اوّل کی وفات ہو گئی۔

اس کا جانشین اس کا لڑکا سمدر گپت ہوا۔ گپت خاندان کا وہی سب سے بڑا شہنشاہ ہے پریاگ (الہ آباد) کے قلعہ میں جو اشوک کی لاٹ ہے اس پر اس بہادر بادشاہ کی زندگی کے خاص واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مضمون سمدر گپت کے درباری شاعر ہری شین نے نظم میں تحریر کیا تھا۔ چندر گپت اوّل نے اسی کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ اس لئے سمدر گپت نے اپنے والد کے سامنے ہی عنانِ حکومت کو سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔ سمدر گپت نے اپنی بہادری سے جلد ہی سارے ہندوستان پر اپنی دھاک جمالی اور تقریباً ۴۵ سال کے عہد حکومت میں سلطنت میں ان خوبیوں کی بنیاد ڈالی جن کی بدولت گپت راجاؤں کا عہد حکومت ہمیشہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا جائیگا۔ اور فخر کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔

سمدر گپت کے اوصاف

سمدر گپت کی فتوحات

سمدر گپت نے پہلے آریہ ورت کے ۹ راجاؤں کو شکست دی ان کی ریاستوں کی مغربی سرحد دریائے جمنا اور چنبل تھی۔ اور جنوب میں نربدا اور بندھیاچل کا کوہستانی سلسلہ۔ وہ سمدر گپت کے ہمسایہ حکمران تھے۔ ان کا ملک بہت مالدار تھا اور اس پر اختیار جمانا مشکل نہیں تھا۔ ان راجاؤں میں سے کئی ایک ناگ خاندان کے چھتری تھے۔ سمدر گپت نے مکمل طور پر انہیں ضایع کر دیا۔ اور ان کی ریاستوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

اس کے بعد وہ جنوب کی طرف مخاطب ہوا۔ پہلے اسے کئی جنگلی ریاستوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ ریاستیں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ سمدر گپت نے ان کو مطیع ہونے پر مجبور کیا۔ لیکن ان کو اپنے پرانے راجاؤں کے زیر اقتدار رہنے دیا۔ ان راجاؤں نے سمدر گپت کی تابعداری کا اقرار کیا۔

شمالی ہند کے راجاؤں کو زیر کر کے سمدر گپت نے جنوب میں مشرقی

سمندر کے ساحل کا رُخ کیا۔ وہاں اس نے ایک ایک کر کے بارہ راجاؤں کو شکست دی۔ اور ان کو قید کر لیا۔ بعد میں ان پر عنایت کر کے ان کی ریاستیں ان کو واپس کر دیں۔ اور صرف محصول پر اکتفا کیا۔ ان ریاستوں کا مقام یا حدود ہمیں ٹھیک طور پر معلوم نہیں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مشرقی سمندر کے کنارہ کا زیادہ تر حصہ ان کے قبضہ میں رہا ہوگا۔ سمدرگپت دریائے کاویری کے جنوب میں نہیں گیا۔ کیونکہ ہری شین نے پانڈیہ اور چول ریاستوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔

سمدرگپت کی فتوحات سے ہندوستان کی دوسری ریاستیں بہت خوفزدہ ہو گئیں۔ انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے خود ہی محصول دینا منظور کر لیا۔ انھوں نے خود آ کر نذرانے دیئے۔ اور ان کی فرمانبرداری کا عہد کیا۔ ان ریاستوں میں مشرق کی جانب سمتٹ، دواک اور کامروپ تھیں۔ شمال میں نیپال اور کرتر پور۔ پنجاب، مالوا اور راجپوتانہ کی بہت سی چھوٹی ریاستوں نے بھی اس کی ماتحتی قبول کر لی۔ ان چھوٹی ریاستوں میں مالوا، ججیر، یودھے اور مادرک خاص تھیں۔

لنکا کے راجہ میگھ ورن، کابل کے کشان بادشاہ اور بہت سے جزیروں کے حکمرانوں نے بھی اس سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور اس کے پاس تحفے بھیجے۔ اس طرح تقریباً کل ہندوستان پر اقتدار قائم کرنے کے بعد سمدرگپت نے ایک اشومیدھ یگ کیا۔ اس وقت اس نے برہمنوں کو خوب دان دیا۔ اور ایک سونے کا سکہ چلایا جس کی ایک جانب قربان ہونے والے گھوڑے کی تصویر اور دوسری جانب رانی کی تصویر کے ساتھ "اشومیدھ پراکرم" لکھا تھا۔

اشومیدھ یگ

سمدرگپت کی فتوحات سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے اُسے ہندوستان کا نیپولین کہا ہے لیکن نیپولین اور سمدرگپت میں بڑا فرق ہے۔ سمدرگپت نے کبھی جنگ میں شکست نہیں کھائی

سمدرگپت کا رتبہ

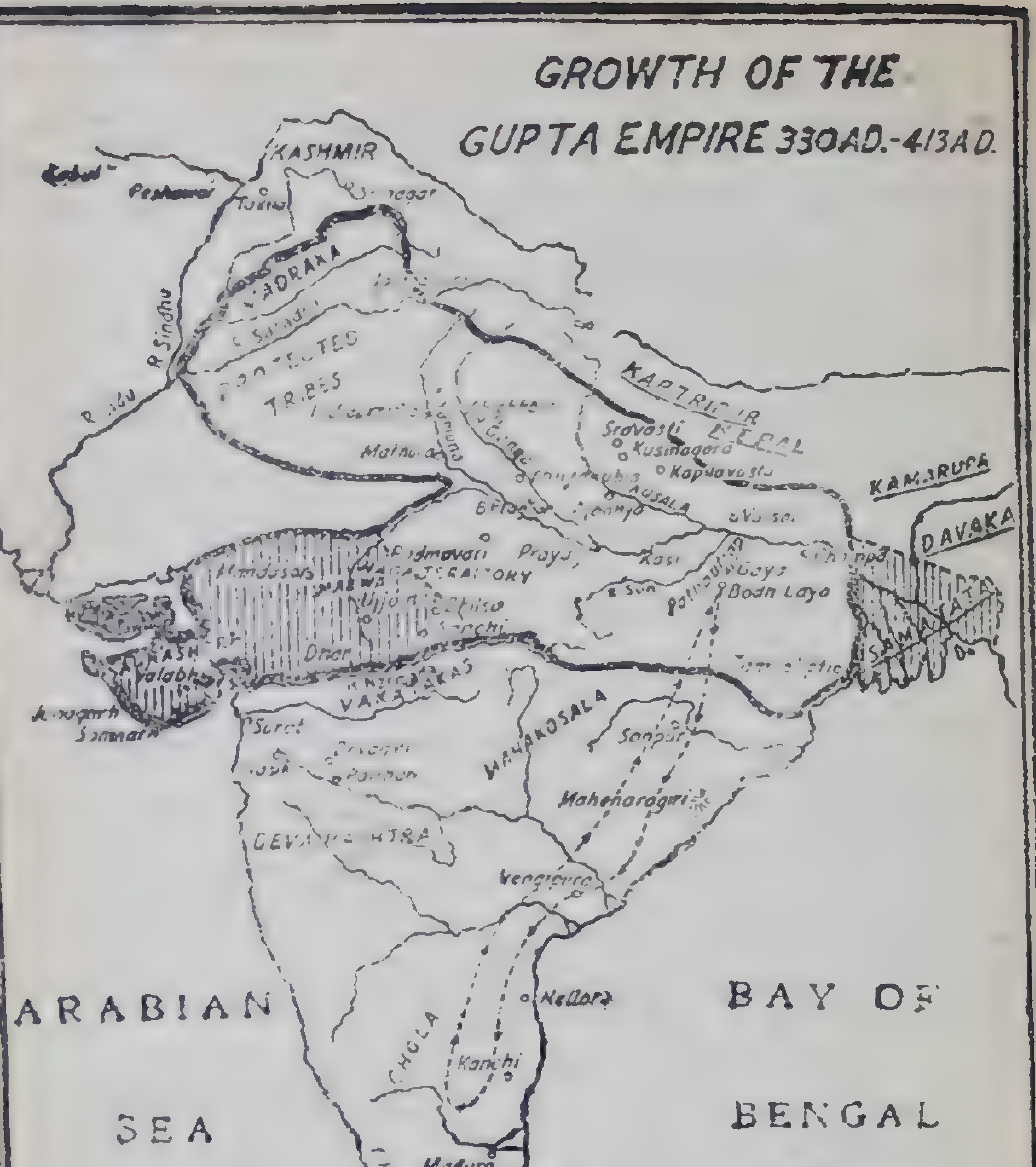

GROWTH OF THE
GUPTA EMPIRE 330AD.-413A D.
KASHMIR
Peshawar
Taxila
R Sindhu
TRIBES
Mathura
Sravasti
Kusinagara
Kapilavastu
NEPAL
KAMARUPA
DAVAKA
Padmavati
Kasi
Bodh Gaya
Sanchi
Dhar
Valabhi
VAKATAKAS
Surat
MAHAKOSALA
Sonpur
Mahendragiri
Vengipura
Nellore
CHOLA
Kanchi
Madura
PANDYA
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL
Index
Samudra Gupta
Vassal States
NEPAL
Annexation of
Chandra Gupta
Conquest

اور اپنے طرز حکومت سے سب کو اتنا خوش رکھا، کہ اس کی بنائی ہوئی سلطنت اس کی وفات کے بعد کئی پشت تک سرسبز و شاداب رہی۔ اس کے برخلاف نپولین نے تھوڑے دن کے لئے خوب طاقت حاصل کی لیکن اپنی حکمت عملی سے لوگوں کو اتنا ناراض کر دیا کہ فرانس کے بھی لوگ اس کے مخالف ہو گئے۔ اور اُسے اپنی زندگی کے آخری چھ سال ذلت اور رسوائی کے ساتھ ایک سنسان جزیرہ پر ایک قیدی کی طرح گزارنے پڑے۔ اس لئے نپولین فاتح کی حیثیت سے سمدر گپت کے مانند ہو تو ہو، مگر ایک حکمران کے اعتبار سے وہ بہت کم رتبہ رکھتا ہے اس لئے اگر نپولین کو یورپ کا سمدر گپت کہا جائے۔ تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔ سمدر گپت صرف ایک کامیاب حکمران اور فاتح ہی نہیں تھا، بلکہ وہ ایک بلند پایہ شاعر، ماہر موسیقی اور بلند پایہ عالم بھی تھا۔ ایک سکّہ پر اس کی بینا بجاتی ہوئی تصویر ہے۔ وہ خود وشنو مذہب کو مانتا تھا۔ لیکن اس نے دوسرے مذہب والوں کے ساتھ کوئی ناجائز برتاؤ نہیں کیا۔ ہری شین نے اپنے مضمون میں اس کے اوصاف کی خوب تعریف کی ہے گپت سلطنت کی بنیاد مضبوط کرنے والا یہی بادشاہ تھا۔ اس کی وفات قریب ۳۷۵ء میں ہوئی۔

سمدر گپت کی وفات کے بعد چندر گپت دوم تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے

چندر گپت دوم وکرمادتیہ

باپ کی طرح اقبال مند اور بہادر اور قابل تھا۔ اس کے عہد میں گپت سلطنت نے اور ترقی کی۔ اس نے اپنے باپ کے فتح کئے ہوئے ممالک کو قبضہ میں رکھا۔ اور نئی سلطنتوں کو فتح کر کے اپنی مملکت کو بڑھایا۔ آریہ ورت کے ناگ راجاؤں کا خاتمہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ان کے لئے رعایا کے دلوں میں ابھی کچھ جگہ باقی تھی۔ اس لئے بغاوت ہو سکتی تھی۔ چندر گپت نے ناگوں کے خیر خواہوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ناگ خاندان کی لڑکی کُبیر ناگا سے شادی کر لی۔

جنوب مغرب کی طرف شک چھترپوں کا ابھی کافی زور تھا۔ ان کو ختم کرنے

کے لیے چندر گپت نے ایک عظیم الشان فوج تیار کی۔ شکوں کے پڑوسی اور دشمن واکاٹک کے راجا رُدّرسین دوم نے چندر گپت سے صلح کرلی۔ اس صلح کو مضبوط کرنے کے لیے اس نے اپنی لڑکی پربھاوتی کی شادی رُدّرسین دوم سے کردی، اس طرح اس نے ایک مقامی مددگار حاصل کرلیا۔ رُدّرسین دوم مہاراج کہا جاتا تھا۔ اب وہ گپت شہنشاہ کا ماتحت ہوگیا۔

شکوں سے کافی لڑنا پڑا۔ آخرکار وہ پورے طور پر مغلوب ہوگئے۔ مالوا،

چندر گپت دوم اور سلطنت کی وسعت

کاٹھیاواڑ، گجرات اور راجپوتانہ کا کچھ حصہ گپت سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔ مشرق میں اس نے پورے بنگال کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اور وہاں کے انتظام کے لئے اپنے افسر مقرر کیے پنجاب کا کچھ حصّہ بھی اس نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

فتوحات کی اہمیّت

چندر گپت دوم نے اپنی فتوحات کی تقریب میں وکرمادتیہ کا لقب اختیار کیا۔ شکوں کا خاتمہ کرنے کی وجہ سے اسے شکارِ بھی کہتے ہیں۔ داکٹکوں اور شکوں کی طاقت ختم کرکے اس نے شمالی ہند میں گپت سلطنت کو اور بھی مضبوط کردیا۔ گجرات۔ کاٹھیاواڑ اور کوکن کے کچھ حصّے کے ملنے سے مغربی ملکوں کی ساری تجارت اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اور اس کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ اس کی سلطنت کی اندرونی تجارت کو بھی بہت سہولتیں ہوگئیں۔ اور سوداگر روز بروز مالدار ہوتے گئے مغربی حصّہ پاٹلی پتر سے بہت دور پڑتا تھا۔ اس لیے اس نے پہلے الودھیا کو اور پھر اُجّین کو دوسرا پایۂ تخت بنایا۔ اُجّین کے راجہ وکرم کے بارے میں جو بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ ان میں سے اکثر شاید چندر گپت دوم سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

کالی داس

چندر گپت دوم کے عہد میں گپت سلطنت معراجِ کمال پر پہونچ گیا۔ اس کے دربار میں بہت سے علما رہتے تھے۔ ان میں

کالی داس سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس نے شکنتلا۔ میگھدوت، کمار شمبھو وغیرہ اعلیٰ تصنیفات کیں۔ چندر گپت علماء کی پرورش کرتا تھا۔ اور انعام و اکرام دے کر ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

فاہیان ۳۹۹-۴۱۴ ء

چندر گپت کے عہد سلطنت میں ایک چینی سیاح فاہیان آیا تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں ہندوستان کی حالت بیان کی ہے۔ اس سے ہمیں رعایا کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ جب چین میں بودھ مذہب کی اشاعت ہوگئی تو ہندوستان چینیوں کیلئے ایک متبرک مقام بن گیا۔ فاہیان متبرک مقامات کی زیارت کرنے اور بودھ گرنتھوں کو چین لے جانے کے لئے یہاں آیا تھا۔ وہ ۳۹۹ء میں اپنے ملک سے روانہ ہوا تھا۔ گوبی ریگستان، پامیر پٹھار، ہندوکش پہاڑ کو طے کرتا ہوا ۴۰۱ء میں وہ پنجاب آیا۔ اپنی سیاحت کے دوران میں وہ شمالی ہند کے مشہور شہروں میں ٹھہرا۔ اور وہاں بدھ مذہب کے متعلق جو باتیں معلوم ہوئیں۔ ان کو اپنی کتاب میں لکھتا گیا۔ اس طرح متھرا، قنوج، کاشی، پاٹلی پتر ویشالی وغیرہ شہروں میں گیا تھا۔ پاٹلی پتر میں وہ تین سال تک صرف سنسکرت پڑھنے کے لئے مقیم رہا۔ اس نے پاٹلی کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ اشوک کا محل اس وقت تک موجود تھا۔ وہ انسانوں کا تعمیر کردہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ فاہیان سمجھتا تھا کہ دیووں نے یہ محل اشوک کے لئے بنایا ہوگا۔ اس وقت پاٹلی پتر میں دو بڑے وہار تھے۔ ایک ہینیان بھکشوؤں کا تھا دوسرا مہایان بھکشوؤں کا۔

اس نے رعایا کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رعایا مالدار اور خوش حال تھی۔ لوگوں کے اطوار اچھے تھے۔ مالدار لوگ غریبوں کی مدد کیلئے شفاخانے، دھرم شالہ اور چھتر بنواتے تھے۔ چھتروں میں غریبوں کو مفت کھانا ملتا تھا۔ لوگ گوشت نہیں کھاتے تھے، شراب، پیاز اور لہسن کا رواج نہیں تھا۔

TRAVELS OF FAHIEN
Khotan
Taxila
Mathura
Benares
Nalanda
Rajagriha
Gaya
SEA
BAY OF
BENGAL

صرف چانڈال ان چیزوں کو استعمال کرتے تھے۔ چوری کا نام تک سنائی نہیں پڑتا۔ لوگ اپنے گھروں کو کھلا چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ رعایا کو ہر جگہ آنے جانے کی اجازت ہے راجہ کا برتاؤ اچھا ہے۔ محصول ہلکے ہیں۔ سزائیں بہت معمولی ہیں۔ سزائے موت کسی کو نہیں دی جاتی۔ باغیوں کو بھی صرف ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی تھی۔ عموماً جرمانہ کیا جاتا تھا۔ بار بار جرم کرنے پر ہاتھ پیر کاٹ لیے جاتے تھے۔ کوڑے لگانے کا رواج نہیں تھا۔ پنجاب اور بنگال میں بودھوں کے بہت سے وہار تھے۔ لیکن ممالک متوسط میں مندروں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اگرچہ بدھ مذہب کی تبلیغ اب بھی کافی تھی لیکن اس کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ اور برہمن مذہب اس کی جگہ لے رہا تھا۔ فاہیان نے رعایا کی حالت کی جو تصویر کھینچی ہے۔ اگر وہ صحیح ہے۔ تو بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ گپت عہد کے قبل یا بعد کبھی بھی ہندوستان اتنا آسودہ اور خوشحال نہیں رہا۔

چندر گپت کی مملکت میں تقریباً ۶ سال سیاحت کرنے کے بعد سنہ ۴۱۱ء میں فاہیان تامر لپت بندرگاہ سے سمندر کی راہ سے لنکا اور جاوا ہوتا ہوا اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ کل سیاحت میں اسے ۱۵ سال لگے۔ اور سنہ ۴۱۴ء میں وہ چین واپس پہونچ گیا۔

کمار گپت

اسی زمانہ میں سنہ ۴۱۳ء کے قریب چندر گپت دوم کی وفات ہو گئی اس کے بعد اس کا لڑکا کمار گپت تخت نشین ہوا۔ اس نے سنہ ۴۵۵ء تک حکومت کی۔ کمار گپت نے اپنے باپ اور دادا کی سلطنت کی برابر حفاظت کی۔ اس کے سکے اور کتبے ملک کے مختلف حصوں میں ملے ہیں۔ اس نے ایک اشومیدھ یگیہ بھی کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کچھ لڑائیوں میں فتح حاصل کی تھی۔ ممکن ہے اس نے دکن کا کچھ حصہ فتح کیا ہو یا اس کی تخت نشینی کے وقت کچھ بغاوتیں ہوئی ہوں جنہیں اس نے فرو کیا ہو۔

کمار گپت کے آخری زمانہ میں سلطنت پر مصیبت آنے لگی پشیہ متروں نے مالوا میں بغاوت کی۔ کمار گپت نے اپنے لڑکے اسکند گپت کو انہیں فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ اس کام میں کامیاب ہوا ہی تھا کہ شمال مغرب کی طرف سے ہونوں نے حملہ کر دیا۔

ہونوں کا حملہ

ہونوں کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں یہ وحشی لوگ تھے جو بہت ہی بے رحم اور بہادر تھے۔ اور اپنے پڑوسیوں کو لوٹتے کھسوٹتے رہتے تھے اور ہمیشہ امن میں خلل ڈالتے رہتے تھے۔ چین کے بادشاہوں نے ان سے بہت سی لڑائیاں کی تھیں۔ بعد میں انہوں نے انہیں روکنے کے لئے ایک عظیم الشان دیوار بنوائی۔ تب ہون مغرب کی طرف بڑھنے لگے۔ انھیں نے یوچیوں اور سٹکوں کو ڈھکیل کر ہندوستان کی طرف بھیجا تھا۔ اس وقت وہ خود ہندوستان پر حملہ کرنے لگے۔ اسکند گپت نے ان کو بھی شکست دے کر بھگا دیا۔

گپت سلطنت کا زوال

کمار گپت کی وفات کے بعد اسکند گپت بادشاہ ہوا۔ اس نے ۱۲ برس حکومت کی۔ اس کے عہد میں ہونوں اور پشیہ متروں کی وجہ سے بہت بد امنی رہی لیکن جب تک وہ زندہ رہا اس نے ان کی دال نہ گلنے دی۔ اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا زوال ہونے لگا۔ اور شمالی ہند میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں پھر قائم ہو گئیں۔ کچھ عرصہ کے لئے بدھ گپت (۴۷۶ - ۴۹۵ء) نے سلطنت کو سنبھالے رکھا۔ لیکن بعد میں وسیع گپت سلطنت کے بجائے گپت خاندان کے راجاؤں کا اقتدار صرف مالوا اور مگدھ کے کچھ حصہ پر ہی رہ گیا۔ سلطنت کے زوال کے خاص اسباب یہ تھے :۔

(۱) ہونوں کا حملہ۔

(۲) پشیہ متر اور ماتحت راجاؤں کی بغاوتیں، اور

(۲) بُدھ گپت کے جانشینوں کی نا قابلیت۔

نظامِ حکومت

گپت راجاؤں کے عہدِ حکومت میں ہندوستانی تہذیب نے بڑی ترقی کی۔ اس لئے گپت زمانہ کو ہندوستانی تاریخ کا عہدِ زریں کہتے ہیں۔ چندر گپت اول سے لیکر اسکند گپت تک کے راجاؤں نے قریب ڈیڑھ سو برس حکومت کی۔ اس دوران میں ہندوستان میں مکمل امن وامان رہا۔ گپت راجاؤں نے اپنے القاب بہت دلکش رکھے۔ وہ خود کو مہاراج دھراج، دکرمادتیہ، پراکرمانک، وکرمانک، پرم بھٹارک، پرم دیوتا اور پرمیشور تک کہتے تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی اپنی طاقت کا ناجائز استعمال نہیں کیا۔ فاہیان کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ملک مال و دولت سے بھرا تھا۔ تجارت ترقی پر تھی۔ محصول ہلکے تھے۔ اور سزائیں سخت نہیں تھیں۔ انتظام حکومت کے بارہ میں ہمیں زیادہ باتیں معلوم نہیں۔ لیکن اتنا یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ راجہ اور اس کے ملازم رعایا کے آرام کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ راجہ وزیروں کی انجمن کی صلاح سے کام کرتا تھا۔ وزیروں کے عہدے موروثی تھے۔ اس لئے راجہ کو ان کی صلاح ماننی ہی پڑتی ہوگی۔ صوبہ کے افسروں کو اُپرک اور گوپتا کہتے تھے۔ ان کو بھی مشورہ دینے کے لئے رعایا کے نمائندے رہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ گپت حکومت موریوں کی طرح مطلق العنان نہیں تھی۔ بلکہ رعایا کو اس میں حصّہ لینے کے لئے کچھ حقوق حاصل تھے۔

مذہبی حالات

گپت بادشاہ وشنو مذہب کو مانتے تھے۔ انہوں نے کئی اشومیدھ یگیہ بھی کئے لیکن انہوں نے کسی طرح کی مذہبی طرفداری نہیں کی۔ شیووں اور بودھوں کو اونچے سے اونچے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اور راجہ سب مذہب والوں کو مالی امداد دیتا تھا۔ فاہیان نے مذہبی ظلموں کا کہیں ذکر تک نہیں کیا۔ اس کے بیان سے پتہ

لگتا ہے، کہ سب مذہبوں کے لوگ میل جول سے رہتے تھے۔ برہمنوں کا اثر روز بروز بڑھ رہا تھا۔ بودھوں کی طاقت کم ہو رہی تھی۔ برہمنوں نے بدھ جی کو بھی وشنو کا ایک اوتار مان لیا۔ اور ان کے کچھ عمدہ مذہبی اصولوں کو اپنے مذہب میں شامل کرلیا۔ پردیسیوں کو انہوں نے اپنے مذہب میں جگہ دی اور ان کو اُنکے کاموں کے مطابق چھتری یا ویش ذاتوں میں شامل کرلیا۔ اس طرح برہمن مذہب بدھوں کی طاقت کم ہونے کا خاص سبب بن گیا۔ کپل وستو، کشی نگر، شراوستی جو بودھوں کے مرکز تھے۔ اب ویران ہو گئے۔ شمالی ہند میں شو، سورج اور وشنو کی پوجا زیادہ ہوتی تھی۔ بودھ مذہب کا اثر بھی کافی تھا۔ لیکن شمالی ہند میں مہایان بدھ ہی زیادہ تھے۔ اور وہ بُدھ اور بدھ وستوؤں کی پوجا کرتے تھے۔ سب ہی مذہب والوں کے کچھ مذہبی تیوہار (جشن) ہوتے تھے جن میں لوگ خوب خوشیاں مناتے تھے اور بڑی دھوم دھام سے اپنے دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ جینیوں کا اثر شمالی ہندوستان میں کم تھا۔

برہمن مذہب کے عروج کے ساتھ ساتھ سنسکرت نے بھی ترقی کی۔ یہ ترقی

علم و ادب

سا تو اہن عہد سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ سنسکرت نے اتنی عزت حاصل کرلی تھی۔ کہ بودھ علماء بھی اپنی تصنیفات پالی کے بجائے سنسکرت ہی میں کرتے تھے۔ اس عہد کے مصنفین میں سب سے مشہور کالی داس ہے۔ کالی داس کے شکنتلا ناٹک کی دنیا کے سب ہی عالموں نے تعریف کی ہے۔ شکنتلا کے علاوہ انہوں نے "وکرم اُروشی" اور "مالوکا گن متر" ناٹک بھی لکھے ہیں۔ کالی داس کی دیگر مشہور تصنیفات "میگھدوت" "کمار سنبھو" اور "رگھوونش" ہیں۔ اسی زمانہ میں دوسرا مشہور ناٹک "مدرا راکشس" بھی تصنیف کیا گیا۔ اس کے مصنف وشاکھ دت تھے۔ امر سنگھ نے امر کوش (لغات) بنایا اور دھنونتری نے علم طب پر کتابیں لکھیں۔ مذہبی علم و ادب میں بھی بہت زور ہوا۔ اس عہد میں پرانوں اور سمرتیوں کو موجودہ شکل و صورت دی گئی۔ اسی عہد میں سائنس اور

نجوم کے مشہور علماء ہوئے آریہ بھٹ اور وراہ مہران میں خاص ہیں۔

علم ادب کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ میں کافی ترقی ہوئی گپت عہد کی زیادہ

فنونِ لطیفہ

عمارتیں اس وقت نہیں ملتیں جھانسی میں دیوگڑھ کا مندر اور ضلع کانپور میں بھیتر گاؤں میں اینٹ کا بنا ہوا مندر قابل ذکر ہے پتھر کا کام اس عہد میں شنگ۔ ساتواہن عہد سے بھی بہتر ہوا اس عہد کی مورتیاں زیادہ خوبصورت اور فطری ہیں۔ اتنی خوبصورت پتھر کی مورتیں پہلے کبھی نہیں بنی تھیں۔ مندروں اور گپھاؤں کی دیواروں پر بھی خوبصورت مورتیں کندہ کی گئی ہیں۔ ایسی کندہ کی ہوئی مورتیں گوالیار ریاست کے اندر اُدے گر میں اور دیوگڑھ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ پتھر کی کھدائی کے علاوہ مصوری میں بھی ترقی کی گئی۔ شنگ ساتواہن عہد میں بھی کچھ گپھائیں بنی تھیں اور ان کے اندر تصویریں بنائی گئی تھیں۔ لیکن اجنتا میں جو اس عہد کی تصویریں ہیں، وہ بہت ہی خوبصورت ہیں۔

اس عہد کے لوگوں نے دھاتوں کے استعمال میں بڑا کمال دکھایا ہے۔ دہلی میں قطب مینار کے پاس کا لوہے کا ستون اسی زمانہ کا ہے اس کے بنانے اور کھڑا کرنے میں بڑی کاریگری کی ضرورت پڑی ہوگی۔ اس عہد میں پیتل، کانسہ وغیرہ کی بھی خوبصورت مورتیں بنائی گئی تھیں۔ چاندی سونے کے زیوروں کے علاوہ اس عہد کے سکے بھی بڑی اہمیت کے ہیں وہ سکے کئی قسم کے ہیں ان کے بنانے میں بڑا ہنر دکھایا گیا ہے۔ سکے خوبصورت اور سڈول ہیں ان کے ذریعہ سے خاص واقعات، راجاؤں کی شکل وصورت اور عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے۔

ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ گپت عہد میں ہندوستان کی رعایا نے تہذیب کے سب پہلوؤں میں ترقی کی۔ غیر ممالک میں ہندوستان کی تہذیب کا اثر اب بھی خوب رہا۔ اور نو آبادیوں میں ہندوستانیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔

شوا ناچ کی حالت میں

خاص تاریخیں

چندر گپت اول کی تخت نشینی اور گپت سمبت کا آغاز	سنہ ۳۱۹ء۔سنہ ۳۲۰ء
سمدر گپت کی تخت نشینی	سنہ ۳۳۰ء
سمدر گپت کی فتوحات	سنہ ۳۳۰ء۔سنہ ۳۶۰ء
چندر گپت دوم کی تخت نشینی	سنہ ۳۷۵ء
شکوں کی شکست	سنہ ۴۰۰ء کے قریب
کمار گپت کی تخت نشینی	سنہ ۴۱۳ء
اسکند گپت کا عہد حکومت	سنہ ۴۵۵ء تا سنہ ۴۶۷ء
بدھ گپت کا عہد حکومت	سنہ ۴۷۶ء تا سنہ ۴۹۵ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ گپت سلطنت کا بانی کون تھا؟ اس کے عہد کے خاص واقعات بیان کرو۔

۲۔ سمدر گپت کا مقابلہ نیپولین سے کیوں کیا جاتا ہے؟ سمدر گپت اور چندر گپت دوم میں تم کسے بڑا سمجھتے ہو اور کیوں؟

۳۔ گپت سلطنت کے زوال کے کیا اسباب تھے؟

۴۔ فاہیان کون تھا؟ اس نے گپت عہد کا کیا حال لکھا ہے؟

۵۔ گپت عہد کو ہندوستانی تاریخ کا زریں عہد کیوں کہتے ہیں؟

تیرھواں باب

ہون - موکھر - وردھن

ہونوں کے حملہ نے ہی گپت سلطنت کو ایسا دھکا پہونچایا کہ وہ درہم برہم ہو گئی اور اس کے بجائے دوسری ریاستیں بن گئیں۔ پہلے ہم نے ہونوں کا نام

ہندوستان میں ہون

یوچیوں کے سلسلہ میں پڑھا تھا۔ پچھلے باب میں ہم نے دیکھا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں وہ کس طرح ہندوستان کی سرحد پر منڈلانے لگے۔ ہندوستان پران کا پہلا حملہ کمار گپت کے اختتام حکومت میں ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ ۴۵۵ء میں ہوا ہو۔ اس کے بعد کچھ دن تک ہون خاموش رہے۔ اسکند گپت کی وفات کے بعد ہونوں میں تورمان نام کا ایک بہادر سردار ہوا۔ اس نے ۴۸۴ء کے قریب ہندوستان پر پھر حملہ کیا اور پنجاب راجپوتانہ اور مالوا پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ۵۱۰ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا مہرکل راجہ ہوا۔ وہ بہت مغرور تھا۔ اس نے شیو مذہب منظور کر لیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں شیو کے علاوہ کسی کے بھی سامنے سر نہیں جھکاؤنگا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے بودھوں پر ظلم بھی کئے۔ ان کے سینکڑوں استوپ اور وہار منہدم کرا دیئے۔ اور ہزاروں بھکشو مار ڈالے گئے۔ مذہب کے نام پر ظلم کرنے کا طریقہ پہلے پہل ہونوں نے ہی اس ملک میں اختیار کیا۔ مہرکل نے گپت راجاؤں کو مگدھ سے بھی نکالنا چاہا۔ اس کوشش میں وہ ناکام رہا۔ اور گپت شہنشاہ بالادتیہ نے اسے گرفتار کر لیا۔ بعد کو اس نے اسے چھوڑ دیا۔ جب مہرکل مگدھ سے واپس آرہا تھا اس وقت اسے وسط ہند میں ایک دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ یشودھرمن تھا۔ یشودھرمن نے اسے شکست دے کر مالوا اور راجپوتانہ سے باہر نکال دیا۔ اور اس نے کاشمیر کے راجہ کے یہاں جا کر پناہ لی تھوڑے دن بعد اس نے اس کے ساتھ دغا بازی کی اور اسے مار کر خود کاشمیر کا حکمران ہوگیا ہوین سانگ لکھتا ہے کہ اس کے تھوڑے ہی دن بعد وہ مر گیا۔ اس کی وفات ۵۴۲ء کے قریب ہوئی ہوگی۔ مہرکل کے بعد ہونوں کی طاقت کم ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ وہ ہندو سماج میں شامل کر لئے گئے۔ اب علیحدہ ان کا کوئی وجود نہ رہا۔

یشودھرمن

مہرکل کو شکست دے کر شمالی ہند سے نکال دینے والا یشودھرمن کون تھا؟ اس کے کتبے مندسور میں ملے ہیں ان سے پتہ لگتا

ہے کہ وہ بڑا بہادر تھا اور اس نے گپت راجاؤں سے بھی بڑی سلطنت قائم کی تھی۔ لیکن اس بات کا مطلق پتہ نہیں کہ اس نے کتنے دن حکومت کی، اس کی وفات کب ہوئی؟ اور اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان میں کوئی باقی رہا یا نہیں؟

یشودھرمن کی وفات کے بعد مالوا پر گپت خاندان کے بادشاہوں کا قبضہ ہوگیا چھٹی صدی عیسوی میں شمالی ہند میں پانچ خاص ریاستیں تھیں (۱) کاشمیر (۲) تھانیشور کے وردھن۔ (۳) قنوج کے موکھر (۴) مالوا کے گپت حکمران اور (۵) مگدھ اور بنگال کے گپت حکمران۔ ان میں سے مالوا اور بنگال کے حکمران ایک ہی خاندان کے ہونے کی وجہ سے اکثر ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ موکھریوں کی ترقی سے ان دونوں کو ہی خطرہ رہتا تھا۔ موکھریوں نے اپنی حالت مضبوط کرنے کے لئے تھانیشور کے وردھنوں سے صلح کر لی تھی۔ وردھنوں کو ہونوں سے ہمیشہ ڈر لگا رہتا تھا۔ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔ ہونوں کے خلاف لڑتے رہنے سے وردھنوں کی طاقت کافی بڑھ گئی تھی۔ اور آہستہ آہستہ انھوں نے گپت سلطنت کا بہت سا حصہ اپنے تابع کر کے ہندوستان کو ایک سلسلۂ حکومت میں باندھ دیا۔ یہ کام پربھاکر وردھن اور اس کے لڑکے ہرش وردھن نے کیا۔

وردھن خاندان

پربھاکر وردھن تھانیشور کے وردھن خاندان کا پہلا اقبال مند راجہ تھا۔ اس نے پرم بھٹارک کا لقب اختیار کیا۔ اس نے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی جس میں مشرقی پنجاب سندھ کا کچھ حصہ اور شمالی راجپوتانہ شامل تھے۔ اس نے ۵۸۰ء سے ۶۰۵ء تک حکومت کی ۶۰۵ء میں وہ فوت ہوگیا۔ اس وقت اس کا بڑا لڑکا "راج وردھن" ہونوں کے خلاف جنگ کرنے گیا تھا۔ ہونوں کو شکست دیکر راج وردھن دارالسلطنت کو آیا لیکن اُسے فوراً ہی خبر ملی کہ اس کے بہنوئی موکھری بادشاہ گرہ ورمن،

کو مالوا کے راجہ دیو گپت نے مار ڈالا ہے اور وردھن شہزادی "راج شری" کو قید کر لیا ہے۔ راج وردھن فوراً بدلہ لینے کے لئے مالوا پر حملہ آور ہوا۔ اس نے دیو گپت کو شکست دی۔ وہ راج شری کے ساتھ واپس آ رہا تھا، کہ بنگال کے حکمران سشانک نے راج وردھن کو دھوکے سے مار ڈالا۔ راج شری کسی طرح اپنی جان بچا کر بھاگ نکلی اور جنگل جنگل ماری ماری پھرتی رہی۔

یہ خبر جب تھانیشر پہونچی تو ہرش کو بڑا رنج ہوا۔ اس کو مذہب اور درس و تدریس سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ سلطنت کے کام سے الگ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے خاندان کو مصیبتوں میں مبتلا دیکھ کر اسے بارِ حکومت سنبھالنا پڑا۔ پہلے اس نے اپنی بہن کا پتہ لگانا شروع کیا۔ کوہ وندھیاچل کے جنگلوں میں راجشری جلتی ہوئی چِتا میں کودنے ہی والی تھی کہ ہرش پہونچ گیا۔ اور اسے اس نے اس مرگِ ناگہانی سے بچا لیا۔ راجشری کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے ہرش ہی اس کی طرف سے موکھر ریاست پر حکمرانی کرنے لگا۔

ہرش وردھن
سنہ ۶۰۶ء سے ۶۴۷ء

اس طرح ہرش کو موکھریوں کی کل سلطنت آسانی سے مل گئی۔ کچھ دن کے بعد اس نے تھانیشور کے مقام پر کانکبج (یعنی موجودہ قنوج) کو ہی اپنا پایۂ تخت بنایا۔ ہرش نے کئی لڑائیاں لڑیں لیکن ان کا ٹھیک ٹھیک حال ہمیں نہیں ملتا۔ بنگال کے راجہ سشانک کو دبانے کے لئے اس نے آسام کے حکمران بھاسکر ورمن سے صلح کر لی۔ اور پھر اس پر مشرق اور مغرب سے حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ سنہ ۶۲۰ء کے قریب سشانک کا ملک ہرش کے قبضہ میں آگیا۔ کچھ دن بعد اس نے اڑیسہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ مالوا کا کچھ حصہ بھی اسنے ضرور فتح کر لیا ہوگا۔ کیونکہ مالوا کے راجہ نے گرہ ورمن کو قتل کیا تھا۔ گجرات میں اس وقت میترک خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے راجہ کو مطیع کرنے کے لئے ہرشس نے اپنی لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔ یہ اندولجی

HARSHA'S EMPIRE
640 A.D.
H A R S H A
E M P I R E
Kasi
Srāvasti
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL

ضلع مالوا اور دکن کو فتح کرنے کے لئے کی گئی ہوگی۔ لیکن اس طرف ہرش کو زیا
نہیں ہوئی۔ سنہ ۶۲۰ء کے قریب دکن کے چالوکیہ بادشاہ پُل کیشن دوم نے اسے
دی اور اسے جنوبی ہند کی طرف بڑھنے سے ہمیشہ کے لئے روک دیا۔

ہرش کی مملکت

ہرش کی مملکت میں مشرقی پنجاب، موجودہ ممالک متحدہ، بہار اور بنگال، اوڑ
راجپوتانہ و مالوا کے کچھ حصے شامل تھے۔ بلبھی کے راجاؤں نے
تابعداری قبول کرلی تھی۔ اور نیپال و آسام کے حکمران بھی
اسے اپنا شہنشاہ مانتے تھے۔

ہرش کا انتظام حکومت

بادشاہ حکومت کا سب سے بڑا حاکم تھا۔ اس کی مدد کیلئے کئی وزیر ہوتے
جو ایک یا ایک سے زیادہ محکموں کے صدر ہو
تھے۔ راجہ خود سب محکموں کے کاموں کی دیکھ بھ
کرتا تھا۔ وزیروں کو جاگیریں دی جاتی تھیں۔ کل ملک کئی صوبوں میں منقسم تھ
صوبوں کو بھکتی کہتے تھے۔ بھکتیوں کے افسروں کو بھی جاگیریں دی جاتی تھیں
ضلع اور گاؤں کا انتظام گپت عہد کی طرح تھا۔ صوبوں کے افسروں کی نگ
کرنے کے لئے ہرش دورہ کرتا تھا۔ برسات کے علاوہ باقی تمام مہینوں میں
ادھر ادھر دورہ کیا کرتا تھا۔ سزائیں سخت تھیں۔ معمولی جرموں پر جسمانی
حصے کاٹ ڈالنے کی سزا دی جاتی تھی۔ راجہ کے خلاف سازش کرنیوالو
کو قید تازیست کی سزا دی جاتی تھی۔ اتنی سخت سزا ہونے پر بھی جرائم کا
ہوتے تھے۔ ہیون سانگ نامی چینی سیاح، جو اس عہد میں ہندوستان آیا
اپنے سفر کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ خود کئی بار لوٹ لیا گیا تھا۔ سرکار کی
خاص آمدنی زمین کا لگان، تجارتی سامان کی چنگی اور دریاؤں گھاٹوں وغیر
کا محصول تھا۔ کسانوں کو پیداوار کا ۱/۶ حصہ سرکار کو دینا پڑتا تھا۔ تجارت
ترقی پر تھی۔ راجہ کی آمدنی بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ ہر پانچویں سال وہ بے شمار
دولت خیرات کرتا تھا۔ سرکاری آمدنی کا زیادہ حصہ فوج پر خرچ کیا جاتا تھا۔ فوج

دارجلنگ کے پاس کا ایک استوپ

میں رتھ، ہاتھی، پیدل اور اسپ سوار تھے۔ فوجیوں کو نقد تنخواہ دی جاتی تھی اور ان کو مسلح رکھنے کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ فوجی منظم اور ہتھیار چلانے میں ہوشیار تھے۔ فوج میں ساٹھ ہزار ہاتھی اور ایک لاکھ سوار تھے۔ رتھوں اور پیادوں کی تعداد بھی اسی مناسبت سے تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہاتھیوں اور اسپ سواروں کو ہی خاص اہمیت تھی۔

ہرش کے زمانہ کی باتیں ہمیں خاص طور پر دو ذرائع سے معلوم ہوتی ہیں۔

ہوین سانگ ۶۲۹-۶۴۴

بان کوی (شاعر) کے ہرش چرتر سے اور ہوین سانگ نامی چینی سیاح کے سفر نامہ سے۔ ہوین سانگ بھی فاہیان کی طرح مذہبی کتابوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ اس نے اس زمانہ کا انتظام حکومت، رعایا کی حالت اور مذہبی حالات کو خوب بیان کیا ہرش کے انتظامِ حکومت کا بہت سا حال ہمیں اسی کی کتاب سے معلوم ہوا ہے ہوین سانگ ۶۲۹ء میں چین سے روانہ ہوا تھا اور تاشقند، سمرقند، کابل ہوتا ہوا ۶۳۰ء میں ہندوستان آیا۔ ۶۴۳ء تک ہندوستان میں رہ کر اس نے سارے ملک کا چکر لگایا اور خاص مقامات کو دیکھ کر خشکی کے ہی راستہ سے واپس چلا گیا۔ ۶۴۵ء میں وہ چین واپس پہونچا اور ۱۹ سال بعد ۶۶۴ء میں انتقال کیا۔

رعایا کی حالت

ہوین سانگ رعایا کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ تعلیم کا کافی رواج تھا۔ تبھی نالندا اور ندیا میں بڑے بڑے جامعہ (یونیورسٹی) تھے۔ ان میں نالندا کا جامعہ سب سے بڑھ کر تھا۔ اس میں دس ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ لوگ دور دراز ملکوں سے نالندا میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ نالندا جامعہ میں داخل ہونے سے پہلے ایک زبانی امتحان دینا پڑتا تھا۔ جو اس امتحان میں ناکامیاب ہو جاتا تھا، اُسے اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔ ہوین سانگ نے بھی نالندا میں رہ کر بدھ کتابوں

کا مطالعہ کیا تھا۔ ملک میں بہت سے وہار اور مندر تھے وہ بھی مدرسوں کا کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مدرسے بھی تھے جن کو سرکار سے مدد ملتی تھی۔ لوگوں کے عادات و اطوار اچھے تھے لوگ سچ بولتے تھے۔ اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ محصول کم ہونے کی وجہ سے رعایا مالدار تھی۔ اور لوگ آسودہ اور فارغ البال نظر آتے تھے۔ عورتوں کی حالت پہلے سے خراب تھی۔ کم سنی کی شادیوں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ ستی ہونے کی رسم تھی۔ اور بیواؤں کی شادیاں ممنوع تھیں پردہ کی رسم بڑھ رہی تھی لیکن اب بھی عورتیں سبھا وغیرہ میں بیٹھ سکتی تھیں۔ ذات پات کی زنجیریں مضبوط ہوتی جاتی تھیں۔ دو ذاتوں میں باہم شادیاں نامناسب سمجھی جاتی تھیں۔ شمالی ہند کے خاص مذہب دو تھے۔ بدھ مذہب اور برہمن مذہب۔ بدھ مذہب روز بروز زوال پذیر تھا لیکن مذہب کے نام پر ظلم نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر سب مذہبوں کے لوگ میل جول سے رہتے تھے۔ ہوین سانگ نے لکھا ہے کہ ہرش نے ایک حکم صادر کیا تھا۔ کہ گوشت کھانیوالوں اور جانداروں کی جان لینے والوں کو سزائے موت دی جائے گی۔ ممکن ہے سیاح نے یہ بات اپنی طرف سے لکھ دی ہو۔ لیکن اگر واقعی ایسا حکم صادر کیا ہوگا۔ تو بہت سے لوگ ناراض ہو گئے ہوں گے۔

ہرش کی سیرت

ہوین سانگ کے بیان سے ہرش کی سیرت اور مذہب کے بارہ میں ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بان کی کتاب سے بھی ہرش کے اوصاف معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ایک عالم حکمران تھا۔ وہ علماء کی معقول عزت کرتا تھا۔ اس نے ناگانند، رتنا ولی اور پریہ درشکا نامی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ان کے علاوہ اس نے کچھ اور کتابیں بھی لکھی تھیں۔ جو اب ضائع ہو گئی ہیں۔

ہرش بڑا فراخ دل اور رعایا کے فلاح و بہبود کا خیال رکھنے والا بادشاہ تھا وہ رعایا کے آرام کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ اسی لئے وہ دورے کرتا تھا۔

ظالم افسروں کو کڑی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ہرش کو دولت جمع کرنے کی لالچ نہیں تھی۔ اس کے برخلاف وہ ہر پانچویں سال پریاگ (الہ آباد) جاتا تھا۔ پانچ سال میں جو کچھ پس انداز ہوتا تھا اسے وہ گنگا جمنا کے سنگم پر برہمنوں، بودھوں اور غریب محتاجوں کو دان دے دیتا تھا۔ ہوین سانگ نے ایسے ایک سفر کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ہرش ۳ مہینے تک پریاگ میں رہتا تھا۔ ایک دن وہ بدھ کی مورتی کی پوجا کرتا تھا۔ دوسرے دن سورج کی، اور تیسرے دن شو کی۔ اس کے بعد ۲۱ دن تک بودھوں اور برہمنوں کو دان دیتا تھا۔ دان میں کپڑے، زیور، روپیہ اور خوشبودار چیزیں دی جاتی تھیں اس کے بعد دس دن ان لوگوں کو دان دیا جاتا تھا جو دور دور سے آئے ہوئے ہوتے تھے اس کے بعد ایک مہینہ تک غریبوں کو دان دیا جاتا تھا اس طرح وہ تمام سرکاری دولت خیرات کر دیتا تھا۔ وہ اپنے زیورات اور کپڑے بھی خیرات کر دیتا تھا۔ مطیع راجہ ان کو خرید کر پھر راجہ کو نذر کر دیتے تھے، اور راجہ (ہرش) پھر ان کو بار بار دان دے دیتا تھا۔ اس طرح فرمانبردار راجاؤں کی بھی پانچ سال کی بچائی ہوئی رقم خرچ ہو جاتی تھی۔ اور غریبوں کو مل جاتی تھی۔ اس کے بعد راجہ قنوج واپس چلا جاتا تھا۔

ہوین سانگ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہرش ہر سال بودھ علماء کی ایک سبھا کرتا تھا۔ اور جو سب سے زیادہ قابل ٹھہرتا تھا۔ اسے انعام دیتا تھا۔ سنہ ۶۴۲ء میں اس نے ہوین سانگ کے سامنے بھی ایک ایسی سبھا قنوج میں کی تھی اس میں بیس خراج گذار راجہ، چار ہزار بودھ بھکشو اور تین ہزار برہمن و جین علماء شامل ہوئے تھے اس وقت ایک ستون بنوایا گیا تھا۔ اور اس میں بدھ جی کی ایک سونے کی مورتی نصب کی گئی تھی۔ گنگا کے کنارے اس سبھا کا انتظام کیا گیا تھا۔ علی الصباح ایک سونے کی بدھ جی کی مورتی کا جلوس نکالا جاتا تھا ہرش خود اس پر چنور (مگس راں) ہلاتا چلتا تھا۔ اس کے بعد ہزاروں ہاتھی

سونے چاندی کے زیورات و پوشاکیں پہن کر چلتے تھے۔ دس ہاتھیوں پر باجے والے چلتے تھے۔ ان میں سبھا ہوتی تھی ہوین سانگ صدر بنایا گیا تھا۔ یہ سلسلہ قریب ایک مہینہ چلا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے ہرش کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔ اور اسنوپ جلا دیا۔ اس لئے سبھا برخاست کر دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرش کے دورِ حکومت کے آخری زمانہ میں کچھ لوگ اس کی مذہبی پالیسی سے ناراض ہو گئے تھے۔

ہرش کی وفات ۶۴۷ء میں ہوئی۔ وہ شمالی ہند کا آخری مقتدر تاجدار تھا۔ اس کی وفات کے بعد سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے۔ اور شمالی ہند میں پھر چھوٹی ریاستیں بننے لگیں۔ شاید اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا۔

خاص تاریخیں

پربھاکر وردھن کی تخت نشینی	۵۸۰ء
پربھاکر وردھن کی وفات	۶۰۵ء
گرہ ورمن کا قتل اور راج وردھن کی وفات	۶۰۶ء
ہرش کی تخت نشینی	۶۰۶ء
ہوین سانگ کی سیاحتِ ہند	۶۳۰ء سے ۶۴۳ء تک

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ہرش وردھن کی مملکت اور انتظام مملکت کا حال بیان کرو۔

۲۔ ہوین سانگ نے جو ہرش کے زمانہ کے ہندوستان کے حالات لکھے ہیں۔ وضاحت کے ساتھ بیان کرو۔

۳۔ ہوین سانگ اور فاہیان کے بیان میں کیا فرق ہے؟ کس کا سفر نامہ ہماری تاریخ کے لئے زیادہ مفید ہے؟

چودھواں باب

قرونِ وسطیٰ سے قبل کے حکمران خاندان۔ راجپوتوں کا عروج
(۶۵۰ء سے ۱۲۰۰ء)

جنوبی ہند کے حکمران خاندان

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ساتواہنوں کی طاقت کا خاتمہ کچھ گن ریاستوں کے حملہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ ساتواہنوں کے بعد مالوا اور مہاراشٹر میں واکاٹکوں کی سلطنت بنی۔ گپت راجاؤں نے جس وقت اپنی مملکت بنائی اس وقت واکاٹک سلطنت بھی کافی طاقتور تھی۔ یہ یقین نہیں کہ سمدرگپت نے واکاٹکوں سے جنگ کی تھی یا نہیں لیکن اس کے لڑکے چندرگپت دوم نے شکوں کو فتح کرنے سے پہلے واکاٹکوں سے ازدواجی تعلق قائم کر کے انہیں اپنی طرف ملا لیا تھا۔ گپت سلطنت کا زوال ہونے پر گجرات، مالوا میں میترک یا ولبھی خاندان کی ریاست بن گئی تھی۔ ہرش نے ان کو شکست دینے کے بجائے ان سے دوستی کر لی تھی۔ اور اپنی لڑکی کی شادی ولبھی کے راجہ کے ساتھ کر دی تھی۔ میترکوں کی طاقت بڑھنے کی وجہ سے واکاٹک کمزور ہو گئے اور جنوبی ہند میں دیگر نئی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان میں دو خاص ہیں۔ پلو اور چالوکیہ۔

پلو

پلووں کا پایۂ تخت کانچی تھا اور وہ ساتواہنوں کے بعد تیسری صدی عیسوی سے ہی ترقی کرنے لگے تھے انہیں کی ترقی کی وجہ سے چول ریاست کی طاقت کم ہو گئی تھی۔ اور چول حکمران پلووں کو خراج دینے لگے تھے جب سمدرگپت نے جنوبی ہند پر حملہ کیا۔ تب پلو کے راجہ وشنوگپت سے بھی اس کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ کی وجہ سے پلووں کی طاقت کچھ کم ہو گئی۔ چھٹی صدی عیسوی میں پلووں نے

ترقی کرنا شروع کیا۔ لیکن چالوکیہ خاندان کے بن جانے کی وجہ سے انکی طاقت کم ہونے لگی۔ اور ساتویں صدی کے آخر تک ان کی جگہ چالوکیوں نے لے لی۔

چالوکیہ

چالوکیہ خاندان کا پایۂ تخت باتاپی تھا۔ اس خاندان کا سب سے مقتدر راجہ پلکیشن دوم تھا۔ اس نے ۶۰۸ سے ۶۴۲ عیسوی تک حکومت کی۔ اس نے کل جنوبی ہند کو زیر کرلیا۔ اور شمالی ہند میں گجرات کا کچھ حصہ اس کے ماتحت تھا۔ اس نے ہرش کو بھی شکست دی تھی۔ اُسے پلّووں سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں اور آخر کار ۶۴۲ء میں وہ پلّو راجہ نرسنگھ ورمن سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ پلکیشن دوم کی طاقت اور قابلیت کی ہوین سانگ نے بڑی تعریف کی ہے اس کی وفات کے بعد چالوکیوں کی طاقت کم ہونے لگی۔

راشٹر کوٹ خاندان

جس وقت چالوکیوں کا اثر اس طرح بڑھ رہا تھا۔ اسی زمانہ میں مہاراشٹر میں مان کھیت کے اردگرد ایک نئی ریاست قائم ہوئی۔ یہ راشٹر کوٹ خاندان تھا۔ دھرو کے زمانہ سے لیکر اندر سوم کے عہد تک تقریباً ۱۵۰ سال تک راشٹر کوٹوں اور شمالی ہند کے گرجر پرتی ہاروں اور پالوں میں قنوج پر قبضہ کرنے کے لئے جھگڑا ہوتا رہا۔ اس جھگڑے کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے شمالی ہند کے حالات کو سمجھنا ضروری ہے۔

شمالی ہند کی حالت

ہرش کی وفات کے بعد شمالی ہند میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ کچھ دن بعد بھوگ ورمن قنوج کا حکمران ہوا وہ شاید موکھریوں کے خاندان سے تھا۔ اس کے بعد یشو ورمن ایک اقبال مند راجہ ہوا۔ اس نے مگدھ کے گپت راجاؤں کو شکست دی۔ اور ممالک متوسطہ پر اپنا اختیار قائم کیا۔ اسی زمانہ میں کشمیر میں للتادتیہ نامی ایک اقبال مند راجہ ہوا۔ اس نے یشو ورمن پر حملہ کردیا۔ اور اسے شکست دیکر قنوج پر اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ للتادتیہ نے مگدھ اور بنگال پر بھی حملہ

کیا تھا اور اس نے افغانستان میں ترکوں کو بھی شکست دی تھی۔ للتادتیہ کے بعد والے حکمران نا قابل نکلے اس لئے کاشمیر ریاست کا اثر جلد ہی کم ہو گیا۔ لیکن للتادتیہ کے حملہ نے قنوج کے شاہی خاندان کو ایک بار پھر کمزور کر دیا۔

مگدھ اور بنگال کے لوگ جب بہت پریشان ہو گئے تو انہوں نے گوپال نامی ایک سردار کو اپنا حکمران انتخاب کیا۔ اس طرح بنگال میں پال خاندان کی بنیاد پڑ گئی اس خاندان کا پہلا اقبال مند راجہ دھرم پال ہوا۔ وہ بھی قنوج پر اپنا قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ ادھر مغرب کی جانب راجپوتانہ میں گرجر پرتی ہاروں نے اپنی ریاست قائم کر لی تھی ان کا پایہ تخت بھن مال تھا۔ وہ پردیسی تھے۔ لیکن انہوں نے ہندو مذہب اختیار کر لیا۔ اور برہمنوں نے ان کو چھتری بنا لیا تھا۔ گرجر پرتی ہاروں نے آہستہ آہستہ ایک طاقتور سلطنت بنا لی۔ انہوں نے سندھ کے عربوں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اور ان کو جنوب مشرق کی طرف بڑھنے سے روکا۔ جنوب کی جانب انہوں نے گجرات پر حملہ کیا۔ اس طرح راشٹر کوٹوں سے ان کا مقابلہ ہو گیا۔ مشرق کی طرف وہ ممالک متوسطہ کو ماتحت بنانا چاہتے تھے۔

اس طرح آٹھویں صدی عیسوی کے اختتام پر قنوج پر قبضہ کرنے کے لئے تین شاہی خاندانوں میں جنگ ہونے لگی۔ وہ تھے بنگال کے پال، راجپوتانہ کے گرجر پرتی ہار اور مہاراشٹر کے راشٹر کوٹ۔ ان جنگوں میں یکے بعد دیگرے راشٹر کوٹوں پالوں اور پرتہاروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ۸۴۰ء میں پرتی ہار خاندان میں ایک بہت اقبال مند راجہ بھوج ہوا۔ اس نے قنوج پر حملہ کر کے نہ صرف اسے فتح کر لیا۔ بلکہ اُسے اپنا پایہ تخت بنا لیا۔ اس وقت سے تقریباً ۹۱۵ء تک کل شمالی ہند پر پرتی ہاروں کا قبضہ رہا۔ ۹۱۶ء میں راشٹر کوٹوں کا آخری حملہ ہوا۔ گو اس سے راشٹر کوٹ خاندان کی سرحد نہیں بڑھی۔ لیکن پرتی ہاروں کی شہرت کو بڑا نقصان پہنچا اور ان کے فرمانبردار راجہ آزاد یا نصف آزاد ہو گئے۔

اس زوال کے زمانہ میں شمالی ہند میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں۔

ان میں سے پانچ خاص ہیں (۱) شاکمبھری کے چوہان (۲) دھار کے پرمار (۳) جیجک بھگت کے چنڈیل (۴) چیدی کے کلچوری اور (۵) گجرات کے سولنکی۔ ان سب خاندانوں کے راجہ خود کو راجپوت کہتے تھے وہ بڑے جنگجو تھے اور اپنی ریاست بڑھانے کیلئے ایک دوسرے سے جنگ کرتے تھے۔ ان کی طاقت مسلمانوں کے حملہ کی وجہ سے ٹوٹ گئی اور آخر ان کے بجائے مسلمان حکمران شمالی ہند پر حکومت کرنے لگے۔

چوہان

چوہانوں کی ریاست راجپوتانہ میں اجمیر کے پاس تھی اور شاکمبھری ان کا پایہ تخت تھا۔ اس کی بنیاد سامنت دیو نے آٹھویں صدی کے آخری حصہ میں ڈالی تھی اس خاندان کا پہلا اقبال مند راجہ دگرہ راج چہارم تھا۔ اس نے دلی کے تومروں کو شکست دے کر ان کی ریاست کو فتح کر لیا۔ اس طرح بارہویں صدی میں چوہانوں کا اثر بہت بڑھ گیا۔ اس خاندان کا آخری آزاد حکمران پرتھوی راج تھا جس کی بہادری کی کہانیاں آج تک مشہور ہیں۔ وہ غور کے بادشاہ محمد غوری کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور اس طرح ۱۱۹۲ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

پرمار

اجمیر کے جنوب میں پرمار راجپوتوں کی حکومت تھی پہلے وہ بھی قنوج کے پرتی ہاروں کو خراج دیتے تھے۔ لیکن دسویں صدی کے آخری سالوں میں وہ بھی آزاد ہو گئے۔ ان کا پایہ تخت دھار تھا۔ اس خاندان کی بنیاد ڈالنے والا کرشن راج تھا راجہ بھوج (۱۰۱۸ء سے ۱۰۶۰ء) اس خاندان کا سب سے زیادہ اقبال مند حکمران تھا۔ اس نے علم و ادب اور صنعت و حرفت کی بھی بہت سرپرستی کی۔ اس خاندان کا خاتمہ علاء الدین خلجی کے عہد میں ہوا۔

چنڈیل

پہلے چنڈیل خاندان کے راجپوت بھی پرتی ہاروں کو خراج دیتے تھے جس حصہ میں ان کی حکومت تھی اسے بندیل کھنڈ بھی کہتے ہیں اس خاندان کی بنیاد نویں صدی میں پڑی تھی۔ اس خاندان کا سب سے بڑا راجہ دھنگ تھا چنڈیلوں کے پاس کالنجر کا بڑا مشہور قلعہ تھا۔ انہوں نے

مسلمانوں سے جنگ کیں لیکن انھیں شکست ہوئی۔ تیرھویں صدی میں ان کی آزادی ختم ہو گئی۔ اور ۱۲۰۳ء میں ان کی ریاست کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

چیدی کے کلچور

شمالی ہند کے دوسرے راجاؤں کی طرح کلچور بھی پہلے پرتی ہاروں کے ماتحت تھے دسویں صدی میں وہ بھی آزاد ہو گئے اس خاندان کا سب سے مشہور راجہ گنگیے دیو وکرمادتیہ (۱۰۱۵ء - ۱۰۴۰ء) تھا۔ اس خاندان کے لوگ چیدی سمبت استعمال کرتے تھے۔ جس کی ابتدا ۲۴۸ سے ہوتی ہے ان کی حکومت صوبۂ متوسط کے ضلع جبلپور کے آس پاس تھی۔

سولنکی

گجرات کے سولنکی واتاپی کے چالوکیوں کے رشتہ دار تھے۔ ان کا پایہ تخت انہلواڑہ تھا۔ اس خاندان کے لوگ بھی پرتی ہاروں کی ماتحتی سے آزاد ہو کر دسویں صدی سے ترقی کرنے لگے تھے۔ اس خاندان کے راجہ بھیم نے محمد غوری کو ایک بار شکست دی تھی۔ اس خاندان کی طاقت اتنی زیادہ تھی، کہ مسلمانوں کا ہندوستان پر قبضہ ہونے کے ۱۰۰ سال بعد تک یہ آزاد بنا رہا۔ اور علاؤالدین خلجی کے عہد میں اس کے آخری راجہ کرن کو شکست دینے کے بعد اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

جس طرح پرتی ہار خاندان کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے شمالی ہند میں کئی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں بن گئی تھیں، اسی طرح جنوبی ہند میں راشٹر کوٹوں کی طاقت کم ہوتے پر دوسری ریاستیں بن گئیں ان میں بعید جنوب کی چول ریاست اور کلیانی کی چالکیہ ریاست خاص ہیں۔

کلیانی کے چالکیہ

کلیانی کے چالکیوں کو مغربی چالکیہ بھی کہتے ہیں ان کا بانی تیلپ تھا وہ خود کو واتاپی کے چالوکیوں کا ہم خاندان بتاتا تھا۔ ۹۷۳ء میں اس نے راشٹر کوٹ خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اور جہاں گزشتہ میں ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس نے کلیانی کو اپنا پایہ تخت

بنایا۔ اس خاندان کو کلیانی کا چالکیہ خاندان بھی کہتے ہیں۔

تیلپ کو پرماروں اور چولوں سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں اس کو بہت نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ لیکن آخر میں وہ فتحیاب ہوا۔ اس خاندان کا سب سے مشہور حکمران وکرمادتیہ ششم تھا جو ۱۰۷۶ء سے ۱۱۲۶ء تک رہا۔ اس نے چول راجاؤں کو شکست دی اور ان کو ماتحتی منظور کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے عہد میں نربدا ندی سے کاویری تک زیادہ تر حصہ پر چالوکیوں کا قبضہ تھا۔ لیکن یہ حالت بہت ہی تھوڑے دنوں تک رہی۔ چول راجاؤں نے اس کے مرتے ہی جنوبی صوبوں میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسی زمانہ میں تین نئی ریاستیں بھی پیدا ہو گئیں، جن کا اثر مسلمانوں کے حملہ کے وقت تک رہا۔ وہ یہ تھے۔ دیوگری کے یادو۔ دوارسمدر کے ہویسل اور وارنگل کے کاکتیہ۔

دیوگری کے یادو

دیوگری کے یادو پہلے راشٹرکوٹوں اور کلیانی کے چالکیوں کے ماتحت رہ چکے تھے ۱۲ ویں صدی کے آخری سالوں میں بھلم پنجم نے کرشنا ندی کے شمال کا ملک چالکیوں سے چھین کر ایک آزاد ریاست قائم کر لی۔ اس خاندان کا سب سے مشہور راجہ سنگھن (۱۲۱۰ء تا ۱۲۴۷ء) ہوا۔ اس نے اس خاندان کی مملکت دریائے نربدا سے کرشنا تک پھیلا دی۔ اس نے ہویسلوں، گجرات کے سولنکیوں اور دوسری ہمسایہ ریاستوں سے جنگ کر کے اپنی مملکت اور اثر کو بہت بڑھا لیا۔ قریب سو سال آزاد رہنے کے بعد ۱۲۹۴ء میں دیوگری کی ریاست مسلمانوں کے ماتحت ہو گئی اور ۱۳۱۸ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

ہویسل خاندان کے راجہ پہلے چولوں اور چالوکیوں کے ماتحت رہ چکے تھے۔

دوارسمدر کے ہویسل

اس خاندان کا پہلا مشہور راجہ وٹگ وشنو وردھن (۱۱۱۱ء تا ۱۱۴۱ء) تھا اس نے دوارسمدر کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اور ایک آزاد ریاست قائم کر لی۔ میسور ریاست کا قریب کل حصہ

اس کے ماتحت رہا ہوگا۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ اقبال مند اور بہادر راجہ
ویر بلال اوّل (۱۱۷۲ء۔ ۱۲۲۵ء) تھا اس نے مہاراجا دھراج کا لقب اختیار کیا
اور اپنی مملکت کو بڑھانے کے لیے یادووں سے لڑائیاں لڑیں اس خاندان کا
راجہ ویر بلال سویم تھا۔ علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں ہویسلوں کی طاقت برباد ہوئی
اور آہستہ آہستہ ان کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

ورنگل کے کاکتیہ کاکتیہ بھی پہلے کلیانی کے چالوکیوں کے ماتحت تھے ان کی طاقت کم ہونے پر
اس خاندان کے پہلے مشہور راجہ پرول راج نے چالوکیوں سے
جنگ کر کے تیلنگانہ میں ایک آزاد ریاست قائم کر لی۔
اس خاندان کا سب سے زیادہ اقبال مند راجہ گنپتی (۱۱۹۹ء۔ ۱۲۶۱ء) تھا
اس نے چولوں، یادووں وغیرہ سے لڑائیاں لڑیں اور اپنے خاندان کی عزت میں
اضافہ کیا۔ اس خاندان کا آخری با اثر حکمران پرتاپ رودر دیو تھا۔ اسے علاؤ الدین
خلجی کی ماتحتی قبول کرنی پڑی۔ کچھ دن بعد ان لوگوں نے پھر آزاد ہونے کی
خواہش کی۔ لیکن پندرھویں صدی کے شروع میں بہمنی خاندان کے بادشاہوں
نے ہمیشہ کے لیے ان کا خاتمہ کر دیا۔

چول خاندان بعید جنوب کی تین ریاستوں میں سے چولوں نے دسویں صدی سے خاص ترقی
کرنی شروع کی۔ نویں صدی تک چول ریاست پلّووں یا دوسرے
جنوبی خاندانوں کے ماتحت رہی۔ لیکن آدتیہ اوّل کے
زمانہ سے چول ریاست پلووں کی ماتحتی سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد اور طاقتور ریاست
بن گئی۔ اس نے کانچی اور تنجور پر اپنا قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو بڑھایا۔ راجراج
اوّل (۹۸۵ء۔ ۱۰۱۴ء) کے عہد سے چول ریاست کی بہت ترقی ہوئی۔ اس نے
چیر اور پانڈیہ ریاستوں کو مطیع کر لیا۔ اور لنکا کا شمالی حصہ بھی فتح کر لیا اس کا
جہازی بیڑا بہت مضبوط تھا۔ اس کی مدد سے اس نے بارہ ہزار چھوٹے چھوٹے
جزیرے فتح کر لیے۔ اس نے میسور ریاست کے کچھ حصے اور کرگ پر بھی اپنا قبضہ کر لیا

تھا۔ مشرقی چالوکیوں نے اس کی ماتحتی منظور کر لی تھی۔ لیکن تیلپ دوم نے شاید چولوں کو شکست دیدی تھی۔ راجراج اول کے زمانہ میں چولوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور جنوبی ہند میں ان کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ اقبال مند راجہ راجیندر اول تھا۔ اس نے جنوبی ہند کے راجاؤں سے تو کامیاب لڑائیاں لڑی ہی شمالی ہند پر بھی حملہ کیا اور کوشل، کلنگ اور گوڑ کے راجاؤں کو شکست دے کر بہت دولت اور شہرت حاصل کی اس نے اپنے جہازی بیڑے کی مدد سے پیلیو جزیرہ پر بھی اپنا قبضہ جما لیا اور کئی نئے جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت بڑھی اور تجارت کی بھی ترقی ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد چول راجاؤں کو اپنے پڑوسی راجاؤں سے برابر جنگ کرنی پڑتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ تیرھویں صدی کے آخر تک چول خاندان بالکل برباد ہو گیا۔ اور ان کی ریاست کو پانڈیوں، ہوسیلوں اور کاکتیوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔

پانڈیہ خاندان

جیسا کہ پہلے لکھ چکے ہیں، پانڈیہ خاندان بھی قدیم حکمران خاندان تھا۔ ساتویں صدی عیسوی کے آخر تک پانڈیہ اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے بہت کوشش کرتے رہے۔ لیکن چولوں، پلووں اور چالوکیوں کی وجہ سے انھیں کافی پریشانی اٹھانی پڑی۔ دسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں جب چول ریاست کا اثر بڑھنے لگا۔ تو پانڈیوں کو ان کی ماتحتی قبول کرنی پڑی۔ یہ حالت بارہویں صدی کے آخر تک رہی جاتا ورمن کل شیکھر (۱۱۹۰ء۔ ۱۲۵۶ء) کے عہد سے پانڈیوں کا اثر پھر بڑھنے لگا۔ کیونکہ چولوں کی طاقت اندرونی بغاوتوں، کاکتیوں اور ہوسیلوں سے جنگ کرنے کی وجہ سے کم ہو رہی تھی۔ اس خاندان کا سب سے مقتدر حکمران جاتا ورمن سندر پانڈیہ (۱۲۵۱ء۔ ۱۲۷۲ء) تھا۔ اس نے چولوں کی طاقت برباد کر کے کانچی پر قبضہ کر لیا۔ اور ریاست چیر و لنکا کو بھی اپنے ماتحت کر لیا۔ شمال کی طرف اس نے ہوسیل اور کاکتیہ راجاؤں کو بھی شکست دی اور پھر مہاراجادھراج پرمیشور کا لقب اختیار کیا۔ علاؤالدین خلجی کے

شومندر (چدمبره)

سپہ سالار کافور نے پانڈیوں کو بھی شکست دی اور ان کو شاہِ دہلی کی ماتحتی قبول کرنی پڑی۔ کچھ دن بعد پانڈیوں کی طاقت بالکل ہی کم ہو گئی اور ان کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

چیر خاندان

بعید جنوب کی تیسری خاص ریاست چیر تھی۔ اس خاندان کے راجاؤں نے تجارت کے ذریعہ بہت دولت جمع کر لی تھی۔ ان کے پاس ایک بڑا مضبوط جہازی بیڑا بھی تھا۔ لیکن ان کے پڑوسی ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ اس لئے ان کا اثر کبھی بھی زیادہ نہیں رہا۔ اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے انہوں نے بہت سی لڑائیاں لڑیں۔ لیکن اکثر وہ پانڈیوں، چولوں، ہوسیلوں یا کاکتیوں کے ماتحت رہے۔ کاکتیوں کی ہی وجہ سے چودھویں صدی میں ان کا خاتمہ ہو گیا۔

خاص تاریخیں

پلکیشن دوم کا عہد حکومت	سنہ ۶۰۸ء۔ سنہ ۶۴۳ء
پال خاندان کا آغاز	تقریباً سنہ ۷۵۰ء
پرتی ہاروں، پالوں، راشٹر کوٹوں میں قنوج کیلئے جنگ	تقریباً سنہ ۸۰۰ء۔ سنہ ۸۷۰ء
پرتی ہاروں کا قنوج پر مستقل قبضہ	سنہ ۸۴۰ء
راج راج چول اوّل	سنہ ۹۸۵ء۔ سنہ ۱۰۱۴ء
راجہ بھوج پرمار	سنہ ۱۰۱۸ء۔ سنہ ۱۰۶۰ء
وکرمادتیہ ششم چالکیہ	سنہ ۱۰۷۶ء۔ سنہ ۱۱۲۶ء
ویر بلال اوّل	سنہ ۱۱۷۳ء۔ سنہ ۱۲۱۵ء
سنگھن یادو	سنہ ۱۲۱۰ء۔ سنہ ۱۲۴۷ء
گنپتی کاکتیہ	سنہ ۱۱۹۹ء۔ سنہ ۱۲۶۱ء
جاٹ ورمن سندر پانڈیہ	سنہ ۱۲۵۱ء۔ سنہ ۱۲۷۲ء

مشق کے لیے سوالات

۱۔ ۸۰۰ء سے قبل جنوب میں کون کون سی خاص ریاستیں تھیں؟ ان کے آپس میں کیسے تعلقات تھے؟

۲۔ نویں صدی عیسوی کا سب سے اہم واقعہ کونسا ہے؟

۳۔ ہرش ہاروں کے زوال کے بعد شمالی ہند میں کن ریاستوں نے ترقی کی؟ ان کا مختصر حال بیان کرو۔

۴۔ دسویں صدی سے بارہویں صدی تک کونسی جنوبی ریاستوں میں سلطنت کی وسعت کے لئے جنگ ہوئی؟ ان لڑائیوں کا نتیجہ کیا ہوا؟

پندرھواں باب

قرون وسطیٰ سے قبل ہندوستان کی تہذیب

(۶۵۰ء۔ ۱۲۰۰ء)

ہرش کی وفات سے لیکر مسلمانوں کی سلطنت قائم ہونے تک ہمارے ملک میں

معاشرتی زندگی بہت سے انقلابات ہوئے۔ ہماری سوسائٹی، مذہب اور سیاسی اتحاد سب ہی میں ایک بڑی تبدیلی ہوئی اور زیادہ تر یہ تبدیلی زوال کی ہی طرف ہوئی۔ پہلے کی طرح اس عہد میں بھی سوسائٹی میں چار ورن تھے۔ برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ لیکن پہلے کے مقابلہ میں اب کچھ خاص خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ہر ورن میں کئی فرقے پیدا ہو گئے تھے، جنہیں ذاتیں کہتے تھے۔ آہستہ آہستہ ایک ورن والی ذاتوں میں بھی اونچ نیچ کا خیال پیدا ہونے لگا تھا۔ اس خیال کا سبب خورد ونوش کا اختلاف تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ خیال مضبوط

ہونے لگا اور ایک ہی ورن کے لوگ اپنے کو ایک دوسرے سے الگ اور اونچا نیچا سمجھنے لگے۔ اس وجہ سے کھانے پینے اور شادی بیاہ میں بھی رکاوٹیں پڑنے لگیں۔ دوسرے دراوڑوں اور آریوں کے علاوہ ہندو سوسائٹی میں شک، منگول، یوچی، ابھیر، ہون گرجر وغیرہ غیر ملکی تو میں بھی شامل ہوگئیں۔ برہمنوں نے ان کے کاموں کے اعتبار سے کسی نہ کسی ورن میں جگہ دے دی تھی۔ بہت سے لوگ ان غیر ملکی لوگوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اور ان کو اپنے سے نیچا سمجھتے تھے۔ اسی طرح بھار، گونڈ وغیرہ ذاتوں میں سے جو لوگ ترقی کر گئے تھے۔ اور ہندو سوسائٹی میں شامل کر لئے گئے تھے، ان کو بھی کسی نہ کسی ورن میں شامل کر لیا گیا تھا۔ لیکن ان کو وہ عزت حاصل نہ تھی، جو کہ قدیمی ہندوؤں کو تھی۔ اس طرح ہندوؤں کی تعداد تو بڑھی۔ لیکن اونچ نیچ کے خیال نے سوسائٹی کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔ پہلے ایک ورن کا آدمی دوسرے ورن میں شادی کر سکتا تھا۔ لیکن قرون وسطیٰ کے قبل کے زمانہ کے ختم ہوتے ہوتے اتنی پیچیدگیاں بڑھ گئیں، کہ ایک ہی ورن میں شادیاں ہونے میں رکاوٹیں پڑنے لگیں۔ شمالی ہند کے برہمنوں کی پانچ خاص شاخیں مانی گئیں۔ ان کو "پنچ گوڑ" کہتے تھے۔ شاید یہ فرق مقامی تھا جیسے دریائے سرسوتی کے پاس کے رہنے والوں کو سارسوت، کان کبج ملک (گنگا جمنا کا دوآب) میں رہنے والوں کو کان کبج اور متھلا میں رہنے والوں کو میتھل کہنے لگے۔ اسی طرح جنوبی ہند میں 'پنچ دراوڑ'، کے نام سے برہمنوں کی پانچ شاخیں تھیں پہلے ان دس ذاتوں میں شادی اور کھانے وغیرہ کی کوئی بندش نہ تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ شمالی ہند کے برہمن بھی آپس میں ایک دوسرے کو اونچا نیچا سمجھنے لگے۔

راجپوتوں کا نسب

برہمنوں کی طرح چھتریوں میں بھی کئی شاخیں پیدا ہو گئی تھیں۔ آج کل چھتری اپنے کو سورونشی یا چندرونشی ہی بتاتے ہیں۔ اس عہد میں ایک تیسرا اگنی ونش بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ان تین خاندانوں کے اندر کئی چھوٹے طبقے تھے۔ چندرورداتی

نے ۱۰۳ ذاتوں کے نام دیئے ہیں۔ ان میں سے خاص چھتری ذاتوں کے نام ہم پچھلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ اس عہد کی ایک خاص بات یہ ہے کہ زیادہ تر چھتری حکمران اپنے آپ کو راجپوت کہنے لگے۔ اس لفظ کا یک بیک اتنا رواج ہو جانے کی وجہ سے اکثر لوگ یہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ راجپوت کون تھے؟ وہ قدیم آریوں کی ہی اولاد تھے یا ان میں سے زیادہ تر غیر ملکی تھے؟ اس بارے میں اگرچہ اب بھی علماء میں اتفاق رائے نہیں پھر بھی اس میں شک نہیں کہ دیگر ذاتوں کی طرح غیر ملکیوں اور ہندوستان کے قدیم باشندوں میں سے کچھ لوگ چھتری ذات میں شامل کئے گئے اور وہ سب 'راج پتر' یا راجپوت کہلانے لگے۔ اس طرح جن لوگوں کو ہم راجپوت کہتے ہیں ان میں تین درجوں کے لوگ شامل ہیں (۱) قدیم آریہ چھتریوں کی اولاد (۲) گونڈ، بھبار، ابھیر وغیرہ قدیم ذاتوں کے وہ لوگ جو ہندو سوسائٹی میں شامل ہو گئے۔ اور جن کا کام حکومت کرنا یا جنگ کرنا تھا۔ (۳) شک، یوچی، منگول، ہون، گرجر وغیرہ غیر ملکی قوموں کے زیادہ تر لوگ جو ہندو ہو گئے اور چھتریوں کا سا کام کرتے رہے۔

راجپوتوں کی معاشرتی زندگی

ممکن ہے راجپوتوں میں تھوڑے بہت لوگ ہندو ہونے سے پہلے غیر ملکی رہے ہوں لیکن یہاں آباد ہو جانے اور یہاں کا مذہب اختیار کر لینے کے بعد وہ بالکل ہندوستانی ہو گئے۔ انہوں نے پرانے آریہ اصولوں کو اپنایا اور ملک کی حفاظت کے لئے جان توڑ کر کوشش کی۔ راجپوت بڑے حوصلہ مند، بہادر، نڈر، راستباز اور بات کے پکے ہوتے تھے۔ اپنی آن پر مرمٹنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ عورتوں کی عزت کرتے تھے اور راجپوت عورتیں 'سوئمبر' میں اپنے شوہر کا انتخاب کرتی تھیں۔ عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ وہ موسیقی۔ فنونِ لطیفہ اور ہتھیار چلانے میں ماہر ہوتی تھیں۔ عورتیں اپنے ناموس کی حفاظت کے لئے کبھی کبھی ایک ساتھ سینکڑوں جلتی ہوئی آگ میں کود کر ہنستے ہوئے

جان دیدیتی تھیں۔ اس رسم کا نام جوہر ہے۔ راجپوت بہادر جنگ میں دھوکا دینا نامناسب خیال کرتے تھے۔ ان کی بہادری کی کہانی دنیا کی تاریخ میں لاثانی ہے لیکن جہاں ان میں اتنے اوصاف تھے وہاں کچھ ایسی برائیاں بھی تھیں، جن کے سبب سے آگے چلکر انہیں مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرنی پڑی۔ وہ افیون، شراب اور دوسری نشیلی چیزیں استعمال کرتے تھے عزت و آبرو کا انہیں اتنا خیال رہتا تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر مرنے مارنے کو تیار ہوجاتے تھے۔ اور محبت کے ساتھ مل جل کر کام نہیں کرسکتے تھے۔

ویشیا

اس عہد کے ویش زراعت کرنا بے عزتی سمجھتے تھے۔ صرف تجارت کے ذریعہ ہی معاش حاصل کرتے تھے۔ سوداگروں کی انجمنیں (سنگھ) اس عہد میں بھی تھیں اور وہ اپنے ملک و دیگر ممالک سے تجارت کرتے تھے۔ ویشوں میں بودھ اور جین مذہب کافی رائج تھا۔ وہ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ غریب محتاجوں کو خیرات دیتے تھے۔ اور مندر، مٹھ، کنواں، تالاب، دھرم شالہ اور شفا خانے وغیرہ بنوانے میں کافی روپیہ خرچ کرتے تھے۔

شودر اور اچھوت

سب سے نیچے ورن کے لوگ شودر تھے۔ ان میں بھی بہت سی ذاتیں تھیں پہلے شودروں کا کام باقی تینوں ورنوں کے لوگوں کی خدمت کرنا تھا۔ لیکن اس عہد میں ان کے بہت سے آزاد پیشے تھے۔ اکثر شودروں کے ہی لوگ زراعت کرتے تھے۔ اسی ورن کے لوگ سوت، ریشم اور اون کاتتے اور بنتے تھے اور خوبصورت کپڑے تیار کرتے تھے۔ کچھ مٹی پتھر اور دھاتوں کے مختلف قسم کے سامان بناتے تھے اس ورن کے کچھ لوگ تجارت بھی کرتے تھے اور فوج میں بھی بھرتی ہوجاتے تھے۔ شودروں کے علاوہ کچھ اچھوت تھے ان کو اکثر شہر یا گاؤں کے باہر رہنا پڑتا تھا۔ وہ سور پالتے تھے شراب پیتے تھے مرے ہوئے جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ اور کافی گندے رہتے تھے اس جماعت کے لوگوں کو بہتر بنانے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ ان کو اکثر اچھوت سمجھکر الگ ہی رکھنا مناسب سمجھا جاتا تھا۔

کچھ خاص رسمیں

ہندو سوسائٹی میں ذات پات کے علاوہ کئی اور نئی رسمیں بھی رائج ہوگئی تھیں صغر سنی کی شادیاں ہونے لگی تھیں۔ امیروں میں کئی شادیاں کرنے کا عام رواج ہوگیا تھا۔ بیواؤں کی شادیاں بند ہوگئی تھیں۔ اونچے دونوں کی بیوائیں اکثر اپنے مردہ شوہروں کے ساتھ جل جاتی تھیں۔ اسے رسم ستی کہتے ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ساتھ مرنے سے شوہر اور بیوی گولوک میں ساتھ ساتھ عیش کیا کرتے ہیں۔ اور ان کے سب پاپ دور ہوجاتے ہیں۔ چھتریوں میں اس وقت تک سوئمبر کی رسم تھی۔ عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں اور علم موسیقی و فنون لطیفہ میں بہت دلچسپی رکھتی تھیں۔ ناچنے گانے کا رواج شہزادیوں تک میں تھا۔ تعلیم کا شوق اس مرتبہ پر پہونچ گیا تھا، کہ ایک بار منڈن مشر کی بیوی نے مناظرے اور مباحثے میں شنکر آچاریہ کو شکست دی تھی۔ قرض لینے کے قاعدے بہت سخت تھے۔ مہاجن مقروض کو فروخت بھی کرسکتے تھے۔ اس وقت غلامی کا رواج تھا۔ لیکن ان کے ساتھ گھر کے لوگوں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اور ان کو آزاد ہونے کی سہولتیں حاصل تھیں۔

اقتصادی زندگی

لوگوں کا خاص ذریعۂ معاش زراعت تھا۔ سرکاری لگان اکثر ⅙ ہوتا تھا۔ سرکار کی طرف سے آبپاشی کا بھی انتظام کیا جاتا تھا خاص طور پر جنوبی ہند اور گجرات میں دریاؤں میں بندھ باندھ کر بہت سی بڑی بڑی جھیلیں بنالی گئی تھیں۔ جن سے آبپاشی ہوتی تھی۔ ان جھیلوں کے علاوہ بارش کا پانی جمع کرنے کے لئے بھی جگہ جگہ پر بڑے بڑے تالاب کھدوا دیئے گئے تھے ان سب کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کسانوں کی حالت بہت اچھی رہتی تھی۔ ملک میں مال و دولت کی افراط تھی۔ اس عہد میں بھی غیر ممالک سے تجارت ہوتی تھی چول راجاؤں نے بہت سے مشرقی جزیروں کو فتح کرکے ہندوستانی تجارت کو بڑھایا تھا۔ پانڈیوں اور دیگر جنوبی حکمرانوں کی رعایا بھی غیر ممالک سے سمندر کے راستہ سے تجارت کرتی تھی۔ گجرات اور بنگالی کے بندرگاہوں سے بھی خوب تجارت

ہوتی تھی سارے ملک میں ایک حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اندرونی تجارت میں کچھ مشکلات حائل ہوتی تھیں۔ لیکن معمولی طور پر سب ہی ریاستوں کے راجہ سوداگروں کے آرام کا معقول خیال رکھتے تھے۔ اور ان کی آمد و رفت میں رخنہ اندازی نہیں کرتے تھے۔ سوت، ریشم اور اون کے کپڑے، پتھر اور دھات کی مورتیں، ہاتھی دانت کی نفیس چیزیں، سونے چاندی کے زیورات۔ مصالحے اور موتی غیر ممالک کو بھیجے جاتے تھے غیر ممالک سے گھوڑے، لڑائی کے کچھ ہتھیار، شراب، میوے وغیرہ چیزیں آتی تھیں لیکن غیر ممالک کو زیادہ تر سونا، چاندی دیکر ہی یہاں کی چیزیں خریدنی پڑتی تھیں اس لئے ملک روز بروز مالدار ہوتا جا رہا تھا۔ اس عہد میں لاتعداد مندر باؤلی اور دھرم شالائیں تعمیر کی گئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے لوگوں کی مالی حالت اچھی تھی۔

انتظام حکومت

اس زمانہ میں زیادہ تر چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں لیکن کبھی کبھی ان ریاستوں کے بہادر راجہ اپنے پڑوسیوں کو شکست دے کر ایک بڑی سلطنت بھی بنا لیتے تھے۔ اکثر سب ہی چھتریوں کا مقصد چکرورتی راجہ بننے کا رہتا تھا اس لئے وہ اپنے پڑوسیوں سے لڑنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے گویا صلح کر کے دوستی کرنا وہ جانتے ہی نہ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سب ہی ریاستوں کا انتظام حکومت فوجی ہو گیا۔ ہر راجہ سب سے زیادہ توجہ اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے میں مبذول کرتا تھا۔ اسی سبب سے اس عہد میں زمینداری کا خوب رواج ہو گیا۔ راجہ کل ریاست کا مالک ہوتا تھا۔ وہ قاعدے قانون بناتا اور ملک میں امن قائم رکھتا تھا۔ اس کے پاس رعایا اپنی فریاد لے جا سکتی تھی۔ اس طرح وہ صدر منصف کا بھی کام کرتا تھا۔ لڑائی میں وہ ہمیشہ سپہ سالاری کا عہدہ اختیار کرتا تھا۔ جو شخص فوجی قابلیت نہ رکھتا ہو اس کا زیادہ دن تک راجہ رہنا ناممکن تھا۔ راجہ اپنے خاندان والوں اور بڑے عہدہ داروں سے مشورہ کرتا تھا۔ اکثر ریاستوں میں برہمن وزیر ہوتے تھے۔

کبھی کبھی وہ سپہ سالار بھی ہوتے تھے۔ باقی تمام اونچے عہدے چھتریوں کو ہی ملتے تھے۔ ہر چھتری زمیندار کو سلطنت کا کچھ حصہ مستقل جاگیر کی شکل میں دیا جاتا تھا وہی اس پر حکمرانی کرتا تھا۔ وہاں کی رعایا کے جان ومال کا محافظ وہی ہوتا تھا وہ ایک قسم کا چھوٹا سا راجہ ہی تھا۔ اپنے مالک کو وہ مقررہ سالانہ خراج دیتا تھا۔ اور ہر وقت اس کی مدد کے لئے فوج کی ایک مقررہ تعداد تیار رکھتا تھا۔ لڑائی کے وقت اسے راجہ کے ساتھ جانا پڑتا تھا۔ جاگیردار اور زمیندار بھی وقت پڑنے پر راجہ ہونے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ اس لئے وہ بھی فوج کا زیادہ خیال رکھتے تھے ان کا رعایا سے صرف اتنا تعلق رہتا تھا کہ ان کو سالانہ محصول مل جائے اور کوئی خاص بغاوت نہ ہو۔ رعایا کی ترقی یا امن وامان کا انہیں کوئی خاص خیال نہیں رہتا تھا۔ اس لئے رعایا راجہ سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتی تھی۔ وہ اپنا فرض صرف لگان دینا سمجھتی تھی۔ گاؤں کا انتظام قریب قریب گپت عہد کی طرح ہی ہوتا تھا۔ گاؤں کی رعایا اپنے آرام کی نگرانی خود ہی کرتی تھی۔ راجہ یا جاگیردار کے پاس بہت کم مقدمے جاتے تھے۔ کیونکہ عدل وانصاف کا معقول انتظام نہ تھا۔ گو کچھ جج ضرور رہتے تھے۔ اس عہد میں سخت سزائیں دی جاتی تھیں سرکاری محصول ہلکا تھا۔ راجہ لڑائی کے وقت بھی زراعت کی حفاظت کا خیال رکھتے تھے۔ جنوبی ہند کی ریاستوں کے انتظام حکومت میں دو خاص باتیں تھیں۔ پلّووں اور چولوں سے یہ دونوں باتیں خاص طور پر منسوب ہیں۔ وہاں پر مقامی سوراج کے ادارے ترقی کر رہے تھے۔ گاؤں کی پنچایتوں کے علاوہ وشیوں اور بھکتیوں یعنی ضلعوں اور صوبوں کے حکمرانوں کی مدد کے لئے بھی رعایا کی منتخب سبھائیں رہتی تھیں۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ جنوبی راجاؤں نے آبپاشی کی آسانی کے لئے نہریں، جھیلیں اور تالاب بہت بڑی تعداد میں بنوا دیئے تھے اس عہد میں جنوبی ہند کی رعایا بھی خوب مالدار تھی۔

اگرچہ ملک میں مستقل طور پر امن وامان نہیں تھا پھر بھی علم، ادب اور صنعت و

سورج کے رتھ کا پہیہ

علم وادب اور صنعت وحرفت کی ترقی

حرفت نے خوب ترقی کی۔ اس کا خاص سبب یہ تھا، کہ اکثر سب ہی راجہ علماء اور صناعوں کی مدد کرنے پر فخر کرتے تھے۔ اور اپنی شہرت کو دائمی بنانے کے لئے عمارتیں بنوانا پسند کرتے تھے اس عہد میں بہت سے مندر تعمیر ہوئے۔ مندر بنوانے کے کئی طریقے رائج ہو گئے تھے۔ لیکن سب ہی مندروں میں آرائش اور پتھروں کی کھدائی اور کٹائی کا بہت کام رہتا تھا۔ بت پرستی کا رواج ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ پر دیوی دیوتاؤں کی مورتیں بنی رہتی تھیں۔ اس عہد کی مورتیں اکثر زیورات سے لدی ہیں۔ اگرچہ اس عہد میں بہت سے مندر بنے لیکن ان میں سے صرف چند آج تک مشہور ہیں۔ ان میں سے خاص ایلورا کا کیلاش مندر۔ بندیلکھنڈ میں کھجراہو کا مندر۔ آبو کا جین مندر۔ تنجور اور کانچی کے مندر ہیں۔ ایلورا کی گپھاؤں میں اجنتا کی طرح مصوری بھی کی گئی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تصویریں برہمن مذہب کے متعلق ہیں نہ کہ جین یا بدھ مذہب کے متعلق۔ ہندوستانی صناعی کا اثر جاوا، سماترا، کمبوڈیا وغیرہ ہندوستانی نو آبادیوں پر بھی کافی پڑا۔

سنسکرت، پراکرت اور نئی صوبوں کی زبانوں میں بہت سی تصانیف ہوئیں تاریخی تصنیفوں میں کلہن کی راج ترنگنی (کاشمیر کی تاریخ)، بلہن کا وکرمانک چرتر اور جیانک کا پرتھوی راج وجے خاص ہیں۔ جے دیو کا گیت گووند۔ بھوبھوتی کا مالتی مادھو۔ رام چرت اور مہاویر چرت سنسکرت کی عمدہ تصنیفات ہیں۔ اسی عہد میں وگیانیشور نے یاگولکیہ اسمرتی کی متاکشری نامی شرح لکھی۔ شنکراچاریہ اور رامانج آچاریہ کی بھگوت گیتا اور ویدانت سوتروں کی ٹیکائیں (شرحیں) آجتک ہندوستانی درشن کی خاص تصنیفات شمار کی جاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف مضامین پر سینکڑوں اور تصنیفات ہوئیں۔ جن کا رواج اتنا زیادہ نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ بلوؤں اور مشرقی چالوکیوں کے اثر سے تامل اور تیلگو ادب کی بھی ترقی ہوئی۔ الواروں اور ویشنو آچاریوں نے جنوبی ہند میں بہت سی عمدہ

تصنیفات کیں۔ جن کی عزت ویدوں کے مانند تھی۔ شمالی ہند میں ہندی ادب کا بھی آغاز اسی عہد میں ہوا۔

مذہبی حالت

اس عہد کا سب سے اہم مذہبی واقعہ ہندوستان سے بدھ مذہب کا غائب ہو جانا ہے ہم گذشتہ بابوں میں دیکھ چکے ہیں، کہ شنگوں، ساتواہنوں اور گپت راجاؤں کے زمانہ سے ہی بدھ مذہب کا زوال شروع ہو گیا تھا لیکن اس کا خاتمہ اسی عہد میں ہوا۔ یہ سچ ہے کہ ہرش اور کنشک کی مدد ملنے کی وجہ سے تھوڑے دن کے لئے اس میں کچھ نئی طاقت آگئی تھی۔ لیکن وہ طاقت قائم نہ رہ سکی۔ بودھ مذہب کے زوال کے بہت سے اسباب ہیں مہاتما بدھ کے مرنے کے بعد ہی بودھ مذہب میں پھوٹ پڑنے لگی تھی۔ اشوک نے پھوٹ کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی۔ اس کے عہد میں باہمی جھگڑے کچھ دنوں کے لئے کم ہو گئے تھے۔ لیکن اس کی وفات کے بعد وہ پھر ابھرنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ کنشک کے عہد میں ہینیان اور مہایان دو الگ الگ فرقے ہو گئے جنہیں ایک کرنا ناممکن ہو گیا۔ ہینیان فرقہ والے مہایانوں کی خرابیاں دکھانے میں اور مہایان فرقہ والے ہینیانوں کی خرابیاں تلاش کرنے اور ظاہر کرنے میں لگ گئے۔ اس جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دوسرے مذہبوں کے حملوں کو روکنے کی طاقت بودھوں میں نہ رہی۔ اشوک اور کنشک کے زمانہ میں غیر ممالک میں بھی بودھ مذہب کی بہت اشاعت ہوئی تھی۔ وہاں کی رعایا پر اثر ڈالنے کے لئے بدھ بھکشوؤں نے کچھ غیر ملکی ضعیف الاعتقادی کو بھی مذہب کا حصہ بنا دیا تھا اس طرح ایک تیسری قسم کے بدھ مذہب کی بنیاد پڑی۔ اسے وجریان کہتے ہیں وجریانی بدھ گنڈے تعویذوں پر بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ان کے کچھ عمل بہت قابل اعتراض معلوم ہوتے تھے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے بودھ مذہب کی پاکیزگی اور سلاست ضائع ہو گئی۔ دوسرے بدھ مذہب کی اشاعت بھکشو اور بھکشونیوں کی جانفشانی اور پاک چال چلن کی وجہ سے بہت جلد ہوئی تھی۔ اب وہ آلسی اور

بداطوار ہوگئے تھے۔ بودھ وہار جو پہلے مذہب اور تعلیم کے مرکز تھے اب بدکاریوں کے اڈے بن گئے تھے۔ اس کا بھی عوام پر بُرا اثر پڑا۔ تیسرے اس عہد کے راجاؤں نے بدھ مذہب کو نہیں اختیار کیا۔ راجاؤں کی نظر عنایت نہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کا زوال ہوا۔ چوتھے برہمن مذہب کا اثر کبھی بھی ہندوستان میں ختم نہ ہوا تھا۔ برہمنوں نے اپنے مذہب میں ضروری تبدیلیاں کردیں بدھ مذہب کے اچھے اصولوں کو اپنے مذہب میں شامل کرلیا اور بدھ کو وشنو کا نواں اوتار مان کر انھیں بھی ایک ہندو دیوتا بنا دیا۔ بودھ جاتک کتھاؤں کی طرح انہوں نے پرانوں کی تصنیف کی جس میں انہوں نے بہت سی سبق آمیز کہانیاں شامل کردیں ان کہانیوں اور تقریروں کے ذریعہ بھی انہوں نے بدھ مذہب کو توڑا اور اپنے مذہب کو زیادہ سلیس اور دلکش بنا دیا۔ برہمنوں نے مباحثوں اور مناظروں کے ذریعہ بدھ مذہب کی کاٹ کی۔ اور اپنے اثر کو پھر بڑھا لیا۔ ان علماء میں کمارل بھٹ اور شنکر آچاریہ سب سے مشہور ہیں۔ پانچواں سبب یہ تھا کہ کچھ راجاؤں نے بدھ مذہب کو برباد کرنے کی بڑی کوشش کی۔ ہونوں کے راجہ مہر کل نے ہزاروں بھکشوؤں کو قتل کیا تھا۔ اور ان کے سیکڑوں وہار اور مٹھ برباد کر دیئے تھے ۱۲ ویں صدی میں اختیار الدین خلجی نے جب صوبۂ بہار پر حملہ کیا تو اس نے بدھوں کے بچے ہوئے وہار بھی برباد کر دیئے۔ اور اس کے ڈر سے بدھ بھکشو نیپال اور تبت میں بھاگ گئے۔ اس طرح غیر ملکی حکمرانوں کے ظلم و تشدد نے بدھ مذہب کو بالکل برباد کر دیا۔

برہمن مذہب

اس عہد میں برہمن مذہب کا رواج بہت بڑھ گیا۔ جہاں جہاں بودھوں کا اثر گھٹتا گیا۔ وہاں برہمن مذہب اس کی جگہ لیتا گیا۔ برہمن مذہب کی ترقی کے کئی اسباب تھے انہوں نے اپنے مذہب میں مروجہ رسم و رواج کو جگہ دے کر نجات کا راستہ سب کے لئے آسان کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ ایشور سب کو مل سکتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے کہ اگر

کوئی صدق دل سے بھوتوں، دریاؤں اور پہاڑوں کی پرستش کریگا۔ تو وہ بھی خدا کی ہی عبادت ہے کیونکہ ان سب میں خدا ہے اس طرح انہوں نے سب ہی لوگوں پر اپنا اثر قائم کر لیا۔ دوسرے اس عہد میں انہیں راجاؤں کی بھی مدد مل گئی۔ جو غیر ملکی لوگ ہندوستان میں آکر آباد ہو گئے انہیں برہمنوں نے خوشی سے ہندو بنا لیا۔ اور حکمرانوں کو اونچے درجہ میں جگہ دینے کے ساتھ ساتھ ان کے فرضی خاندان بھی لکھ دیئے۔ انہوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی۔ بت پرستی کے ذریعہ لوگوں کو خدا کا دیدار آسانی سے ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ پران کی کہانیوں کا سوسائٹی میں خوب رواج ہوا۔ بھاگوت پران کی کتھاؤں (کہانیوں) کے ذریعہ وشنو مذہب کے ماننے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اسی طرح دیوی پران میں درگا (دیوی) کی طاقت اور خنابتوں کی کہانیاں تھیں ان کی اشاعت بھی ملک کے مختلف حصوں میں ہوئی۔ لیکن بنگال میں شکتی یعنی درگا کے پوجنے والوں کی تعداد بہت تھی۔ دیوی کے پوجنے والوں میں وجریانی خیالات بھی گھسنے لگے۔ وشنو اور درگا کی پوجا کے علاوہ شو کی پوجا کا بھی بہت رواج ہوا۔ شو پران اور لنگ پران میں شو کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اس عہد میں شیووں کے کئی فرقے بن گئے۔ یوں تو اس مذہب کو ماننے والے کل ہندوستان میں ہی تھے۔ لیکن کاشمیر اور دکن میں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ شو بہت جلد خوش ہونے والے دیوتا ہیں۔ وہ خوش ہونے پر پرستار کو سب کچھ دے سکتے ہیں۔ وہ خود ایک بڑے یوگی ہیں اور ان میں اتنی طاقت ہے کہ اگر وہ اپنی آنکھ کھول کر دیکھ لیں تو کل دنیا برباد ہو جائے اتنی طاقت کے ہوتے ہوئے بھی وہ بڑے مہربان ہیں۔ ان سب کہانیوں کا عوام پر بڑا اثر پڑا اور شو کے پجاریوں کی تعداد آج تک بہت زیادہ ہے۔

ان سب تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ برہمن مذہب کے اندر بہت سی شاخیں پیدا ہو گئیں۔ ان میں ایک طرف شنکر آچاریہ جیسے ویدانتی تھے جو صرف برہم گیان

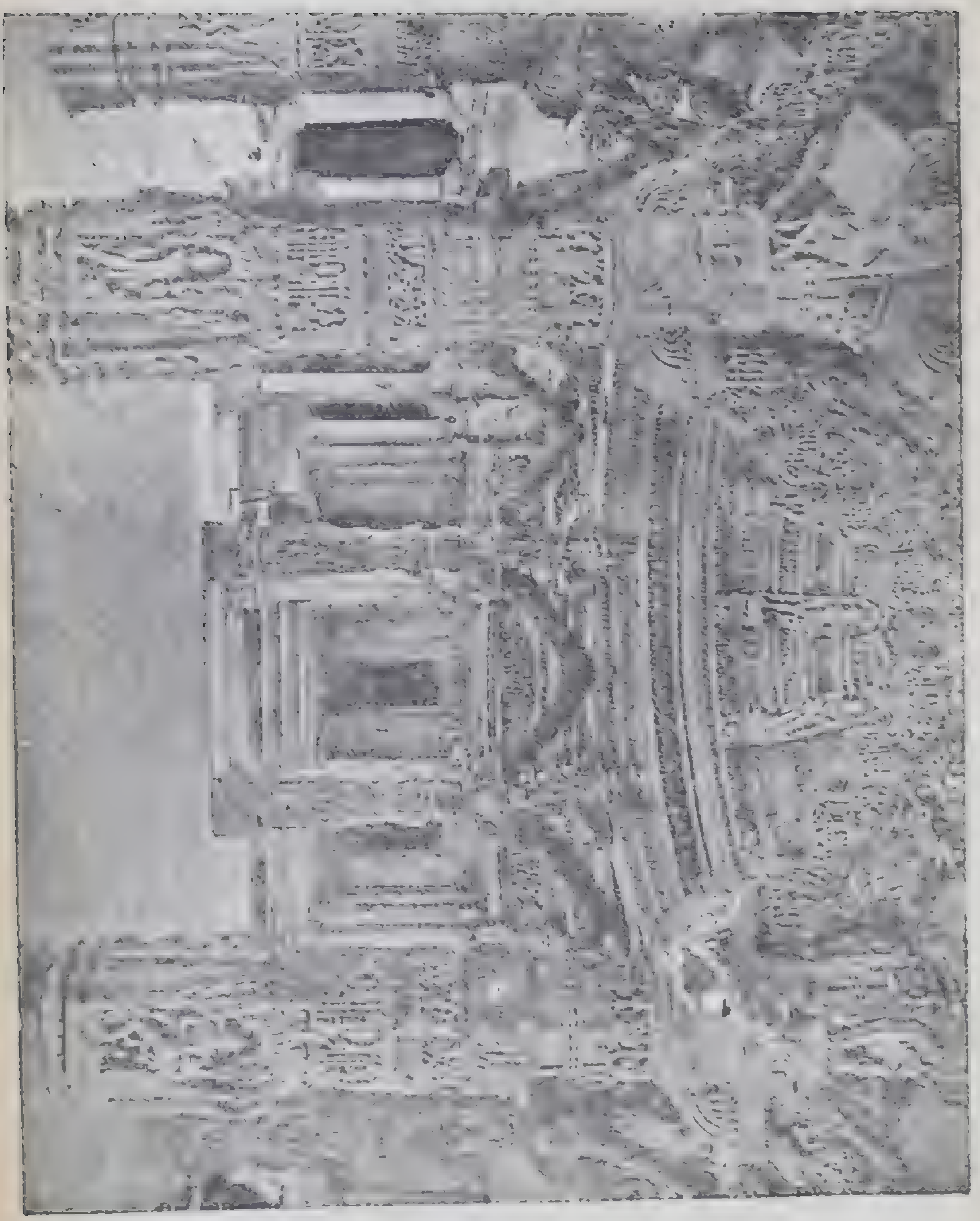

کو ہی سچ مانتے تھے۔ اور باقی کل دنیا کو مایا کا جال سمجھتے تھے اور دوسری طرف وہ نصف مہذب ذاتیں تھیں جو راستوں، دریاؤں اور درختوں کو ہی پوجکر فرض ادا کر لیتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ انہوں نے زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔ بہت سے لوگوں کی رائے ہے کہ اس سے آگے چل کر برہمن مذہب کو بہت نقصان ہوا۔

دوسرے مذہب

ہندوستان کا تیسرا خاص مذہب جین مذہب تھا اسکی اشاعت نہ کبھی غیر ملکوں میں ہوئی اور نہ وہ کبھی ہندوستان سے ہی مٹا۔ اس کو ماننے والوں کی تعداد کم ضرور ہو گئی ہے لیکن وہ اب بھی ہندوستان میں موجود ہے جینی آہستہ آہستہ ہندو مذہب میں آ گئے۔ فرق صرف اشارہ کیا ہے کہ وہ وشنو یا شو کی جگہ مہابیر سوامی اور دوسرے تیرتھنکروں کی پوجا کرتے ہیں اور اہنسا پر بہت زور دیتے ہیں بہت سے ہندو دیوی دیوتاؤں نے بھی جین مذہب میں جگہ پالی ہے اور ذات پات ان میں بھی خوب موجود ہیں۔ ان کی وراثت وغیرہ کے قاعدے بھی ہندو اسمرتیوں کے ہی مطابق ہیں جینیوں کے علاوہ اس عہد میں کچھ مسلمان بھی تھے ان کے مذہب کا نام اسلام ہے۔ اس مذہب کی ابتدا ساتویں صدی میں عرب کے باشندے محمدؐ صاحب نے کی تھی۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کا حال ہم اگلے بابوں میں پڑھیں گے۔

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ذات پات کے بڑھنے کے کیا اسباب تھے؟ ذاتوں سے کیا فائدے یا نقصانات ہیں؟

۲۔ راجپوت کون تھے؟ ان کی کیا خصوصیات ہیں؟

۳۔ راجپوت حکمرانوں کے انتظام حکومت میں کیا خرابیاں تھیں؟

۴۔ علم وادب، صنعت وحرفت کی ترقی کے کیا خاص اسباب تھے؟ اگر تم نے اس عہد کی بنی ہوئی کوئی عمارت دیکھی ہو تو اس کا مختصر حال بیان کرو۔

۵۔ بودھ مذہب کے زوال کے کیا اسباب تھے؟

۶۔ نئے ہندو مذہب کی کیا خصوصیات تھیں؟ اس کی ہر دلعزیزی کے کیا اسباب تھے؟

سولہواں باب

عرب اور ہندوستان کے تعلقات

عرب کے خلیفہ اور سلطنت کی وسعت

محمدؐ صاحب کی وفات کے بعد مسلمانوں کے سردار کو خلیفہ یعنی محمدؐ صاحب کا نمائندہ کہتے تھے۔ خلیفہ ملک اور مذہب دونوں کا مالک ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ (۶۳۲ء سے ۶۳۴ء) حضرت عمرؓ (۶۳۴ء سے ۶۴۳ء)، حضرت عثمانؓ (۶۴۳ء سے ۶۵۵ء) اور حضرت علیؓ (۶۵۵ء سے ۶۶۱ء) پہلے چار خلیفہ تھے۔ مسلمانوں میں ان چار خلفاء کی بڑی عزت ہے۔ تاریخ جاننے والے بھی اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ درحقیقت مذہب اور ملک کا متحدہ کام کرنے کے لئے یہی چار آدمی موزوں تھے۔ ان کے بعد جو خلیفہ ہوئے وہ تو صرف بادشاہ تھے اور خلیفہ کہلانے کے زیادہ موزوں نہیں۔ ان میں سے کئی ایک نوکانی بدچلن بھی تھے۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ سب خلفاء نے اپنی مملکت بڑھانے کی کوشش کی۔ جہاں ان کی حکومت ہو جاتی تھی وہاں اسلام کی بھی تبلیغ ضرور ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے عربی علم و ادب کی ترقی میں بھی امداد پہونچائی۔ ان کی یہ دو خدمات اسلام کی تاریخ میں یادگار رہیں گی۔

عرب اور ہندوستان

ہندوستان کے مغربی ساحل سمندر سے عربوں کی تجارت اسلام کے آغاز سے پہلے ہی جاری تھی۔ خلیفہ عمرؓ کے زمانہ میں کچھ سوداگروں نے ان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس حملہ کو بلکیشن دوم کی سمندری فوج نے بیکار کر دیا۔ اس حملہ کے بعد خلیفہ کی فوج

نے جب فارس فتح کرنے کے بعد کابل اور وسط ایشیا کی طرف بڑھنا شروع کیا تو وہ خشکی کے راستے ہندوستان کی سرحد کے بہت نزدیک آگئے۔ انہوں نے ہندوستان میں داخل ہونے کی کچھ کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

عربوں کا پہلا کامیاب حملہ ۷۱۲ء میں ہوا۔ اس وقت خلیفہ کی طرف سے حجاج

محمد ابن قاسم کا حملہ ۷۱۲ء

سیریا کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ وہ بہت قابل اور بہادر تھا۔ وہ مکران اور سندھ پر اسلام کا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا۔ مکران کو فتح کرنے میں اسے کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ اس لئے اس کی ہمت اور بھی بڑھ گئی۔ اسی وقت سندھ پر حملہ کرنے کے دو اور سبب پیدا ہو گئے۔ سندھ میں اس وقت داہر حکومت کرتا تھا۔ وہ برہمن تھا۔ اس کی سلطنت کے ملاحوں نے سیریا (شام) جانے والے کچھ جہاز کو لوٹ لیا تھا۔ داہر نے ان کو کوئی سزا نہیں دی۔ حجاج کے شکایت کرنے پر بھی اس نے اس بات پر توجہ نہ دی۔ دوسرے عرب کے سوداگروں نے یہ شکایت کی کہ بحر عرب میں ہندوستانی سمندر کے کنارے ان کے جہاز اکثر لوٹ لئے جاتے ہیں اور ان کی فریاد کوئی نہیں سنتا۔ حجاج نے اپنے بھتیجے محمد ابن قاسم کو ۱۲۰۰۰ سپاہی دے کر سندھ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ یہ فوج مکران کے ساحل کے پاس سے آئی۔ اور راجہ داہر کے ملک پر ٹوٹ پڑی۔ داہر نے سندھ کا مغربی حصہ غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ اور مشرقی حصہ سے مقابلہ کرنا چاہا کہتے ہیں کہ عربوں کو مغربی حصہ پر قبضہ کرنے میں تو کوئی مشکل ہوئی ہی نہیں بلکہ مشرق کی طرف بڑھنے میں بھی ان کو بدھوں اور جاٹوں سے کچھ مدد ملی۔ کیونکہ وہ لوگ برہمنوں کے برتاؤ سے ناراض تھے۔ محمد بن قاسم نے پہلے دریائے سندھ کے دہانے پر آباد دیول نگر پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد وہ مشرق کی طرف بڑھا۔ داہر نے خود شکست پائی اور مارا گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے جنگ کی۔ لیکن وہ بھی عربوں کو روکنے میں ناکام رہی۔ جلد ہی کل صوبہ پر عربوں کا قبضہ قائم ہو گیا۔

ملتان، برہمن آباد اور دیول سب ہی خاص شہروں میں عربی فوج کا اقتدار قائم ہو گیا۔
حجاج کے پاس جب اس فتح کی خبر پہونچی تو وہ بہت خوش ہوا۔ سندھ کی

عربوں کا انتظام حکومت

رعایا پر عربوں نے کوئی مذہبی ظلم نہیں کیا حجاج نے یہ حکم نامہ بھیجا: "چونکہ انہوں نے ماتحتی قبول کرلی ہے اور خلیفہ کو خراج دینے کا وعدہ کیا ہے اس لئے اب انصاف کی رُو سے ان سے اور کسی بات کی مانگ نہیں کی جاسکتی۔ وہ ہماری محافظت میں ہیں اور ہم کسی طرح ان کی جان و مال پر نظر نہیں ڈال سکتے۔ ان کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کسی کو اپنا مذہب ماننے سے روکا نہ جائے۔ وہ اپنے گھروں میں جس طرح چاہیں رہ سکتے ہیں"۔

کل صوبہ کئی حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ ہر حصہ ایک فوجی سردار کے سپرد کردیا گیا تھا۔ فوجی سرداروں کو چھوٹی چھوٹی جاگیریں یا نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔ خراج وصول کرنے کے لئے افسر مقرر کئے گئے۔ ان کو حکم تھا کہ وہ کسی طرح کی ناانصافی یا ظلم نہ کریں۔ محصول خاص طور پر دو تھے زمین کا لگان جس کو خراج کہتے تھے۔ پیداوار کا ⅖ لیا جاتا تھا۔ دوسرا محصول جزیہ تھا۔ یہ ہر غیر مسلم سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ امیروں سے ۴۸ درم (چاندی کا سکّہ) متوسط درجہ کے لوگوں سے ۲۴ درم اور معمولی لوگوں سے ۱۲ درم لیا جاتا تھا۔ مسلمان ہونے پر جزیہ معاف کردیا جاتا تھا۔ ہر برہمنوں سے بھی جزیہ نہ لیا جاتا تھا۔ اور ان کو اپنے مندر بنانے اور مذہب پھیلانے کی آزادی تھی۔ چھوٹی سرکاری نوکریاں زیادہ تر ہندوؤں کے ہی ہاتھ میں رہیں۔ انصاف کرنے کے لئے قاضی مقرر کئے گئے۔ ہندوؤں کو اپنے باہمی جھگڑے پنچایتوں میں طے کرنے کی اجازت تھی لیکن اگر کسی مسلمان اور ہندو کا کوئی مقدمہ ہوتا تھا تو اس کی شنوائی قاضی کے ہی یہاں ہوتی تھی۔ چوری کے جرم پر بہت سخت سزا دی جاتی تھی۔

سندھ میں عربوں کی حکومت بہت دن تک نہ رہی۔ کیونکہ خلفا نے معقول

حملہ کا اثر مدد نہیں بھیجی۔ دوسرے سندھ کے شمال مشرق اور جنوب کی طرف طاقتور راجپوت ریاستیں تھیں۔ جو ہمیشہ ان سے لڑنے کو تیار رہتی تھیں۔ تیسرے صوبہ سندھ کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ حکومت کا خرچہ بخوبی چل سکے۔ اور ایک بڑی فوج بھی رکھی جاسکے۔ اس لئے اس فتح کا ہندوستان کی سیاسی زندگی پر زیادہ اثر نہیں پڑا۔ لیکن اس کا اثر عرب تہذیب پر بہت پڑا۔ عربوں نے ہندوستانی فلسفہ، جیوتش (النجوم) اور ادب کا مطالعہ کرنے کے لیے ہندوستانی علماء کو عزت کے ساتھ بلایا۔ اور ان کی سنسکرت کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرایا۔ ہندوستانی وید یہ (طبیب) بھی خلفاء کا علاج کرنے کے لئے بلائے جاتے تھے۔ ان سے عربوں نے علم طب کے متعلق بہت سی باتیں سیکھیں۔ یہ تعلقات کئی صدیوں تک قائم رہے۔

خاص تاریخیں

ہندوستان پر پہلا حملہ	۶۴۳ء
عربوں کا سندھ فتح کرنا	۷۱۲ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر کیوں حملہ کیا؟ اس کی کامیابی کے کیا اسباب تھے؟
۲۔ ہندوستان کی سیاسی حالت پر عربوں کا کوئی مستقل اثر کیوں نہیں پڑا؟
۳۔ عرب والوں کو سندھ فتح کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟

سترھواں باب

محمود غزنوی کا حملہ

ترک اور اسلام

عربوں کے بعد دوسرا بڑا حملہ ترکوں نے کیا۔ ترک وسط ایشیا کے باشندے تھے۔ ان کے آباد اجداد ہُون تھے۔ لیکن ان میں شکوں اور ایرانیوں کا خون بھی شامل ہو گیا تھا۔ ترک پہلے بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ نویں صدی سے ان میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی اور دسویں صدی کے آخر تک قریب سب ترک مسلمان ہو گئے۔ نویں دسویں صدی کے خلفاء کے زمانہ میں عربوں کا اثر روز بروز کم ہوتا گیا اور ترک ان کی جگہ لینے لگے انہیں ترک سرداروں میں ایک کا نام سبکتگین تھا۔ وہ غزنی کا حکمران تھا اور اسی نے پنجاب اور مشرقی افغانستان کے راجہ جے پال کو شکست دیکر ملتان اور پشاور پر قبضہ کر لیا تھا۔

سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا غزنی اور خراسان کا بادشاہ ہوا۔

محمود غزنوی ۹۹۷-۱۰۳۰ء

خلیفہ نے اس کو سلطان کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے محمود کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ محمود بڑا شجاع اور قابل سپہ سالار تھا اس نے ہندوستان کے راجاؤں کی طاقت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس نے یہ بھی سنا تھا، کہ ہندوستان میں بے شمار دولت ہے محمود بڑا لالچی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا خزانہ زر و سیم اور بیش قیمت جواہرات سے بھرا رہے۔ اسے اس کام میں اپنے مذہب سے بھی مدد ملی۔ ہندوستان میں اس وقت بھی بت پرستی کافی ہوتی تھی محمود نے اعلان کیا، کہ میں ہندوستان میں بُت پرستی کا خاتمہ کر دونگا اور اسلام کی اشاعت کر دونگا۔ جو لوگ اس جہاد میں شریک ہونگے وہ فتحیاب ہونے پر بے شمار دولت اور شہرت حاصل کرینگے اور مرنے کے بعد جنت نشین

ہونگے اس کے ساتھیوں کو پہلے ہی سے اس کی قابلیت کا یقین تھا۔ مذہبی جوش کو اشتعال دیکر اس نے ان کو بالکل اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور سپاہیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔

محمود نے ۱۰۰۰ء اور ۱۰۲۶ء کے درمیان ۱۷ بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس نے ان حملوں میں پنجاب کے شاہیوں، ملتان کے شیاؤں، قنوج کے پرتی ہاروں، مہوبا کے چندیلوں اور دیگر راجاؤں کو شکست دی۔ اس نے ہر حملہ میں مندروں کو توڑا۔ اور ان کی دولت لوٹی۔ ان مندروں میں نگرکوٹ، متھرا، کاشی، قنوج اور سومناتھ کے مندر بہت مشہور ہیں۔ شاہیوں نے اسے بار بار تنگ کیا۔ اس لئے ۱۰۲۲ء میں اس نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ محمود اپنے ساتھ ہندوستان کی مدت سے جمع کی ہوئی دولت لے گیا۔ جس سے اس نے غزنی میں بہت سی خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ محمود نے ہندوستان کے مندر اور مورتوں کو توڑنے میں بڑی بربریت دکھائی۔ مسلمان مؤرخ لکھتے ہیں کہ متھرا کے مندروں کی خوبصورتی دیکھکر محمود نے بھی کہا تھا کہ ان کو دیوں نے تعمیر کیا ہوگا۔ لیکن اس نے ان کو برباد کرکے ہی قرار لیا۔ اس طرح نہ صرف ہندوستان کی بے شمار دولت باہر چلی گئی۔ بلکہ ہندوستانی صنعت و حرفت کے بہت سے خوبصورت نمونے بھی برباد ہو گئے۔ محمود کے حملوں کا سیاسی اثر یہ ہوا کہ پنجاب میں ترکوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور شمالی ہند کے راجاؤں کی طاقت اور ان کی ریاستوں کی سرحدوں میں بہت تبدیلی ہو گئی۔ ہندوستانی تہذیب کا اثر ترکوں پر بھی پڑا۔ کیونکہ محمود کے ساتھ کچھ البرونی جیسے علما بھی آئے۔ جنہوں نے ہندوستانی درشن شاستر، علم و ادب اور تاریخ کا مطالعہ کیا اور ان کی بنیاد پر اپنی الگ کتاب بھی لکھی۔ جس میں ہندوستان کی معاشرتی زندگی پر خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ البرونی کے ہی الفاظ میں محمود کے حملوں کا سب سے بڑا اثر یہ پڑا کہ اس کے کاموں نے اسلام کو بہت بدنام کر دیا۔ عام ہندو یہ سمجھنے لگے کہ اسلام بڑا جنگجویانہ مذہب ہے جس میں دوسروں کی عبادت گاہوں کو برباد کرنا

(حاشیہ: محمود کے حملے)

سمجھتے تھے کہ فتح ہوئی پر ان کو خوب دولت ملیگی اور ان کے مذہب کی اشاعت ہوگی۔ اس طرح فتح حاصل کرنے کے لئے جتنا جی جان سے وہ لڑ سکتے تھے اتنا راجپوتوں کے لئے ممکن نہ تھا۔ جو تھے راجپوتوں کا انتظام حکومت ایسا نہیں تھا کہ رعایا ان سے خوش رہتی۔ عوام ان کی مسلسل لڑائیوں سے تنگ آ گئے تھے۔ وہ راجاؤں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے اس طرح غیر ملکی حملہ آوروں کو ملک کی رعایا کی طرف سے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ رعایا کی لاپرواہی نے بھی مسلمانوں کا کام آسان کر دیا۔ آخری سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو محمود کی ابتدائی فتوحات کی وجہ سے یہ یقین ہونے لگا تھا کہ وہ ہر بار ہی فتحیاب ہوں گے اور فتح سے بہت سی دولت بھی حاصل ہوگی۔ اس دولت میں سے کچھ حصہ پانے کے لئے بہت سے مسلمان بغیر بلائے ہی محمود کے جھنڈے کے نیچے آ جاتے تھے۔ ان وجوہات سے اُسے کبھی سپاہیوں کی کمی نہیں پڑی۔ یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے راجپوت جیسی بہادر قوم محمود کو روکنے میں ناکام رہی۔

خاص تاریخیں

سبکتگین کا حکمران ہونا	۹۷۷ء
محمود غزنوی کی تاجپوشی	۹۹۷ء
محمود کا پہلا حملہ	۱۰۰۰ء
پنجاب کو اپنی مملکت میں شامل کرنا	۱۰۲۲ء
محمود کا آخری حملہ	۱۰۲۶ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ترک کون تھے؟ ان کے کس سردار نے پہلے پہل ہندوستان پر حملہ کیا؟ اسکے حملوں کا کیا اثر ہوا؟

اور لوگوں کو موت کا ڈر دکھا کر مسلمان بنانا بہت اچھا کام سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے علی گڑھ یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر مسٹر حبیب نے لکھا ہے کہ محمود تو صرف ایک بہادر لٹیرا تھا جس نے اسلام اور ہندوستان دونوں کو ہی نقصان پہونچایا۔ لیکن سب لوگ اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود کی وجہ سے مذہب اسلام شمالی ہند میں بھی داخل ہو گیا۔ بہت سے مسلمان فقیر مذہب کی تبلیغ کرنیوالے یہاں آباد ہو گئے اور آہستہ آہستہ ساری سوسائٹی میں اسلام پھیلنے لگا۔

محمود نے ۱۷ بار حملے کئے اور ان سب ہی حملوں میں اسے فتح حاصل ہوئی۔

راجپوتوں کی شکست کے اسباب

راجپوت بہت ہی بہادر اور حوصلہ مند تھے وہ موت سے ذرا نہیں ڈرتے تھے۔ وہ لڑائی میں جان دینا فخر کی بات سمجھتے تھے۔ جسمانی طاقت میں بھی وہ مسلمان سپاہیوں سے کسی طرح کم نہ تھے ان کی تعداد بھی مسلمان سپاہیوں سے کم نہیں رہتی تھی۔ پھر بھی انھیں شکست ہوئی۔ اس کے کچھ خاص اسباب تھے پہلی بات تو یہ تھی کہ محمود خود ایک بلند پایہ سپہ سالار تھا۔ اور وہ وسط ایشیا اور فارس کی لڑائیوں میں لڑائی کے انتظام کا کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا اسکے برخلاف راجپوت راجہ صرف اپنے ملک کے مروجہ فوجی طریقوں کو جانتے تھے دوسرے راجپوت راجاؤں کے فوجی اتحاد میں بہت سی خرابیاں تھیں۔ ان کی فوج میں ہاتھی ضرور رہتے تھے مگر وہ ان کو صحیح طور پر استعمال نہ کر پاتے تھے۔ راجپوت سپاہی صرف اس وقت تک لڑ سکتے تھے۔ جب تک کہ ان کا سپہ سالار میدان جنگ میں موجود رہے اس کے مرنے یا زخمی ہونے یا کسی وجہ سے دکھائی نہ پڑنے پر وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھا کیونکہ اس سپہ سالار کا قائم مقام پہلے سے مقرر نہیں رہتا تھا۔ تیسرے راجپوت سپاہی صرف اپنے سردار کی فتح کے لئے لڑتے تھے ان میں ملیت یا مذہب کا جوش نہ تھا۔ فتح حاصل ہونے پر انہیں کسی خاص فائدے کی امید نہیں رہتی تھی اس کے برخلاف مسلمان سپاہی مذہبی جوش اور دولت کے لالچ سے لڑتے تھے وہ

ہوئے۔ اگرچہ غیاث الدین بڑا ہونے کی وجہ سے غور کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن سلطنت کو بڑھانے کا کام چھوٹے بھائی شہاب الدین نے ہی کیا۔ شہاب الدین ہمارے ملک کی تاریخ میں محمد غوری کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ محمد غوری کو غزنی اور کابل کی صوبہ داری دی گئی تھی۔ اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کی بات سوچی۔ اس کی خواہش صرف ہندوستان کی دولت لوٹنے کی نہ تھی بلکہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے ملتان پر حملہ کیا۔ اور ۱۱۷۵ء میں اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد اس نے گجرات پر فوج کشی کی۔ لیکن وہاں کے راجہ بھیم گھیلا نے اُسے بری طرح شکست دی اور محمد غوری کو اُلٹے پاؤں بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد محمد غوری نے پہلے سرحدی ملکوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے ۱۱۷۹ء میں پشاور، ۱۱۸۲ء میں سندھ، اور ۱۱۸۶ء میں پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت پنجاب کا حاکم خسرو ملک تھا۔ اس کی شکست کے بعد غزنوی سلطنت کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور سبکتگین کے شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

محمد غوری اور پرتھوی راج

اب محمد غوری کے قبضہ میں دریائے سندھ کی پوری وادی آگئی تھی اس کے لئے شمالی ہند کا راستہ اب بالکل کھلا تھا۔ ہندوکش کے دروں کے دروازہ پر پردیسیوں کو روک رکھنا زیادہ آسان تھا لیکن اب وہ سب درّے محمد غوری کے سرداروں کے قبضہ میں تھے۔ پنجاب کے دریاؤں کو پار کرنے میں بھی کچھ دقت ہو سکتی تھی۔ لیکن پنجاب اور سندھ پر قبضہ ہونے کی وجہ سے اب سب راستے محمد غوری کے فوجی سرداروں کے ہاتھ میں آچکے تھے۔ اس لئے آگے بڑھنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ محمد غوری ایک وسیع سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت دلی اور اجمیر میں چوہان حکومت کرتے تھے، ان کا راجہ پرتھوی راج اپنی ہمّت، قابلیت اور قابل سپہ سالاری کے لئے ہندوستان

۲۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر کیوں حملے کئے؟
۳۔ محمود کی کامیابی کے کیا اسباب تھے؟
۴۔ محمود کی فتوحات کا اسلام اور ہندوستان اور غزنی پر کیا اثر پڑا؟

اٹھارہواں باب

محمد غوری کے حملے

غزنی سلطنت کا زوال

اگرچہ محمود غزنوی بڑا بہادر بادشاہ تھا جس کی دھاک وسط ایشیا کے سبھی حصوں میں جمی ہوئی تھی پھر بھی اس کی سلطنت قائم نہ رہ سکی۔ صوبوں کے حاکم من مانی کرنے لگے۔ اور رعایا ان کے ظلموں سے عاجز آ گئی۔ اسی زمانہ میں غزنی کے شمال میں ایک دوسری ترک ریاست نے ترقی کرنا شروع کی وہ غور ریاست تھی جس کا پایہ تخت غور تھا۔

غوری خاندان کی ترقی

غور ریاست کے راجاؤں کو غوری یعنی غور کا رہنے والا کہتے ہیں اس خاندان کے بادشاہوں میں پہلا اقبال مند بادشاہ علاءالدین تھا۔ اس نے ۱۱۵۰ء میں غزنی پر قبضہ کر لیا۔ محمود غزنوی کے رشتہ دار افغانستان چھوڑ کر پنجاب میں آباد ہو گئے۔ اور اپنے صوبہ دار کے بجائے خود وہاں حکمرانی کرنے لگے۔ اس طرح ۱۱۵۰ء کے بعد غزنی سلطنت میں ہندوستان کے باہر کچھ بھی نہ رہا۔

محمد غوری کے ابتدائی حملے

علاءالدین غوری کے دو بھتیجے تھے۔ بڑے کا نام غیاث الدین اور چھوٹے کا نام شہاب الدین محمد تھا۔ علاءالدین کے مرنے کے بعد یہی دونوں غور ریاست کے مالک

میں بہت مشہور تھا۔ شمالی ہند کے کافی بڑے حصہ میں اس کی دھاک جمی ہوئی تھی۔ آج تک اس کی بہادری کی کہانیاں مشہور ہیں۔ چندر بردائی کا بنایا ہوا پرتھوی راج راسو اس کی بہادری کی داستانوں سے بھرا پڑا ہے۔ سنہ ۱۱۹۱ء میں جب محمد غوری نے پنجاب سے بڑھکر سرہند پر حملہ کیا تو پرتھوی راج اس سے لڑنے کے لئے پہونچا۔ بہت سخت لڑائی کے بعد محمد غوری کو کامل شکست ہوئی۔ محمد غوری خود زخمی ہوگیا۔ اور اس کی جان کا بھی خطرہ تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے ایک وفادار سپاہی نے فوراً اس کی مدد کی۔ اور اُسے اپنے گھوڑے پر ڈال کر میدان سے باہر نکال لے گیا۔

اس شکست کا محمد غوری کو بڑا افسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ایک سال تک وہ آرام سے سویا بھی نہیں۔ اس نے مصمم ارادہ کیا کہ میں پھر ہندوستان پر حملہ کرونگا۔ اور پرتھوی راج کو شکست دوں گا۔ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سواروں کی ایک شاندار فوج جمع کی۔ اور سنہ ۱۱۹۲ء میں پھر غزنی سے روانہ ہوکر ہندوستان پر حملہ کیا۔

پرتھوی راج کی شکست
سنہ ۱۱۹۲ء

اس درمیان میں پرتھوی راج نے دشمن کا مقابلہ کرنے کی کوئی تیاری نہیں کی۔ اسے یہ خیال ہی نہ رہا کہ محمد غوری پھر حملہ کرسکتا ہے۔ شمالی ہند کے دوسرے راجاؤں میں تین خاص تھے۔ قنوج کا جے چند گہرواڑ۔ مہوبا اور کالنجر کا پرمردن۔ چندیل اور گجرات کا بھیم سولنکی۔ ان لوگوں نے اپنی حفاظت کی کوئی متحدہ ترکیب نہیں سوچی۔ بلکہ باہمی جھگڑوں کو ہی سرسبز بنائے رکھنے میں مشغول رہے۔ پرتھوی راج کو جب محمد غوری کی شاندار فوج کے آنے کی خبر ملی تو اس نے دوسرے راجاؤں سے مدد مانگی۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے راجہ اور سردار اس کی مدد کے لئے اپنی اپنی فوجیں لے کر پہونچ گئے لیکن گہرواروں اور سولنکیوں کی طرف سے کوئی خاص مدد نہیں ملی۔ ترائن کے میدان

میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ راجپوت بہت بہادری سے لڑے لیکن ان کو شکست ہوئی۔ پرتھوی راج خود گرفتار کر لیا گیا محمد غوری نے اسے فوراً مروا ڈالا۔ اس لڑائی کے بعد اس نے قطب الدین ایبک کو اپنا نمائندہ مقرر کیا اور وہ غزنی چلا گیا۔ ایبک نے ۱۱۹۴ء تک دلی، میرٹھ۔ کویل (علی گڈھ) اجمیر وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔

چوہانوں کی طاقت ختم کر کے محمد غوری نے قنوج کے گہروار راجہ جے چندر

محمد غوری اور جے چندر

پر حملہ کیا۔ جے چندر نے بڑی بہادری کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن فتح مسلمانوں کی ہی ہوئی۔ جے چندر لڑائی میں مارا گیا۔ محمد غوری کو نہ صرف ایک مالدار صوبہ ملا۔ بلکہ اسے بے شمار دولت بھی ملی۔ جے چندر کی ریاست کا مشرقی سرحد کاشی تھی۔ محمد غوری نے کاشی پر بھی حملہ کیا۔ اور شہر پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے مندروں کو خوب لوٹا اور برباد کیا۔ ایبک نے دلی کو پایۂ تخت بنایا۔ اور اپنے آقا کے کام کو پورا کیا۔

محمد غوری کے جانے کے بعد بھی نئی ریاستوں کے فتح کرنے کا کام جاری

سلطنت کی وسعت سنہ ۱۱۹۴ء سے ۱۲۰۳ء

رہا۔ قطب الدین ایبک نے گجرات کے سولنکی راجہ پر حملہ کیا اور اپنے ملک کی شکست کا پورا بدلہ چکایا۔ راجہ کو کافی دولت نذر کرنی پڑی۔ اور مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرنی پڑی۔ اس کے بعد گوالیار پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ اور وہاں کے راجہ نے بھی خراج دینے کا اقرار کیا۔

محمد غوری کے ایک دوسرے سردار اختیار الدین ابن بختیار نے بہار اور بنگال کی طرف حملہ کیا۔ بہار میں اس وقت بھی بودھوں کے بہت سے وہار تھے جن کو اس نے برباد کر دیا۔ بہت سے بھکشو مارے گئے اور بدھ مذہب کا نام ونشان ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا۔

بہار فتح کرنے کے بعد اس نے بنگال پر حملہ کیا۔ اس وقت بنگال میں سین خاندان کا راجہ حکومت کر رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ کسی نجومی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ مغرب کی طرف سے ایک ایسا شخص آئیگا جس کے بازو اتنے لمبے ہوں گے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں کے نیچے پہونچ جائیں گے یہ شخص سین خاندان کا خاتمہ کریگا۔ جب اختیار الدین دار السلطنت ندیا میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کے پاس صرف ۱۷ سوار تھے۔ باقی سوار پیچھے رہ گئے تھے لیکن ان کے قلعہ کے دروازہ پر پہونچنے سے پہلے ہی یہ خبر پھیل گئی کہ ایک لمبے بازوؤں والا سوار شہر پر حملہ کرنے کے لئے آگیا ہے کل رعایا میں ہلچل مچ گئی لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ یقیناً سین خاندان کو برباد کرنے والا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اختیار الدین کے بچھڑے ہوئے سپاہی بھی آگئے اور اسے شہر پر قبضہ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی نجومی کی پیشین گوئی سچ ہو گئی۔ یہ واقعہ ۱۱۹۹ء یا ۱۲۰۰ء کا ہے۔ تھوڑے دن کے اندر ہی اس نے کل بنگال پر قبضہ کر لیا۔

شمالی ہند میں اب صرف ایک خاص ریاست بچی تھی۔ اور وہ چندیلوں کی ریاست تھی جس کا پایۂ تخت مہوبا تھا ان کا مضبوط قلعہ کالنجر شمالی ہند میں سبھی جگہ مشہور تھا۔ قطب الدین نے ۱۲۰۲ء میں کالنجر پر فوج کشی کی۔ پرمردن ہار گیا۔ اور وہ مسلمانوں کے تخت میں آگیا پرمردن کو پرمال بھی کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ بارہویں صدی میں جگنک نے ایک آلہا کھنڈ تصنیف کی تھی۔ آجکل بھی اس نام کی ایک ہندی کتاب کا کافی رواج ہے۔ جس میں پرمال کے دو بہادر سرداروں آلہا اودل اور ان کے دیگر ساتھیوں کی بہادری کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے بہادرانہ کارنامے پرتھوی راج کی زندگی میں ہی ختم ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے حملے کے بعد پرمردن کے جانشین کمزور ہو گئے اور کئی صدیوں تک ایک چھوٹے سردار کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔ لیکن کالنجر پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

جس سال پرمردن کی شکست ہوئی تھی اسی سال محمد غوری کا بڑا بھائی مر گیا۔

محمد غوری کی وفات

اور وہ خود بادشاہ ہوا۔ اب اس نے معز الدین کا لقب اختیار کیا۔ مغرب میں اب اس کا قبضہ غور اور ہرات پر بھی ہو گیا۔ اس لئے اُسے خراسان اور فارس کے کچھ حصہ پر حکومت کرنیوالے علاء الدین سے جنگ کرنی پڑی جس میں وہ شکست کھا گیا۔ یہ خبر پا کر پنجاب کے کھوکھروں نے بغاوت کر دی۔ کھوکھر پنجاب کی ایک جنگجو قوم تھی۔ وہ زیادہ تر لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور کبھی کبھی روپیہ پانے پر پنجاب کے راجاؤں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے تھے۔ انہوں نے محمود غزنوی کے خلاف آنند پال کی طرف سے جنگ کی تھی۔ ان کو دبانے کے لئے محمد غوری ایک بار پھر ہندوستان آیا اور بغاوت فرو کرنے میں کامیاب تو ہو گیا۔ لیکن اسے بہت سختی کرنی پڑی۔ سینکڑوں ہزاروں کھوکھر مار ڈالے گئے۔ ان کے سروں کے ستون بنا دیئے گئے۔ اور ان کے گاؤں جلا دیئے گئے۔ ان کے سرداروں کو بے رحمی سے سخت سزائیں دے کر مار ڈالا گیا۔ کھوکھر نوجوانوں میں سے ایک نے اس بات کا بدلہ لینے کا پختہ ارادہ کیا۔ موقعہ پا کر وہ محمد غوری کے خیمہ میں گھس گیا۔ اور اس نے اسے مار ڈالا۔ اس طرح ۱۲۰۶ء میں محمد غوری کی وفات ہو گئی۔

محمد غوری کے کام کی اہمیت

محمد غوری پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے ہندوستان میں مستقل مسلمانی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے دو مسلمانوں کے حملے اور ہو چکے تھے۔ ان کا حال ہم گذشتہ باب میں پڑھ چکے ہیں۔ محمد بن قاسم کا حملہ حقیقت میں داہر سے بدلہ لینے کے لئے کیا گیا تھا۔ اور خلفاء نے سندھ ہاتھ آنے پر ہندوستان کے باقی حصہ کو فتح کرنے کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں کیا۔ یہ اتفاق کی بات ہے، کہ داہر کو سزا دینے کے ساتھ ساتھ سندھ پر بھی خلیفہ کا قبضہ ہو گیا۔ دوسرا حملہ آور محمود غزنوی تھا اس نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کئے۔ اور مشرق میں کاشی اور

جنوب مغرب میں گجرات تک دھاوا مارا۔ وہ جہاں گیا وہیں فتحیاب ہوا۔ لیکن اس نے ہندوستان کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ تصرف یہاں کی دولت کا بھوکا تھا۔ اسلئے وہ قلعوں کے بجائے مندروں پر ہی زیادہ حملہ کرتا تھا۔ وہ یہاں کی دولت سے ایک بڑی فوج بنا کر وسط ایشیاء میں ایک بڑی سلطنت بنانے کا خواہاں تھا۔ اس نے پنجاب کو البتہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا لیکن وہ بھی مجبور ہو کر۔ اگر پنجاب کے شاہی حکمران اسے برابر زِچ نہ کرتے رہتے تو وہ پنجاب کو بھی اپنی مملکت میں شامل نہ کرتا۔ ۱۰۲۲ء تک اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہندوستان کے دوسرے حصّوں کی دولت لوٹنے کے لئے پنجاب میں خطرہ کا خوف نہ ہونا چاہیے اس لئے شاہی راجاؤں کو ہٹا کر وہاں پر اپنے صوبہ دار کو رکھنا لازم ہو گیا۔ ان دونوں کے برخلاف محمد غوری نے اپنے حملے صرف سلطنت قائم کرنے کے لئے کئے تھے۔ وہ برابر ہندوستان پر ہی حملہ کرتا رہا۔ اور وسط ایشیا کے دوسرے حکمرانوں سے کبھی نہیں لڑا۔ اس کے حملوں میں ایک ترتیب بھی دکھائی پڑتی ہے اس نے پہلے سرحد کے ممالک، پنجاب اور سندھ کو لیا اور ان کے مضبوط قلعوں یعنی لاہور، پشاور، ملتان اور اُچھ پر قبضہ کیا اس کے بعد اس نے موجودہ ممالک متحدہ کے راجاؤں کو شکست دی۔ ممالک متوسط پر قبضہ جمانے کے بعد اس نے مشرق میں بنگال، مغرب میں گجرات اور جنوب میں اجمیر و کالنجر پر حملہ کیا وہ غزنی میں ہی رہنا پسند کرتا تھا۔ لیکن ہندوستان کی سلطنت کے عمدہ انتظام کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ کھوکھروں کی بغاوت کی خبر پاتے ہی وہ پنجاب آگیا۔ اور اس نے اپنے منتخب غلاموں کو جگہ جگہ پر مقرر کر دیا تھا۔ ان کی وفاداری پر اسے اتنا بھروسہ تھا کہ جب ایک بار لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا کوئی فرزند تو ہے ہی نہیں پھر آپ کے بعد آپ کی مملکت کا کیا حال ہوگا؟ تو اس نے فوراً کہا تھا کہ میرے فرزند سے بڑھکر میرے قابل غلام ہیں وہ میرے مرنے کے بعد بھی سلطنت کی حفاظت کرینگے۔ اور میرا نام زندہ رکھیں گے ان سب باتوں

سے صاف ظاہر ہے کہ محمد غوری ہی پہلا شخص ہے جو ہندوستان میں مسلمانی حکومت کا بانی کہا جا سکتا ہے۔

محمد غوری اگرچہ محمود غزنوی کی طرح بُت شکن یعنی مورتیوں کو توڑنے والا کہلانے میں کوئی خاص فخر محسوس نہیں کرتا تھا، پھر بھی اس نے کئی مندروں کو توڑا لیکن مندروں کو توڑنا یا ہندوؤں پر مذہبی ظلم کرنا اس کی پالیسی نہ تھی اس نے ان سے جزیہ ضرور لیا۔ اور جنگ کے وقت ان کے کچھ مندروں کو بھی برباد کیا لیکن عام طور پر اس نے انھیں پہلے کی طرح رہنے دیا۔ اس اعتبار سے محمد غوری کا رویہ عربوں سے بہت ملتا جلتا ہے۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ عربوں کی طرح فراخدل نہیں تھا۔

خاص تاریخیں

علاؤالدین غوری کا غزنی پر حملہ	سنہ ۱۱۵۰ء
محمد غوری کا غزنی پر حکمران ہونا	سنہ ۱۱۷۳ء
ملتان کی فتح	سنہ ۱۱۷۵ء
سندھ کی فتح	سنہ ۱۱۸۲ء
پنجاب کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ	سنہ ۱۱۸۶ء
ترائن کی پہلی لڑائی	سنہ ۱۱۹۱ء
ترائن کی دوسری لڑائی	سنہ ۱۱۹۲ء
جے چندر کی شکست	سنہ ۱۱۹۴ء
بہار اور بنگال پر قبضہ	سنہ ۱۱۹۷ء ۔ ۱۱۹۹ء
پرمرون کی شکست	سنہ ۱۲۰۲ء
کھوکھروں کی بغاوت	سنہ ۱۲۰۵ء
محمد غوری کی وفات	سنہ ۱۲۰۶ء

مشق کے لیے سوالات

۱۔ محمد غوری کی فتوحات کا مختصر حال لکھو۔
۲۔ محمد غوری کو ہندوستان میں مسلمانی سلطنت کا بانی کیوں کہتے ہیں؟
۳۔ اگر تم پرتھوی راج چوہان ہوتے تو محمد غوری کے حملوں کو روکنے کیلئے کیا کرتے؟

انیسواں باب

مسلم سلطنت کی وسعت

(۱) غلام خاندان

محمد غوری کی وفات کے وقت مسلم سلطنت کی حالت ڈانواڈول تھی۔ ہندو

۱۲۰۶ء میں ہندوستان کی حالت

حکمران ہار تو گئے تھے لیکن ان کے دلوں میں آزاد ہونے کی خواہش باقی تھی۔ اس کے مرتے ہی ایسا شبہ ہونے لگا کہ ہندوستان کے مسلم حکمران آپس میں لڑ کر ہندوؤں کی آزادی کا راستہ آسان کر دینگے۔ غزنی اور کابل پر الدوز کا قبضہ ہو گیا وہ خود ہندوستان پر آنکھ لگائے تھا۔ دلی، اجمیر اور وسط ہند پر قطب الدین ایبک کا قبضہ تھا۔ اور مشرق میں بہار اور بنگال خلجی ترکوں کے ہاتھ میں تھا۔

اس حالت میں قطب الدین ایبک نے بڑی عقلمندی اور ہوشیاری سے کام لیا۔

قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ء - ۱۲۱۰ء

اس نے غوری بادشاہ سے ایک خط حاصل کر لیا جس کے ذریعہ وہ دلی کا سلطان قبول کر لیا گیا اسی کے ساتھ اسے غلامی سے بھی آزاد کر دیا گیا۔ کیونکہ کوئی غلام سلطان نہیں ہو سکتا تھا۔ قطب الدین کا اثر ہندوستان میں پہلے بھی کافی تھا۔ کیونکہ

قطب مینار (التمش) اور چندر کا لوہے کا ستون (چوتھی صدی)

اسی کے قبضہ میں مسلم سلطنت کا بیشتر حصہ تھا اور اس پر محمد غوری کی خاص نظر عنایت تھی۔ اس نے ہندوستان کی کل مسلم سلطنت پر اپنا اختیار قائم کر کے سلطنت کو متحد کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ بنگال کا صوبہ دار اختیار الدین اسی زمانہ میں مر گیا۔ اس کی جگہ پر ایبک نے علی مردان کو بنگال کا حکمران مقرر کیا۔ اور اس طرح مشرقی ممالک میں دہلی کا اقتدار قائم ہو گیا۔ ایلدوز نے پنجاب پر حملہ کیا۔ لیکن ایبک نے اسے شکست دی اور کچھ زمانہ کے لئے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا۔ بعد میں غزنی کے باشندوں کی مخالفت کی وجہ سے اسے واپس آنا پڑا۔ لیکن ایلدوز نے آئندہ اُسے کوئی تکلیف نہیں دی۔ قباچہ نے بھی ایبک کی ماتحتی قبول کر لی۔ اس طرح ایبک نے دلی سلطان کے زیر اقتدار ایک طاقتور مرکزی سرکار قائم کر دی جس کا حکم پنجاب اور سندھ سے لیکر بنگال تک مانا جاتا تھا۔ اپنی حالت مضبوط کرنے کے لئے اس نے ایلدوز قباچہ اور ایک ہونہار غلام التتمش سے ازدواجی تعلقات قائم کئے۔ ایبک پہلا شخص تھا جس نے ہندوستان میں رہ کر پوری ہندوستان کی مسلم سلطنت کو ایک سلسلہ میں رکھنے کی کوشش کی۔ اور دلی کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۲۱۰ء میں وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

التتمش
۱۲۱۱-۱۲۳۶ء

ایبک کی وفات کے بعد اس کا فرزند آرام شاہ سلطان مقرر کیا گیا۔ لیکن اس میں حکومت کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ اس لئے بنگال میں علی مردان، ملتان، سندھ میں قباچہ اور راجپوتانہ میں رنتھمبور اور گوالیار کے ہندو حکمران آزاد ہو گئے۔ دیگر مقامات میں بھی بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس لئے دلی کے کچھ امیروں نے قطب الدین ایبک کے داماد التتمش کو سلطان ہونے کی دعوت دی۔ التتمش ایک بہت ہی خوبصورت ہونہار اور عقلمند شخص تھا۔ ایبک نے اُسے خرید اتھا۔ اور اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اسے بدایوں کا حاکم بنا دیا تھا۔ محمد غوری بھی

DELHI SULTANATE
1236
KHOKHARS
Lahore
Multan
Delhi
MEWAT
SIND
Ajmer
Gwalior
GUJARAT
Bhilsa
Prayag
Ayodhya
Devagiri
Warangal
KAKATIYAS
Raichur
ARABIAN
SEA
HOYSALA
CHOLA
PANDYAS

التتمش سے بہت خوش تھا اور اسی کی عنایت سے وہ غلامی سے آزاد کردیا گیا تھا۔ التتمش نے فوراً دلی پر قبضہ کرلیا۔ اور آرام شاہ کو ہٹا کر تخت نشین ہوگیا۔

ابتدا میں التتمش کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ امیر ایسے غلام کا غلام ہونے کی وجہ سے بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے ان لوگوں نے دلی اور اس کے گرد و نواح میں بغاوتیں کیں لیکن سلطان نے ان کو شکست دی اور کل وسط ہند پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اپنی حالت مضبوط کرنے کے لئے اس نے ان پرانے امیروں کو جو اس کے خلاف تھے نکال باہر کیا۔ اور ان کے بجائے نئے اشخاص کو مقرر کیا۔ یہ نئے افسر اس کے ذاتی غلام تھے اور آہستہ آہستہ سب خاص خاص عہدے انھیں کے ہاتھ میں آگئے ان میں چالیس غلام خاص تھے جو چالیس کے نام سے مشہور تھے۔

اس کے بعد التتمش نے دوسرے دشمنوں کی طرف توجہ کی۔ اس کی خوش قسمتی سے ابلدوز جو خود کو دلی کے سلطان سے بہتر سمجھتا تھا، ہار کر لاہور آگیا تھا التتمش نے ۱۲۱۵ء میں اُسے شکست دیکر بدایوں میں قید کردیا۔ جہاں ۱۲۱۶ء میں وہ مرگیا۔ التتمش کی روز افزوں طاقت کو دیکھکر قباچہ نے اسی سال اس کی ماتحتی قبول کرلی۔ قباچہ کا خاتمہ بھی نزدیک تھا۔ ۱۲۲۱ء میں جلال الدین جو خوارزم کا بادشاہ تھا، منگولوں سے خوفزدہ ہوکر ہندوستان آیا۔ اور اس نے التتمش سے مدد کی درخواست کی سلطان نے مدد دینے کی بجائے اس کے سفیر کو مروا ڈالا۔ اور جلال الدین خوارزم کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن یہاں سے جانے کے قبل جلال الدین نے پنجاب کے کھوکھروں اور قباچہ کی طاقت کافی کم کردی۔ اس سے فائدہ اٹھاکر ۱۲۲۷ء میں اس نے قباچہ کو شکست دی اور وہ دریائے سندھ میں غرق ہوکر مرگیا اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی پنجاب اور سندھ پر دلی کے بادشاہ کا پورا اقتدار قائم ہوگیا۔

التتمش نے مشرق کی جانب بنگال کے خلجیوں کو بھی مغلوب کیا۔ سب سے پہلے اس کا قبضہ ۱۲۲۵ء میں ہوا۔ لیکن ۱۲۳۰ء تک وہاں کی حالت بالکل قابو

دلی سلطنت کا خاتمہ نزدیک معلوم ہوتا تھا کیونکہ اندرونی طاقتوں کے علاوہ

ناصر الدین محمود
۱۲۴۶-۱۲۶۶ء

وسط ایشیا کے وحشی منگول بھی ہندوستان پر حملہ کرنے لگے تھے۔ خوش قسمتی سے مسعود کے جانشین سلطان ناصر الدین نے غیاث الدین بلبن کو اپنا خاص مشیر مقرر کیا اور سلطنت کا قریب قریب کل کام اسی پر چھوڑ دیا۔ بلبن نے اپنی ہندوستانی زندگی التتمش کے غلام کی حیثیت سے شروع کی تھی۔ اور اپنی قابلیت کی ہی وجہ سے ناصر الدین کا وزیر اعظم ہو گیا۔ اس نے ناصر الدین کے عہد حکومت (سنہ ۱۲۴۶ء-سنہ ۱۲۶۶ء) میں بغاوت کو فرو کیا۔ منگولوں کو روکا۔ اور سلطان کی عزت کو بڑھایا۔ سلطان خود بہت رحم دل تھا اس لئے اس کی زندگی میں بلبن اتنی سختی نہیں کر پاتا تھا جتنی کہ وہ ضروری سمجھتا تھا۔

سلطان کی وفات کے بعد سنہ ۱۲۶۶ء میں بلبن خود بادشاہ ہو گیا۔ ناصر الدین نے

غیاث الدین بلبن
سنہ ۱۲۶۶ء-سنہ ۱۲۸۶ء

بھی اسے ہی اپنا جانشین مقرر کیا۔ اپنے ۲۰ سال کے عہد حکومت میں بلبن نے سلطان کی شان پہلے سے بہت بڑھا دی۔ اس نے دربار کی شان و شوکت بہت بڑھا دی۔ وہ خود بہت شان سے رہتا تھا۔ اور اپنے علاوہ کسی کو بھی بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ وہ کسی سے ہنسی مذاق نہیں کرتا تھا۔ اور نہ کسی کو دربار میں ہنسنے دیتا تھا۔ دور دور کے پناہ گزین شہزادے اس کے دربار کی رونق کو بڑھاتے تھے وہ چھوٹے لوگوں کو اور پست خاندان والوں کو کوئی معزز عہدہ نہیں دیتا تھا۔ اور نہ ان سے بات کرتا تھا۔ شاہی جلوس بھی بڑی شان و شوکت سے نکالے جاتے تھے۔ جس سے اس کی طاقت کا اثر سب پر پڑتا رہے۔ دوآب، میوات اور روہیل کھنڈ میں جسے اس وقت کٹھیر کہتے تھے۔ ہندوؤں نے بغاوت کی، ان کو دبانے کے لئے اس نے وہاں کے جنگل کٹوا کر سڑکیں بنوائیں جگہ جگہ پر قلعے بنائے اور ان میں منتخب بہادر رکھے۔ بارہ برس سے زیادہ عمر والے سب باغی مار ڈالے گئے

میں آگئی۔ اور علاؤ الدین جانی وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب بنگال پر دلی کے سلطان کا حقیقی قبضہ قائم ہوا۔

التمش نے مسلم باغیوں کو فرو کرنے کے علاوہ ہندوؤں کی طاقت بھی کم کی۔ اس نے رنتھمبور (۱۲۲۶ء) پر قبضہ کر لیا۔ گوالیار پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے مالوا پر حملہ کیا۔ اور ۱۲۳۴ء تک اس کا زیادہ تر حصہ اپنے تحت میں کر لیا۔ دوآب کے سرداروں اور پنجاب کے کھوکھروں پر کڑی نظر رکھنے کے لیے اس نے ان ملکوں میں مسلمان سپاہی آباد کر دیئے جو باغیوں کو فوراً دبا دیتے تھے۔

اس طرح اپنے ۲۵ سال کے عہد حکومت میں التمش نے نہ صرف قطب الدین ایبک کی پوری سلطنت پر اقتدار قائم رکھا بلکہ اس میں مالوا کا نیا ملک بھی شامل کیا۔ اور راجپوتانہ، بنگال اور سندھ پر دلی کا زیادہ مضبوط اقتدار قائم کیا۔ اس کی طاقت سے متاثر ہو کر بغداد کے خلیفہ نے بھی اسے دلی کا سلطان منظور کیا۔ اور ۱۲۲۹ء میں اس کے پاس ایک نامہ تقرر بھیجا۔ جس سے اس کی شہرت بہت بڑھ گئی۔ دہلی سلطنت کی اتنی خدمت کرنے کے بعد ۱۲۳۶ء میں اس نے انتقال کیا۔

التمش کے جانشین
۱۲۳۶ - ۱۲۴۶ء

التمش کی اولاد میں صرف رضیہ ہی بار سلطنت سنبھالنے کی قابلیت رکھتی تھی اور سلطان اسی کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا لیکن مسلمان امیروں کی مخالفت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا رکن الدین تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کی نالائقی سے عاجز آکر امیروں نے رضیہ کو تخت پر بٹھایا۔ رضیہ (۱۲۳۶ء - ۱۲۴۰ء) نے باغیوں کو فرو کیا۔ اور حکومت کو پھر درست کیا۔ لیکن عورت ہونے کی وجہ سے بہت سے امیروں نے اس کی مخالفت کرنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے بغاوت کی اور رضیہ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے بعد بہرام اور مسعود نے حکومت کی۔ لیکن سلطان کی طاقت روز بروز گھٹنے لگی۔ امیروں کی بغاوتیں بڑھنے لگیں۔ اور ہندوؤں کو پھر سر اٹھانے کا موقع ملا۔

اور بیچے غلام بنا لیئے گئے ان سب کا اثر یہ ہوا کہ اس کے زمانہ میں ہندوؤں نے بغاوت کرنے کی ہمت نہیں کی۔ مسلمان امیروں کو قابو میں رکھنے کے لئے اس نے جس کو ذرا بھی سلطنت کا باغی پایا اسی کو نکال دیا اور اس کی جگہ نیا شخص مقرر کر دیا۔ بنگال کے حاکم طغرل بیگ نے جب ۱۲۷۹ء میں بغاوت کی تو سلطان نے نہ صرف باغیوں کو بلکہ ان کے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنے بیٹے بغرا خان کو وہاں کا حکمران مقرر کیا۔ اس طرح سب لوگ اس کے ڈر سے تھر تھر کانپنے لگے اور بغاوت کا خیال دب گیا۔ منگولوں نے کئی بار حملے کئے۔ لیکن ہر بار انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ کیونکہ سلطان نے سرحدی ممالک میں نئے قلعے بنوائے۔ پرانے قلعوں کی مرمت کرائی اور ان میں تعلیم یافتہ سپہ سالار رکھے وہ خود ایک عالیشان فوج کے ساتھ ہمیشہ منگولوں کا حملہ روکنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

۱۲۸۵ء میں بلبن کو خبر ملی کہ اس کا بیٹا محمد منگولوں کے خلاف جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ اس خبر سے اسے بہت تکلیف ہوئی۔ اور بڈھا سلطان ۱۲۸۶ء میں مر گیا۔ بلبن نے اپنے عہد حکومت میں کوئی نیا ملک فتح نہیں کیا۔ اور مسلم سلطنت کی وہی حدود بنی رہیں جو التتمش کے زمانہ میں تھیں۔ لیکن اس نے منگولوں کو روک کر ہندوستان اور مسلمانوں کی نئی قائم شدہ سلطنت کو بڑا فائدہ پہونچایا۔

بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقباد تخت نشین ہوا۔ بلبن کے عہد میں وہ بہت پابندیاں اٹھا چکا تھا اب آزادی اور طاقت ملنے پر اس کا دماغ بگڑ گیا۔ اور وہ سارا وقت عیش و عشرت میں گذارنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ امرا آپس میں جھگڑنے لگے

کیقباد
۱۲۸۶-۱۲۹۰ء

بغاوتیں شروع ہو گئیں اور سلطان کی تندرستی اتنی بگڑ گئی کہ اُسے فالج مار گیا۔ آخر جلال الدین خلجی کے ایک نوکر نے اسے مار ڈالا اور اس کی لاش دریائے جمنا میں پھینک دی۔ اس طرح ۱۲۹۰ء میں ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑی۔

ایبک، التتمش اور بلبن نے دلی سلطنت کی بڑی خدمات کیں۔ ایبک

نے دلّی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور صوبوں کے حاکموں کو قابو میں رکھا۔ التمش نے اس کی جڑ مضبوط کرنے کے لئے صوبوں کے حاکموں کی بغاوتیں فرد کر کے ان کو مکمل طور پر ماتحت بنایا اور ہندو راجاؤں کو شکست دے کر مملکت کو وسیع کیا۔ بلبن جس وقت حکمران ہوا۔ اس وقت اندرونی بغاوتیں اور بیرونی حملوں کی وجہ سے سلطنت درہم برہم ہونیوالی تھی لیکن اس نے سلطان کے اعزاز کو بلند کر کے باغیوں کو فرد کیا اور منگولوں کو شکست دے کر سلطنت کی حفاظت کی۔

ایبک سے لیکر کیقباد تک جتنے حکمران ہوئے ان کو غلام خاندان کہا جاتا ہے۔

غلام خاندان کا یہ نام کیوں پڑا؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بادشاہ نہ تو ایک خاندان کے تھے نہ غلام ہی تھے۔ اصل میں وہ ایبک خاندان، التمش خاندان اور بلبن خاندان کے سلطان تھے۔ تخت نشینی کے وقت ان میں ایک بھی غلام نہ تھا۔ لیکن ایبک، التمش اور بلبن ابتدائی زندگی میں غلام رہے تھے۔ اور باقی بادشاہ انھیں کے خاندان سے تھے۔ اس لئے مورخوں نے غلطی سے ان سب کو سلاطین غلام خاندان کہہ دیا ہے۔

خاص تاریخیں

قطب الدین ایبک کا سلطان ہونا	سنہ ۱۲۰۶ء
آرام شاہ	سنہ ۱۲۱۰ء
التمش کی تخت نشینی	سنہ ۱۲۱۱ء
ایلدوز کی شکست	سنہ ۱۲۱۵ء
فتح بنگال	سنہ ۱۲۲۵ء، سنہ ۱۲۳۰ء
قباچہ کی وفات	سنہ ۱۲۲۷ء
خلیفہ کا حکم نامہ	سنہ ۱۲۲۸ء
فتح گوالیار	سنہ ۱۲۳۲ء

فتح مالوا	۱۲۳۴ء
رضیہ بیگم	۱۲۳۶ء
ناصر الدین	۱۲۴۶ء
بلبن کی تاجپوشی	۱۲۶۶ء
طغرل بیگ کی بغاوت	۱۲۷۹ء
منگولوں کا حملہ اور محمد کی وفات	۱۲۸۵ء
کیقباد کی تخت نشینی	۱۲۸۶ء
کیقباد کی وفات	۱۲۹۰ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ غلام خاندان کا کیا مطلب ہے؟ اس باب میں جن بادشاہوں کا ذکر کیا گیا ہے کیا انہیں غلام خاندان کہا جا سکتا ہے؟

۲۔ کن کن حصوں میں ہندو بہت بغاوت کرتے تھے؟ ان کو دبانے کے لئے کیا تدبیریں کی گئیں؟

۳۔ منگول کون تھے؟ ان کے حملوں کا سلاطین ہند کی حکمت عملی پر کیا اثر پڑا؟

۴۔ ایبک، التتمش اور بلبن میں تم کس کو سب سے بڑا حکمران سمجھتے ہو؟

بیسواں باب
مسلم سلطنت کی وسعت
(۲) خلجی خاندان

جلال الدین خلجی ۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۶ء

کیقباد کی وفات کے بعد جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ وہ شمال مغربی سرحد کا محافظ رہ چکا تھا۔ وہ ایک قابل سپہ سالار تھا لیکن جب وہ دلی کا بادشاہ ہوا۔ اس کی عمر ۷۰ برس کی تھی۔ اور اسے ہمیشہ عاقبت کی ہی فکر دامنگیر رہتی تھی اس نے رحم دلی سے حکومت کرنا چاہا۔ لیکن اس زمانہ میں ایک رحم دل اور خونریزی سے گھبرانے والے بادشاہ کا زیادہ دن تک قائم رہنا ممکن نہ تھا اسکے خیر خواہوں نے اس کی حکمت عملی بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔

جب لوگوں نے اس کا یہ حال دیکھا تو بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے ۱۲۹۱ء میں کڑا کے حاکم اور بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے بغاوت کی۔ لیکن جب وہ قیدی بناکر بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ تو اس نے اُسے معاف کردیا۔ میواتیوں نے پھر کچھ لوٹ مار شروع کی لیکن وہ پکڑ لئے گئے۔ جلال الدین نے ان کو سزا دے کر بنگال میں چھڑوا دیا۔ ۱۲۹۲ء میں منگولوں نے حملہ کیا۔ سلطان نے ان کو شکست دی اور ہزاروں منگول قید کر لئے گئے انکو بھی کوئی سزا نہ دیکر سلطان نے انہیں دلی کے پاس آباد کردیا۔

ایسی حالت میں دوسرے باغیوں کی اور بھی ہمت بڑھی۔ سلطان کا بھتیجا علاؤ الدین کڑا کا حاکم تھا اس کے پاس بہت سے باغی جمع ہوگئے تھے۔ جو اس کو دلی پر قبضہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ آخر میں علاؤ الدین نے دکن پر

حملہ کرنے کا خیال کیا۔ دیوگری کے راجہ رام چندر پر اس نے یکایک حملہ کر دیا۔ راجہ کی غفلت سے علاؤ الدین کا کام آسان ہو گیا اس نے یہ افواہ بھی پھیلا دی تھی، کہ سلطان ...... فوج لیکر آرہا ہے اس کی ہمت اور ابتدائی فتح کی ایسی دھاک جمی، کہ

علاؤ الدین کی بغاوت اور جلال الدین کی وفات

راجہ رام چندر نے اسے ایلچ پور کا شہر اور بے شمار دولت دیکر اپنا پیچھا چھڑایا۔ اس حملہ کی خبر پاکر کچھ لوگوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ علاؤ الدین کو راستہ ہی میں روک کر لوٹ کا مال لے لینا چاہیئے۔ لیکن اس نے یہ بات نہ مانی اور علاؤ الدین کے بھائی الماس بیگ کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر وہ علاؤ الدین سے ملنے گیا۔ اور ساتھ میں فوج بھی نہ لے گیا۔ علاؤ الدین نے قدم بوسی کی اور اپنی جان نثاری اور وفاداری کو ظاہر کیا۔ لیکن جیسے ہی وہ اس سے بغلگیر ہوا اس کے اشارہ سے سلطان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ اور اس کی تشہیر کل فوج میں کی گئی۔

علاؤ الدین کی تاجپوشی سنہ ۱۲۹۶

علاؤ الدین فوراً دولت اور فوج جمع کرکے دلی کی طرف روانہ ہوا۔ جلال الدین کے جو امیر اس سے آکر ملتے تھے ان کو وہ دولت دیکر خوش کر لیتا تھا اور ان کے ذریعہ دوسروں کو بھی ملانے کی کوشش کرتا تھا۔ راستہ میں وہ سونے چاندی کی بکھیر کراتا تھا جس کی وجہ سے عوام بھی اس کی طرف ہو گئے، دلی پر جلال الدین کے لڑکے نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کو شکست دی گئی، اور علاؤ الدین دلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔ علاؤ الدین نہ صرف خلجی خاندان میں بلکہ مغل خاندان سے پہلے کے تمام بادشاہوں میں بہترین مسلم بادشاہ تھا۔ اس نے مسلم اقتدار کو اور وسیع کیا اور مملکت کی حدود کو بڑھایا۔

علاؤ الدین کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی دن بعد منگولوں نے پھر اپنے حملے شروع کر دیئے۔ حالانکہ ان کے پہلے دو حملے بہت زوردار نہیں تھے۔ لیکن

SOUTH INDIA
1300 A D
VINDHYA RANGE
MAHARASHTRA
GANGAS
Puri
TELINGANA
KAKATIYA KINGDOM
HOYSALAS
KINGDOM
Nellore
BAY OF
BENGAL
ARABIAN
SEA
CHOLA
PANDYAS

علاؤالدین اور منگول

۱۲۹۸ء میں جب قتلغ خواجہ ایک بڑی فوج لیکر دلی تک آگیا۔ تو ایک بار علاؤالدین بھی خوفزدہ ہوگیا۔ بڑی شدید لڑائی کے بعد منگولوں کو شکست ہوئی۔ اور ہزاروں منگول سپاہی لقمۂ اجل ہوگئے۔ علاؤالدین نے منگولوں کے حملے روکنے کے لئے کئی تدبیریں کیں۔ اس نے ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار) سپاہیوں کی ایک عالیشان فوج تیار کی۔ اس کے بعد اس نے سرحدی قلعوں کی مرمت کرائی۔ اور نئے قلعے بنوائے۔ ان قلعوں میں منتخب بہادر رکھے جاتے تھے۔ ان کے سردار بھی بہت قابل سپاہی تھے۔ پہلے وہاں کا سب سے بڑا حاکم ظفرخاں تھا۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا بااثر سردار غازی تغلق ہوا۔ اس نے دیالپور کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور منگولوں کے آنے کا انتظار نہ کرکے وہ خود ان کے ملک میں داخل ہوکر انھیں پریشان کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۰۷ء کے بعد منگولوں نے علاؤالدین کے عہد میں پھر کوئی حملہ نہیں کیا۔

علاؤالدین کی ابتدائی فتوحات اور اس کا بلند حوصلہ

علاؤالدین کو تھوڑے ہی عرصے میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ۱۲۹۴ء میں اس نے دیوگری پر حملہ کیا تھا۔ دو سال بعد وہ دلی کا بادشاہ ہوگیا۔ اس کے دو سال کے اندر اس نے اپنے دشمنوں کو اچھی طرح قابو میں کرلیا۔ اور منگولوں کو بھی مار کر بھگا دیا۔ اسی درمیان میں ۱۲۹۷ء میں اس نے گجرات پر حملہ کیا تھا۔ اس کے سپہ سالاروں نے وہاں کے راجہ کرن بگھیلا کو شکست دی اور گجرات دلی سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔ ان فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سوچنے لگا کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور دنیا کو فتح کرنے اور نیا مذہب قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ لیکن دلی کے کوتوال نے اس کی غلطی سے اُسے آگاہ کیا۔ اور اس نے ہندوستان ہی فتح کرنے پر اکتفا کیا۔ اسی کے مشورے سے اس نے شراب نوشی ترک کردی۔ اور شہر کی تمام شراب کی دکانوں کو بند کرادیا۔

اس کے بعد اس نے شمالی ہند کے بچے ہوئے حصوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

شمالی ہند کی فتح سب سے پہلے اس نے ۱۲۹۹ء میں رنتھمبھور کے چوہانوں پر حملہ کیا۔ رنتھمبھور پہلے بھی التتمش نے فتح کیا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے تھوڑے ہی دن بعد یہ پھر آزاد ہو گیا تھا۔ دلی سے مالوا اور گجرات کے راستہ پر واقع ہونے کی وجہ سے رنتھمبھور کا قلعہ بہت اہمیت رکھتا تھا۔ دوسرے راجہ ہمیر نے منگول پناہ گیروں کو بھی واپس کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس پر علاؤ الدین بہت بگڑا۔ اور اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال سے زیادہ لڑتے رہنے کے بعد ہمیر کو شکست ماننی پڑی اور ۱۳۰۱ء میں قلعہ علاؤ الدین کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد ۱۳۰۲ء میں اس نے میواڑ پر چڑھائی کی۔ اس وقت میواڑ میں رانا رتن سنگھ حکومت کرتا تھا۔ کئی مہینے کی لڑائی کے بعد ۱۳۰۳ء میں چتوڑ کا قلعہ بھی علاؤ الدین کے قبضہ میں آگیا۔ ان نئے مقامات پر حکومت کرنے کے لئے علاؤ الدین نے اپنے فرزند خضر خاں کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔

رنتھمبھور اور چتوڑ پر فتح حاصل کرنے سے سارے راجپوتانہ پر علاؤ الدین کا رعب غالب آگیا۔ اور اسے مالوا و مارواڑ کے راجاؤں کو دبانے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ دھار۔ مانڈو۔ اُجین، بھیلسا، چندیری وغیرہ کے قلعوں پر مستقل قبضہ ہو گیا۔ اور اب شمالی ہند میں کوئی ایسا حصہ نہیں رہا۔ جہاں سلطان کی حکومت نہ ہو۔

کل شمالی ہند پر قبضہ کرنے کے بعد علاؤ الدین نے جنوب کی ریاستوں کو فتح کرنے کی تدابیر کیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکے ہیں۔ اس وقت دکن میں چار خاص راجہ تھے۔ دیوگری کے یادو۔ وارنگل کے کاکتیہ۔ دوار سمدر کے ہوئیسل اور مدورا کے پانڈیہ۔ مشرقی اور مغربی ملکوں سے تجارت کرنے کی وجہ سے ان میں بہت روپیہ جمع ہو گیا تھا۔ اور ابھی تک کسی مسلمان فاتح نے

وہاں کی دولت لوٹی بھی گئی۔ علاؤالدین نے وہاں کی دولت کا کچھ حصہ حاصل کرکے ہی دلی کا تخت پایا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ دکن کی ریاستیں کمزور ہیں اس لیئے اس نے وہاں کی دولت حاصل کرنے کے لئے کئی بار فوج کشی کی۔ دیوگری کے یادو راجہ رام چندر نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ اور گجرات کے راجہ کرن بگھیلا کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ دکن کی فتح کے لئے جو سردار بھیجا گیا، وہ اسی کرن کی رعایا میں سے تھا۔ اس کا نام ملک کافور تھا۔ ۱۲۹۷ء کے حملے کے وقت وہ ایک ہزار دینار میں خریدا گیا تھا۔ اور بعد میں قابلیت اور خوبصورتی کی وجہ سے اونچے عہدے پر پہونچ گیا۔ چونکہ وہ ایک ہزار دینار میں خریدا گیا تھا اس لئے اسے ہزار دیناری بھی کہتے ہیں۔

دیوگری سنہ ۱۳۰۷ء

پہلے کافور نے دیوگری پر ہی حملہ کیا۔ راجہ رام چندر ہار گیا، اور گرفتار کر لیا گیا۔ کافور نے اس سے بہت دولت لی۔ اور اسے دلی لے گیا۔ علاؤالدین نے اسے قتل نہیں کیا۔ بلکہ اسے رائے رایان کا لقب دیکر اپنی طرف ملا لیا۔ اور سارا خراج دینے کا وعدہ کرنے پر اسے پھر دیوگری جانے کی اجازت دیدی۔

وارنگل سنہ ۱۳۰۹ء

دوسرا حملہ وارنگل کے کاکتیہ راجہ پرتاپ رُدر دیو دوم پر ہوا۔ پرتاپ رُدر دیو نے حتی الامکان مقابلہ کیا۔ لیکن آخر میں اُسے صلح کی تجویز پیش کرنی پڑی۔ اس نے سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اس جنگ میں دیوگری کے راجہ رام چندر نے بھی کافور کی مدد کی تھی۔

دوارسمدر سنہ ۱۳۱۱ء

اگلے سال سنہ ۱۳۱۰ء میں کافور پھر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اور سنہ ۱۳۱۱ء میں دوارسمدر کے سامنے پہونچ گیا۔ اس وقت وہاں پر ویر بلال سوم راجہ تھا۔ اس نے بھی جنگ کی۔ لیکن آخر میں دوسرے ہندو راجاؤں کی طرح اس کو بھی شکست ہوئی اور اسے تمام سونا چاندی، ہیرے، جواہرات اور ہاتھی گھوڑے نذر کرنے پڑے۔ ساتھ ہی اُسے

سالانہ خراج دینا بھی منظور کرنا پڑا۔ کافور نے اسے دلّی بھیجا اور وہاں اسے علاؤالدین کے سامنے خراج دیتے رہنے کا اقرار کرنا پڑا۔ علاؤالدین دکن کے راجاؤں کی دولت ہی چاہتا تھا، جان نہیں۔ اس لئے اس نے ویر بلّال کو بھی دکن واپس جانے کی اجازت دیدی۔

پانڈیہ ۱۳۱۱ء

جس وقت کافور شمالی ہند آرہا تھا، اسی وقت اسے خبر ملی، کہ پانڈیہ ریاست میں ویر پانڈیہ اپنے بھائی سندر پانڈیہ کے خلاف لڑ رہا ہے اس نے اس جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر پانڈیوں کو بھی شکست دی۔ اور ان سے بھی خوب دولت لی۔ اس کے بعد اس نے رامیشورم تک دھاوا مارا۔ اس حملہ کا ایسا اثر پڑا۔ کہ بعید جنوب کی دوسری چھوٹی ریاستیں چول اور چیر بھی دلّی کے ماتحت ہوگئیں۔

شنکر دیو یادو کی بغاوت ۱۳۱۲ء

حالانکہ کل جنوبی ہند فتح ہوچکا تھا، تو بھی کافور کو اگلے سال پھر دکن جانا پڑا۔ اس کی وجہ شنکر دیو کی بغاوت تھی۔ یادو راجہ رام چندر کے مرنے پر اس کا لڑکا شنکر دیو راجہ ہوا۔ اس نے دوارسمدر پر حملہ کے وقت کافور کی مدد نہیں کی تھی۔ اور سالانہ خراج بھیجنا بھی بند کردیا تھا۔ علاؤالدین کے پہلے حملے کے وقت بھی اس نے صلح کی شرائط کے خلاف علاؤالدین سے دوبارہ جنگ کی تھی۔ اس وجہ سے علاؤالدین کو یقین ہوگیا کہ وہ باغی ہی رہے گا۔ اس لئے اس نے کافور کو حکم دیا کہ اسے برباد کردے۔ کافور نے دیوگری پر فوج کشی کی۔ شنکر دیو ہار گیا۔ اور وہ مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد ہرپال دیو کو دیوگری کا حکمران بنا دیا گیا اور اس نے ہر سال خراج بھیجتے رہنے کا وعدہ کیا۔

علاؤالدین کا انتظام حکومت

علاؤالدین نے جتنی بڑی سلطنت قائم کی تھی اس سے قبل کوئی ہندوستانی بادشاہ نہیں کر پایا تھا۔ اس کا ایک سبب اس زمانہ کے ہندوؤں کی کمزوری اور پھوٹ

DELHI SULTANATE
1312
Lahore
SIND
Jaisalmer
Chittor
1303
MALWA
R Narbada
R Son
BENGAL
ORISSA
YADAVA
Devagiri
1307
Warangal
1309
TELINGANA
HOYSALA
KINGDOM
Madura
1311
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL

تھی لیکن دوسرا اور خاص سبب علاؤالدین کا بہترین فوجی نظام تھا۔ علاؤالدین جتنا بلند مرتبہ کا خواہاں تھا اتنا ہی حکومت کے انتظام میں ماہر تھا۔ اگرچہ وہ کچھ بھی نہ پڑھا تھا پھر بھی اس زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے بہت اچھے انتظام حکومت کی بنیاد ڈالی اس کے دو خاص مقصد تھے:۔ (۱) اندرونی بغاوتوں اور بیرونی حملوں کو روکنا اور (۲) بادشاہ کی طاقت کو بڑھانا۔

فوجی نظام

ان دونوں مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ایک بڑی طاقتور فوج کی ضرورت تھی۔ علاؤالدین نے فوج میں کئی اصلاحیں کیں۔ اس نے ہر سپاہی کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ دینے کا قاعدہ بنایا۔ فوج کے افسر بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے اور وہ انھیں سپاہیوں سے کام لیتے تھے جو سلطان کی طرف سے ان کو دیئے جاتے تھے۔ ان کی کوئی ذاتی فوج نہیں ہوتی تھی۔ ہر سوار کو ۲۳۴ ٹنکا سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ ٹنکا آجکل کے روپیہ کی طرح ایک چاندی کا سکہ ہوتا تھا۔ جو سوار دو گھوڑے رکھتے تھے انکو ۷۸ ٹنکا زائد ملتا تھا۔ علاؤالدین نے بلبن کا رائج کردہ گھوڑوں کو داغ کرنے کا طریقہ جاری رکھا۔ اس کے علاوہ وہ خود دورہ کر کے سپاہیوں کا معائنہ کرتا تھا۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ان کا تبادلہ کرتا رہتا تھا تاکہ وہ باغی نہ ہو سکیں۔ اس نے پتھر پھینکنے والی توپیں بھی تیار کرائی تھیں۔ ان توپوں کو منجلیق کہتے تھے۔ فوج کا بیشتر حصہ دلی میں ہی رہتا تھا۔ باقی فوج ضرورت کے مطابق سلطنت کے مختلف صوبوں میں رہتی تھی۔ شمال مغربی قلعوں میں زیادہ فوج رہتی تھی۔ کیونکہ اس طرف سے منگولوں کے حملے کا خوف رہتا تھا۔

بازار کا انتظام

علاؤالدین نے سپاہیوں کی تنخواہ کافی کم رکھی تھی لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف ہو۔ اس لئے اس نے دہلی اور بڑے بڑے شہروں کے لئے چیزوں کے نرخ مقرر کر دیئے تھے۔ ہر چیز بہت ارزاں کر دی گئی تھی۔ تاکہ تھوڑے سے ہی ٹنکوں میں سپاہی

کی گزر ہوجائے غریب رعایا کو بھی اس سے کچھ فائدہ ضرور ہوا ہوگا۔ سرکار کی طرف سے کئی افسر مقرر تھے جن کا کام بازار کا معائنہ کرنا تھا۔ وہ سوداگروں کے اوزان (باٹ) کی جانچ کرتے تھے۔ اور دیکھتے تھے کہ کوئی دوکاندار زیادہ دام تو نہیں لیتا یا کم تو نہیں تولتا۔ اگر کوئی شخص کم تولتے ہوئے پکڑا جاتا تھا، تو اس کے چوتڑوں سے اتنا گوشت کاٹ لیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ لوگ بچوں کو بھی کوئی چیز کم نہیں دیتے تھے۔ سوداگروں کے نام و پتے درج کر لئے گئے تھے۔ اور ان کو مقررہ نرخ پر سامان فروخت کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ سرکار کی طرف سے بھی تمام ضروری چیزیں جمع کر کے رکھی جاتی تھیں تاکہ اگر سوداگر سامان لانے یا دینے میں کچھ گڑبڑ کریں۔ تو فوج یا شہر کی رعایا کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

فوج کی تنخواہ اور دیگر سرکاری کاموں کے لئے بہت روپیہ کی ضرورت تھی۔

سرکاری آمدنی

علاؤالدین نے دکن سے بہت سی دولت حاصل کی تھی۔ سالانہ محصولوں سے بھی کافی آمدنی تھی۔ علاؤالدین کے محصول بہت سخت تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہندو اس لئے برابر بغاوتیں کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ضرورت سے زیادہ روپیہ ہے۔ میں ان کے پاس سوائے گزر بسر کے فاضل دولت نہ رہنے دونگا۔ اس وقت وہ روٹی کی ہی فکر میں رہینگے اور بغاوت کا خواب بھی نہ دیکھ سکیں گے۔ اس حکمت عملی کے مطابق اس نے دوآبہ کے ہندوؤں پر ۵۰ فیصدی اراضی لگان مقرر کیا۔ اس کے علاوہ کسانوں کو مویشیوں کے چرنے اور مکانوں کی زمین کا بھی محصول دینا پڑتا تھا۔ ہر ہندو کو جزیہ بھی دینا پڑتا تھا۔ یہ سب محصول سختی سے وصول کئے جاتے تھے۔ اس لئے سرکار کی آمدنی بڑھ گئی۔ ساتھ ہی اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ہندو بالکل غریب ہوگئے۔ ان کے گھروں میں سونا چاندی کچھ نہ رہا۔ ان کے لئے گھوڑوں یا پالکیوں پر سوار ہونا ناممکن ہوگیا۔ اور بڑے گھروں کی عورتوں کو بھی گھر سے

نکل کر مزدوری کرنے جانا پڑتا تھا۔ درحقیقت ان قانونوں کی وجہ سے ہندوؤں کی بغاوتیں بند ہو گئیں لیکن وہ صرف فوج کے ہی خوف سے خاموش تھے۔ ان میں بدامنی برابر بڑھ رہی تھی۔ اور وہ کسی وقت بھی سر اٹھا سکتے تھے۔

مسلمان امیروں کے خلاف قانون

پہلے سرکاری افسر بھی کافی روپیہ کھا جاتے تھے۔ اور دولت جمع کرنے کے بعد بغاوتیں بھی کرنے لگتے تھے۔ علاؤالدین نے مسلمانوں کو بھی اسی طرح قابو میں رکھا جس طرح ہندوؤں کو اور ان کے پاس بھی روپیہ جمع نہ ہونے دیا۔ اس نے ان کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اور جاگیریں دینا قطعی بند کر دیا۔ اگر کسی سرکاری افسر پر غبن کا شبہ ہوتا تھا۔ تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ اس نے مسلمان امیروں کی بغاوتیں روکنے کے لئے ان کا باہمی ملنا جلنا بند کر دیا۔ اس نے قانون بنا دیا تھا کہ کوئی امیر بغیر سلطان کی اجازت کے کسی دوسرے کو دعوت نہ دے۔ اور شراب ہرگز استعمال نہ کی جائے۔ امیر بغیر اس کی اجازت کے شادیاں بھی نہیں کر سکتے تھے ان کے کاموں کی نگرانی کے لئے خفیہ افسر مقرر تھے۔ جو اسے ذرا ذرا سی بات کی خبر پہونچاتے تھے۔ ان خفیہ افسروں اور سلطان کی سزاؤں کا ایسا خوف طاری ہو گیا تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں بھی سرگوشیاں کرنے سے ڈرتے تھے۔ اور سلطان کے خلاف کوئی بات سوچنے تک کی جرأت نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان امیروں کی بھی بغاوتیں بند ہو گئیں۔ لیکن خوف ہی خاص سبب تھا اس سے بادشاہ کے کمزور ہوتے ہی بغاوتیں ہو سکتی تھیں جیسا کہ آگے کے بیان سے معلوم ہوگا۔

سزائیں

علاؤالدین بہت سخت سزائیں دیتا تھا ذرا ذرا سی بات پر نہ صرف ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جاتے تھے بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں بھی دی جاتی تھیں۔ اور ان کے متعلقین کو بھی ان کے ساتھ سزائے موت دے دی جاتی تھی۔ گجرات سے واپس آنے والی فوج کے کچھ منگولوں نے بغاوت کر دی تھی۔ اس پر اس نے دلی کے سب منگولوں اور ان کے بیوی بچوں کو قتل کرا دیا تھا۔ ان

سختیوں کے باعث کوئی اس کی مخالفت کی جرأت نہ کرتا تھا۔

بیس سال تک حکومت کرنے کے بعد علاؤالدین نے انتقال کیا۔ ضعیفی میں

علاؤالدین کی وفات

اس کی عقل بھی خراب ہوگئی تھی۔ کافور اس پر ایسا حاوی ہوگیا تھا کہ وہ جو چاہتا تھا وہی کرالیتا تھا۔ اس نے علاؤالدین کے دو لڑکوں کو بھی مقید کر لیا تھا۔ علاؤالدین جب بیمار اور کمزور پڑا ہوا تھا اس وقت اسے بغاوتوں کی خبریں سنائی جاتی تھیں۔ وہ غصہ اور مجبوری کی وجہ سے ہونٹ چبایا کرتا تھا اور بہت غمگین ہوتا تھا وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کی وسیع سلطنت اسی کے سامنے لوٹ پھوٹ کر برباد ہو جائے۔ اسی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔

علاؤالدین قرونِ وسطیٰ کے عظیم الشان حکمرانوں میں سے تھا اس نے ایک

علاؤالدین کی سیرت اور اس کا مرتبہ

بے مثل سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس کا عمدہ انتظام کیا وہ مذہبی طرفداری نہیں کرتا تھا۔ اور ملا مولویوں کو سلطنت کے کاموں میں دخل نہ دینے دیتا تھا۔ سرکاری احکام کے خلاف کرنے پر وہ ہندو مسلمانوں کو یکساں سزائیں دیتا تھا۔ اور ملاؤں کو بھی سزائے موت دینے میں دریغ نہ کرتا تھا۔ سرکاری عہدے ہندو اور مسلمان دونوں کو مل سکتے تھے۔ لیکن اونچے عہدے مسلمانوں کو ہی ملتے تھے۔ مسلمان ہوجانے پر ہندو بھی اونچے عہدے حاصل کرسکتے تھے۔ اسی طرح اس نے بلبن کی حکمت عملی کو ترک کرکے ہندوؤں کا تعاون حاصل کیا۔ اس نے جنوب کی ریاستوں کو سلطنت میں شامل نہ کرکے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا۔ فوجی نظام اور بازار کے انتظام سے اس کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے ان سب اوصاف کے ہوتے ہوئے بھی اس میں کئی خرابیاں تھیں۔ وہ بہت خود غرض تھا۔ اور اپنی غرض کو پورا کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتا تھا۔ جلال الدین کے ساتھ اس نے جو سلوک کیا، وہ ہرگز معقول نہیں تصور کیا جاسکتا۔ جو جلالی سردار اس کے طرفدار ہوگئے تھے اس نے انھیں

بعد میں نکال دیا۔ اور ان کی تمام دولت ضبط کر لی۔ وہ شراب بھی بہت پیتا تھا اور چال چلن بھی بے عیب نہ تھا اس کے نظام حکومت میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ صرف خوف کی بنیاد پر سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے رعایا اس کی ممنون احسان ہوتی۔ اور اس سے کچھ انسیت بھی رکھ سکتی۔ اس نے کافور کو بہت بڑھا دیا۔ اور اپنے لڑکوں میں سے کسی کو بھی اپنے بعد حکومت کرنے کے لائق نہ بنایا۔ اسی وجہ سے اس کی وفات کے چار سال بعد ہی خلجی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

قطب الدین مبارک شاہ
سنہ ۱۳۱۶ء سنہ ۱۳۲۰ء

علاؤ الدین کی وفات کے بعد ۳۵ دن تک کافور ہی سلطنت کا مالک رہا۔ اس نے ایک ۶ سال کے بچے عمر خاں کو تخت پر بیٹھا دیا۔ اور علاؤ الدین کے تمام رشتہ داروں کو مروا ڈالا یا اندھا کرا دیا۔ صرف اس کا ایک لڑکا مبارک خاں کسی طرح بچ گیا تھا۔ کافور کے برتاؤ سے بہت سے امیر ناراض ہو گئے اور انہوں نے مبارک خاں کو مدد دیکر تخت پر بیٹھا دیا۔ کافور مار ڈالا گیا اور اسی کے ساتھ عمر خاں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مبارک نے اپنا قطب الدین مبارک شاہ کا لقب اختیار کیا۔ پہلے دو سال تک اس نے بڑی قابلیت سے حکومت کی۔ زیادتیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اور محصول ہلکے کر دیئے گئے دیوگری کے راجہ ہرپال دیو کی بغاوت فرو کر دی گئی۔ اور اس کی ریاست دلی کی سلطنت میں شامل کر لی گئی۔ تیلنگانہ کے راجہ کو دوسرا صلحنامہ کرنا پڑا جس کے مطابق سالانہ خراج بڑھا دیا گیا۔ اور اس کی ریاست کا کچھ حصہ چھین لیا گیا۔

ان فتوحات میں سلطان کے ایک غلام خسرو نے بڑی قابلیت دکھائی۔ وہ گجرات کی پرواری ذات کا ہندو تھا۔ اس کا پہلا نام حسن تھا سلطان نے اسے خسرو خاں کا خطاب دیا۔ تب سے وہ خسرو کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کا دبدبہ دربار میں بہت بڑھ گیا۔ اس نے بھی کافور کی طرح سلطنت حاصل

کرنے کی کوشش کی۔ اس کی سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرواریوں کو دربار اور محل میں کئی عہدے حاصل ہو گئے اور انہوں نے ایک دن سلطان کو مار ڈالا، خزانہ لوٹ لیا۔ اور خسرو ناصر الدین کے نام سے تخت نشین ہوا۔

ناصر الدین خسرو سنہ ۱۳۲۰ء

خسرو نے پھر سے ہندو اعزاز کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ مسلمان امیروں کو نکال کر ان کی جگہ اپنے ساتھیوں کو رکھنے لگا۔ اس نے قرآنوں کو جلوا دیا۔ اور بہت سی مسجدیں تڑوا دیں وہ اس طرح مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ ہندو رعایا کی مدد سے وہ اپنی حکومت کو مضبوط کر لیگا لیکن اس کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ ہندوؤں سے اُسے کوئی مدد نہ ملی۔ وہ اسے ذلیل سمجھتے تھے کیونکہ وہ پرواری ذات کا تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے برخلاف مسلمان امیروں نے اسلام اور اپنی فلاح کے لئے ایک انجمن بنائی۔ اس کا سردار دیالپور کا حاکم غازی تغلق تھا۔ اس متحدہ فوج نے دلی پر حملہ کیا۔ خسرو اور اس کے ساتھی شکست کھا گئے اور مار ڈالے گئے۔ غازی تغلق دلی میں داخل ہوا اور سب لوگوں کی خواہش کے مطابق اس نے سلطان بننا منظور کر لیا۔ کیونکہ اس وقت علاؤالدین کے خاندان میں کوئی نہ تھا۔ اس طرح مسلم سلطنت برباد ہونے سے بچ گئی۔

خاص تاریخیں

جلال الدین خلجی کی تخت نشینی	سنہ ۱۲۹۰ء
ملک چھجو کی بغاوت	سنہ ۱۲۹۱ء
دیوگری پر علاؤالدین کا پہلا حملہ	سنہ ۱۲۹۴ء
علاؤالدین کی تاجپوشی	سنہ ۱۲۹۶ء
فتح گجرات	سنہ ۱۲۹۷ء
قتلغ خواجہ کا حملہ	سنہ ۱۲۹۸ء

رنتھمبھور کی فتح	۱۳۰۱ء
فتح میواڑ	۱۳۰۳ء
دیوگری پر دوسرا حملہ	۱۳۰۷ء
کافور کی وارنگل پر فوج کشی	۱۳۰۹ء
دوار سمدر اور مدورا کی فتح	۱۳۱۱ء
شنکر دیو کی بغاوت	۱۳۱۲ء
علاؤ الدین کی وفات	۱۳۱۶ء
ہرپال دیو کی بغاوت	۱۳۱۸ء
قطب الدین مبارک کی موت	۱۳۲۰ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ جلال الدین کے انتظام حکومت میں کیا خرابیاں تھیں؟ ان کا کیا اثر ہوا؟

۲۔ علاؤ الدین خلجی کو سلطان ہونے میں کن باتوں سے مدد ملی؟

۳۔ علاؤ الدین کے زمانہ میں کیا خاص مشکلات تھیں؟ اس نے ان کو کس طرح دور کیا؟

۴۔ علاؤ الدین کو ایک بڑا حکمران کہتے ہیں؟ اس کے انتظام حکومت کی کیا خوبیاں تھیں؟

۵۔ علاؤ الدین کی دکن میں کیا پالیسی تھی؟ اس کی تنقید کرو۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ دکن کی ریاستوں کو شکست کیوں ہوئی؟

۶۔ یادووں اور خلجیوں کے تعلقات بیان کرو۔

۷۔ خلجی خاندان کے زوال کے کیا اسباب تھے؟

۸۔ ہندوستان کا ایک نقشہ بناؤ اور اس میں علاؤ الدین کی مملکت دکھاؤ۔ جن ملکوں کو اس نے فتح کیا تھا ان کے فتح کرنے کی تاریخ ان کے نام کے نیچے لکھ دو۔

۹۔ ناصر الدین خسرو کون تھا؟ وہ اپنی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہوا؟

اکیسواں باب
مسلم سلطنت کی وسعت
(۳) تغلق خاندان

غیاث الدین تغلق

مبارک شاہ کی لاپرواہی اور خسرو کی بغاوت کی وجہ سے خلجی سلطنت کو بہت نقصان پہونچ چکا تھا۔ دکن میں وارنگل، راجپوتانہ میں میواڑ اور مشرق میں بنگال آزاد ہو چکے تھے۔ دیگر مقامات پر بھی بغاوت کا خیال بڑھ رہا تھا۔ ادھر مرکزی حکومت کمزور ہوتی جارہی تھی۔ فوجی نظام کمزور ہوگیا تھا اور سارا خزانہ لٹا دیا گیا تھا۔ ایسی حالت میں غیاث الدین تغلق نے بڑی قابلیت سے کام لیکر سلطنت کے زوال کو روک دیا۔

انتظام حکومت

اس نے ان لوگوں کا پتہ لگایا جن کو خسرو نے روپیہ دیا تھا اور ان سے روپیہ واپس کرنے کو کہا۔ اکثر سب ہی لوگوں نے اس کا حکم مان لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا پر بغیر محصول لگائے ہی شاہی خزانہ میں پھر کافی روپیہ آگیا۔ رعایا کو خوش کرنے کے لیے غیاث الدین نے لگان کم کردیا رعایا کے جھگڑوں کو طے کرنے کے لیے اس نے عدالتیں کھولیں۔ فوج کی تنظیم پھر سے کی گئی۔ اور سلطنت میں خوش انتظامی کی گئی۔ غیاث الدین نے نہ تو علاؤ الدین اور بلبن کی طرح رعایا پر بہت سختی کی۔ اور نہ ان کو من مانی کرنے کی اجازت دی۔

بغاوتوں کا فرو ہونا

دلی کے ارد گرد امن قائم کرنے کے بعد غیاث الدین نے دور کے صوبوں کی بغاوتیں فرو کرنے کی کوشش کی۔ دکن ابھی تھوڑے دن پہلے ہی فتح کیا گیا تھا۔ وہاں کے ہندو راجہ موقع ملتے ہی بغاوت کردیتے تھے۔ اس وقت وارنگل کے کاکتیوں نے پھر بغاوت کی۔ اور ان کی

دیکھا دیکھی یادووں میں بھی بدامنی پھیلنے لگی۔ سلطان نے اپنے بڑے بیٹے جوناخاں کو اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جوناخاں کا پہلا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن دلی سے مدد ملنے پر ۱۳۲۳ء میں اس نے وارنگل پر قبضہ کر لیا۔ کاکتیوں کی کچھ ریاست خسرو نے ہی دلی سلطنت میں شامل کر لی تھی۔ باقی حصہ میں سے زیادہ تر اب مسلمان حاکم حکومت کرنے لگے اور کاکتیہ خاندان کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۳۲۴ء میں بنگال میں دخل اندازی کا موقع حاصل ہوگیا۔ بنگال میں اس وقت بہادر حکومت کر رہا تھا اس کے بھائی ناصر الدین نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ بنگال کی حکومت اسے ملنی چاہیئے۔ اسی سوال کو طے کرنے کے لئے وہ بنگال گیا اور دلی کا انتظام جوناخاں کے سپرد کر دیا۔ بہادر نے سلطان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے لڑائی ہوئی جس میں بہادر شاہ کو شکست ہوئی۔ اس نے صوبۂ بنگال کا آدھا حصہ ناصر الدین کو دینا منظور کر لیا۔ اس انتظام سے سلطان کا اثر بھی بڑھ گیا اور بنگال کے حاکموں کی طاقت کم ہوگئی۔

سلطان کی وفات ۱۳۲۵ء

جس وقت سلطان بنگال میں تھا۔ اس وقت دلی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ لوگ اس کو گدی سے ہٹا کر جوناخاں کو سلطان بنانا چاہتے تھے۔ جوناخاں اس گروہ کا سردار تھا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے سلطان کو مار ڈالنے کی عمدہ تدبیر سوچی۔ یہ طے کیا گیا کہ دلی سے ۶ میل کے فاصلہ پر ایک لکڑی کا نیا محل بنایا جائے اور سلطان کا استقبال کر کے اس کو پہلے اسی میں ٹھہرایا جائے اس محل کو اس طرح بنایا گیا کہ ایک مقررہ مقام پر زور پڑتے ہی پورا محل گر پڑے جب سلطان بنگال سے واپس آرہا تھا۔ تب اس کو اسی محل میں ٹھہرایا گیا۔ اس کی فتح کی تقریب میں فوج کا مظاہرہ کیا گیا۔ وہ محل کے اندر اپنے ایک دوسرے بیٹے کے ساتھ تھا۔ نماز کے وقت دوسرے سب لوگ باہر نکل آئے۔ سلطان ابھی اس کے اندر ہی تھا کہ محل یکایک گر پڑا۔ سلطان اسی کے اندر دب کر مر گیا۔

جوناخاں نے دیدہ دانستہ اسے کھدوا کر نکلوانے میں دیر کی۔ تاکہ وہ زندہ نہ نکل سکے اس طرح ۱۳۲۵ء میں اس قابل حکمران کی وفات ہوگئی۔

غیاث الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جوناخاں تخت نشین ہوا اور اس نے

محمد تغلق ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء

محمد تغلق اپنا لقب اختیار کیا۔ محمد تغلق نے اپنے والد کی وفات کا سبب قہر الٰہی بتایا۔ اور کئی دن تک بظاہر ماتم کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی قابلیت کا ثبوت دینے کے لئے سلطنت کی وسعت کی طرف توجہ کی۔ اس نے شمالی ہند کے کل صوبوں پر قبضہ جمالیا۔ اور وہاں کے حاکموں نے اسے اپنا سلطان منظور کر لیا۔ اس کے بعد اس نے جنوبی ہند کی طرف توجہ کی۔ اس نے دیوگری، وارنگل، دوارسمدر اور مابر (پانڈیہ ریاست کا زیادہ تر حصہ) کے لئے مسلمان حکمران مقرر کئے اور وہاں کے راجاؤں کو برطرف کر دیا۔ یہ کام اس نے ۱۳۲۷ء تک پورا کر لیا۔ یہ جنوبی ہند کے اتنے بڑے حصہ پر قبضہ کرنے والا پہلا دلی کا بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت بہت وسیع ہوگئی اس میں مغرب میں لاہور اور ملتان سے لیکر مشرق میں بنگال تک اور شمال میں کوہ ہمالیہ سے لیکر جنوب میں مابر تک کل ہندوستان شامل تھا یہ سلطنت ۲۳ صوبوں میں منقسم تھی۔

اس وسیع سلطنت میں امن اور آرام پھیلانے کے لئے اس نے معقول انتظام کیا

انتظام حکومت

اس نے علاؤالدین کی طرح ایک عظیم الشان فوج تیار کی جس کو وہ بھی نقد تنخواہ دیتا تھا۔ یہ فوج سلطنت کے مختلف حصوں میں منقسم تھی اور سلطان خود اس کا سپہ سالار اعظم تھا۔ صوبوں کے حاکموں اور مرکزی محکموں کے کام کی وہ خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس نے خفیہ افسر مقرر کئے تھے جو اسے سرکاری افسروں اور رعایا کے بارے میں خبریں دیتے تھے۔ لیکن اس کا خفیہ محکمہ بہت ماہر نہ تھا۔ وہ ہندو مسلمان، امیر غریب سب کو قانون کی پابندی کے لئے یکساں مجبور کرتا تھا۔ اور جو خلاف ورزی کرتے تھے

THE TUGHLUQ EMPIRE
1327 A.D
KASHMIR
HIMALAYA MOUNTAINS
SULAIMAN RANGE
MULTAN
BUDAUN
KANAUJ
OUDH
KARA
MALWA
GUJRAT
LAKHNAUTI
Sonargaon
DEVAGIRI
Devagiri
Warangal
JAJNAGAR
TELINGANA
DVARASAMUDRA
Dvara Samudra
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL

ان کو سخت سزا دیتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کی رسم ستی روکنے کی کوشش کی۔ اور تجارت وصنعت کی ترقی کے لئے معقول قاعدے بنائے۔

محمد تغلق کے عہد میں دلی سلطنت اوج ترقی پر پہونچ گئی اور اسی وقت سے اس کا زوال بھی شروع ہو گیا جسے روکنے کی طاقت کسی بعد کے سلطان میں ظاہر نہ ہوئی۔ سلطنت کے زوال میں جن باتوں نے مدد دی۔ ان میں سلطان کی اصلاحات بھی خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یوں تو ان اصلاحات سے بادشاہ اور رعایا کو فائدہ ہی ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن بادشاہ کی لاپرواہی اور حالات کی ناموافقت کی وجہ سے لوگ بادشاہ سے اور ناراض ہو گئے۔ ان میں اولین دوآبہ کا اضافہ لگان ہے۔ سلطان نے ۱۳۲۶ء میں علاؤالدین کی طرح دوآبہ کی زرخیز زمین کا خیال رکھتے ہوئے پیداوار کا ½ سرکاری لگان مقرر کیا۔ سلطان کے ڈر سے اہلکاروں نے لگان وصول کرنے میں کوئی رعایت نہ کی۔ حالانکہ اس وقت قحط پڑ رہا تھا۔ کسان مجبور ہو کر کھیت چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اور غلہ کی کمی کی وجہ سے آدمی آدمی کو کھانے لگا۔ ایسی حالت میں بادشاہ نے کنویں کھدوانے، غلہ تقسیم کرانے اور تقاوی دیکر زراعت شروع کرانے کی قابل تعریف تدبیریں کیں لیکن اہلکاروں کے ظلم سے عاجز آکر کچھ کسان اب بھی بھاگنے لگے۔ اس پر بادشاہ نے انہیں سخت سزائیں دیں۔ اس طرح اس اصلاح سے بادشاہ اور رعایا دونوں کو ہی نقصان پہونچا۔ اور رعایا میں بدامنی بڑھنے لگی۔

دارالسلطنت کی تبدیلی

اس اصلاح کے بعد ۱۳۲۷ء میں سلطان نے جنوبی ہند پر معقول نگرانی رکھنے کے خیال سے دلی کی بجائے دیوگری کو پایۂ تخت بنایا اور اس کا نام دولت آباد رکھا۔ دلی کے خاص خاص لوگوں کو وہاں جانے کی ترغیب دی۔ بادشاہ نے راستہ میں سرآرام کا انتظام کیا پھر بھی لوگوں کو بڑی تکلیفیں ہوئیں۔ آخر کار سلطان کو دلی کے باشندوں کو واپس جانیکی اجازت دینی پڑی۔ اس طرح اس اصلاح میں کافی مالی نقصان ہوا۔ رعایا کو کوئی

فائدہ نہ ہوا، بلکہ لوگوں میں بدامنی پھیل گئی۔

سکوں کی اصلاح

محمد تغلق کی تیسری اصلاح سکوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے عہد میں سب سے چھوٹا سکہ جیتل ہوتا تھا۔ جو ½ پیسے کے برابر ہوتا تھا۔ سلطان نے آجکل کی اکنی، دونی، چونی وغیرہ سے ملتے جلتے سکے رائج کیے۔ ان سے تجارت میں بڑی آسانی ہوگئی۔ لیکن اس کی ایک اصلاح اتنی ناکامیاب ہوئی کہ بہت سے مورخوں نے مذکورہ بالا اصلاحوں کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اس نے چاندی کی کمی کی وجہ سے تانبے کے ٹنکے چلائے اور حکم صادر کیا کہ وہ چاندی کے ٹنکے کی طرح سمجھے جائیں۔ لوگوں نے اس کا بیجا فائدہ اٹھایا اور چونکہ سلطان نے جعلی سکے پکڑنے کا معقول انتظام نہیں کیا اس لیے کروڑوں جعلی سکے بن گئے اور لوگ ان کے عوض سامان فروخت کرنے میں تامل کرنے لگے اس ناکامیابی کو دیکھکر سلطان نے سب تانبے کے سکے واپس لے لیے اور ان کے بدلے سونے کے سکے دلوا دیے اس طرح یہ اصلاح بالکل ناکامیاب ہوگئی۔ ٹنکوں کی کمی پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی سرکاری خزانہ کا بہت سا روپیہ بیکار چلا گیا اور رعایا سلطان کو خبطی سمجھنے لگی۔ اس طرح اس اصلاح سے بھی بادشاہ کی بدنامی ہوئی۔

خراسان اور ہماچل پر فوج کشی

محمد تغلق کو دوآب میں لگان (زمین) میں اضافہ کرنے، دارالسلطنت بدلنے اور تانبہ کا سکہ چلانے کی وجہ سے بہت بدنام کیا گیا ہے کچھ لوگوں نے ان کاموں کی اہمیت کو اتنا غلط سمجھا ہے کہ انہوں نے اُسے پاگل کہنے کی غلطی کی ہے جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں ان کاموں سے اس کا پاگل پن نہیں بلکہ عقلمندی اور دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے لوگوں نے محمد تغلق کی بیرونی حکمت عملی کی سخت مذمت کی ہے سب سے پہلے اُسے منگولوں کے سردار ترم شیریں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان دونوں میں جنگ نہیں ہوئی محمد تغلق نے اسے کچھ نذرانہ دیا تھا اور وہ واپس چلا گیا۔ اس ملاقات کے بعد ان دونوں میں برابر دوستی رہی۔ اور ان دونوں نے مل کر خراسان

فتح کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ کچھ خراسانی امیر محمد کے دربار میں بھی تھے انہوں نے بھی اسے حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس سے متاثر ہو کر محمد تغلق نے ایک عالیشان فوج تیار کی جس میں پونے چار لاکھ سپاہی تھے اس نے انہیں ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی دیدی۔ جب وہ ہندوستان سے روانہ ہونے والا تھا تو اسے خبر ملی کہ ترم شیریں کی وفات ہو گئی ہے اور خراسان کی اندرونی حالت بہتر ہو گئی ہے اس لئے اس نے حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ یہ بھی عقلمندی کا ہی کام تھا۔ اس نے ہمالیہ کی ترائی کے ایک راجہ پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں شاہی فوج کو بہت نقصان پہونچا کیونکہ اس کے سپاہیوں کو پہاڑی ملک میں لڑنے کا تجربہ نہ تھا جب وہ اپنی ناکامی کی داستان سنانے کے لئے بادشاہ کے پاس گئے تو وہ اتنا ناراض ہوا کہ اس نے ان سب کو مروا ڈالا۔ یہ کام ضرور نامناسب، ظالمانہ تھا۔ لیکن پاگل پن کی بُو اس سے بھی نہیں آتی۔ اس لئے اُسے پاگل کہنا قطعاً ناانصافی اور زبردستی ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اپنے عہد حکومت میں غلطیاں نہیں کیں۔

بغاوت اس کی جلد بازی، سخت سزائیں، پردیسیوں کی حد سے زیادہ عزت اور نئے کاموں کے کرنے کی خواہش کچھ ایسی خرابیاں تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ کامیاب حکمران نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید اس کی قسمت میں مصیبتیں برداشت کرنا ہی تھا اسی لئے بار بار قحط بھی پڑے۔ سلطنت بہت وسیع ہو گئی تھی۔ آنے جانے کے ذرائع بہت معمولی تھے۔ اور سلطان کے پاس علاؤالدین کے مانند کافور، ظفر خاں، غازی تغلق یا نصرت خاں جیسے قابل سپہ سالار بھی نہ تھے اس لئے اگر کہیں بغاوت ہوتی تھی تو اسی کو بھاگ بھاگ کر جانا پڑتا تھا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد کے عہد حکومت میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں جن کی وجہ سے سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ پہلی بغاوت ۱۳۳۴ء ۱۳۳۵ء میں ہوئی۔ اس کا سردار مابر کا حاکم جلال الدین احسن شاہ تھا۔ اس نے

خیال کیا کہ بادشاہ اسے فرو کرنے نہ آسکیگا کیونکہ اس وقت دوآب کی حالت بہت خراب تھی۔ سلطان اسے دبانے کے لئے دکن آیا۔ لیکن راہ میں ہی بیماری پھیل جانے کی وجہ سے اسے واپس جانا پڑا۔ اور مابر آزاد ہو گیا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۳۳۶ء میں وجے نگر ریاست کی بنیاد پڑی۔ ۱۳۳۷ء میں بنگال میں بھی بغاوت ہو گئی۔ سلطان وہاں بھی نہ جا سکا۔ اس لئے دوسرے صوبوں میں بھی آتش بغاوت بلند ہونے لگی۔ دکن میں کرشن نایک نے ہندوؤں کی ایک جماعت بنائی وہ خود کاکتیہ خاندان سے تھا۔ اس کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ وارنگل، دوارسمدر مکمل آزاد ہو گئے۔ ان لوگوں کی آزادی کی خبر پاکر مالوا دکن اور گجرات کے غیر ملکی امیروں نے بھی سازشیں شروع کیں۔ انہوں نے ۱۳۴۷ء میں سرکاری افسروں کو برطرف کردیا۔ اور حسن کانگو نامی ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنایا۔ حسن کانگو نے دیوگری کو اپنا پایہ تخت بنایا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی، جو بہمنی خاندان کے نام سے مشہور ہوا۔ محمد تغلق ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے دکن آیا لیکن اسی وقت گجرات میں بغاوت ہوئی۔ سلطان جیسے ہی گجرات کی طرف گیا دیوگری آزاد ہو گیا۔ سلطان گجرات کے باغی سردار تغی کا پیچھا کرتا ہوا صوبہ سندھ میں پہونچ گیا۔ اور وہیں ۱۳۵۱ء میں ٹھٹہ نامی شہر میں مر گیا۔ اس کی وفات کے وقت دلی سلطنت کی وسعت ۱۳۴۷ء کی بہ نسبت بہت کم ہو گئی تھی۔

محمد تغلق کی ناکامیابی کے اسباب

اس طرح ایک عالم لیکن بدنصیب بادشاہ کا خاتمہ ہوا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہوا تھا اور اس کے عہد میں برابر قحط پڑے اس کا زبان۔ علم و ادب، تاریخ، منطق وغیرہ کا علم اور حکومت کا تجربہ کسی کام نہ آیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح اپنے چچا کو قتل کرنے کی وجہ سے علاؤالدین کا آخری وقت بہت ہی تکلیفوں میں گذرا تھا اسی طرح محمد تغلق کو بھی اپنے باپ کو قتل کرنے کا نتیجہ اٹھانا پڑا۔ اور وہ کبھی آرام سے نہ رہ سکا۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ اس کی ناکامیابی کا ایک خاص سبب اس کی عجیب و غریب باتیں تھیں۔ یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ اسی وقت قہر الٰہی بھی نازل ہوا جس کی وجہ سے رعایا کی ناراضگی بڑھ گئی۔

فیروز تغلق

محمد تغلق کی وفات کے وقت اس کا چچا زاد بھائی فیروز تغلق اس کے ساتھ تھا۔ فوج کے سرداروں نے اس سے درخواست کی کہ وہ تاج شاہی قبول کر لے۔ پہلے تو اس نے انکار کیا۔ لیکن جب لوگوں نے بہت ضد کی تو اس نے ان کی بات مان لی۔ وہ ٹھٹھہ سے روانہ ہو کر دلی آیا۔ اور وہیں اس کی تاجپوشی ہوئی۔ محمد تغلق فیروز کو بہت چاہتا تھا۔ اس کی تعلیم کا معقول انتظام کیا گیا تھا۔ اور اسے انتظام میں بھی کافی واقفیت تھی۔ محمد تغلق نے اپنی زندگی میں ہی اس کو اپنا جانشین بنانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ فیروز کے تخت پر بیٹھتے ہی حکومت کا طریقہ بدل گیا۔ فیروز اپنے مذہب کا سخت پابند تھا۔ اور شاہی طاقت کو اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے صرف کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس کے عہد میں کچھ مذہبی مظالم بھی ہوئے۔ وہ اچھا سپاہی نہیں تھا اور اکثر مسلمانوں کا خون بہانے سے ڈرتا تھا۔ اسی لئے باغی صوبوں کو دوبارہ فتح نہ کیا جا سکا۔ انتظام حکومت کی اس میں کافی استعداد تھی۔ اس نے ایسا انتظام کیا کہ سلطنت گھٹتے ہوئے بھی سرکار کی آمدنی بڑھ گئی۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ اس کی ماں راجپوتنی تھی۔ اسی لئے وہ اتنا کامیاب حکمران ثابت ہوا۔

فیروز کے ابتدائی کام

اس نے اپنے بھائی محمد کی روح کو خوش کرنے کے لئے ان سب لوگوں سے معافی نامے لکھائے جو اس سے ناراض تھے۔ اور ان معافی ناموں کو اس کی لاش کے ساتھ دفن کرا دیا۔ پھر اس نے یہ حکم صادر کیا کہ جو محصول قرآن میں نہیں لکھے ہیں وہ بند کر دیئے جائیں اس سے رعایا کا بار ہلکا ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی حکم دیا کہ جزیہ سب ہندوؤں

کو دینا پڑے گا۔ اس حکم سے برہمن ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ محصول معاف نہ کیا گیا۔ تو ہم قصر شاہی کے سامنے بھوک ہڑتال کر کے جان دے دیں گے۔ جب فیروز کو یہ اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور اس نے کہا کہ جتنی جلدی آپ مرنے میں کامیاب ہوں اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ بعد میں ہندوؤں کو گمراہ کرنے والا تو کوئی نہیں رہے گا۔ اس طرح برہمنوں کی بھوک ہڑتال جاری رہی۔ آخر میں دوسری قوموں کے ہندوؤں نے سلطان سے درخواست کی کہ برہمنوں سے جتنا روپیہ لینا ہے وہ بھی ہم سے لے لیا جائے اور ان کو اس محصول سے معاف کر دیا جائے۔ پہلے فیروز یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا، لیکن بعد میں وہ اس بات پر رضامند ہو گیا۔ جب برہمنوں کو یہ بتایا گیا، کہ انہیں محصول نہ دینا پڑے گا۔ تو انہوں نے بھوک ہڑتال بند کر دی۔

فیروز کے زمانہ تک ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا بہت دی جاتی تھی۔ لیکن اس نے کہا کہ خدا کے بندوں کو بدشکل کرنے کا ہمیں کوئی اختیار نہیں اور اس نے اس غیر انسانی طریقہ سزا کو بند کر دیا۔ اس سے سلطان کی فطرتی رحم دلی کا ثبوت ملتا ہے۔

فیروز کے عہد میں بہت کم لڑائیاں ہوئیں۔ اور جو ہوئیں بھی ان سے

فوجی ناقابلیت

سلطان کی پوری ناقابلیت ظاہر ہوتی ہے اسے سلطنت کی توسیع کی خواہش نہ تھی پھر بھی ۱۳۵۳ء میں اس نے بنگال پر فوج کشی کی اس کا خیال تھا کہ بنگال پر آسانی سے قبضہ ہو جائیگا۔ اور لوگ سمجھیں گے کہ بادشاہ ایک قابل سپہ سالار بھی ہے۔ لیکن نتیجہ بالکل خلاف ہوا۔ بنگال کے حاکم حاجی الیاس نے اکدالا کے قلعہ کے اندر سے لڑائی جاری رکھی۔ جب قلعہ فتح ہونیوالا تھا اس وقت عورتوں اور بچوں نے خوف کی وجہ سے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ یہ خبر پا کر سلطان دلی واپس چلا گیا۔ اور بنگال پہلے کی طرح آزاد ہو رہا۔

۷۰-۱۳۵۹ء میں اس نے ایک بار پھر بنگال پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ

وہ ظفر خاں کو بنگال دلانا چاہتا تھا۔ بنگال کا حاکم سکندر شکست کھا گیا اور اس نے ظفر خاں کو سونار گاؤں کا صوبہ دینا منظور کر لیا۔ ظفر خاں نے سلطان کے ساتھ دلی جانا ہی اپنے لئے بہتر سمجھا۔ اس لئے اس نے وہاں کا حاکم ہونا منظور نہ کیا۔ فیروز نے قرآن شریف سے فال نکال کر یہ طے کرنا چاہا کہ سنار گاؤں کا حاکم کسے بنایا جائے۔ شگون یا فال کے مطابق ظفر خاں کو ہی مقرر کرنا چاہیئے تھا لیکن چونکہ وہ راضی نہ تھا اس لئے سنار گاؤں بھی سکندر کے قبضہ میں ہی رہا۔ اس طرح بنگال کے حملے بریکار رہے۔ اور سرکاری خزانہ کا بہت سا روپیہ ضایع ہوا۔

اسی طرح ۶۳-۱۳۶۲ء میں جب اس نے سندھ پر حملہ کیا تو سلطان کی فوج راستہ ہی بھول گئی۔ بعد میں جب وہ ٹھٹہ پہونچی بھی تو اس نے قلعہ کا محاصرہ کرکے ہی اسے فتح کرنا چاہا۔ جس میں بہت وقت خراب ہوا۔ اس حملہ سے بھی سلطنت کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔

بہمنی سلطنت کے ایک سردار نے فیروز کے پاس ایک خط حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن اس نے اس سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ فیروز کو صرف دو مقاموں پر کچھ کامیابی ہوئی۔ اس نے بنگال سے واپس آتے وقت جاج نگر (اڑیسہ) پر قبضہ کر لیا۔ اور نگر کوٹ کے راجہ کو بھی اپنی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور کیا۔

نظام فوج سلطان ایک خراب سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ اس نے فوجی نظام بھی خراب کر دیا۔ اس نے بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو بھی فوج میں رہنے کی اجازت دیدی۔ ان کے مرنے یا نوکری چھوڑنے پر وہ ان کے رشتہ داروں کو نوکر رکھ لیتا تھا۔ خواہ وہ سپاہی ہونے کے لائق ہوں یا نہ ہوں تیسرے وہ تنخواہ کے بدلے میں جاگیریں دینے لگا۔ حالانکہ علاؤ الدین اور محمد تغلق نے جاگیریں دینا بند کر دیا تھا۔ اس رسم سے سپاہیوں پر بادشاہ کا اثر کم ہو گیا۔

اور نااہل اور ضعیف سپاہیوں کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی۔

سلطان نے سرکاری آمدنی بڑھانے کی بہت سی تدابیر کیں اس نے دریائے

سرکاری آمدنی میں اضافہ

جمنا اور ستلج سے نہریں نکلوائیں جس کی وجہ سے بہت سی بنجر زمین کام میں آنے لگی اور اس کے لگان سے سرکاری آمدنی بڑھنے لگی۔ دوسرے آبپاشی کا محصول دینا پڑتا تھا جو پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ لیا جاتا تھا اس سے سرکار۔ اور رعایا دونوں کو فائدہ ہوا فیروز نے کئی سرکاری کارخانے بھی کھولے اور ان میں بنی ہوئی چیزوں کو فروخت کر کے بڑا فائدہ اٹھایا ان کارخانوں میں کام کرنے کیلئے وہ ان لوگوں کو رکھتا تھا جو معاش نہ حاصل کر سکتے ہوں اور سلطان کے غلام بننے کو تیار ہوں اس طرح اس نے ایک لاکھ اسی ہزار غلاموں کی کسب معاش کا انتظام کیا اور ساتھ ہی سرکاری آمدنی بھی بڑھائی۔ تیسرا کام اس نے یہ کیا کہ اس نے ۱۲۰۰ بڑے بڑے باغ لگوائے جن کی پیداوار سے بھی سرکار کو فائدہ ہوتا تھا۔

فیروز امن پسند بادشاہ تھا وہ چاہتا تھا کہ رعایا آرام سے رہے اور ملک میں

فیروز کے دیگر کام

تجارت اور زراعت کی ترقی ہوتی رہے۔ جو دولت اس نے جمع کی۔ اس میں سے زیادہ تر اس نے غریبوں اور فقیروں کی امداد میں خرچ کی۔ اس میں ایک یہی خرابی تھی کہ وہ خود کو صرف مسلمانوں کا محافظ سمجھتا تھا اس لئے اس نے غریب ہندوؤں کو اسی وقت مدد دی جبکہ وہ مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔ یہ صرف اس وقت کی خرابی ہے اس وقت بہت ہی کم لوگوں میں مذہبی کشادہ خیالی تھی۔ اس کے زمانہ میں عام طور پر رعایا خوش تھی۔ لیکن جاگیرداری، مذہبی طرفداری اور فوجی نظام کی کمزوری نے سلطنت کے زوال کو اور بھی یقینی بنا دیا۔

فیروز کے جانشین

فیروز کی وفات ۱۳۸۸ء میں ہوئی اس کے بعد بھی دس سال تک تغلق خاندان کے حکمران دلّی کے مالک بنے رہے۔

لیکن وہ قابل نہ تھے اس لئے صوبوں کے حاکموں کی طاقت بڑھ گئی اور نئی آزاد ریاستیں بننے لگیں۔ اسی درمیان میں ۱۳۹۸ء میں سمرقند کے حاکم تیمور لنگ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔

تیمور کا حملہ

تیمور نے مغربی ایشیا اور وسط ایشیا میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی وہ ہندوستان پر بھی حملہ کرنے کا خواہاں تھا اس کے سپاہی اتنی دور آنے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے اس نے بھی مذہب کی آڑ لی۔ اس نے کہا کہ ہندوستان میں اسلام کا زوال ہو رہا ہے اسے روکنے اور اسلام کا اقتدار پھر سے قائم کرنے کے لئے ہندوستان پر حملہ کرنا ضروری ہے سپاہیوں کو یہ بھی لالچ دیا گیا۔ کہ ہندوستان بہت مالدار ملک ہے اسلئے وہاں مال غنیمت بھی خوب ملیگا۔

تیمور کا پہلا وار ملتان پر ہوا۔ اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے کل پنجاب پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اب تیمور کی فوج نے دلی کی طرف کوچ کیا۔ وہاں پچاس ہزار سپاہیوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن فتح تیمور کو ہی ہوئی اور تغلق سلطان محمود شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔

تیمور اب دلی میں داخل ہوا۔ زیادہ سے زیادہ مال غنیمت حاصل کرنے کیلئے اس نے یہ دھمکی دی کہ دلی کے سب لوگوں کو قتل کر دیا جائیگا۔ کیونکہ انہوں نے اس کا مقابلہ کیا تھا بہت سے مسلمان فقیروں اور شہر کے امیروں نے اسے سمجھا بجھا کر یہ حکم رکوا دیا۔ انہوں نے خود اس کے پاس بہت سی دولت بھجوانے کا وعدہ کیا۔ جب وہ روپیہ مل گیا تو تیمور کی فوج نے شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ تیمور نے ظاہر کیا کہ فوج اس کے احکام کے خلاف ایسا کر رہی ہے لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس لوٹ مار میں ہزاروں آدمی مار ڈالے گئے۔ سینکڑوں خوبصورت عمارتیں منہدم کر دی گئیں اور شہر کی کل دولت بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھ لگی۔

تیمور کا واپس جانا

دلی کی لوٹ کے بعد تیمور میرٹھ، ہردوار ہوتا ہوا راستہ کے مقامات کو غارت کرتا اور جلاتا ہوا اپنے ملک کو

واپس چلا گیا۔ اس نے خضر خاں کو اپنا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور پنجاب کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ خضر خاں کو لاہور میں رہ کر پنجاب پر حکومت کرنیکا حکم ہوا۔ تیمور اپنے ہمراہ ہندوستانی معماروں کو بھی لے گیا جنہوں نے سمرقند میں اس کے لئے بہت سی عمارتیں تعمیر کیں۔ ان میں سے ایک شاندار مسجد ابھی تک موجود ہے۔

تیمور کے حملہ کے بعد تغلق خاندان کی باقی ماندہ طاقت اور عزت بھی ختم ہوگئی

تغلق خاندان کے زوال کے اسباب

گجرات، مالوا اور جونپور میں نئی نئی آزاد ریاستیں بن گئیں اور راجپوتانہ کے ہندو حکمران بھی آزاد ہوگئے سنہ ۱۴۱۲ء میں جب محمود تغلق کی وفات ہوگئی تو ہمیشہ کے لئے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

درحقیقت محمد تغلق کے ہی زمانہ سے اس خاندان کا زوال شروع ہوگیا تھا۔ سنہ ۱۳۲۷ء میں تغلق سلطنت اوج ترقی پر تھی لیکن محمد کی نئی تجویزوں، کڑی سزاؤں بہت سے قحطوں اور دور دراز کے صوبوں میں غیر ملکی امیروں کی سازشوں کی وجہ سے سلطان کا اقتدار کم ہونے لگا۔ سنہ ۱۳۳۴ء اور سنہ ۱۳۵۱ء کے درمیان مابر، بنگال، وجے نگر، دوارسمدر، وارنگل، کمپلی، دیوگری اور سندھ میں آزاد ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ اسی طرح پورا دکن اور شمالی ہند کے ایک سرے پر بنگال اور دوسرے سرے پر سندھ تغلق سلطنت سے علیحدہ ہوچکے تھے فیروز میں اتنی فوجی قابلیت نہ تھی کہ کھوئے ہوئے مقامات کو واپس لے سکتا۔ اس کی مذہبی طرفداری اور جاگیریں دے کر اور رسم غلامی کو زیادہ رائج کرکے سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کردی تھیں۔ فیروز کے جانشین بالکل ناکارہ اور نالائق تھے اس کے عہد میں امیروں کے گروہ بننے لگے جن کی وجہ سے دہلی میں اور بدانتظامی پھیلنے لگی ایسی حالت میں تیمور کا حملہ ہوا جس نے تغلقوں کی فوج اور دولت دونوں کا صفایا کردیا۔ اور اسے بربادی کے نزدیک پہونچا دیا۔ ہندو راجاؤں اور مسلمان امیروں نے اپنی خواہش اور طاقت کے مطابق جگہ

جگہ پر آزاد ریاستیں بنا لیں اور ان کو کوئی روکنے والا نہ رہا۔ اس طرح جس زوال کی ابتدا محمد تغلق کے عہد میں ہوئی تھی وہ محمود تغلق کی وفات کے ساتھ انتہا کو پہونچ گیا۔ اور دلی میں ایک نئے خاندان کی حکومت کی بنیاد پڑی۔

خاص تاریخیں

غیاث الدین تغلق کی تخت نشینی	۱۳۲۰ء
فتح دکن	۱۳۲۳ء
بنگال کی بغاوت	۱۳۲۴ء
محمد تغلق کی تاجپوشی	۱۳۲۵ء
دوآب میں اضافہ لگان	۱۳۲۶ء
دارالسلطنت کی تبدیلی	۱۳۲۷ء
تانبے کا سکہ چلانا	۱۳۳۰ء
بغاوتیں	۱۳۳۴ء - ۱۳۵۱ء
محمد تغلق کی وفات	۱۳۵۱ء
فیروز کا سلطنت حاصل کرنا	۱۳۵۱ء
بنگال پر پہلا حملہ	۱۳۵۳ء
بنگال پر دوسرا حملہ	۱۳۵۹-۶۰ء
جاج نگر اور نگر کوٹ کی شکست	۱۳۶۰-۶۱ء
سندھ پر حملہ	۱۳۶۲-۶۳ء
فیروز کی وفات	۱۳۸۸ء
تیمور کا حملہ	۱۳۹۸ء
محمود تغلق کی وفات	۱۴۱۲ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ غیاث الدین نے انتظام حکومت میں کیا اصلاحیں کیں؟

۲۔ محمد تغلق کے عہد میں کون کون سے مقامات سلطنت میں شامل کیے گئے؟
۳۔ محمد تغلق نے کونسی نئی تجویزیں بنائیں؟ ان سے رعایا کو کیا نفع یا نقصان ہوا؟ سلطان پر اس کا کیا اثر پڑا؟
۴۔ محمد تغلق کے عہد میں اتنی زیادہ بغاوتیں کیوں ہوئیں؟ وہ ان کو فرد کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہوا؟
۵۔ فیروز تغلق نے رعایا کے فلاح و بہبودی کے لئے کیا کام کئے؟
۶۔ فیروز تغلق کی لڑائیوں کا حال بیان کرو، ان کا کیا اثر پڑا؟
۷۔ فیروز کے انتظام حکومت میں کیا خرابیاں تھیں؟
۸۔ تیمور کے حملہ کے کیا اسباب تھے؟ اس کے حملہ کا کیا اثر ہوا؟
۹۔ تغلق خاندان کے زوال کی ذمہ داری کن بادشاہوں پر زیادہ ہے؟

بائیسواں باب

سیّد خاندان

بد نظمی کے اسباب

ہندوستان میں مسلم اقتدار قائم ہونے کے وقت سے ہم برابر دیکھتے آئے ہیں کہ تین طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف لڑتی رہی ہیں سب سے بڑی طاقت دلی کے بادشاہوں کی تھی۔ وہ پورے شمالی ہند پر قبضہ کرنے کے خواہاں تھے۔ اور ان میں سے کچھ نے تھوڑے زمانہ کیلئے جنوبی ہند پر بھی اقتدار قائم کرلیا تھا۔ ان سلطانوں کو برابر ہندو راجاؤں اور سرداروں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ شمال میں کانگڑا، نیپال اور بھوٹان کی ریاستیں برابر آزاد رہیں۔ کانگڑا بہت موقع کی جگہ تھی کیونکہ وہاں کے

قلعہ پر قبضہ کر لینے کے بعد شمالی پنجاب پر اقتدار قائم رکھنا آسان ہو جاتا تھا۔ اس لئے کئی بادشاہوں نے اُسے فتح کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن زیادہ دن تک وہ اُسے قبضہ میں نہ رکھ سکے۔ وسط ہند میں راجپوتانہ تقریباً ہمیشہ آزاد رہا۔ علاؤالدین نے میواڑ پر قبضہ کرکے پورا راجپوتانہ اپنے قبضہ میں کر لیا تھا لیکن ۱۵ سال بعد ہی میواڑ پھر آزاد ہو گیا۔ اور رانا کمبھا اور رانا سانگا کی کوششوں سے دلّی کی برابری کرنے لگا۔ راجپوتانہ میں اجمیر اور اس کے آس پاس کا ملک زیادہ تر مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ صوبہ متوسط میں اڑیسہ اور گونڈوانہ بھی اکثر آزاد رہے۔ اور اڑیسہ کے راجاؤں نے تو کئی بار بنگال کے حکمران پر حملہ کرکے اس صوبہ کا کچھ حصّہ اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ جنوبی ہند میں ۱۳۰۷ء کے بعد مسلم اقتدار قائم ہونا شروع ہوا۔ اور ۱۳۴۳ء تک اس کی طاقت کم ہونے لگی۔ لیکن بابر اور بہمنی دو مسلم ریاستیں قائم ہو گئی تھیں جن سے وجے نگر کی ہندو ریاست کو برابر لڑنا پڑا۔ اس سے پہلو جنگ میں وجے نگر نے بابر کو تو ہڑپ کر لیا۔ لیکن بہمنی ریاست کے جانشینوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں، کہ ہندو ریاستیں ہمیشہ بنی رہیں اور مسلم حکمرانوں کو پریشان کرتی رہیں۔ ان ریاستوں کے علاوہ کھوکھر، میواتی، کٹیہر، کمپل، کالپی، اٹاوہ وغیرہ کے ہندو سردار بھی برابر مسلم سرداروں کو تنگ کرتے رہے۔ ہندو مخالفت کی وجہ سے دلّی سلطنت طاقتور نہ رہ پاتی تھی۔ اور جیسے ہی کوئی نالائق حکمران تخت نشین ہوتا تھا۔ ویسے ہی ہندو طاقتور ہونے لگتے تھے۔ لیکن ان میں کوئی ایسا سردار نہ تھا جو سب کی طاقت کو متحد کرکے مسلم حکومت کا خاتمہ کر دیتا۔

اس طرح اس عہد میں جو دوسری طاقت ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی تھی، وہ ہندو ریاستوں اور چھوٹے سرداروں کی تھیں۔ تیسری طاقت ترک امیروں کی تھی۔ سب سردار خود کو بادشاہ ہونے کے قابل سمجھتے تھے۔ اور ہمیشہ اسی تاک میں رہتے تھے کہ دلّی پر قبضہ ہو جائے یا کم از کم کسی دوسرے مقام پر ہی ہماری

۰محمد غاؤس کی قبر میں جالی کا کام

آزاد ریاست قائم ہو جائے۔

ان طاقتوں کے باہمی جھگڑوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلّی سلطنت کبھی مستقل

صوبوں میں آزاد ریاستوں کی ابتداء

امن و سکون سے نہ رہ سکی۔ تغلق خاندان نے ایک بار مسلم اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ اور کل طاقت کا مرکزی نظام دلّی میں ہی رکھا۔ لیکن تھوڑے دن بعد پھر بغاوتیں ہونے لگیں اور بنگال، سندھ، میواڑ، وجے نگر، بہمنی، بابر وغیرہ آزاد سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اندرونی بغاوتوں اور امیروں کی سازشوں نے جب دلّی سلطنت کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا۔ اسی وقت تیمور کا حملہ ہوا۔ اس حملہ نے صوبوں کے حاکموں کو آزاد ہونے میں بڑی مدد پہونچائی۔ اور تین چار سال کے اندر ہی جونپور (۱۳۹۹ء) مالوا (۱۴۰۱ء) اور گجرات (۱۴۰۱ء) کی نئی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان ریاستوں کو شکست دیکر کل شمالی ہند کو ایک سلسلہ حکومت میں باندھنے کی طاقت کسی دلّی کے بادشاہ میں نہ ہوئی اور یہ ریاستیں تقریباً ۱۵۰ سال تک آزاد بنی رہیں۔ سولہویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں ہندوؤں کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ اور وجے نگر کا کرشن دیوراے اور میواڑ کا رانا سانگا اگر اڑیسہ کے گنگوں سے ملکر کام کرتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی۔ لیکن اس عہد میں ہر شاہی خاندان خواہ ہندو خواہ مسلمان اپنے پڑوسیوں سے لڑ رہے تھے۔ اس لئے آگے چل کر بابر کے خاندان والوں نے ان سب کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ اور پھر پورے ہندوستان کو ایک بادشاہ کے زیر اقتدار لانے کی کوشش کی۔

ان نئی ریاستوں کے بن جانے سے ایک بڑی خرابی یہ ہوئی کہ باہمی لڑائیاں بہت

صوبوں کی ریاستوں کا اثر

ہونے لگیں۔ جن کی وجہ سے رعایا کو بہت نقصان ہوا۔ اسی وجہ سے بابر کو بھی اپنی سلطنت قائم کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ لیکن ان کے بن جانے سے اسلام کا رواج بڑھ گیا۔ صنعت و حرفت و علم و ادب کی کافی ترقی ہوئی۔ جتنی بھی مسلمانی ریاستیں تھیں

وہ اسلام کی نشرواشاعت میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور دیتی تھیں اور ان میں ک
سلطان بھی ہوئے جنہوں نے زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بنایا اور انکار ک
والوں کو قتل کرادیا۔ عموماً سب ہی راجا اور سلطان اپنی دارالسلطنتوں ک
عمارتوں سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح ہر ریاست میں
طرز تعمیر رائج ہوگئی اور صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی۔ سب ہی درباروں میں
کی تعظیم ہوتی تھی۔ اس لئے علم ادب کی ترقی ہوئی۔ کئی شاہی خاندانوں نے
کی زبانوں کی سرپرستی کی اور ان میں عمدہ کتابیں تصنیف ہونے لگیں۔

خضر خاں سید

تغلق خاندان کے زوال کے بعد دلی کی سلطنت بھی ایک صوبہ کی ط
رہ گئی۔ لیکن دلی سے تعلق ہونے کی وجہ سے اس سلط
کی تاریخ کا اثر ہندوستان کی آئندہ زندگی پر بہت
اس لئے ہم صوبوں کی ریاستوں کی سیاسی تاریخ بیان نہ کرنے پر بھی دلی کی تا
کو مغلوں کے آنے کے وقت تک پڑھیں گے۔ محمود تغلق کی وفات کے بعد
میں بڑی گڑبڑ مچ گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر دولت خاں نے دلی کے سلط
ہونے کا اعلان کردیا۔ اس کے خلاف جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگیں۔ خضر خاں
نے فوراً دلی پر حملہ کردیا۔ اور ۱۴۱۴ء میں دولت خاں کو ہٹا کر خود دلی پ
قبضہ کرلیا۔ خضر خاں خود کو سلطان نہیں کہتا تھا۔ اور تیمور کے لڑکے کو اپنا
سمجھتا تھا۔ خضر خاں دلی کا حکمران تو ہوگیا۔ لیکن اُسے بڑی مشکلات کا سا
کرنا پڑا۔ تازیست اسے دوآب، کٹیہر اور راجپوتانہ کے دیگر سرداروں س
لڑنا پڑا۔ وہ بار بار بغاوتیں کرتے تھے۔ اور خراج دینا بند کردیتے تھے۔ تاہم
خضر خاں نے کبھی کسی کو بلاوجہ نہیں ستایا اور نہ خونریزی ہی کی۔

مبارک شاہ ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۴ء

خضر خاں کی وفات کے بعد اس کا لڑکا مبارک شاہ تخت پر
بیٹھا۔ اس نے خود کو سلطان مانا۔ اور اپنے نام کے آگے
خاں کے بجائے شاہ لکھنے لگا۔ اس کے عہد سلطنت

میں بھی امن و امان نہ رہا۔ دوآب، میوات اور مشرقی راجپوتانہ میں تو بغاوتیں ہو رہی تھیں، پنجاب اور ملتان میں بھی بغاوتیں ہونے لگیں۔ سلطان کی پوری طاقت ان بغاوتوں کو فرو کرنے میں لگ گئی۔ اس نے باغی سرداروں کو ہٹا کر دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔ مبارک شاہ نے جن لوگوں کو اونچے عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ وہ ناراض ہو گئے۔ اور انہوں نے ۱۴۳۴ء میں ایک سازش کر کے سلطان کو مار ڈالا۔

مبارک کے بعد جتنے سلطان ہوئے وہ سب نا قابل تھے اور ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ بغاوتوں کو فرو کر سکیں ان حکمرانوں میں آخری سلطان کا نام عالم شاہ تھا۔

عالم شاہ

پہلے اس نے دلی پر اپنا قبضہ رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو وہ وہاں سے بدایوں چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بہلول لودی نے دلی پر قبضہ کر لیا اور ۱۴۵۱ء میں ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد پڑی۔ عالم شاہ آرام سے بدایوں میں رہتا رہا۔ اور ۱۴۷۶ء میں اس کی وفات ہو گئی۔

سید خاندان کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تیمور کے حملہ کے بعد دلی کے بادشاہوں کی طاقت برابر کم ہوتی چلی گئی۔ اور سید سلطان پھر سے طاقت حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ ہندوؤں نے اس وقت تقریباً کل دلی سلطنت میں بغاوتیں کیں۔ لیکن وہ اتنے زوال پذیر ہو چکے تھے۔ کہ وہ دلی سے سیدوں کو ہٹا کر اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوئی متحدہ کوشش نہ کر سکے۔ اس وقت ہندوؤں میں کوئی ایسا سردار نہیں پیدا ہوا جو ہندوؤں کی منتشر فوجی اور سیاسی طاقتوں کو متحد کر کے وسط ہند میں ایک طاقتور سلطنت قائم کر سکتا۔ ان کی بغاوتیں الگ الگ مقاموں پر ہوتی تھیں۔ ان کا مقصد صرف یہ رہتا تھا، کہ خراج نہ دینا پڑے۔ اس لئے سیدوں کے بعد بھی ایک دوسرا خاندان ہی دلی کا حکمران ہوا۔

خاص تاریخیں

خضر خاں سید کا دلی پر قبضہ	۱۴۱۴ء
مبارک شاہ کی تاجپوشی	۱۴۲۰ء
عالم شاہ کا بدایوں جانا	۱۴۵۱ء
عالم شاہ کی وفات	۱۴۷۸ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ خضر خاں نے سلطان کا خطاب کیوں نہیں اختیار کیا؟ اس نے سلطنت دلی کی طاقت بڑھانے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟

۲۔ سید خاندان کے زوال کے کیا اسباب تھے؟

۳۔ اس بدنظمی کے وقت ہندو دلی کے مالک کیوں نہ بن سکے؟

تئیسواں باب

لودھی خاندان۔ سکندر لودھی

دلی پر قبضہ کرنے کے بعد بہلول لودی نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔

بہلول لودی ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۹ء

وہ قوم کا افغان تھا۔ لودیوں سے قبل جتنے مسلمان حکمران ہوئے وہ سب ترک تھے۔ لودی ہی اولین افغان حکمران تھے۔ افغان کافی جنگجو اور آزاد پسند لوگ تھے۔ ترک ان سے بہت چڑھتے تھے۔ اور ان کی ماتحتی میں رہنا پسند نہ کرتے تھے اس لئے بہلول کا کام اور بھی مشکل ہوگیا۔ اس کے سامنے چار اہم سوال تھے۔

۱۔ افغانوں کو قابو میں رکھنا۔

۲۔ ترک باغیوں کو فرو کرنا۔
۳۔ ہندو راجاؤں کو شکست دینا اور
۴۔ ایک ایسے طرز حکومت کی بنیاد ڈالنا، جس سے افغان ناراض نہ ہوں، اور ملک میں امن رہے۔

باغیوں کو فرو کرنا

بہلول نے سب ہی پرانے ترک امیروں کو اپنی جاگیروں میں رہنے دیا۔ اور افغانوں کو صرف پنجاب، ملتان اور فوج میں عہدے دے کر خوش کیا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ ترک امیر جونپور کے مشرقی سلطان کی مدد سے پوری سلطنت کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ایک ایک کرکے اس نے سب کو دبایا۔ کچھ کو اس نے نکال دیا۔ اور کچھ کی جاگیر کم کر دی۔ اس طرح زیادہ تر ترک امیر خاموش ہو گئے۔ دوسرے جونپور کے حاکم نے جب دلی کا محاصرہ کیا اور بہلول نے اسے شکست دی تو ترکوں پر اس کا رعب غالب ہو گیا اور انہوں نے بغاوت کرنا چھوڑ دیا۔ دوآب اور راجپوتانہ کے کچھ ہندو راجاؤں نے بھی بہلول کی ماتحتی قبول کر لی۔ اور اگر انہوں نے پھر کبھی بغاوت کی تو بہلول نے انہیں دبا دیا۔ اس طرح بہلول نے ہندو راجاؤں کی بغاوتیں بھی ختم کر دیں اور کل دوآب، گوالیار، میوات اور دھولپور پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

جونپور کی فتح

بہلول کے عہد کا سب سے اہم واقعہ جونپور کا لودی سلطنت میں شامل ہونا ہے۔ جونپور کے افغانوں اور سید بادشاہوں میں بہت سے ازدواجی تعلقات ہو چکے تھے۔ عالم شاہ سید ابھی زندہ تھا اس لئے جونپور کے سلطان محمود اور حسین شاہ نے کئی بار بہلول سے لڑائیاں کیں۔ آخر میں بہلول کی ہی فتح ہوئی۔ اس نے حسین شاہ کو شکست دے کر بنگال کی طرف بھگا دیا۔ اور جونپور کی حکومت اپنے فرزند باربک شاہ کے سپرد کر دی۔

بہلول کا طرزِ حکومت

بہلول بہت ہوشیار آدمی تھا وہ افغانوں کو دھمکاتا بھی تھا اور کبھی کبھی ان کی چاپلوسی بھی کرتا تھا۔ اس نے

دربار کے لیے ایک بڑا تخت بنوایا تھا۔ وہ اس پر دوسرے افغان سرداروں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ درحقیقت بادشاہ تو آپ ہی لوگ ہیں میں تو صرف آپ لوگوں کی عنایات سے سلطان بنا ہوا ہوں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میں تو صرف سلطنت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ میں سے کوئی سلطنت کا کام مجھ سے بہتر کر سکتا ہو تو میں اُسے سلطان ماننے کو تیار ہوں، ان عاجزی اور انکساری کی ظاہری باتوں سے وہ ان سب سرداروں کو خوش کر لیتا تھا۔ اس کے بعد اگر وہ بغاوت کرتے تھے تو وہ ان کو سختی کے ساتھ دبا دیتا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ سب مقاموں پر افغان حاکم مقرر کر دیئے اور اپنی قابلیت و خوش اخلاقی سے ان سب کو قابو میں رکھا۔ اس طرح بہلول نے نہ صرف ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی بلکہ اپنے اقتدار کو مضبوط بھی کیا۔

سکندر لودی
۱۴۸۸ء سے ۱۵۱۷ء

بہلول کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے باربک شاہ نے جونپور میں اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کا دوسرا لڑکا نظام خاں زیادہ قابل اور بہادر تھا۔ اس کی مخالفت کے خوف سے سرداروں نے یہ طے کیا کہ دونوں شہزادوں میں سے جو بھی پہلے دلّی پر قبضہ کر لیگا اسی کو سلطان مان لیا جائیگا۔ اس دوڑ میں نظام خاں کامیاب ہوا۔ اور وہ سکندر شاہ کے نام سے تخت نشین ہو گیا۔ باربک شاہ نے بغاوت کی۔ اسے فرو کر دیا گیا۔ جب باربک جونپور کو اپنی اطاعت میں نہ رکھ سکا، تو سکندر نے اسے ہٹا کر دوسرے افسر مقرر کر دیئے اور انہوں نے جلد ہی جونپور کے باغی زمینداروں کو قابو میں کر لیا۔

سکندر نے گوالیار، دھولپور اور دوآب کے ہندو راجاؤں کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ رنتھمبور و چندیری پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن اس نے زیادہ ممالک فتح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے صرف مطیع راجاؤں کو ہی مکمل طور پر قبضہ میں رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے کچھ بڑے افغان سرداروں کے حساب کی

جانچ کی اور غلطی ملنے پر ان کو ڈانٹا پھٹکارا۔ اس پر ان لوگوں نے ایک سازش کی
لیکن سلطان کو اس کا پتہ چل گیا۔ اور اس نے باغیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اٹاو
گوالیار، کالپی وغیرہ مقامات میں بہت بغاوتیں ہوتی تھیں۔ ان کو روکنے
لئے اس نے دلی کے بجائے موجودہ آگرہ کے نزدیک ایک نئے شہر یعنی سکن
کی بنیاد ڈالی اور اسے خوبصورت عمارتوں سے آراستہ کیا۔ وہ خود وہاں ر
لگا اور وہیں فوج کی چھاؤنی بنائی۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت ۱۵۰۵ء میں ا
خوفناک زلزلہ آیا جس سے زیادہ تر عمارتیں ضایع ہو گئیں۔ روپیہ کا بہت
نقصان ہوا اور بہت سی جانیں تلف ہو گئیں۔

اس نے اپنے طرز حکومت سے ضعیف الاعتقادی کو بہت بڑھا دیا۔
ہر خاص بات میں ملاؤں سے مشورہ لیتا تھا۔ اس نے اپنی تنگ نظری
وجہ سے ہندوؤں کو بہت ستایا۔ متھرا کے خوبصورت مندر منہدم کر دیے
گئے اور ان کے سامان سے سرائیں اور مسجدیں تعمیر کرا دیں۔ ہندوؤں کو
میں نہانے کی آزادی نہ رہی اور وہ تیوہاروں پر خوشیاں اور جشن بھی نہ
منا سکتے تھے۔ بجز اس خرابی کے سکندر کا انتظام حکومت کافی اچھا تھا۔
صوبوں کے حاکموں کی سخت جانچ کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ بغاوت کر
کی جرأت نہ کرتے تھے۔ اس نے زراعت کی ترقی کا انتظام کیا۔ انصاف
میں وہ سخت تھا اور مجرموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا تھا۔ اس کا
محکمہ اتنا اچھا تھا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ اسے دیوؤں کے ذریعہ سب خبریں ملتی ہیں
سکندر کی وفات کے بعد اس کا فرزند ابراہیم تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا مغر

ابراہیم لودی
سنہ ۱۵۱۷ء تا سنہ ۱۵۲۶ء

اور غصہ ور تھا۔ اس نے افغانوں کو قبضہ میں رکھنے
کے لئے باغیوں کو سخت سزائیں دینا شروع کر دیا
کے طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغان سردار اس سے ناراض
ہونے لگے۔ ان میں سے دو سرداروں نے جن کا نام علاؤالدین اور دولت خان

تھا۔ کابل کے بادشاہ بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اسی وقت میواڑ کا رانا سنگرام سنگھ بھی ابراہیم کو شکست دیکر خود دلی کا حکمران بننا چاہتا تھا۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور ۱۵۲۶ء میں ابراہیم کو شکست دیکر لودی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

خاتمہ لودی بادشاہوں نے دلی کی کھوئی ہوئی طاقت کو کچھ حد تک دوبارہ حاصل کر لیا تھا لیکن افغانوں میں فرمانبرداری کی اتنی کمی تھی کہ وہ احکام کی پابندی کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ادھر ابراہیم ان پر سختی سے حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت ایک بیرونی حملہ آور بھی آ گیا۔ جسے افغانوں سے ہی مدد بھی مل گئی۔ ایسی حالت میں اس خاندان کا خاتمہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

خاص تاریخیں

بہلول کی تخت نشینی	۱۴۵۱ء
جونپور کا دلی سلطنت میں شامل ہونا	۱۴۷۶ء
سکندر شاہ کی تاجپوشی	۱۴۸۸ء
آگرہ کا زلزلہ	۱۵۰۵ء
سکندر کی وفات	۱۵۱۷ء
ابراہیم لودی کی شکست اور وفات	۱۵۲۶ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ بہلول لودی کے سامنے کیا مشکلات تھیں؟ اس نے ان کو کس طرح دور کیا؟
۲۔ لودی خاندان کا سب سے زیادہ با اقتدار بادشاہ کون تھا؟ اس کے عہد حکومت کے خاص واقعات بیان کرو۔

۲- لودی خاندان کے زوال کے کیا اسباب تھے؟

چوبیسواں باب
مُغل خاندان کی بنیاد - بادشاہ بابر

بابر نے ابراہیم لودی کو شکست دیکر جس خاندان کی بنیاد ڈالی وہ ہمارے ملک کی تاریخ میں خاندانِ مغلیہ کے نام سے مشہور ہے۔

مغل کون تھے؟

مغل اور منگول ایک ہی معنوں میں استعمال کیئے جاتے ہیں۔ وسط ایشیا کے ترک چنگیز خاں اور اس کے اہل خاندان کو منگول نہ کہکر مغل کہتے تھے۔ پندرھویں صدی میں منگولوں کا اقتدار کم ہونے لگا اور وسط ایشیا میں ان کی بہت سی سلطنت ترکوں کے ہاتھ میں آگئی۔ جن میں ترک سرداروں نے سمرقند، بخارا بلخ، فارس وغیرہ ممالک منگولوں سے چھینے تھے۔ ان کے ایک مشہور رجد کا نام چغتائی تھا۔ چغتائی خاندان میں تیمور کا نام بہت مشہور ہے۔ بابر تیمور سے پانچویں پشت میں تھا۔ اس لئے بابر اور اس کے جانشینوں کو چغتائی ترک یا تیموری خاندان کا کہنا چاہیئے۔ پھر وہ ہمارے ملک میں مغل کے نام سے کیوں مشہور ہو گئے۔ تیرھویں صدی سے ہی ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد کی طرف سے غیر ملکی حملے ہونے لگے تھے۔ وہ حملے چودھویں صدی تک ہوتے رہے۔ ان تمام حملوں کے سردار منگول ہی رہتے تھے۔ اس لئے یہاں کے لوگوں نے شمال مغرب سے حملہ کرنے والے سب ہی لوگوں کو منگول یا مغل سمجھ لیا۔ ترک خود بھی بڑے بے رحم ہوتے تھے۔ لیکن منگولوں کی وحشیانہ حرکات کے سامنے وہ بڑے رحم دل معلوم ہوتے تھے۔ ۱۳۹۸ء میں جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے قتل و غارتگری میں

مغلوں کو بھی مات کر دیا۔ اس لئے یہاں کے لوگوں نے اُسے بھی مغل ہی سمجھنے کی غلطی کی۔ بابر اسی تیمور خاندان سے تھا اس لیے وہ بھی مغل کہلایا آہستہ آہستہ یہی نام مشہور ہو گیا۔ اور لوگ اس بات کو بھول سے گئے کہ بابر نے اپنی سوانح حیات میں خود کو ترک لکھا ہے اور مغلوں کی بڑی برائی کی ہے۔

دوسری ایک بات اور بھی ہے حالانکہ بابر خود کو مغل کہنا پسند نہ کرتا تھا لیکن اس کی رگوں میں مغلوں کا خون بھی موجود تھا۔ اس کا باپ عمر شیخ مرزا تو ضرور تیمور کے خاندان سے تھا۔ اس لیئے وہ ترک تھا لیکن اس کی ماں مغل سردار یونس خاں کی بیٹی تھی۔ اس لئے یہ واضح ہے کہ بابر نصف ترک اور نصف مغل تھا چونکہ وسط ایشیا میں بھی نسل یا نسب والد کے مطابق ہی مانا جاتا ہے اس لئے بابر کو ترک کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

بابر کے والد شیخ عمر مرزا فرغانہ کے حاکم تھے۔ فرغانہ چینی ترکستان کا ایک صوبہ ہے

بابر کا بچپن

یہ اس وقت بھی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ ۱۴۸۳ء میں عمر شیخ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر بادشاہ ظہیر الدین بابر کے نام سے مشہور ہوا۔ بابر کی تعلیم کا عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔ اس نے بچپن ہی میں ترکی اور فارسی میں اچھی استعداد حاصل کر لی تھی۔ اور وہ ان دونوں زبانوں کو بہ آسانی لکھ پڑھ سکتا تھا۔

بابر ابھی گیارہ سال کا ہی تھا کہ اس کے باپ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ گیا

بابر کے والد کی وفات

اور وہ خود فرغانہ کا مالک ہوا۔ لیکن اس کا کام بہت ہی مشکل تھا۔ اس کے چچا اور ماموں اس کی امداد کے بجائے اس کی ریاست کو غصب کرنے کی فکر کرنے لگے۔ گو بابر بچہ ہی تھا لیکن وہ گھبرایا نہیں بلکہ اس نے حملہ آوروں کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس نے نہ صرف فرغانہ کی حفاظت کی بلکہ سمرقند پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اپنے اقبال مند بزرگ تیمور کے تخت پر بیٹھا۔ تیموری خاندان والوں کے ان باہمی جھگڑوں سے

منگولوں کی ایک شاخ نے جنہیں اُوزبیگ کہتے تھے بہت فائدہ اٹھایا۔ ان کے سردار شیبانی خاں نے بابر کو سمرقند سے نکال باہر کیا۔ بابر نے ایک بار پھر سمرقند پر قبضہ کرلیا اور اوزبیگوں کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ لیکن اب وسط ایشیا میں تیموریوں کے اقبال کا آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ اس لئے ۱۵۰۲ء تک اوزبیگوں نے تیموریوں کا خاتمہ کر کے انکی سب ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ اور بابر کو جان بچا کر کابل کی طرف بھاگنا پڑا۔

کابل پر بابر کا قبضہ

بابر نے کابل کے ارغن سرداروں کو شکست دے کر ۱۵۰۴ء میں وہاں اپنا قبضہ جما لیا۔ لیکن ۱۵۰۴ء سے ۱۵۱۰ء تک اس کی حالت کافی خراب رہی۔ کیونکہ اُسے اوزبیگوں اور ارغنوں کا ہمیشہ ڈر لگا رہتا تھا۔ ۱۵۲۲ء میں اس نے ارغنوں کو قندھار سے بھی نکال دیا اور فارس کے بادشاہ نے اوزبیگوں کی طاقت روک دی اس لئے بابر نے اب ہندوستان کی طرف توجہ کی۔

بابر کے حملہ کے وقت ہندوستان کی حالت

جس وقت سمرقند کو آخری بار کھو کر بابر ہندوستان پر نظر لگائے ہوئے تھا، اس وقت یہاں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں ان میں سے کوئی بھی دو ریاستیں ساتھ نہ تھیں، ہر ایک دوسرے کی بربادی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ترقی کی تاک میں رہتی تھی۔

بابر کے ابتدائی حملے

دولت خاں لودی حاکم پنجاب نے ابراہیم سے ناراض ہو کر بابر کو حملہ کرنے کی دعوت دی۔ ایسے وقت میں جبکہ شمالی اور جنوبی ہند میں بہت سی ریاستیں تھیں اور شمالی مغربی سرحد کے محافظ بھی اس کے پاس دعوت نامے بھیج رہے تھے۔ بابر نے ہندوستان پر حملہ کرنے اور یہاں اپنی سلطنت قائم کرنے کا خیال کیا۔ پہلے اس نے بجور کی وادی کے باشندوں پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ اور پھر بھیرا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے

ابراہیم لودی کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے تیمور کے فتح کئے ہوئے ممالک کی مانگ پیش کی۔ اس خوف سے کہ کہیں ابراہیم لودی پنجاب کو اپنے ہاتھ سے نکلا ہوا دیکھ کر بابر کو اُسے لے لینے کی منظوری نہ دیدے، دولت خاں نے اس خط کو سلطان کے پاس پہونچنے ہی نہیں دیا۔ اسی وقت سے بابر کو دولت خاں پر شبہ ہونے لگا۔

پنجاب پر قبضہ

اسی وقت اسے رانا سانگا کا خط ملا۔ بابر نے سمجھ لیا کہ ہندوستان کی فتح کا وقت نزدیک آگیا ہے اور ۱۵۲۴ء میں اس نے پنجاب پر حملہ کیا۔ پنجاب پر قبضہ کرکے اس نے دولت خاں کو ایک جاگیر دیدی اور باقی حصہ پر دوسرے حاکم مقرر کر دیئے۔ اس پر اس نے کچھ سازش کی لیکن اس سازش کا راز اس کے بیٹے دلاور خاں نے فاش کر دیا دولت خاں ذلیل اور نادم ہوا اور اس کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔

پانی پت کی لڑائی

پنجاب کی حکومت کا انتظام کرکے بابر کابل واپس چلا گیا۔ اور بارہ ہزار منتخب سپاہیوں کی ایک فوج لیکر لاہور سے آگے بڑھا۔ ابراہیم نے اسے روکنے کے لئے دو چھوٹی فوجیں بھیجیں لیکن وہ دونوں ہی ناکام رہیں۔ اب بابر آگے بڑھتا ہوا دلّی کے نزدیک پانی پت شہر کے بائیں جانب خیمہ انداز ہوا۔ اور ابراہیم کی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ ابراہیم ایک لاکھ سپاہیوں کی ایک فوج لیکر مقابلہ پر آیا۔ لیکن آخر میں شکست اسی کو ہوئی۔ اور وہ بہادری سے لڑتا ہوا کام آیا۔

بابر کی فتح کے وجوہات

اس لڑائی میں بابر کی فتح کا یہ سبب نہ تھا کہ افغان سپاہی اس کے سپاہیوں سے کم بہادر تھے۔ بابر کی کامیابی کے چار خاص سبب تھے اس کے پاس توپ خانہ تھا۔ جس کے جواب میں افغانوں کے پاس کوئی ایسا مہلک ہتھیار نہ تھا۔ دوسرے بابر بہت ہی قابل اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس کا فوجی نظام اور اعلیٰ رہنمائی بھی کامیابی

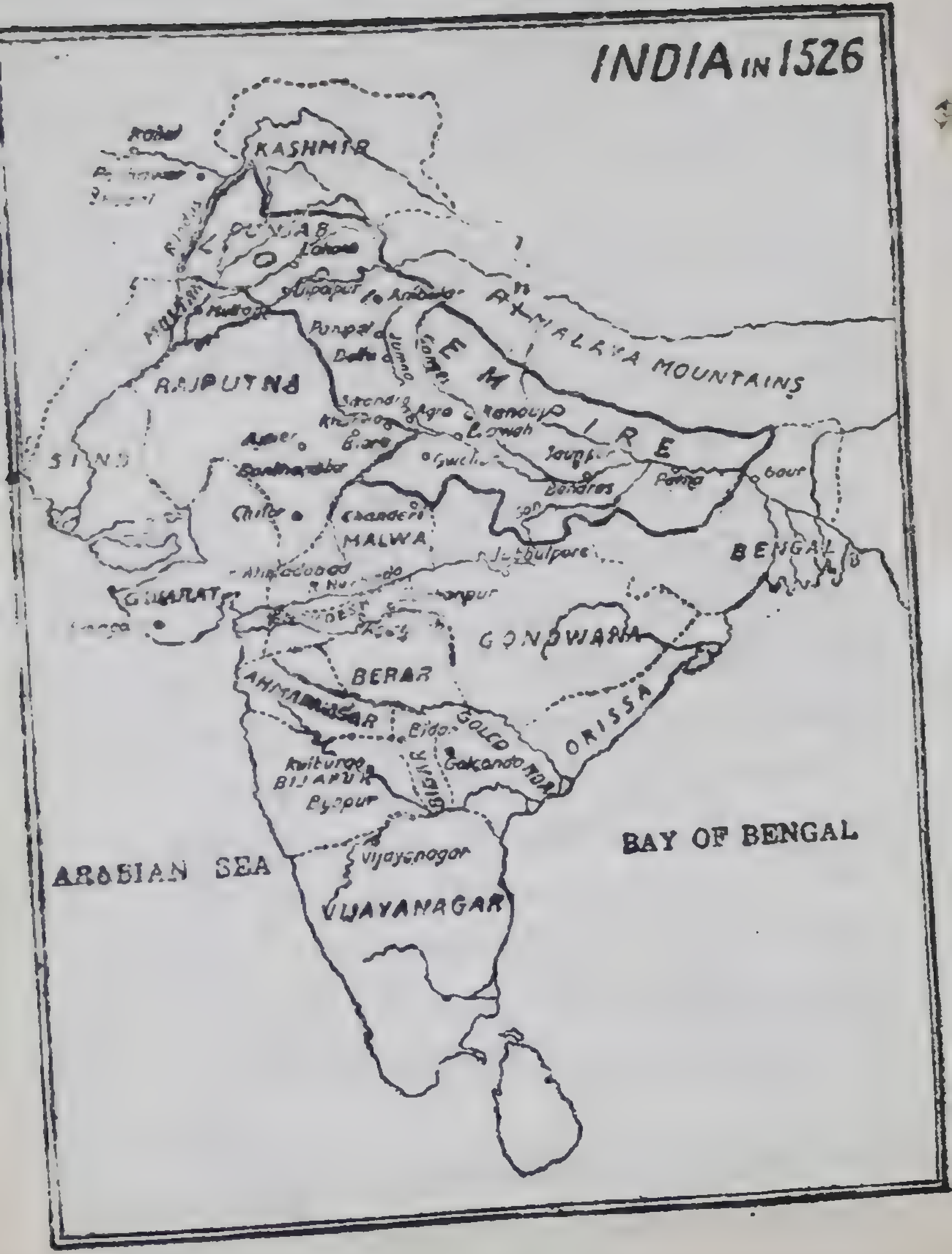

INDIA IN 1526

کا ایک سبب تھا۔ تیسرے ابراہیم لودی کو جنگ کا بہت کم تجربہ تھا۔ اور جیسا کہ بابر نے خود تحریر کیا ہے کہ اس کی فوج کے آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے اور ٹھہرنے میں کوئی ترتیب نہ پائی جاتی تھی۔ چوتھے بابر کو ملک اور قوم کے کچھ غداروں سے امداد مل گئی، جن سے ابراہیم کی فوج کے بارے میں سب ہی معلومات حاصل ہوگئی تھیں۔

مغل سلطنت کی بنیاد

ابراہیم کی شکست اور وفات کے بعد افغان مشرق کی طرف بھاگ گئے اور بابر کو دلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ اس نے دلی کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنی حالت مضبوط کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو خوش کرنے کے لئے انھیں خوب انعام واکرام دیئے۔ اور لودی سلطنت کے فتح کئے ہوئے حصے میں جاگیریں عطا فرمائیں۔ پھر بھی کچھ سپاہی کابل واپس جانا چاہتے تھے۔ اس نے ان کو جمع کرکے ایک تقریر کی اور کہا کہ ہندوستان کی سلطنت ہمارے قبضہ میں آیا ہی چاہتی ہے۔ ایسے موقعہ پر گھر جانا سراسر بیوقوفی ہے، ہمیں ہمت اور عقلمندی سے کام لینا چاہیئے۔ اس کی تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اس کے سپاہی اس کی شرافت اور اخلاق سے پہلے ہی سے خوش تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کے ساتھ رہنے کا عہد کیا۔ ان سپاہیوں کی مدد سے اس نے گوالیار، بیانہ، دھولپور اور دوسرے ارد گرد کے مقامات جلد ہی فتح کر لئے۔ اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو مشرق کی طرف بھیجا۔ اور اس نے افغانوں سے جونپور، غازی پور اور کالپی کی جاگیریں بھی چھین لیں اس طرح بابر کا قبضہ کل پنجاب، ممالک متحدہ کا بیشتر حصہ اور راجپوتانہ کے کچھ حصہ پر ہوگیا۔

بابر اور رانا سانگا

لیکن بابر کی حالت ابھی قابل اطمینان نہ تھی۔ افغان شکست تو پا چکے تھے۔ لیکن ابھی وہ اپنی دارالسلطنت

واپس لینے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ ابراہیم کی والدہ نے بابر کو زہر دینے کی ناکام کوشش کی۔ اور افغان سردار مشرق کی طرف اپنی طاقت کو متحد کر رہے تھے۔ بابر کو افغانوں سے بھی زیادہ راجپوتوں کی فکر تھی۔ رانا سانگا نے پہلے تو اسے خط لکھکر بلایا تھا لیکن اس کے ہندوستان میں آنے کے بعد وہ خاموش بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت رانا سانگا اپنی اس حماقت پر نادم تھا۔ کیونکہ بابر کی حکمت عملی نے اس کے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ اس لئے وہ جلد از جلد بابر کو نکالنے کی فکر میں تھا جب بابر نے بیانہ پر قبضہ کیا۔ تو رانا سانگا سمجھ گیا کہ وہ راجپوتانہ کے دوسرے حصوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے اس نے ایک بڑی فوج بنانا شروع کی اور اسے لیکر بابر سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

کنواہ کی جنگ سنہ ۱۵۲۷ء

کنواہ نامی مقام پر رانا سانگا کی دو لاکھ فوج کا مقابلہ بابر کی فوج سے ہوا۔ رانا کے مجروح ہو جانے کی وجہ سے بابر کو فتح ہوئی۔ کنواہ کی جنگ نے ہندوستان میں بابر کے خاندان کی نبیاد مضبوط کر دی۔ اور راجپوت سلطنت کے خواب کو خراب ہی رہنے دیا۔ شکست خوردہ اور شرمندہ رانا نے دو سال بعد رحلت کی۔

بابر کی دیگر فتوحات

کنواہ کی جنگ کے بعد بابر نے چندیری پر بھی قبضہ کر لیا۔ سنہ ۱۵۲۹ء میں اس نے دریائے گھاگھرا کے کنارہ پر افغانوں کو دوسری بار شکست دی۔ ان کی طاقت کم ہوئی۔ اور ان کے کئی سرداروں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ بنگال کے حاکم نے بھی بابر سے صلح کر لی۔

بابر کا انتظام حکومت

اب بابر کی حالت بالکل محفوظ ہو گئی۔ وہ آگرہ واپس چلا گیا۔ اور وہاں رہ کر اس نئی سلطنت کا معقول انتظام کرنے لگا۔ اسے سلطنت کا انتظام کرنے کے لئے زیادہ وقت نہیں ملا۔ پھر بھی اس نے کئی اہم باتیں کیں۔ بابر نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ بابر نے بادشاہ کی مطلق العنان طاقت کو پھر سے حاصل کیا۔ اور سب کو اطاعت کے لئے

مجبور کیا۔ دوسری بات جو بابر نے شروع کی، مذہبی آزادی ہے۔ بابر نے ہندوؤں پر کوئی مذہبی ظلم نہیں کیا۔ اس نے اپنی فوج کو قبضہ میں رکھا۔ اگر سپاہی کچھ زیادتی کرتے تھے تو وہ انھیں سزائے موت تک دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اس نے راجپوتوں سے میل کرنے کی کوشش کی۔ بابر نے ہی پہلے پہل نوابوں کو پیار و محبت سے قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ گو وہ اپنے بڑے سے بڑے افسر کو ملازم ہی سمجھتا تھا، پھر بھی وہ ان کے ساتھ رحم دلی اور انسانیت کا برتاؤ کرتا تھا۔ اس طرح اس نے طاقت اور محبت کے امتزاج سے بادشاہ کے مرتبہ کو معزز اور مضبوط بنا دیا۔

بابر کی وفات

۱۵۳۰ء میں بابر بیمار پڑا اور مرگیا۔ مرتے وقت اس نے ہمایوں اور اپنے سرداروں کو بلایا۔ اس نے اعلان کیا کہ ہمایوں اس کا جانشین ہے سرداروں نے عہد کیا۔ کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرینگے، اس کے بعد بابر نے ہمایوں سے کہا، کہ اب میں خاندان کے سب لوگوں کو تمھارے سپرد کرتا ہوں ان کی حفاظت کرنا۔ تمھارے بھائی اگر کوئی کام تمھارے خلاف بھی کریں۔ پھر بھی تم ان کے خلاف کچھ نہ کرنا۔ اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو آگرہ میں بابر کی وفات ہو گئی۔ پہلے اس کو وہیں دفن کیا گیا۔ لیکن تھوڑے دن بعد بابر کی خواہش کے مطابق اس کی لاش کابل بھیج دی گئی۔ اور وہیں اس کا مقبرہ بنا یا گیا۔

بابر کی سیرت

بابر ایک بزرگ ہستی تھی وہ صرف ایک قابل سپہ سالار، کامیاب حکمران، اور ہر دلعزیز سردار ہی نہ تھا، بلکہ اس میں بہت سے اوصاف تھے۔ وہ عالم تھا اسے علماء کی صحبت سے خوشی حاصل ہوتی تھی، اس نے تزک بابری میں جو باتیں لکھی ہیں ان سے اس کی سیرت بخوبی معلوم ہوجاتی ہے اس نے بہت سے لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ بیان جذبات سے اتنا پُر ہے کہ اس سے بابر کی زندہ دلی اور تحمل ظاہر ہوتا ہے۔ بابر بڑا رحم دل تھا، وہ اپنے خاندان کے سب ہی لوگوں سے بڑی محبت کرتا تھا۔ اس نے اپنے باغی

بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ اور ان کے ساتھ ہر غم و شادمانی میں شامل رہتا تھا وہ خدا پر بھروسہ رکھتا تھا اور مشکل سے مشکل موقعوں پر بھی راسخ الاعتقاد رہتا تھا۔ انہیں سب اوصاف کی وجہ سے اس کے سپاہی اس کے لئے جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ اور ہر مشکل کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔

خاص تاریخیں

بابر کی ولادت	۱۴۸۳ء
فتح کابل	۱۵۰۴ء
ہندوستان پر بابر کا پہلا حملہ	۱۵۱۹ء
فتح قندھار	۱۵۲۲ء
پنجاب پر بابر کا قبضہ ہونا	۱۵۲۴ء
پانی پت کی لڑائی اور ابراہیم کی وفات	۱۵۲۶ء
کنواہ کی لڑائی میں رانا سانگا کی شکست	۱۵۲۷ء
چندیری پر قبضہ	۱۵۲۸ء
گھاگھرا کی لڑائی اور افغانوں کی طاقت کا خاتمہ	۱۵۲۹ء
بابر کی وفات	۱۵۳۰ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ مغل کون تھے؟ بابر اور اس کے اہل خاندان کو مغل کہنا کہاں تک مناسب ہے؟

۲۔ بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی؟

۳۔ دولت خاں کو اپنے ملک کے ساتھ غداری کرنے کی کیا سزا ملی؟

۴۔ ابراہیم لودی کی شکست کے کیا اسباب تھے؟

۵- رانا سانگا اور بابر کے درمیان لڑائی کیوں ہوئی؟ اس لڑائی میں رانا سانگا کی شکست کے کیا خاص اسباب تھے؟

پچیسواں باب

ہمایوں اور شیر شاہ

ہمایوں کی تخت نشینی

بابر کی وفات کے بعد ہمایوں تخت نشین ہوا۔ نہ تو اس میں بابر کی سی لگن تھی اور نہ وہ بابر کی طرح ایک قابل سپہ سالار تھا وہ ضرورت سے زیادہ رحمدل تھا اور عموماً ہر مجرم کو توبہ کرنے پر معاف کر دیتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سب ہی رشتہ دار اور بھائی موقع ملنے پر بغاوت کر دیتے تھے۔ گھر کی پھوٹ اور ہمایوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس وقت ہندوستان میں دو خاص ہستیاں تھیں۔ افغانوں کا سردار شیر خاں اور گجرات کا حکمران بہادر شاہ۔ ہمایوں تا زیست مشکلات کا ہی مقابلہ کرتا رہا۔ یہ صرف اس کی خوش قسمتی تھی کہ ایک بار ہندوستان کی سلطنت کھو دینے کے بعد اس نے اسے دوبارہ حاصل کر لیا۔

ابتدائی کامیابی

ہمایوں نے اپنے حامیوں کو خوش کرنے کے لئے سب ہی سرداروں کو معقول جاگیریں دیں اس نے اپنے بھائیوں کا خاص خیال رکھا۔ کامران کو اس نے کابل اور قندھار دیا۔ اور جب وہ اس سے خوش نہ ہوا تو اسے پنجاب بھی عنایت کر دیا۔ عسکری کو سنبھل اور ہندال کو الور کی جاگیر ملی۔ اس کے بعد اس نے بہار کے افغانوں پر حملہ کیا جو ابراہیم کے لڑکے محمد کی سرکردگی میں جمع ہو رہے تھے۔ اور ۱۵۳۱ء میں ان کو شکست دیکر

اس نے چنار کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اسی وقت گجرات کے حکمران بہادر شاہ نے مالوا فتح کر کے احمد نگر، برار اور خاندیش کے حکمرانوں کو مطیع کر کے چتوڑ پر حملہ کیا۔ اس کی طاقت کو روکنے کی غرض سے ہمایوں نے چتوڑ کی مہارانی کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور چنار کا قلعہ اس کے مالک شیر خاں کے ہی قبضہ میں رہنے دیا۔ کیونکہ اس نے مغلوں کی اطاعت قبول کر لی۔

ہمایوں چتوڑ کی طرف جا رہا تھا کہ اسے مرزاؤں (تیموری سرداروں) کی بغاوت کی خبر ملی۔ جب وہ انھیں فرو کرنے کے بعد دلی آیا تو اسے معلوم ہوا کہ بہادر شاہ نے چتوڑ پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے سپاہی تین راستوں سے دلی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کو مندسور پر شکست دیکر ۱۵۳۵ء کے آخر تک مالوا اور گجرات پر قبضہ کر لیا۔ اور بہادر شاہ نے پرتگالیوں کے دامن میں پناہ لی۔ ہمایوں نے عسکری کو گجرات کا حاکم مقرر کیا اور وہ خود مالوا کی حکومت ٹھیک کرنے لگا۔

زوال کا آغاز

۱۵۳۶ء میں ہمایوں کو خبر ملی کہ بہادر شاہ نے گجرات پر حملہ کر دیا ہے اور عسکری اس کو روکنے کے بجائے دلی لینے کے ارادے سے بڑھ رہا ہے اس لئے اسے مالوا چھوڑ کر پایۂ تخت کی حفاظت کے لئے بھاگنا پڑا۔ عسکری کی دغا بازی کی وجہ سے گجرات اور مالوا ہاتھ سے نکل گئے اور ہمایوں کی عزت کو بڑا دھکا لگا۔

ہمایوں کے حالات کی خبر پا کر بہار کے افغان سردار شیر خاں نے اپنی طاقت بہت بڑھا لی تھی۔ شیر خاں سولہویں صدی کی بزرگ شخصیتوں میں سے تھا۔ اس کا بچپن کا نام فرید تھا اور اس کے والد حسن سہسرام کے جاگیردار تھے۔ فرید کی سوتیلی ماں نے اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اور وہ کئی مقامات پر گھومنے کے بعد بابر کی پناہ میں پہونچا۔ بابر نے اس کی قابلیت کا فوراً اندازہ کر لیا۔ اور اپنے سرداروں کو اس پر کڑی نظر رکھنے کی تاکید کی۔ بابر نے اسے بہار میں

ایک چھوٹی سی جاگیر دیدی تھی ہمایوں جس وقت بہادر شاہ کی لڑائیوں میں مصروف تھا اسی وقت فرید نے، جس کو ایک بار شیر کا شکار کرنے کی وجہ سے شیر خاں کا خطاب ملا تھا کل بہار پر قبضہ کر لیا۔ شیر خان کی روز افزوں طاقت کی وجہ سے ہمایوں دوبارہ گجرات فتح کرنے کی کوشش نہ کر سکا۔ اس نے اب شیر خاں پر حملہ کیا۔ پہلا وار چنار کے قلعہ پر کیا گیا۔ اس کے فتح کرنے میں بہت وقت لگا۔ اس درمیان میں شیر خاں نے جنگ کی مکمل تیاریاں کر لیں۔ اس نے اپنے خزانہ اور خاندان کو رہتاس کے مضبوط قلعہ میں بھیج دیا۔ اور بنگال کے پایۂ تخت گوڑ پر بھی قبضہ کر لیا۔

چنار لینے کے بعد ہمایوں مشرق کی طرف بڑھا۔ اس نے ہندال کو دلی بھیجا اور حکم دیا کہ وہ فوج اور رسد جمع کر کے پھر اس سے آ کر مل جائے۔ شیر خاں نے کہیں مقابلہ نہ کیا۔ اور ہمایوں کو بنگال تک چلا جانے دیا۔ ہمایوں بنگال کا انتظام کر کے واپس آنا چاہتا تھا۔ وہ ہندال کے انتظار میں تھا لیکن ہندال دلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اور ادھر بنگال میں بارش اور بیماری کی وجہ سے اس کے سپاہیوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ مجبور ہو کر اسے اسی حالت میں واپس ہونا پڑا۔ شیر خاں نے سب راستے روک دیئے اور جگہ جگہ پر چھاپہ مار کر اسے پریشان کیا۔ آخر کار ۱۵۳۹ء میں چوسہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ جس میں ہمایوں نے شکست کھائی اور وہ مرتے مرتے بچا۔ کسی طرح دلی پہونچنے پر ہندال کی بغاوت اور کامران کے مع فوج آنے کی اطلاع پہنچی۔ اس نے سب باغیوں کو معاف کر دیا۔ اور شیر خاں سے لڑنے کے لئے پھر فوج جمع کی۔ کامران مدد دینے کے بجائے واپس چلا گیا اور سنہ ۱۵۴۰ء میں بلگرام نامی مقام پر ہمایوں کو پھر شکست ہوئی۔ اب اسے ہندوستان چھوڑ کر جانا پڑا۔ شیر خاں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ شیر شاہ کے نام سے دلی کے تخت پر متمکن ہوا۔ اس کے خوف سے راجپوتانہ، سندھ اور پنجاب میں کہیں بھی ہمایوں کو مدد نہ ملی۔ آخر وہ اپنے بھائیوں کی طرف سے مایوس

اور مجبور ہو کر شاہِ فارس کی پناہ میں چلا گیا۔

ہمایوں کو ہندوستان سے نکال کر شیر شاہ نے ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جو سوری خاندان کے نام سے مشہور ہے۔

شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء

شیر شاہ نے اپنی طاقت کو منظم کرنے کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ اس نے ہمایوں کا تعاقب کرنے کے سلسلہ میں ملتان اور شمالی سندھ پر قبضہ کر لیا۔ مغل سلطنت کا باقی ہندوستانی حصہ اس کے قبضہ میں آ ہی چکا تھا۔ اب اس نے سلطنت کی توسیع کی کوشش کی۔ رانا سانگا کی وفات کے بعد سے میواڑ کا زوال اور مارواڑ کا عروج ہونے لگا تھا۔ اس لیے شیر شاہ نے مارواڑ کے راجہ مال دیو سے جنگ کرنے کی تیاری کی۔ پہلے اس نے مالوہ پر قبضہ کر کے راجپوتوں پر اپنا رعب قائم کرنا چاہا۔ لیکن مال دیو آسانی سے شکست قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ شیر شاہ نے جعلی خطوں کے ذریعہ مال دیو اور اس کے سپہ سالاروں میں بدگمانی پیدا کرا دی۔ جس کی وجہ سے راجپوتوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور شیر شاہ کو فتح نصیب ہوئی۔ حالانکہ ان کا آخری حملہ اتنا زوردار ہوا، کہ شیر شاہ کو کہنا پڑا، کہ "میں تو مٹھی بھر باجرے کے لیے اپنی سلطنت ہی کھو دی ہوتی"۔ اس فتح سے مال دیو کی طاقت کم ہو گئی۔ اور رنتھمبور کا مشہور قلعہ شیر شاہ کے ہاتھ آ گیا۔ اس کے بعد اس نے کالنجر پر حملہ کیا۔ بندیلوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن قلعہ بادشاہ کے ہاتھ آ گیا۔ اسی لڑائی میں بارود سے جل جانے کی وجہ سے شیر شاہ نے رحلت کی۔

شیر شاہ کے کام (انتظامات)

افغانوں کی شکست ہو جانے کے بعد ان کو پھر سے متحد کر کے مغلوں کو نکال باہر کرنے میں شیر شاہ نے بڑی ہوشیاری اور عقلمندی کا ثبوت دیا۔ ایک معمولی جاگیردار کے جلاوطن کئے ہوئے فرزند کی حیثیت سے ترقی کر کے شمالی ہند کا بادشاہ بن جانا

شیر شاہ کی قابلیت کا بیّن ثبوت ہے۔ ہماری تاریخ میں شیر شاہ کا نام صرف ایک فاتح یا سپہ سالار کی حیثیت سے ہی مشہور نہیں ہے۔ بلکہ اس کی زیادہ شہرت اس کے انتظام حکومت پر مبنی ہے اس نے کئی باتوں میں اکبر کی رہنمائی کی۔ وہ خود علی الصباح ۴ بجے سے رات تک سخت محنت کرکے مرکزی حکومت کے ہر محکمہ کی نگرانی کرتا تھا۔ اس نے گاؤں کا انتظام مکھیوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اور وہاں کے مسروقہ مال کا پتہ لگانا انھیں کی ذمہ داری تھی۔ اس لئے چوریاں اکثر بند ہو گئیں۔ اس نے کسانوں کے آرام کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اور کھیتوں کی پیمائش کرا کر پیداوار کا ⅓ حصہ سرکاری لگان مقرر کیا وہ ظالم اور بے ایمان حاکموں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ اور انہیں ظلم کرنے سے روکتا تھا کئی گاؤں کے برابر ایک پرگنہ ہوتا تھا۔ جس کے حاکم شقدار، امین خزانچی اور قانونگو ہوتے تھے۔ پرگنوں کے اوپر سرکار ہوتا تھا جن میں صدر شقدار اور صدر منصف رہتے تھے۔ اسی طرح صوبوں کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ شقدار فوجی افسر ہوتا تھا۔ جو امن قائم رکھتا تھا۔ امین لگان وصول کرتا تھا۔ یہ دونوں افسر ایک ہی درجہ کے ہوتے تھے۔ اور مرکزی سرکار ان کا تقرر کرتی تھی۔ اس لئے ان کا سازش یا بغاوت کرنا مشکل تھا۔ پھر بھی بادشاہ کو ہمیشہ بغاوتوں کا خوف رہتا تھا۔ اس لئے اس نے اور کئی تدبیریں کیں اس نے ہندوؤں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ان کی ہمدردی حاصل کی۔ اس نے ایک بڑی فوج تیار کی جسے نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔ اور جس کی نگرانی بادشاہ خود کرتا تھا۔ اس فوج کا خاص حصہ بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا۔ باقی فوج سرداروں اور صدر شقداروں کے پاس رہتی تھی۔ اور مقامی امن و امان کی حفاظت کرتی تھی پنجاب اور مالوا میں مغلوں اور راجپوتوں کی طرف سے برابر خطرہ رہتا تھا۔ اس لئے وہاں تیس ہزار منتخب سپاہی رکھے گئے تھے۔ فوج کی جلد آمد و رفت کے لئے اس نے کئی سڑکیں بنوائیں جن میں سے چار خاص ہیں۔ (۱) سونار گاؤں سے

پنجاب میں رہتاس گڑھ تک (۲) آگرہ سے برہان پور تک (۳) آگرہ سے بیانا ہوتی ہوئی مارواڑ کی سرحد تک اور (۴) لاہور سے ملتان تک۔ انھیں سڑکوں کے کنارے اس نے سرائیں بنوا کر سپاہیوں کے قیام اور ڈاک کی آمد و رفت کا انتظام کیا۔ اس طرح شیر شاہ نے اپنی سلطنت کو خوب مضبوط بنانے کی کوشش کی۔ اگر وہ پانچ سال بعد ہی نہ مر جاتا تو ہمایوں کا واپس آنا اتنا آسان نہ ہوتا۔

سور خاندان کا زوال

شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کا فرزند اسلام شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس نے ۹ سال تک حکومت کی۔ اور اس زمانہ میں اس نے سلطنت کو محفوظ رکھا۔ ساتھ ہی اس نے کچھ اصلاحیں بھی کیں اور مرکزی سرکار کی طاقت کو بڑھایا لیکن اس نے افغانوں پر بہت سختی کی جس سے وہ ناراض ہونے لگے اور اس کے مرنے کے بعد ہی افغانوں میں پھوٹ پھیل گئی۔ آخر میں یہ حالت ہو گئی کہ دلی میں سکندر شاہ اور مشرق کی طرف محمد عادل شاہ آزاد حکمراں ہو گئے۔ صوبوں کے حاکم بغاوتیں کرنے لگے۔

ایسے ہی موقع پر ہمایوں نے ہندوستان پر پھر حملہ کیا۔ وہ شاہِ فارس کے بارہ ہزار سپاہیوں کی مدد سے ۱۵۴۵ء میں قندھار کا مالک ہو گیا بعد میں اس نے اپنے سب بھائیوں کو مغلوب کیا۔ اور ۱۵۵۵ء میں اس نے سکندر شاہ کو شکست دے کر دلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ ابھی عادل شاہ اور اس کا قابل وزیر ہیمو آزاد ہی تھے کہ ۱۵۵۶ء میں سیڑھیوں سے لڑھک جانے کی وجہ سے ہمایوں کا انتقال ہو گیا۔

خاص تاریخیں

محمود لودی کی شکست	۱۵۳۱ء
مالوا اور گجرات پر ہمایوں کا قبضہ	۱۵۳۵ء

عسکری کی بغاوت ۱۵۳۶ء
شیر خاں سے جنگ اور ہندال کی بغاوت ۱۵۳۸ء
چوسہ کی لڑائی میں شیر خاں کی فتح ۱۵۳۹ء
شیر شاہ کا دلی کے تخت پر متمکن ہونا ۱۵۴۰ء
شیر شاہ کی وفات ۱۵۴۵ء
اسلام شاہ کی وفات ۱۵۵۴ء
ہمایوں کا دلی پر قبضہ ۱۵۵۵ء
ہمایوں کی وفات ۱۵۵۶ء

مشق کے لئے سوالات

۱- ہمایوں کی ناکامیابی کے کیا خاص اسباب تھے؟ اس کو ہندوستان واپس آنے میں کن باتوں سے مدد ملی؟

۲- شیر شاہ سولہویں صدی کا ایک عظیم الشان فرمانروا اور فاتح تھا۔ اس بیان کی تائید کرو۔

چھبیسواں باب

مسلم سلطنت کی وسعت اور تنظیم

(۱۵۵۶ء - ۱۷۰۷ء)

ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی اس کی زندگی کا ابتدائی زمانہ بہت مصیبتوں اور تکلیفوں سے بسر ہوا۔ ۱۵۴۲ء میں جب امرکوٹ

دہلی کے قلعہ کا دہلی دروازہ

اکبر اور بیرم خاں
سنہ ۱۵۵۶ء تا سنہ ۱۵۶۰ء

کے قلعہ میں اس کی ولادت ہوئی تھی، اس کے والد کے پاس نہ مال و دولت تھی اور نہ اس کے رہنے کے لئے کوئی محفوظ مقام۔ بچپن ہی میں وہ اپنے چچا کامران کے ہاتھوں میں پڑ گیا اور قیدیوں کی طرح رہا۔ ہمایوں کے ہندوستان آنے پر اس کی قسمت نے پلٹا کھایا ہی تھا کہ اس کی ناگہانی موت نے اکبر کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ کابل اس کے چھوٹے بھائی مرزا حکیم کے قبضہ میں تھا شاہ فارس کا قندھار پر دانت تھا اور دلی پر عادل شاہ سور کے وزیر ہیمو نے قبضہ کر لیا تھا۔ مغلوں کی ہندوستانی سلطنت صرف پنجاب تک محدود تھی۔ ایسی پریشانی کے عالم میں بادشاہ کے محافظ بیرم خاں نے بڑی وفاداری اور بہادری کا ثبوت دیا۔

اس نے مغل فوج کو جوش دلا کر ہیمو پر حملہ کیا۔ پانی پت کے مشہور میدان جنگ میں افغانوں اور مغلوں میں ہندوستان کی سلطنت کے لئے پھر جنگ ہوئی۔ ہیمو کی آنکھ میں تیر لگ جانے کی وجہ سے فتح مغلوں کو ہی حاصل ہوئی۔ دلی آگرہ اور جونپور تک مشرقی ملک اکبر کے قبضہ میں آگیا۔ اب اس کی حالت مضبوط ہو گئی۔ اور بیرم خاں سلطنت کی وسعت کے منصوبے بنانے لگا۔ لیکن اس کی کامرانی اور اقتدار کی وجہ سے کچھ سردار اس سے حسد کرنے لگے۔ اکبر بھی اب بڑا ہو چلا تھا۔ اور بیرم خاں کے کچھ کاموں سے ناراض تھا اس لئے اس نے سنہ ۱۵۶۰ء میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینے کا اعلان کیا۔ اور بیرم خاں کو کسی صوبہ کی صوبہ داری قبول کرنے کو کہا۔ بیرم خاں ہندوستان چھوڑ کر مکہ جانے کو راضی ہو گیا۔ لیکن کچھ باتوں سے ناراض ہو کر اس نے بغاوت کر دی جس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ ایک بار پھر وہ مکہ کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن راستہ میں پاٹن میں اس کے ایک پرانے دشمن نے اسے مار ڈالا۔

عنان حکومت کو ہاتھ میں لینے کے بعد اکبر کل ہندوستان پر [illegible]

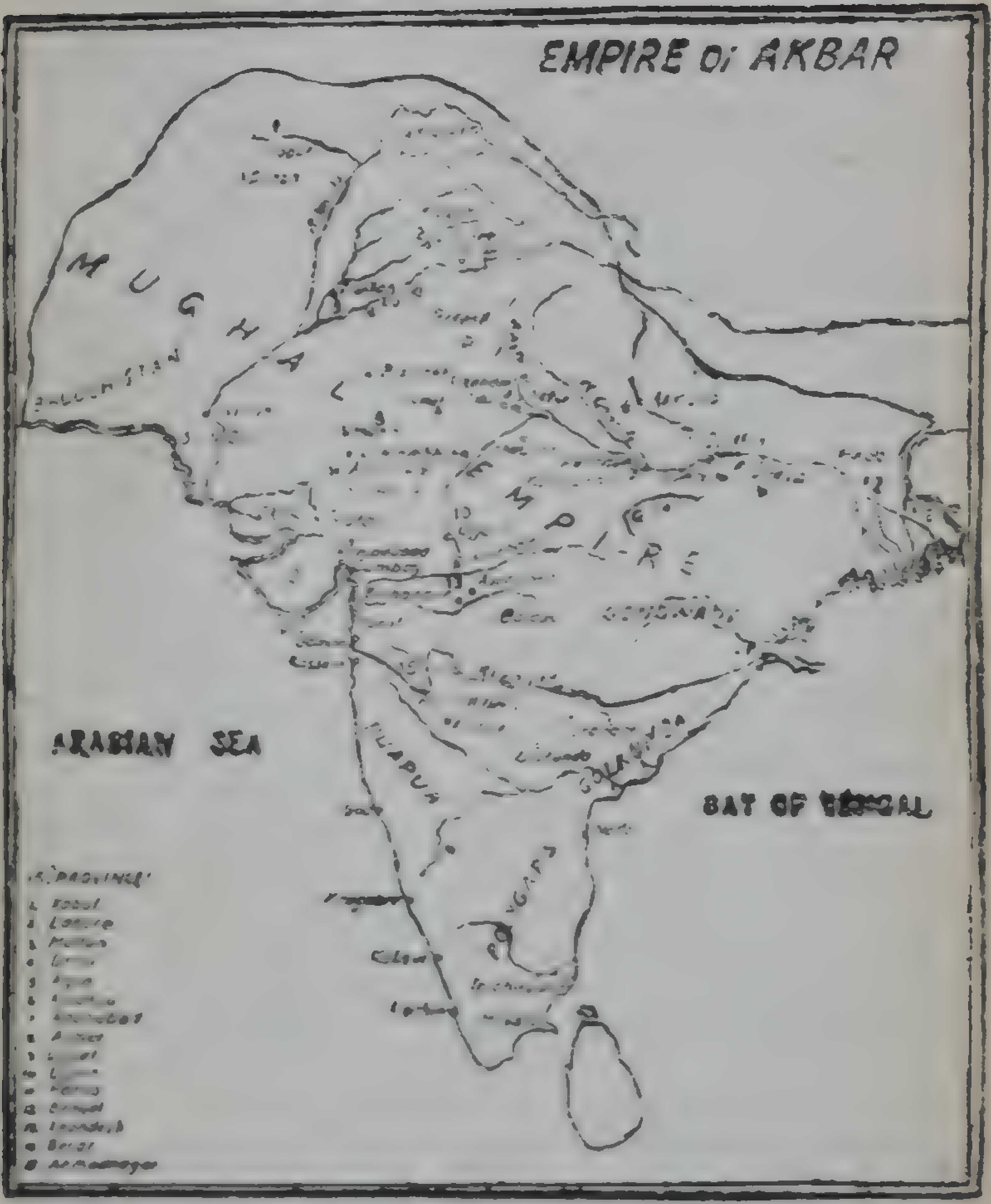
EMPIRE OF AKBAR
MUGHAL EMPIRE
ARABIAN SEA

اکبر کی توسیع سلطنت کی نئی تجویزیں

کرنے کی تجویزیں بنانے لگا۔ اس کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ مغل راجپوتوں کی مدد سے ہی ایک مستقل سلطنت قائم کر سکتے ہیں راجپوتوں اور ہندوستانی مسلمانوں میں فطرتاً دشمنی تھی۔ عہد مغلیہ سے قبل سلاطین نے راجپوتوں کو پامال کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن وہ مستقل طور پر کامیاب نہ ہوسکے اکبر اس بہادر جنگجو قوم کی محبت اور اعتماد حاصل کر کے انہیں کی مدد سے ایک بڑی سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ وہ ہندوؤں کو کافر اور ذلیل نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ وہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہتا تھا جو کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اس طرح وہ خود کو مذہبی طرفداری سے علیحدہ رکھکر راجپوتوں کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا تھا۔ راجپوتوں کے ساتھ جو طرز عمل اس نے اختیار کیا اس کی مندرجہ ذیل باتیں قابل توجہ ہیں:۔

(۱) ازدواجی تعلقات۔ راجپوتوں سے اپنی دوستی مضبوط اور مستقل بنانے کے لیئے اس نے راجپوت لڑکیوں سے اپنی اور اپنے لڑکوں کی شادیاں کیں۔ شادی کے بعد بھی راجپوت رانیاں ہندو مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کر سکتی تھیں۔ اور محلسرا میں ان کو بہت معزز مرتبہ ملتا تھا پہلا ازدواجی تعلق آمیر کے راجہ بھارمل سے ہوا۔ سنہ ۱۵۶۲ء میں میوات کے مسلم حاکم سے تنگ آکر بھارمل نے اکبر سے امداد طلب کی۔ اکبر نے مدد دے کر راجہ کی حفاظت تو کی۔ لیکن اس شرط پر کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی بادشاہ سے کردے اسکے بعد اکثر سب ہی معزز گھرانوں کی راجپوت لڑکیوں کی شادیاں بادشاہ کے خاندان میں ہوگئیں۔ صرف میواڑ کے سسودیوں اور رنتھمبور کے ہاڑوں نے مغلوں کے ساتھ شادیاں نہیں کیں۔

(۲) مذہبی طرفداری کا خاتمہ۔ اکبر نے راجپوتوں یا دیگر ہندوؤں پر کوئی مذہبی ظلم نہیں کیا۔ اس نے سنہ ۱۵۶۳ء میں تیرتھوں میں لگنے والا محصول اور

۱۵۶۴ء میں جزیہ لینا بند کردیا۔ اس نے راجپوتوں اور بیربل، ٹوڈرمل جیسے ہندوؤں کو اُن کی قابلیت کے مطابق اونچے اونچے عہدے دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوت اور دیگر ہندو اس سے محبت کرنے لگے۔ اور اس کی اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

(۳) زبردست فوجی طاقت کا مظاہرہ۔ وہ راجپوتوں پر اپنی ذاتی مردانگی اور اپنی فوج کی زبردست طاقت کا رعب دکھا کر انہیں دوستی کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس طرح ۱۵۶۷ء میں اس نے چتوڑ پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ رانا اودے سنگھ نے بادشاہ کی طاقت قبول نہیں کی۔ پھر بھی اکبر نے رانا کے بہادر سردار جے مل اور پتا کی مورتیاں بنوا کر قلعہ میں رکھوائیں۔ اور ان کی عزت کی۔ اسی طرح اس نے ۱۵۶۸ء میں سرجن ہاڑا سے رنتھمبور کا قلعہ اور راجہ رام چندر سے ۱۵۶۹ء میں کالنجر کا قلعہ حاصل کر لیا۔ ان فتوحات کا خاص فائدہ یہ ہوا کہ دوسرے راجپوت سردار اپنی خواہش سے ہی بادشاہ کے مطیع ہوگئے۔

(۴) اطاعت قبول کرنے پر فراخدلی کا برتاؤ۔ ان سب ہی ماتحت راجاؤں کے ساتھ وہ بہت فراخدلی کا برتاؤ کرتا تھا۔ اس نے صرف ان کی ریاستوں کے خاص قلعوں پر قبضہ کر کے باقی ریاستیں انھیں کو واپس کر دیں۔ اور اگر وہ اس کی ملازمت کرنے کو تیار ہو جاتے تھے تو وہ ان کو اونچے عہدوں کے علاوہ بڑی بڑی جاگیریں بھی دیتا تھا۔ اس طرح سرجن ہاڑا کو گونڈوانا کا اور مان سنگھ کو بنگال اور کابل کا گورنر بنایا گیا تھا۔ اور راجہ رام چندر کو بنارس کے پاس ایک جاگیر دی گئی تھی۔

(۵) اختلاف پیدا کرنے کی پالیسی کا استعمال۔ کبھی کبھی وہ راجپوت راجاؤں کے گھرانے کے لوگوں میں باہمی جھگڑا کر یا ان کے ماتحت سرداروں کو آزاد حکمران مان کر بھی اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس طرح اس نے رنتھمبور کے سرجن ہاڑا کو آزاد حکمران مان کر ایک نئی ریاست قائم

فتح پور سیکری—آگرہ

کردی۔ اور مارواڑ کے راؤ چندر سین کے خلاف اس نے موٹا راجہ ادے سنگھ اور بیکانیر کے راؤ کلیان مل کر بھڑ کایا۔ آگے چل کر اُدے سنگھ کو ہی اس نے مارواڑ کا حکمران تسلیم کر لیا۔ اسی طرح اس نے میواڑ میں شکتی سنگھ سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔

(۷) راجپوت بغاوتوں کو روکنے کی تدبیریں۔ راجپوتوں کے ساتھ محبت اور دوستانہ تعلقات رکھتے ہوئے بھی وہ انھیں بغاوت کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے راجپوتوں کے خاص قلعوں پر قبضہ کر کے وہاں اپنی فوج رکھدی۔ دوسرے اس نے ماتحت ریاستوں کے راجاؤں اور ان کے قابل لڑکوں اور سرداروں کو مغل فوج میں عہدے دیکر انھیں ان کی ریاستوں سے دور کہیں مقرر کر دیا۔

اکبر کے اس طرز عمل سے مغل سلطنت کو بہت فائدہ ہوا۔ تقریباً کل راجپوتانہ نہ صرف اس کا ماتحت ہو گیا بلکہ وہاں کا ہر سپاہی مغل سلطنت کا خادم اور محافظ بن گیا۔ ان راجپوتوں کی مدد سے اس نے ہندوستان کے دوسرے حصوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

اکبر نے راجپوتانہ کے علاوہ جس حصہ پر بھی حملہ کیا، اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور وہاں کے شاہی خاندان کو برطرف کر دیا۔ اس طرح ۶۲-۱۵۶۱ء میں اس نے مالوا کے حاکم باز بہادر کو شکست دیکر اس صوبہ پر قبضہ کر لیا۔ اور باز بہادر کی جگہ اپنے صوبہ دار مقرر کئے۔ ۱۵۶۴ء میں اس نے گونڈوانہ پر حملہ کیا۔ اور وہاں کی رانی درگاوتی کو شکست دیکر گونڈوانہ کے کافی بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ گونڈوانہ کی فتح کے بعد اس نے چتوڑ، رنتھمبور، کالنجر وغیرہ پر قبضہ کیا۔ اور راجپوتانہ کے دیگر راجاؤں کو ماتحتی میں لے لیا۔ اس کے بعد گجرات پر حملہ کیا۔ وہاں کا حکمران مظفر بالکل ناقابل تھا۔ دوسرے گجرات میں کئی باغی سردار مقیم تھے۔ ۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات پر قبضہ کر لیا اور مظفر کو صرف تیس روپیہ ماہوار پنشن دیدی۔

اکبر اور سلطنت کی وسعت

تھی۔ گجرات کے بعد بنگال کو فتح کرنا لازم تھا۔ اسی درمیان میں وہاں کے حکمران داؤد نے مغل سلطنت کے سرحدی قلعہ زمانیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے خلاف ایک فوج روانہ کی گئی اور ۱۵۷۶ء میں داؤد کی شکست اور وفات کے بعد بنگال پر بھی مغل سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔

اس طرح ۱۵۷۶ء تک صرف کاشمیر اور سندھ کو چھوڑ کر کل شمالی ہندوستان پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ راجپوتانہ میں دو راجہ اس کی ماتحتی قبول کرنے کو تیار نہ تھے، حالانکہ اکبر نے ان کو سمجھا بجھا کر اپنی طرف کرنے کی بہت کوشش کی وہ تھے میواڑ کے رانا پرتاپ اور مارواڑ کے راؤ چندر سین۔ اکبر نے ان کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر بھی وہ کسی طرح اپنی حفاظت کرتے رہے۔ اور رانا پرتاپ نے اپنی وفات سے قبل اپنی ریاست کا کافی حصہ دوبارہ فتح بھی کر لیا۔

سرحدی حکمت عملی اور سلطنت کی وسعت ۱۵۸۱ء - ۱۵۹۸ء

کل شمالی ہند کی فتح کے بعد اکبر نے اپنی سلطنت کی شمال مغربی سرحد کی طرف زیادہ توجہ کی۔ اس طرف سے پہلے بھی کئی حملہ آور آچکے تھے اکبر چاہتا تھا، کہ ایسا انتظام کیا جائے کہ یک بیک کوئی بیرونی حملہ آور ہندوستان میں داخل بھی نہ ہو سکے۔ اس کے زمانہ میں چار سمتوں سے خاص ڈر رہتا تھا۔

(۱) کابل کا حکمران اس کا چھوٹا بھائی مرزا حکیم تھا۔ اوزبیگوں اور دوسرے امیروں کے بھڑکانے سے اس نے ۱۵۶۶ء اور ۱۵۸۱ء میں حملے کئے تھے۔ ان حملوں کو بند کرنا تھا۔ اور کابل کے حاکم کو پورے طور پر مطیع بنانا تھا۔

(۲) دریائے سندھ کے اس پار ہندوستانی سرحد پر کچھ افغان ذاتیں رہتی تھیں۔ جو ہمیشہ لوٹ مار کیا کرتی تھی۔ اکبر کے مذہبی طرز عمل سے ناراض ہو کر کچھ کٹر مسلمانوں نے اسے کافر کہنا شروع کر دیا تھا اور اس کے خلاف بغاوت کرنا جہاد قرار دیا تھا۔ اس طرح ان لٹیرے افغانوں کو ہندوستان کی سرحد پر فساد برپا کرنے کے لئے

ب ایک اور بہانہ مل گیا تھا۔ ان افغانوں کو دبا کر شمالی مغربی سرحد کے نزدیک رہنے والے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا تھا۔

(۳) شاہ فارس نے ہمایوں کی وفات کے بعد ۱۵۵۸ء میں قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ کسی وقت قندھار سے آگے بڑھ کر ہندوستان پر حملہ کر سکتا تھا اس خطرہ کو دور کرنا بھی ضروری تھا۔

(۴) وسط ایشیا کے ازبک سردار ہمیشہ سے تیموریوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے ان کی ریاست بدخشاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ بدخشاں کا حاکم عبداللہ خاں افغانستان پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اس کے بعد ہندوستان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ یہ سب سے مشکل سوال تھا۔

کابل پر قبضہ

اس نے ۱۵۸۱ء میں مرزا حکیم کو کابل تک کھدیڑا، وہ چاہتا تھا اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے کہا کہ بادشاہ ہمایوں کی یادگار میں اسے زندہ چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا۔ لیکن اس نے حکیم کو واضح طور پر تنبیہہ کر دی، کہ اگر اس نے پھر کبھی شہنشاہ دلی کے خلاف کچھ بھی کام کیا تو صوبۂ کابل ہمیشہ کے لئے اس سے چھین لیا جائے گا اس تنبیہہ کا معقول اثر پڑا۔ اور مرزا حکیم خاموش ہو گیا۔ ۱۵۸۵ء میں اس کی وفات کے بعد کابل پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور مہاراجہ مان سنگھ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس طرح کابل کی طرف سے اب کوئی ڈر نہ رہا۔

یوسف زائیوں اور روشنیوں کو فرو کرنا

اکبر نے پنجاب اور کابل کی طرف سے باغی افغانوں کو بیچ میں دبا کر برباد کرنے کی تدبیر کی۔ یوسف زائیوں کے خلاف پہلے راجہ بیربل کو بھیجا۔ اس نے ان کی طاقت کو کم ضرور کیا۔ لیکن اتفاق سے وہ خود مارا گیا۔ اس کی وفات کی خبر پا کر اکبر بہت رنجیدہ ہوا۔ اور اس نے یوسف زائیوں کو برباد کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ راجہ ٹوڈرمل کو ایک دوسری فوج دیکر بھیجا گیا اور باغیوں

کو مکمل طور پر قابو میں کر لیا گیا۔

اسی زمانہ میں کابل کے نزدیک روشنیوں نے بغاوت کی ان کا سردار جلال تھا وہ جلال کو مہدی مانتے تھے۔ امام مہدی کے بارہ میں مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا جبکہ ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جو کل دنیا سے اسلام کے خلاف تمام باتوں کو مٹا دے گا۔ اور ساری دنیا میں اسلام پھیلا دیگا۔ روشنیوں کا اعتقاد تھا کہ جلال وہی مہدی ہے اور وہ بڑا فساد برپا کرنے لگے۔ کچھ لوگ ہندوستان میں بھی اس فرقہ کے پیرو ہو گئے لیکن ان کا سب سے زیادہ زور کابل میں تھا۔ بڑے خطرناک لوگ تھے۔ ان کی وجہ سے بہت بدامنی پھیلی۔ اکبر نے مان سنگھ کو حکم دیا کہ انہیں جلد فرو کیا جائے۔ شہنشاہ کے حکم کے بموجب ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کا سردار جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا دوسرے لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور ان لوگوں کی بغاوتیں بھی ختم ہو گئیں۔

فتح کاشمیر

افغانوں کو ہر طرف سے گھیرنے اور بدخشاں کے ازبگوں کا راستہ روکنے کے لئے اس نے کاشمیر پر بھی قبضہ کرنا ضروری سمجھا۔ راجہ بھگوان داس کے ساتھ ایک فوج بھیجی گئی۔ اس نے کاشمیر پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ۱۵۸۶ء میں کابل اور پنجاب کی سرحد پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہو گئی۔

بلوچستان اور قندھار

شمال مغربی سرحد کا شمالی حصہ مضبوط کرنے کے بعد اکبر نے جنوبی حصہ کی طرف توجہ کی۔ اس نے ۱۵۹۱ء میں سندھ فتح کر لیا اور ۱۵۹۵ء تک بلوچستان اور قندھار پر بھی قبضہ کر لیا۔ اکبر نے شاہِ فارس کے پاس سفیر بھیج کر دوستی بنائے رکھنے کی کوشش کی۔ اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا۔ اس طرح ۱۵۹۵ء تک اکبر نے دریائے سندھ کے مشرقی اور مغربی کناروں کے سب ہی ملکوں پر قبضہ کر کے اپنی شمال مغربی سرحد کو خوب مضبوط بنا لیا۔ ۱۵۹۸ء میں عبداللہ خاں

کی وفات ہوگئی اور اس وقت سے اُسے شمالی مغربی سرحد پر کوئی خطرہ نہ رہا۔
مشرق کی طرف اڑیسہ ابھی مغل سلطنت سے علیحدہ تھا۔ اکبر نے ۱۵۹۲ء

فتح اُڑیسہ سنہ ۱۵۹۲ء

میں اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ اُڑیسہ پر حملہ کرنے سے دو فائدے ہوئے۔ ایک تو بنگال کے باغیوں کو چھپنے کے لئے اب کوئی جگہ نہ رہی۔ دوسرے گونڈوانہ کے اس حصہ پر جو ابھی آزاد تھا قبضہ کرنا آسان ہوگیا۔

شمالی ہند کی فتح اور مشرقی و مغربی سرحد کو محفوظ کرنے کے بعد اکبر نے

فتح دکن سنہ ۱۵۹۶ء تا سنہ ۱۶۰۱ء

دکن فتح کرنے کا خیال کیا۔ اس نے خاندیش، احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں کے پاس سفیر بھیجے۔ اور کہا کہ دلی کی ماتحتی قبول کر لو۔ ان میں سے صرف خاندیش نے جس کی طاقت بھی کم تھی۔ اور جو مغل سلطنت کی سرحد کے نزدیک تھا ماتحتی قبول کر لی۔ باقی سلطانوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ سنہ ۱۵۹۶ء میں احمد نگر میں جانشینی کا جھگڑا چھڑ گیا۔ اکبر نے مراد کو فوج لیکر بھیجا۔ اس وقت احمد نگر کا انتظام چاند بی بی نامی ایک خاتون کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مغلوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور برار کا صوبہ دے کر ان کو واپس کر دیا۔ کچھ دن بعد چاند بی بی اور دوسرے سرداروں میں جھگڑا ہو گیا۔ یہ خبر پاتے ہی ۱۵۹۹ء میں اکبر خود دکن کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے برہان پور پر قبضہ کر لیا۔ احمد نگر کا کافی حصہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ وہاں سے واپس آتے وقت اس نے اسیر گڑھ کا محاصرہ کیا۔ اسیر گڑھ خاندیش کا سب سے مضبوط قلعہ تھا خاندیش نے مغل شہنشاہ کی ماتحتی پہلے ہی قبول کر لی تھی۔ لیکن اس وقت اس پر حملہ کرنا ضروری ہو گیا۔ کیونکہ وہاں کے حاکم نے پرتگالیوں سے صلح کر کے لڑائی کا سامان جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اکبر نہیں چاہتا تھا کہ ملک میں پرتگالی اقتدار بڑھے اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ دکن کے نئے صوبوں کے راستے میں

ایک ایسا مضبوط قلعہ کسی مشکوک شخص کے ہاتھ میں رہے سا سیر گڑھ کے محاصرہ میں بہت وقت لگا۔ لیکن آخر میں اکبر نے دشمن کے سپہ سالاروں کو لالچ دیکر اپنی طرف ملا لیا۔ اور ۱۶۰۱ء میں قلعہ پر اس کا قبضہ ہوگیا۔

یہ اکبر کی آخری فتح تھی۔ اس کی مملکت بہت وسیع تھی۔ اس میں کابل

اکبر کی مملکت

قندھار سے لیکر بنگال اور اڑیسہ تک اور کاشمیر سے لیکر احمد نگر تک کا ملک شامل تھا۔ اکبر کے عہدِ حکومت میں مذہبی اور سیاسی وجوہات سے بنگال، گجرات، کابل، راجپوتانہ وغیرہ میں کچھ بغاوتیں بھی ہوئیں۔ لیکن وہ اسی وقت دبا دی گئیں۔ اور اس کے خلاف کھڑے ہونے کی طاقت کسی میں نہ رہی۔

اکبر کی صرف ایک خواہش پوری نہ ہو سکی۔ سسودیئے اب بھی مغل

فتح میواڑ ۱۶۱۴ء

سلطنت سے باہر تھے۔ دکن فتح کرنے کے بعد اس نے مہارانا پرتاپ کے جانشین مہارانا امر سنگھ کو دبانے کے لئے ایک فوج تیار کی۔ لیکن اسی وقت بڑے شہزادے سلیم نے بغاوت کر دی۔ اس لئے میواڑ کو فتح کرنے کا کام پورا نہ ہو سکا۔ جب سلیم ۱۶۰۵ء میں جہانگیر کے نام سے تخت نشین ہوا۔ تو میواڑ کو فتح کرنا اس نے اپنا مقصد اوّلین بنایا۔ اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی زمانہ میں اسے بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جن میں سے اس کے بڑے بیٹے خسرو، بنگال کے حاکم شیر افگن اور عثمان خاں کی بغاوتیں خاص ہیں۔ اس لئے وہ میواڑ کے خلاف اپنی پوری طاقت نہ لگا سکا۔ اور رانا کے سپاہیوں کی بہادری کی وجہ سے سلطنت کے بہت سے تجربہ کار سپہ سالار میواڑ فتح کرنے میں ناکام رہے ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کر لی اور وہ انتظام حکومت میں بھی ہاتھ بٹانے لگی۔ اس نے خرم (شہنشاہ شاہجہاں) کو سپہ سالار بنا کر میواڑ پر بھیجا۔ اور فوج و رسد کا عمدہ انتظام کیا۔ سلطنت کی پوری طاقت کے

سامنے زیادہ دن ٹھہرنا ناممکن ہوگیا۔ اور رانا نے مغلوں کی ماتحتی قبول کرلی اس کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا گیا۔ اور اس کی سب شرطیں منظور کرلی گئیں۔ ان میں سے تین خاص شرطیں قابل ذکر ہیں۔ (۱) رانا کبھی مغل دربار میں نہیں جائینگے (۲) رانا مغلوں کی ملازمت نہیں کرینگے اور (۳) وہ کوئی ازدواجی تعلق قائم نہیں کرینگے۔ اس طرح راجپوتانہ کی واحد آزاد ریاست بھی مغلوں کے ماتحت ہوگئی۔

جہانگیر کی دوسری فتوحات ۱۶۱۷ء سے ۱۶۲۱ء

جہانگیر نے نگرکوٹ کا مشہور قلعہ فتح کرنے کے لئے ۱۶۲۰ء میں خرم کو بھیجا شہزادے نے اس پر قبضہ کر کے ترائی میں مغل سلطنت کو اور بھی پھیلادیا۔ اس کے علاوہ جہانگیر کے عہد میں احمد نگر ریاست سے کئی لڑائیاں ہوئیں کیونکہ وہاں ملک عنبر آزاد ہونے کی خواہش کررہا تھا۔ حالانکہ ان لڑائیوں سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ پھر بھی احمد نگر کی طاقت پہلے سے کم ہوگئی۔

قندھار کا ہاتھ سے نکلنا ۱۶۲۲ء

جہانگیر کے آخری ۷ سال آرام سے نہیں گزرے نور جہاں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا اور اس میں اور شاہجہاں میں کچھ شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی اس بات کی خبر پاکر شاہ فارس نے ۱۶۲۲ء میں قندھار پر قبضہ کرلیا۔ جہانگیر نے شاہجہاں کو وہاں جانیکا حکم دیا لیکن اس نے بغاوت کردی ۱۶۲۵ء تک یہ بغاوت فرو کردی گئی۔ لیکن اس کے فرد کرنے میں شہزادہ پرویز اور مہابت خاں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ پرویز تو ۱۶۲۶ء میں مرگیا۔ لیکن مہابت خاں نے بغاوت کردی اور شہنشاہ اور ملکہ معظمہ کو بھی قید کرلیا۔ نور جہاں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ اور نہ صرف خود کو اور بادشاہ کو آزاد کرلیا بلکہ مہابت خاں کی طاقت کو بھی پاش پاش کردیا اسکے تھوڑے ہی دن بعد جہانگیر بیمار پڑا اور ۱۶۲۷ء میں اس کی وفات ہوگئی۔

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا خرم شاہجہاں کے نام سے تخت نشین ہوا۔ وہ ایک ہوشیار سپہ سالار اور تجربہ کار سپاہی تھا۔ اس نے کئی لڑائیوں میں کامیابی

شاہجہان اور سلطنت کی توسیع حاصل کی تھی۔ اس کی بغاوت کی وجہ سے ہی قندھار اور دکن کا کچھ حصہ مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس لئے اس نے کم از کم اس کمی کو پورا کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ دکن میں دست اندازی کا موقع اسے جلدی مل گیا۔ مغل سردار خان جہان لودی نے بغاوت کردی۔ اسے دکن کی مسلمان ریاستوں سے بھی مدد ملی۔ شاہ جہاں نے خان جہاں لودی کو دبایا اور ۱۶۳۳ء میں احمد نگر کے باقی حصہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ ایک مرہٹہ سردار شاہ جی بھونسلا ایک نظام شاہی شہزادے کی طرف سے ۳ سال تک اور لڑتا رہا۔ لیکن ۱۶۳۶ء میں اسے لڑائی بند کردینی پڑی۔ اس طرح کل احمد نگر مغلوں کا مطیع ہو گیا۔ دکن کی دوسری دو ریاستوں (گولکنڈہ اور بیجاپور) نے بھی اس لڑائی میں مغلوں کے خلاف مدد دی تھی۔ اس نے ان سے جرمانہ وصول کیا۔ اور ان کو مغل بادشاہ کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

اس کے دو سال بعد ۱۶۳۸ء میں شاہجہان نے قندھار کے حاکم علی مردان کو روپیہ کا لالچ دیکر اپنی طرف ملا لیا۔ اور قندھار پر مغلوں کا پھر قبضہ ہوگیا۔ قندھار لینے کے بعد شاہجہان نے بلخ، بدخشاں، اور سمرقند پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھنا شروع کیا۔ ۱۶۴۵ء میں بدخشاں میں بغاوت شروع ہوئی۔ شاہجہان نے اس سے فائدہ اٹھا کر ۱۶۴۶ء میں اس پر قبضہ کرلیا۔ لیکن مغلوں سے وہاں کے باشندے خوش نہ رہے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۶۴۷ء میں کافی جان و مال کا نقصان اٹھانے کے بعد مغل فوج کو واپس آنا پڑا۔ اس شکست سے مغلوں کے اعزاز کو بڑا صدمہ پہونچا۔ اور ۱۶۴۸ء میں شاہ فارس نے پھر قندھار پر قبضہ کرلیا۔ شاہجہاں نے ۱۶۴۹ء، ۱۶۵۲ء اور ۱۶۵۳ء میں پوری کوشش کی۔ لیکن فارس والوں کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ قندھار ہمیشہ کے لئے مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

شمال مغربی سرحد کی لڑائیوں میں شہنشاہ کے تیسرے فرزند اورنگزیب نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ بادشاہ نے اس کی ناکامیابی سے ناراض ہوکر اُسے

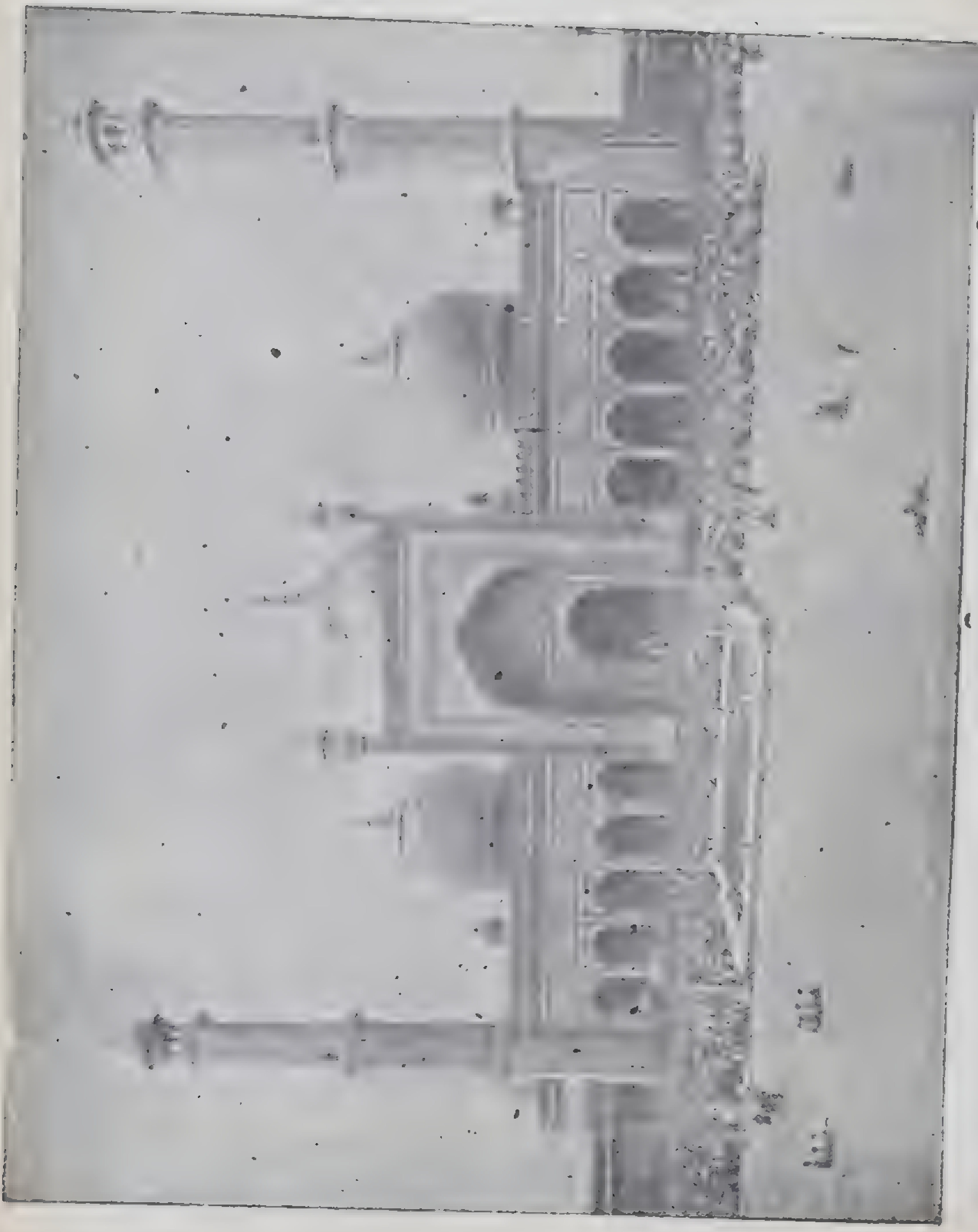

دکن کا وائسرائے مقرر کیا۔ اورنگ زیب اپنی کھوئی ہوئی عزت کو حاصل کرنے کے لئے دکن میں پھر لڑائی شروع کرنا چاہتا تھا اور ۱۶۵۶ء میں اس نے بیجاپور اور گولکنڈہ پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اجازت نہیں دی۔ پھر بھی اورنگ زیب نے ان ریاستوں کے کچھ قلعے چھین لئے۔ اور ان سے بہت دولت حاصل کی۔

دکن کی ریاستوں سے حاصل کی ہوئی دولت اور ان کو دبانے کے لئے جمع کی ہوئی فوج کی مدد سے اورنگ زیب تخت حاصل کرنے کی جنگ میں کامیاب ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ کو قید میں ڈال کر اور اپنے بھائیوں کو قتل کر کے دلی کا تخت حاصل کر لیا۔ شاہجہان کی طرح اورنگ زیب کو بھی میدان جنگ اور جنگ کے طرز عمل کا ذاتی تجربہ تھا۔ اس نے بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح سلطنت کی توسیع کی کوشش کی۔

اورنگ زیب اور سلطنت کی انتہائی وسعت

اس کے زمانہ میں دکن کی مسلمان ریاستوں کے علاوہ مہاراشٹر میں ایک نئی طاقت پیدا ہو رہی تھی۔ اورنگ زیب کو شمالی ہند میں کئی بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لئے وہ شواجی کو دبانے میں پوری طاقت نہ لگا سکا۔ اس نے بیجاپور اور گولکنڈہ کے مسلمانوں سے ملکر مرہٹوں کی طاقت کا خاتمہ کرنا چاہا لیکن شواجی کی زندگی میں وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ شواجی نے مغلوں کی غفلت پسندی اور دکن کی ریاستوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ایک آزاد ریاست بنائی۔ جس میں مہاراشٹر کا کافی حصہ شامل تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سمبھوجی تخت پر بیٹھا۔

سمبھوجی نے اورنگ زیب کے باغی لڑکے اکبر کو پناہ دی۔ اس وقت تک اورنگ زیب کی حالت کافی سنبھل گئی تھی۔ اس کے علاوہ مرہٹوں کو دبانا اب اشد ضروری ہو گیا تھا۔ اس لئے ۱۶۸۲ء میں بادشاہ نے ایک بڑی فوج لیکر دکن کی طرف کوچ کیا۔ چار سال کی لڑائی کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ بغیر بیجاپور

اور گولکنڈہ کو دبائے مرہٹوں کو شکست دینا ناممکن ہے اس لئے اس نے پہلے انھیں کا خاتمہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کا خاتمہ کرکے اس نے کل ریاست کو سلطنت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح ۱۶۸۷ء میں اس نے گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کا خاتمہ کر دیا اور اسے بھی مغل سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے دو سال بعد ۱۶۸۹ء میں اس نے سمبھوجی کو قید کر لیا۔ اور اسے قتل کرا دیا۔ لیکن مرہٹے لڑتے ہی رہے سمبھوجی کے بعد راجہ رام (۱۶۸۹ء تا ۱۷۰۰ء) اور اس کے بعد اس کی بیوی تارا بائی نے مرہٹوں کی لڑائی کو جاری رکھا اورنگ زیب نے تلوار اور روپیہ کے زور سے سب ہی مرہٹہ قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن مرہٹے دبے نہیں وہ سامنے آکر بادشاہ کا مقابلہ نہیں کرتے تھے بلکہ جب شاہی فوج آگے بڑھ جاتی تھی تو وہ قلعوں کی رسد منقطع کرکے ان پر پھر قبضہ کر لیتے تھے اس لئے ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے وقت حالت یہ تھی، کہ اگرچہ نام کے لئے کل جنوبی ہند مغلوں کا مطیع ہو گیا تھا، لیکن ان کی اصل طاقت صرف ان کی چھاؤنیوں تک ہی محدود تھی۔

سلطنت کی تنظیم

اکبر اور اس کے جانشینوں نے صرف سلطنت کی توسیع کو ہی اپنا مقصد نہیں بنایا بلکہ مفتوحہ ممالک کی تنظیم اور رعایا کی بہبودی کی طرف بھی توجہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مسلمان بادشاہوں کے مقابلہ میں مغلوں کا اقتدار بہت دنوں تک قائم رہا۔ اور رعایا کو بھی ان سے حقیقی محبت اور عقیدت ہو گئی۔ جس طرح بابر اور ہمایوں کی ابتدائی کوششوں کے بعد سلطنت کی توسیع کا کام اکبر کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے اسی طرح تنظیم اور اصلاح کا کام بھی اکبر کے ہی زمانہ سے شروع ہوا۔ راجپوتوں کے ساتھ جو اکبر کا طرز عمل تھا اس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ تعصب کو ہٹا کر اس نے سلطنت کی بنیاد کو بہت مضبوط کر دیا۔ امن و امان اور حسن انتظامی کے لئے اس نے انتظام حکومت میں کئی اصلاحیں کیں۔

اکبر کا انتظام حکومت

مقامی حکومت میں اس نے کوئی خاص تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ شیر شاہ کے وقت کے طریقوں کو ہی جاری رکھا۔ گاؤوں، پرگنوں اور سرکاروں کا انتظام پہلے جیسا ہی رہا۔ مرکزی حکومت میں اکبر نے کئی اصلاحیں کیں۔ اس نے سرکار کے کام کو کئی محکموں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر محکمہ کے لئے ایک صدر افسر مقرر کیا۔ جو اس محکمہ کے انتظام کا ذمہ دار تھا۔ ان افسروں میں محکمۂ مال کا صدر دیوان، فوج کے محکمہ کا صدر عارض ممالک، رسد اور سرکاری کارخانوں کا صدر۔ خان ساماں اور محکمۂ عدل و سخاوت کا صدر۔ صدر الصدور خاص تھے۔ اسی طرح توپخانہ، خفیہ، زراعت وغیرہ محکموں کے دوسرے چھوٹے بڑے افسر تھے۔ ان سب افسروں کے اوپر ایک وکیل مقرر کیا گیا جو بادشاہ کی طرف سے ان سب محکموں کی نگرانی کرتا تھا۔ بادشاہ خود ان عہدہ داروں سے الگ الگ اور متحدہ طور پر مشورہ کرتا تھا اور ان کے محکموں کا طرز عمل مقرر کرتا تھا۔ پہلے کے مسلمان بادشاہوں کو نئے قانون بنانے میں قرآن کی تعلیمات کا خاص خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اور ملّا مولویوں کی رائے ماننی پڑتی تھی۔ علاؤ الدین اور محمد تغلق نے ان کی خاص پرواہ نہیں کی تھی۔ لیکن اسی وجہ سے ان کی مخالفت بھی کی گئی تھی۔ اکبر نے ملاؤں کے نمائندوں سے ۱۵۷۹ء میں یہ اعلان کرا لیا۔ کہ بادشاہ کو مصلحت وقت کے مطابق نئے قانون بنانے کا اور عالموں میں اختلاف رائے ہونے پر کوئی ایک طریقہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے اس نے آزادی سے ضروری اصلاحوں کے قانون بنائے۔ صوبوں کے حاکموں کی نگرانی کے لئے بادشاہ نے دیوان اور ناظم کا عہدہ برابر رکھا۔ اور دونوں کو ایک دوسرے پر نگاہ رکھنے کے قابل بنا دیا۔ اس کے علاوہ وہ خفیہ افسروں دوروں (دورش) اور حاکموں کے تبادلوں کے ذریعہ بھی ان کو باغی ہونے سے روکے رہتا تھا۔

سلطنت کی وسعت اور حفاظت کے لئے اس نے فوج کا بھی معقول انتظام

فوج کا انتظام کیا۔ اکبر کی فوج میں پیدل، اسپ سوار، ہاتھی، توپخانہ اور کشتیوں کا بیڑا رہتا تھا۔ پیادے سپاہی زیادہ ہوشیار نہ تھے۔ نہ انھیں اچھی تنخواہ ملتی تھی، اور نہ ان کی طرف کوئی خاص توجہ کی جاتی تھی، اسپ سواروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ان کو ٹھیک رکھنے کے لئے بہت سی تدبیریں کی گئی تھیں۔ سب ہی گھوڑوں اور سواروں کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ گھوڑے اور سوار کا حلیہ اور وزن بھی درج کر لیا جاتا تھا۔ تنخواہ دیتے وقت دیکھا جاتا تھا، کہ مندرجہ بیان ملتا ہے یا نہیں اگر کسی گھوڑے یا سوار کا وزن کم ہو جاتا تھا تو اسے اس کا سبب بتانا پڑتا تھا۔ اکبر کا توپخانہ ہندوستانی راجاؤں کے مقابلہ میں بہتر تھا اکبر نے خود کئی نئی قسم کی توپیں ڈھلوائیں۔ لیکن وہ اتنی اچھی نہ تھیں، جتنی کہ ترکی یا یورپ والوں کی۔ ہاتھی اب بھی بڑے کام کے سمجھے جاتے تھے اور ان کو ٹھیک رکھنے کے بہت سے قاعدے بنائے گئے تھے۔ اکبر ایک شاندار جہازی بیڑا بنا کر ہندوستان کے سمندری ساحل کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا اور پرتگالیوں کے ظلموں کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مقصد پورا نہ ہو سکا اس کے پاس صرف کشتیوں اور بجروں کا ایک بیڑا تھا، جو دریاؤں کے راستہ سے حملہ کرنے کے کام آتا تھا۔ سپاہی تین قسم کے تھے، کچھ سپاہی بادشاہ کی ذاتی حفاظت کے لئے تھے، وہ احدی کہلاتے تھے۔ وہ مغل فوج میں سب سے اچھے سپاہی ہوتے تھے۔ ان کو پانچسو روپیہ ماہوار تک تنخواہ ملتی تھی۔ وہ اکثر بادشاہ کے ہی ساتھ جنگ کرنے جاتے تھے۔ دوسرے درجہ میں منصب داروں کے سپاہی ہوتے تھے۔ اکبر نے سرکاری افسروں کو ۳۳ درجوں میں بانٹ رکھا تھا۔ یہ درجے منصب کہلاتے تھے۔ ہر افسر منصب دار کہلاتا تھا۔ منصب دار دس سپاہیوں سے لے کر دس ہزار تک کے ہوتے تھے۔ لیکن دس ہزاری منصب دار صرف شاہی خاندان کے لوگ ہی ہو سکتے تھے۔ دوسرے لوگوں کے لئے اونچے سے اونچا منصب ہفت ہزاری

تھا۔ مان سنگھ اور عزیز کوکا (جو اکبر کی دودھ پلانے والی دایہ کا لڑکا تھا، اور جسے اکبر بھائی کی طرح مانتا تھا) کو ہفت ہزاری منصب ملا تھا۔ یہ منصب دار فوجی افسر بھی ہوتے تھے اور دوسرے محکموں میں بھی کام کرتے تھے۔ ان کی تنخواہ ان کے منصب کے مطابق ہی مقرر کی جاتی تھی۔ انھیں سپاہیوں کی مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی اور ان کا خرچہ بھی وہ خود ہی برداشت کرتے تھے۔ جو سپاہی ان افسروں کی ماتحتی میں رہتے تھے وہ منصب داری سپاہی کہلاتے تھے۔ انھیں بھی بادشاہ کے بنائے ہوئے آئین اور قوانین کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ داغ، حلیہ اور وزن وغیرہ کے قاعدے ان پر بھی لاگو ہوتے تھے۔ بادشاہ کسی وقت بھی ان کا معائنہ کر سکتا تھا۔ اور ان کو لڑائی کے وقت بلا سکتا تھا۔ لیکن معمولی طور پر وہ منصب دار کی ہی ماتحتی میں رہتے تھے۔ اور وہی ان کو مقرر کرتا، انھیں تنخواہ دیتا اور ان کی ترقی کرتا تھا۔ اس لئے اس درجہ کے سپاہی منصب دار کو ہی اپنا مالک سمجھتے تھے۔ یہ اس طریقہ کی خرابی تھی۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ کبھی کبھی منصب دار مقررہ تعداد سے کم سپاہی رکھتے تھے یا ان کو کم وقت کے لئے رکھتے تھے۔ اور اس طرح تمام روپیہ کھا جاتے تھے۔ اور ان کے سپاہی بھی اچھی حالت میں نہیں رہتے تھے۔ اس لئے اس قسم کے سپاہی بہت اچھے نہیں ہوتے تھے۔ لڑائی کے وقت بادشاہ ماتحت ہندو راجاؤں سے بھی مدد مانگ سکتا تھا اور ان کو سپاہی بھیجنے پڑتے تھے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر نے فوج میں بہت سی اصلاحیں کیں اور اس نے سابق بادشاہوں کی فوج سے بہت بہتر بنا دیا۔ پھر بھی اس میں کچھ خرابیاں رہ ہی گئیں۔ آگے چل کر جب منصب داروں کو بعد کے مغل بادشاہوں نے نقد تنخواہ کے بجائے جاگیریں دیں تو سلطنت کو ایک بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ بغاوتیں کرنے لگے۔

اکبر نے رعایا کے آرام کا خیال رکھتے ہوئے محصول مقرر کئے۔ اس نے محصول

اقتصادی اصلاحیں کے بارے میں ہندو مسلمان کی تفریق نہیں کی۔ اس نے ہندؤں سے جزیہ لینا بند کر دیا۔ ان کے متبرک مقامات (تیرتھ استھان) پر لگنے والے محصول بھی بند کر دیئے گئے۔ زمین کا لگان ہندو مسلمانوں سے برابر لیا جاتا تھا چنگی بھی سب کے لئے یکساں کر دی گئی۔ ان قاعدوں سے ہندو رعایا مطمئن ہوئی لیکن مسلمانوں میں کچھ ناراضگی پھیلی۔ انہوں نے کچھ بغاوتیں بھی کیں، لیکن وہ دبا دیئے گئے۔ اکبر نے کسانوں کی حالت سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ اس کا دہ سالہ انتظام بہت مشہور ہے ملک کی کل زمین کی پیمائش کی گئی۔ ہر کھیت کی دس سال کی اوسط پیداوار نکالی گئی اور اس کا ایک ثلث ⅓ سرکاری لگان مقرر کیا گیا سرکاری لگان نقد روپیوں میں ہی لیا جاتا تھا۔ پیداوار کی قیمت مقرر کرنے کے لئے بھی گذشتہ دس سال کے نرخ کا اوسط لیا گیا اس طرح رعایا سے جو محصول مانگا گیا وہ پہلے کی بہ نسبت بہت مناسب تھا۔ یہی محصول ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ لگان فی بیگھہ کے حساب سے مقرر کیا گیا تھا، اگر ایک بیگھہ کھیت میں گیہوں بویا جاتا تھا، تو اس کا لگان مٹر والے ایک بیگھہ کھیت سے زیادہ ہوتا تھا۔ کیونکہ گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی تھی۔ اس طرح جنس کے لحاظ سے لگان وصول کیا جاتا تھا۔ کھیتوں کی پیمائش کے لئے لوہے کی جریب استعمال کی گئی کیونکہ مونج، سن یا تانت کی رسیاں کاٹی کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔ اکبر نے لگان ادا کرنے کے لئے ایک فصلی سال ایجاد کیا۔ جو آفتاب کے گرد زمین کے گردش کرنے کے مطابق شمار کیا جاتا تھا۔ فصل خراب ہو جاتے، قحط پڑنے یا چیزوں کا نرخ بہت ارزاں ہونے پر سرکاری لگان کم کر دیا جاتا تھا، یا بالکل ہی معاف ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ رعایا کو سرکار کی طرف سے بھی مدد دی جاتی تھی۔ سرکاری افسروں کو حکم تھا کہ وہ کسانوں کو کسی طرح تنگ نہ کریں۔

اکبر کی وفات کے بعد مغل سلطنت کے اختتام تک اکثر یہی انتظام حکومت رہا۔

سترھویں صدی کی تبدیلیاں

اس کے جانشینوں نے کچھ باتوں میں تھوڑی سی ردّ و بدل کر دی۔ جہانگیر نے یہ قانون بنایا کہ بڑے عہدہ داروں کے مرنے پران کی ملکیت سرکار کی ہو گی۔ اس حکم کی وجہ سے ان میں فضول خرچی بڑھ گئی۔ لیکن سرکاری آمدنی کا ایک نیا ذریعہ نکل آیا۔ اس نے صوبوں دپایۂ تخت کے حاکموں کو یہ بھی حکم دیا کہ ایسا کوئی محصول نہ لگایا جائے جس کی منظوری بادشاہ نے نہ دی ہو۔ اس کے عہد میں بڑا سے بڑا منصب چہل ہزاری (چالیس ہزار) ہونے لگا۔ گو یہ صرف شاہی خاندان کے لوگوں کو ہی دیا جاتا تھا۔ اس نے عدل کے لئے بھی پہلے سے زیادہ آسانیاں عطا فرمائیں۔

شاہجہان کے عہد میں حکومت میں کئی خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ جن کی ذمہ داری اسی کے بدلے ہوئے طرزِ عمل پر ہے۔ اس نے سرکاری ملازموں کو پندرہ ہزار تک کے منصب دینا شروع کر دیئے اور ان کو نقد تنخواہ کے بجائے جاگیریں دینے لگا۔ اس نے ان کے سپاہیوں اور گھوڑوں کی جانچ میں ڈھیل ڈالکر انھیں بے ایمان اور لاپرواہ بنا دیا اس کے عہد میں زمین کا لگان $\frac{1}{3}$ سے زائد کر دیا گیا۔ سرکاری افسر خوب رشوت لینے لگے۔ بادشاہ کا مذہبی طرزِ عمل بھی ٹھیک نہ تھا۔ اس نے ہندوؤں کو اونچے عہدے دینا بند کر دیا۔ اور کئی مقاموں پران کے مندر منہدم کرا دیئے۔ اور پرانے مندروں کی مرمت کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس تعصّب کی وجہ سے بے اطمینانی کی لہریں اٹھنے لگیں۔ جو اس کے فرزند کے زمانہ میں بہت خوفناک ثابت ہوئیں۔

اورنگ زیب اپنے باپ سے بھی زیادہ کٹر تھا اس نے شیعاؤں

اور ہندوؤں کے دوست داراکو شکست دے کر سلطنت حاص
کی تھی اس لئے وہ سُنیوں کو خوش کر کے ان کی پوری مدد حاصل کر
چاہتا تھا۔ اس نے ہندو اور شیعہ دونوں کو ہی کافر سمجھا۔ اور ا
کوئی بڑا اونچا عہدہ نہیں دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری نوکری قابلیت
کے بجائے صرف مذہب کے لحاظ سے ملنے لگی۔ نا قابل اہلکاروں ک
وجہ سے انتظامِ سلطنت آہستہ آہستہ بگڑنے لگا۔ شیعہ اور ہ
بادشاہ کے اس تعصّبانہ طرزِ عمل سے ناراض ہو گئے۔ ہندوؤ
کے ساتھ بادشاہ کا برتاؤ خاص طور پر خراب تھا۔ اس نے ان
پھر سے جزیہ لگایا جسے بڑی سختی سے وصول کیا گیا۔

طرزِ حکومت میں تبدیلی

اس طرح اورنگ زیب نے مذہبی طرزِ عمل کو بالکل پلٹ دیا اس تب
کا ایک سبب اوپر بتایا جا چکا ہے۔ دوسرا سبب اورنگ
زیب کا ذاتی اعتقاد تھا۔ وہ نہایت کٹر سُنّی مسلمان تھ
اور اسلام کی نشر و اشاعت وہ اپنا فرضِ اولین سمجھتا تھ
تیسری بات یہ بھی ہے کہ سولہویں اور سترھویں صدی میں بہت سے شا
اور مہاتما ہوئے جو ہندوؤں میں مذہبی تعلیم پھیلانے کے ساتھ ساتھ آ
کے خواہاں تھے۔ کہیں کہیں ان سے متاثر ہو کر کچھ مسلمان بھی ہندو مذہ
کی طرف راغب ہونے لگے تھے جیسے چیتنیہ، ولبھ۔ نانک کے شاگردوں میں
مسلمان بھی شامل تھے۔ اورنگ زیب نے مذہب کی بنیاد رکھنے والی آ
کی تحریک کو دبانے کے لئے مذہبی بنیاد پر قائم ہونیوالے سلطانی طرزِ عمل کی
کی۔ اس لئے اکثر مندر دہیں توڑے گئے۔ جہاں ہندوؤں نے بغاوت ک
یہ بھی سزا کا ایک طریقہ بنا دیا گیا۔ اس کی ابتدا شاہجہاں کے عہد سے ہی ہو
تھی۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اگرچہ اورنگ زیب نے تعصبانہ طرزِ عمل

EMPIRE OF AURANGZEB
1707
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL

سلطنت کو کافی نقصان پہونچا۔ پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ کچھ حد تک حالات اور واقعات نے اسے اس طرزِ عمل کی پیروی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور وہ خود اس کا بانی نہ تھا۔ بلکہ اس نے اس پر زیادہ عمل کیا۔

اورنگ زیب کے طرزِ عمل میں دوسری خاص بات یہ ہے کہ وہ سب پر شبہ کرتا تھا اس نے اپنے والد کو ہی قید کر لیا تھا اور اپنے بھائیوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس لئے اسے ہمیشہ شک و شبہ رہتا تھا کہ سلطنت کا کوئی ملازم یا خود اس کے لڑکے موقع پا کر اس کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اس شک کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی ملازم کبھی وفادار و جاں نثار نہ ہو سکے وہ بھی ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے کہ نہ معلوم بادشاہ کس بات پر ناراض ہو جائے۔ وہ اکثر ہر بات کو خود ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے وکیل کے عہدہ کو توڑ دیا۔ اس سے بھی انتظام حکومت خراب ہونے لگا۔ اور بادشاہ کے لڑکوں کو انتظام حکومت کا تجربہ حاصل کرنے کا کافی موقع نہیں ملا۔

بغاوت

اورنگ زیب کے تخت پر بیٹھتے ہی بغاوتیں ہونے لگیں اس عہد کی بغاوتوں میں وہی بات نمایاں ہے جو ستر ھویں صدی کی ہندو بغاوتوں میں تھی۔ باغی یہ طے سا کر چکے تھے کہ وہ بادشاہ کے ماتحت نہ رہینگے۔ اگر بادشاہ کی طاقت زیادہ ہو جاتی تھی تو انہیں کچھ عرصہ کے لئے دبنا پڑتا تھا۔ ان کے مکان، مندر اور کھیت برباد کر دیئے جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے سردار بری طرح مار ڈالے جاتے تھے۔ لیکن شاہی فوج کے ہٹتے ہی وہ پھر بغاوت کرنے لگتے تھے۔ اور نئے سردار پرانے سرداروں کی جگہ لے لیتے تھے۔ یہ بات تقریباً کل ہی ہندو بغاوتوں میں پائی جاتی ہے یہ بھی ایک مرکے کی بات ہے کہ اس وقت جتنی بغاوتیں ہوئیں۔ ان سب کے سردار ہندو ہی تھے۔ ان کے خلاف صرف افغان ذاتیں ہیں جو ہمیشہ لوٹ مار کی تاک میں رہتی تھیں جن کی نظر میں دولت کے مقابلہ میں مذہب کوئی وقعت نہ رکھتا تھا۔

نتیجہ اکبر اور اورنگ زیب کا عہد حکومت مغل سلطنت کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے ایک نے اپنی دور اندیشی، بہادری اور عقل مندی سے سلطنت کی توسیع کی اور اس کی جڑیں مضبوط کیں۔ دوسرے نے اپنے تعصب اور اپنی ضد سے اسی سلطنت کی بربادی کی رہنمائی کی۔

خاص تاریخیں

بیرم خاں کا زوال	۱۵۶۰ء
آمیر سے ازدواجی تعلق	۱۵۶۲ء
فتح گونڈوانہ اور جزیہ کا خاتمہ	۱۵۶۴ء
فتح چتوڑ	۱۵۶۸ء
فتح رنتھمبھور	۱۵۶۸ء
راجپوتانہ کے راجاؤں کا اطاعت قبول کرنا	۱۵۶۹ء
فتح گجرات	۱۵۷۲ء
بنگال پر قبضہ	۱۵۷۶ء
دہ سالہ بندوبست کی ابتداء	۱۵۸۲ء
مرزا حکیم کی وفات	۱۵۸۵ء
فتح کاشمیر	۱۵۸۶ء
سندھ پر قبضہ	۱۵۹۱ء
فتح اُڑیسہ	۱۵۹۲ء
بلوچستان پر قبضہ	۱۵۹۴ء
فتح قندھار	۱۵۹۵ء
برار کا مغل سلطنت میں شامل ہونا	۱۵۹۶ء
احمد نگر پر مغلوں کا قبضہ	۱۶۰۰ء

خاندیش پر مغلوں کا قبضہ	۱۶۰۱ء
فتح میواڑ	۱۶۱۴ء
فتح کانگڑہ	۱۶۲۰ء
قندھار پر فارس کا قبضہ	۱۶۲۲ء
خرم کی بغاوت	۱۶۲۲ء سے ۱۶۲۵ء
مہابت خاں کی بغاوت	۱۶۲۶ء
شاہجہان کی تاجپوشی	۱۶۲۸ء
احمد نگر کے شاہی خاندان کا خاتمہ	۱۶۳۳ء
قندھار پر مغلوں کا دوبارہ قبضہ	۱۶۳۸ء
بلخ، بدخشاں کی لڑائی	۱۶۴۵ء سے ۱۶۴۷ء
قندھار کا ہاتھ سے نکلنا	۱۶۴۹ء
اورنگ زیب کی تاجپوشی	۱۶۵۸ء ۔ ۱۶۵۹ء
شیواجی کی وفات	۱۶۸۰ء
شہزادہ اکبر کا سمبھوجی سے ملنا	۱۶۸۱ء
بیجاپور کا مغل سلطنت میں شامل ہونا	۱۶۸۶ء
گولکنڈہ پر قبضہ	۱۶۸۷ء
سمبھوجی کی وفات	۱۶۸۹ء
راجہ رام کی وفات	۱۷۰۰ء
اورنگ زیب کی وفات	۱۷۰۷ء

مشق کے لئے سوالات

(۱) اکبر کی تاجپوشی کے وقت مغلوں کے سامنے کیا مشکلات تھیں؟ بیرم خان نے ان کو دور کرنے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟

۲ - اکبر کی راجپوت پالیسی کیا تھی؟ اس کا سلطنت پر کیا اثر پڑا؟

۳ - اکبر نے شمال مغربی سرحد کی مشکلات کو کس طرح آسان کیا؟

۴ - اکبر کی دکن پالیسی کیا تھی؟ اس کا سلطنت پر کیا اثر پڑا؟

۵ - اورنگ زیب کی دکن پالیسی کا سلطنت پر کیا اثر پڑا؟

۶ - مغلوں اور میواڑ کے راجاؤں کے تعلقات پر ایک مضمون لکھو۔

۷ - فارس اور مغل سلطنت کے تعلقات بیان کرو۔

۸ - اکبر نے انتظام حکومت میں کیا اصلاحیں کیں؟ اس نے ہندوؤں کو قابو میں کرنے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟

۹ - شاہجہان کے عہد میں طرز حکومت میں کیا خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں؟ کیا اورنگ زیب کے طرز عمل کی بنیاد شاہجہان کے ہی طرز عمل پر تھی؟

ستائیسواں باب

مغل سلطنت کا زوال

شاہجہان کی حکمت عملی

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل سلطنت بڑی تیزی سے زوال پذیر ہونے لگی۔ اور ۵۰ سال کے اندر ہی اس کے جانشین برائے نام بادشاہ رہ گئے۔ اس زوال کی پوری ذمہ داری اکثر اورنگ زیب پر ہی رکھی جاتی ہے۔ لیکن تاریخ کی رو سے یہ صحیح نہیں ہے۔ سلطنت کے زوال میں کئی شخصیتوں اور کئی حالتوں نے مدد دی ہے۔ لیکن اورنگ زیب کی شخصیت اور اس کی حکمت عملی ایک خاص اہمیت ضرور رکھتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ شاہجہان کے زمانہ سے ہی زوال کے

آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ قندھار اور بدخشاں کی شکست، تعصّب کی ابتداء منصب داری میں خرابیاں۔ رشوت ستانی اور تخت نشینی کی خوفناک جنگ اس زوال کی علامتیں تھیں۔

اورنگ زیب کی حکمت عملی کا بُرا نتیجہ

اورنگ زیب کے عہد میں مغل سلطنت کا ظاہری ڈھانچہ کافی شاندار بنا رہا۔ لیکن اس کی طاقت کم ہوگئی اور بنیاد ہل گئی۔ اس کا سبب بادشاہ کی مذہبی حکمتِ عملی اور بداعتقادی تھی۔ اس حکمتِ عملی کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس کے خراب نتیجوں کی طرف صرف کچھ اشارہ کر دینا ہے۔ اورنگ زیب کی حکمتِ عملی سے مختلف ممالک کے ہندو ناراض ہو گئے، اور انہوں نے بہت سی بغاوتیں کیں۔ بادشاہ کا زیادہ دباؤ پڑنے پر وہ کچھ دنوں کے لئے خاموش ہو جاتے تھے۔ ان کے گھر، مندر اور کھیت برباد کر دیئے جاتے تھے اور کبھی کبھی ان کے سردار بُری طرح مار ڈالے جاتے تھے۔ لیکن شاہی فوج کے ہٹتے ہی وہ پھر بغاوت کرنے لگتے تھے اور پرانے سرداروں کی جگہ دوسرے لوگ لے لیتے تھے۔ یہ ایک معرکہ کی بات ہے کہ اس عہد کی زیادہ تر بغاوتوں کے سردار ہندو ہی تھے۔ پہلی بغاوت وسطِ ہند کے چمپت رائے بندیلا نے کی۔ وہ شکست پانے پر کچھ دنوں تک جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپتا پھرا اور آخر میں اُسے خودکشی کرنی پڑی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے چھتر سال نے کئی بغاوتیں کیں۔ اور آخر میں بندیلوں کی ایک آزاد ریاست قائم ہوگئی۔ ان کی وجہ سے بادشاہ کو دکن کی لڑائیوں میں بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ کیونکہ وہ رسد لوٹ لیتے تھے۔

متھرا میں ایک مندر کے کھنڈروں پر مسجد بنائی گئی اس وجہ سے ہندوؤں میں بہت اشتعال پیدا ہوا۔ بعد میں کیشورائے کے مندر کی پتھر کی چہار دیواری اکھاڑ کر اسی میں لگائی گئی۔ اس سے بدامنی بہت بڑھ گئی۔ ۱۶۶۹ء میں گوکل

جاٹ نے بغاوت کی۔ وہ مارا گیا۔ لیکن بغاوت کبھی فرو نہ ہوئی۔ آگے چل کر چورامن نے بھرت پور کی جاٹ ریاست کی بنیاد ڈالی اور مغل سلطنت کا اثر کم کر دیا۔

۱۶۷۸ء میں مہاراجہ جسونت سنگھ کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے اس کے نوزائیدہ لڑکے اجیت اور اس کی ماں کو مارواڑ پر قبضہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اجیت کو مغل دربار میں رکھنا چاہا۔ اس لئے درگا داس کی سرکردگی میں راجپوتوں نے بغاوت کی۔ اس میں میواڑ کے رانا بھی شریک ہو گئے۔ آمبر کے راجہ جے سنگھ پہلے ہی مر چکے تھے لوگوں کو شک تھا کہ شہنشاہ نے اُسے زہر دلا کر مروا ڈالا ہے۔ اس لئے راجپوتانہ کی دوسری ریاستوں میں بھی کم و بیش بدامنی پھیل گئی تھی۔ یہ بغاوت جاری تھی، کہ دکن میں مرہٹوں اور پنجاب میں سکھوں نے بغاوتیں شروع کر دیں۔ ان کو دبانے کی کوشش میں بادشاہ نے سلطنت کی طاقت کو بہت نقصان پہونچایا۔ مرہٹوں کی لڑائی میں ہزاروں آزمودہ کار سپاہی مارے گئے۔ بے شمار دولت خرچ ہوئی۔ اور بادشاہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے شمالی ہند کی بغاوتیں زور پکڑ گئیں۔ انتظام سلطنت خراب ہو گیا اور سلطنت کی بربادی کا راستہ صاف ہو گیا۔

ناقابل جانشین

اورنگ زیب کے سب ہی جانشین ناقابل تھے۔ ان میں نہ تو سلطنت سنبھالنے کی عقل تھی۔ اور نہ امیروں کو قابو میں رکھنے کی قابلیت۔ جانشینی کا کوئی مقررہ قاعدہ نہ ہونے کی وجہ سے شاہی خاندان کے ہر شخص کو تخت حاصل کرنے کی آرزو ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے لوگ تخت پر بیٹھتے رہے۔ اور بادشاہ کی طاقت برابر کمزور ہوتی گئی۔

اورنگ زیب کے تین بیٹے تھے۔ اعظم، معظم اور کام بخش۔ ان میں سلطنت کے لئے جنگ ہوئی۔ اس میں معظم کامیاب ہوا۔ اور وہ بہادر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس نے صرف پانچ سال حکومت کی۔ اس نے سکھوں اور

راجپوتوں سے صلح کر کے ان کی بغاوتوں کا خاتمہ کیا۔ اور شمبھوجی کے بیٹے شاہو کو قید سے آزاد کر کے مرہٹوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ امیروں کو اچھی طرح قابو میں نہ رکھ سکا۔

اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں جنگ ہوئی۔ اور جہاں دار شاہ بادشاہ ہوا۔ اپنی بد اعمالی، بیوقوفی، بے رحمی اور بزدلی کی وجہ سے اسے جلدی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے اور ۱۷۱۳ء میں اس کا بھتیجا فرخ سیر بادشاہ ہوا۔

فرخ سیر کے عہد میں عبد اللہ اور حسین علی نامی دو بھائیوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا۔ وہ ہی حقیقی بادشاہ ہو گئے۔ فرخ سیر نے انہیں ہٹانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور ۱۷۱۹ء میں اسے ہلاک کر دیا گیا۔

اس کی وفات کے بعد سید برادران نے اپنی خواہش کے مطابق کئی بادشاہ تبدیل کئے۔ اور آخر میں محمد شاہ کو بادشاہ بنایا۔ محمد شاہ نے ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۸ء تک حکومت کی۔ وہ بہت بے وقوف نہ تھا لیکن اسے اپنی ذات پر اعتماد نہ تھا۔ اور وہ بے حد کاہل تھا۔ اس نے سید برادران عبد اللہ اور حسین علی کو ضرور مروا ڈالا۔ لیکن وہ حکومت کو سنبھال نہ سکا۔ اس کے عہد میں کئی صوبے آزاد ہو گئے۔ اور ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے حملہ کیا۔ اس حملہ نے سلطنت کو بالکل کمزور کر دیا۔

محمد شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم بادشاہ ہوئے۔ لیکن وہ سب کے سب برائے نام بادشاہ تھے۔ ان کے امیر جو چاہتے تھے وہ کرتے تھے۔ اسی وقت دکن سے مرہٹوں نے اور مغرب سے احمد شاہ ابدالی نے کئی حملے کئے۔ صوبوں میں کئی بغاوتیں جاری تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغل بادشاہ شاہ عالم ۱۷۶۱ء میں ایک طرح سے احمد شاہ ابدالی کا ماتحت ہو گیا۔ چار سال

ہوا محل ۔ جے پور

جلد ہی اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ اس نے انگریزوں سے صلح کر لی اور ان کے خرچ سے الٰہ آباد میں رہنے لگا۔ آزادی کی خواہش سے ۱۷۷۱ء میں وہ مرہٹوں سے مل گیا۔ یہاں اس کی قسمت نہ بدلی ۱۷۸۸ء میں روہیلوں نے اسے اندھا کر دیا۔ اور ۱۸۰۶ء میں وہ انگریزوں کی پنشن کھاتے ہوئے اس جہان فانی کو خیرباد کہہ گیا۔

شاہ عالم کے بعد اکبر دوم (۱۸۰۶ء - ۱۸۳۷ء) اور بہادر شاہ دوم (۱۸۳۷ء - ۱۸۵۷ء) مغل بادشاہوں کے نام سے موسوم رہے۔ ۱۸۵۷ء میں ایک غدر ہوا جو سارے ملک میں پھیل گیا۔ بہادر شاہ بھی اس میں شریک تھا اس لیے اسے رنگون بھیج دیا گیا اور مغلوں کے محلوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ بہادر شاہ آخری مغل بادشاہ تھا۔ ۱۸۶۲ء میں اس کی وفات ہو گئی۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی نالائقی سے سلطنت کو بہت نقصان ہوا لیکن

امیروں کی فرقہ بندی

سلطنت کے زوال کا ایک دوسرا خاص سبب امیروں کا باہمی بغض و حسد بھی تھا۔ اس وقت دربار میں امیروں کی تین جماعتیں تھیں :-

(۱) ہندوستانی گروہ۔ اس کے سردار سید برادران عبداللہ اور حسین علی تھے۔ اس میں عام طور پر وہ امیر شامل تھے جو ہندوستانی نژاد تھے ان کے ساتھ بہت سے ہندو سردار بھی تھے۔

(۲) تورانی گروہ۔ اس میں وسط ایشیا کے لوگ تھے وہ غیر ملکی تھے اور سنی مذہب کے پیرو تھے۔ وہ اپنے گروہ والوں کو ہی بڑے بڑے عہدے دلانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے سردار محمد امین خان اور نظام الملک تھے۔

(۳) ایرانی گروہ۔ اس میں زیادہ تر شیعہ تھے۔ وہ ایران کے رہنے والے تھے۔ اس گروہ کے سردار اسد خان اور ذوالفقار خان تھے۔

یہ تینوں ہی گروہ دربار کے تمام بڑے بڑے عہدے اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے یہی جھگڑوں کی جڑ تھی۔ ان کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے اور بھی سازشیں

ہونے لگیں اور مغل بادشاہ اور زیادہ کمزور ہوتے گئے۔ جہاندار شاہ کے وقت تک ایرانی گروہ کا اقتدار رہا۔ لیکن فرخ سیر کے عہد سے ہندوستانی گروہ کا اقتدار بڑھ گیا۔ سات سال تک اس کا خوب دبدبہ رہا۔ وہ تاریخ میں بادشاہ بنانے والے مشہور ہیں اپنی طاقت پر انہیں اتنا غرور ہو گیا تھا کہ وہ کہنے لگے تھے کہ جس پر ہمارے جوتے کا سایہ پڑ جائے گا وہ مغل بادشاہ ہو جائے گا۔ ان کے اس تکبرانہ طرز عمل سے سب لوگ عاجز آ گئے اور ایرانی و تورانی گروہوں کی سازشوں کی وجہ سے ان کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۷۲۰ء سے ۱۷۶۱ء تک تورانی گروہ برسر اقتدار رہا۔ نظام الملک دکن کا وائسرائے رہا اور اس کے رشتہ دار دلی کے وزیر اعظم کے عہدہ پر جمے رہے احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے بعد تورانیوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد حقیقی معنوں میں کوئی مغل سلطنت ہی نہ رہی۔ ان گروہ بندیوں نے بیرونی حملہ آوروں کو بھی بہت مدد پہونچائی۔ اور سلطنت کی بربادی یقینی ہو گئی۔

بیرونی حملے

۱۷۰۷ء اور ۱۷۶۱ء کے درمیان دو خاص حملہ آور آئے پہلے کا نام نادر شاہ تھا وہ ۱۷۳۶ء میں فارس کا بادشاہ ہوا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ کے زمانہ میں اس نے حملہ کیا۔ وہ پانی پت کے نزدیک پہونچ گیا اور اس کے روکنے کی کوئی کامیاب کوشش نہ ہو سکی۔ محمد شاہ نے نظام الملک کو سپہ سالار بنا کر دلی کی حفاظت کا انتظام کیا۔ نادر شاہ پچاس لاکھ روپیہ پانے پر واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مغل بادشاہ نے اس شرط کو منظور کر لیا اسی وقت اودھ کے حاکم سعادت خاں نے نادر سے چغلی کی کہ دلی کے پاس بے شمار دولت ہے اگر آپ ۵۰ لاکھ ہی لیکر خوش ہو گئے تو آپ سے زیادہ نادان اور کون ہوگا۔ سعادت خاں ایرانی گروہ کا تھا۔ اور وہ تورانی گروہ کے سردار نظام الملک کی تقرری سے بہت چڑھ گیا تھا۔ نادر نے محمد شاہ کو اپنے خیمہ میں بلا یا اسے قید کر لیا اور دلی پر حملہ کیا۔ دلی خوب لوٹی گئی۔ ہزاروں بیگناہ تلوار کے گھاٹ اتارے گئے آخر میں نادر شاہ ۱۵ کروڑ روپے لاتعداد ہیرے جواہرات جن میں کوہ نور

بھی تھا تخت طاؤس، دس ہزار گھوڑے، دس ہزار اونٹ اور ۳۰۰ ہاتھی لیکر ایران واپس گیا۔ اس نے دریائے سندھ کے مغرب کا کل ملک چھین لیا۔ اور اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس حملہ نے بادشاہ اور سلطنت کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ سلطنت کم ہو گئی۔ اور باغیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

نظام الملک دکن میں چلا گیا۔ اور وہاں اس نے حیدر آباد کی آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی۔ بنگال میں علی وردی خاں اور اودھ میں سعادت خاں تقریبًا آزاد ہو گئے۔

جے پور اور جودھپور کی سرداری میں تقریبًا کل راجپوتانہ بھی آزاد ہو گیا۔ بھرت پور میں جاٹوں اور وسط ہند میں کوٹہ اور بوندی کی آزاد ریاستیں بن گئیں۔

دکن میں پیشواؤں کی ماتحتی میں مرہٹے اپنی طاقت کو متحد کر کے شمالی ہند پر حملہ کرنے لگے اور انہوں نے دلی پر چھاپہ مارنا شروع کر دیا۔ ان کے ڈر سے سب لوگ کانپنے لگے۔ مالوا، گجرات اور وسط ہند کا بہت سا حصہ ان کے قبضہ میں آگیا۔ اور وہ مشرق میں بنگال سے لیکر مغرب میں پنجاب تک چوتھ وصول کرنے لگے۔

اس طوائف الملوکی اور کم طاقتی کے زمانہ میں احمد شاہ ابدالی نے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ وہ افغانستان کا حکمران تھا۔ اسے روہیلا افغانوں کے سردار نجیب الدولہ نے مدعو کیا تھا۔ اس نے ۱۷۴۸ء سے ۱۷۶۱ء کے درمیان سات حملے کئے اور مغل سلطنت کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ دلی پر بھی ہمیشہ ان کا قبضہ نہیں رہتا تھا کبھی اس پر روہیلے قبضہ کر لیتے تھے تو کبھی مرہٹے۔ ۱۸۰۳ء کے بعد اس پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ حالانکہ صرف نام کے لئے وہاں کا مالک مغل بادشاہ ہی رہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد یہ بات بھی نہ رہی۔ مغلوں کے بجائے اب دور دراز ملک کے سوداگر حکومت کرنے لگے۔ اور انہوں نے انگریزی حکومت کو مضبوطی سے ہندوستان میں قائم کر لیا۔

سلطنت کے زوال کے خاص اسباب

جو مغل سلطنت سولہویں صدی میں ہندوستان میں قائم کی گئی تھی اور جس کی جڑوں کو اکبر نے اپنی کامیاب فوجی حکمت عملی غیر متعصبانہ طرز حکومت اور ہندو مسلمانوں کے میل جول سے مضبوط کیا تھا وہ ۱۸ ویں صدی میں برباد ہو گئی اس کے اسباب ہم اوپر پڑھ چکے ہیں ان میں شاہجہان اور اورنگ زیب کی مذہبی حکمت عملی دکن میں مرہٹوں کا عروج۔ مغلوں کا معیوب فوجی انتظام۔ آخری بادشاہوں کی ناقابلیت۔ امیروں کی فرقہ بندی۔ صوبوں کے حکمرانوں کی بغاوتیں اور بیرونی حملے خاص اہم ہیں۔

خاص تاریخیں

بہادر شاہ کی تخت نشینی	۱۷۰۷ء
سکھوں سے صلح	۱۷۰۸ء
راجپوتوں سے صلح	۱۷۰۹ء
بہادر شاہ کی وفات	۱۷۱۲ء
جہاندار شاہ کا قتل ہونا	۱۷۱۳ء
فرخ سیر کی تاجپوشی اور سید برادران کے اقتدار کا آغاز	۱۷۱۳ء
محمد شاہ کی تخت نشینی	۱۷۱۹ء
سید برادران کا خاتمہ	۱۷۲۰-۲۲ء
نادر شاہ کا حملہ	۱۷۳۹ء
محمد شاہ کی وفات	۱۷۴۸ء
احمد شاہ کی وفات	۱۷۵۴ء
عالمگیر دوم کی وفات	۱۷۵۶ء
احمد شاہ ابدالی کا آخری حملہ	۱۷۶۱ء

بھوانی دیوی کا شواجی کو بردان

شاہ عالم کی وفات	۱۸۰۶ء
اکبر دوم کی وفات	۱۸۳۷ء
بہادر شاہ کا رنگون بھیجا جانا	۱۸۵۷ء
بہادر شاہ کی وفات	۱۸۶۲ء

مشق کے لئے سوالات

۱- اورنگ زیب کی وفات کے وقت سلطنت کے زوال کا امکان کیوں زیادہ ہو گیا تھا

۲- سید برادران کون تھے؟ مغلوں کی تاریخ میں ان کی کیا اہمیت ہے؟ ان کا زوال کب اور کیسے ہوا؟

۳- نادر شاہ کے حملہ کے کیا اثرات ہوئے؟

۴- مغل سلطنت کے زوال کے خاص خاص اسباب مختصر طور پر بیان کرو۔

اٹھائیسواں باب

مرہٹوں کا عروج

مغل سلطنت کے زوال سے سب سے زیادہ فائدہ مرہٹوں نے اٹھایا مرہٹہ

شواجی کی ولادت ۱۶۲۷ء

کے اقتدار کی بنیاد ڈالنے والا شواجی تھا۔ اس کی ولادت ۱۶۲۷ء میں ہوئی اس کی والدہ کا نام جیجا بائی تھا۔ شواجی کے والد شاہ جی نے دوسری شادی کر لی تھی اور اس کے بعد سے جیجا بائی کے ساتھ اس کا برتاؤ زیادہ اچھا نہ تھا۔ جس

وقت شواجی پیدا ہوا اس وقت اس کے والدین میں کچھ رنجش بڑھ رہی تھی۔ خاوند کی محبت سے محروم ماں نے اپنی ساری محبت کا دریا اپنے بچہ پر انڈیل دیا۔ وُہ شواجی کو ایک بزرگ ہستی کی شکل میں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے فرزند کو قدیم ہندوستانی بہادروں کی کہانیاں سنایا کرتی تھی اور بتاتی تھی کہ کنتی کو اپنے بہادر بیٹوں پر کتنا ناز تھا۔ اور کس طرح سے انہوں نے اپنی قوتِ بازو اور عقلمندی سے ایک شاندار سلطنت قائم کی تھی۔ ماں کی محبت بھری گود میں ہی شواجی بھی پانڈووں کی طرح بہادر بن کر اپنی ماں کو کنتی کی طرح خوش کرنے اور مطمئن کرنے کا خواب دیکھنے لگا۔

اس کی تعلیم کے لیے داداجی کونڈ دیو مقرر کیے گئے۔ دادا بہت مذہبی آدمی تھے انہوں اپنے شاگرد کو نہ صرف کتابی تعلیم دی بلکہ اسے ایک بہادر سپاہی بننے کے قابل بھی بنایا اور مذہب میں اس کا اعتقاد مضبوط کر دیا۔

علم و ہنر

شواجی جب جوان ہوا تو وہ لڑائی کے ہنر، گھوڑے کی سواری اور ہتھیار چلانے میں ماہر ہو گیا۔ اب اس کی خواہش کچھ کر کے دکھانے کی ہوئی۔

شواجی کے وقت میں مرہٹوں کی حالت

خوش قسمتی سے وہ ایسے وقت اور مقام پر پیدا ہوا تھا جہاں ایک عقلمند شخص کے لئے کامیابی حاصل کرنا زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ پنڈھرپور مہاراشٹر میں ایک مشہور مقام ہے وہاں پر وٹھوبا (سری کرشن) کا مندر ہے۔ پنڈھرپور کے بھگتوں میں کئی اچھے مہاتما ہوئے۔ ان کے علاوہ اور مہاتما بھی ہوئے۔ ان سب میں ایکناتھ، داس پنڈت، تکارام اور رام داس بہت مشہور ہیں انہوں نے بھگتی کے ذریعہ معرفت حاصل کرنے کی تعلیم دی اور کہا کہ خدا سب پر یکساں کرم کرتا ہے اور سب کی بہبودی چاہتا ہے۔ ان مہاتماؤں کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ مرہٹوں میں اتحاد کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ اور ان میں خود اعتمادی اور

خود داری کی ترقی ہوئی۔

شواجی کے والد شاہ جی اور اس کے جد نکوجی اور مالوجی نے مرہٹوں کو فوجی تجربہ بھی حاصل کرا دیا تھا۔ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو ہتھیار چلانا جانتے تھے اور فوجی زندگی کو بہتر سمجھتے تھے۔ دوسرے ان کے کاموں نے بھونسلا خاندان کی عزت بھی بڑھائی تھی اور دوسرے لوگ اس خاندان کے لوگوں کو اپنا سردار ماننے کے لئے تیار تھے۔

مہاراشٹر ملک کا محل وقوع بھی شواجی کے نصب العین کے مطابق تھا۔ وہاں کے جنگلوں اور پہاڑوں میں ایسے بہت سے محفوظ مقام تھے جہاں بہت اچھے قلعے بنائے جا سکتے تھے۔ اور جہاں پوشیدہ رہ کر بڑے پیمانہ پر جنگ کرنے کی بہت سی آسانیاں تھیں۔ دکن کی مسلمان ریاستیں وجے نگر کے زوال کے بعد سے کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور مغلوں کا پایہ تخت دکن سے بہت دور تھا ان واقعات نے شواجی کے حوصلے کو اور بھی بڑھا دیا۔

شواجی کا مقصد

اس نے غیر ملکی اور غیر مذہبی مسلمانوں کو نکال کر مہاراشٹر کو آزاد کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ اپنے ساتھیوں کی تعداد بڑھانے کے لئے اس نے اعلان کیا، کہ جو لوگ گائے، برہمن اور مذہب کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے کو تیار ہوں وہ میرا ساتھ دیں۔ میں انھیں کامیابی کا راستہ دکھا سکتا ہوں۔ اس کی جاذب شخصیت محبتانہ برتاؤ اور بلند نصب العین کی وجہ سے اس کے ساتھیوں کی تعداد جلد ہی بڑھ گئی۔ کچھ کامیابی حاصل ہونے پر اس نے پھر سے کل ہندوستان پر ہندو سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ کچھ مورخوں نے شواجی کو ایک لٹیرا کہکر بدنام کیا ہے۔ لیکن اس کے کاموں کو نظر انصاف سے دیکھنے پر ایسا کہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ بلکہ وہ ایک بڑا اسپہ سالار اور حکمران ثابت ہوتا ہے۔

شواجی کا کام

شواجی نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے نوجوان بہادر مرہٹوں کی ایک ٹولی تیار کی۔ ان کو اس نے فوجی تعلیم دی۔ اور ان کی مدد سے تورنا کے قلعہ پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں میں حب الوطنی اور مذہب پرستی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔ اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر وہ اس کے بیحد معتقد ہو گئے اور اس کی فرمانبرداری کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ شواجی نے پہلے بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ آہستہ آہستہ اس کی طاقت بڑھنے لگی۔ مغلوں نے پہلے اسے ایک معمولی باغی سمجھ کر اس کی طرف پرواہ نہ کی۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر اس کی وجہ سے بیجاپور کی طاقت کم ہو گئی۔ تو وہ اس ریاست کو ہڑپ کر لیں گے۔ لیکن جب ۱۶۵۸ء میں شواجی نے بیجاپور کے خاص سپہ سالار افضل خاں کو ہلاک کر ڈالا تو مغلوں میں ہل چل مچنے لگی۔ انہیں خوف ہوا کہ شواجی ان سے پہلے ہی بیجاپور اور گولکنڈہ پر قبضہ کر لے۔ اس وجہ سے مغلوں سے اس کی لڑائیاں ہونے لگیں شائستہ خاں جے سنگھ جسونت سنگھ وغیرہ سب اس کو دبانے میں ناکام رہے ۱۶۷۴ء میں اس نے ایک آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اور ۱۶۸۰ء تک مغلوں اور دکن کی ریاستوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔

شواجی کا انتظام حکومت

شواجی نے صرف سلطنت کی بنیاد ہی نہیں ڈالی۔ بلکہ اس کی حکومت کا بھی معقول انتظام کیا۔ ریاست کا سب سے بڑا عہدہ دار راجہ تھا۔ راجہ سب کچھ کر سکتا تھا لیکن کسی بھی ایک شخص کے لئے سب کام کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے اس نے مرکزی سرکار کے ۸ اعلیٰ عہدہ داروں کی ایک انجمن بنا لی۔ جسے "اشٹ پردھان" کہتے تھے۔ ریاست کا کام ۳۰ محکموں میں منقسم تھا۔ اور ہر محکمہ کا ایک صدر مقرر تھا۔ شواجی نے اپنی سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر ایک کا حاکم

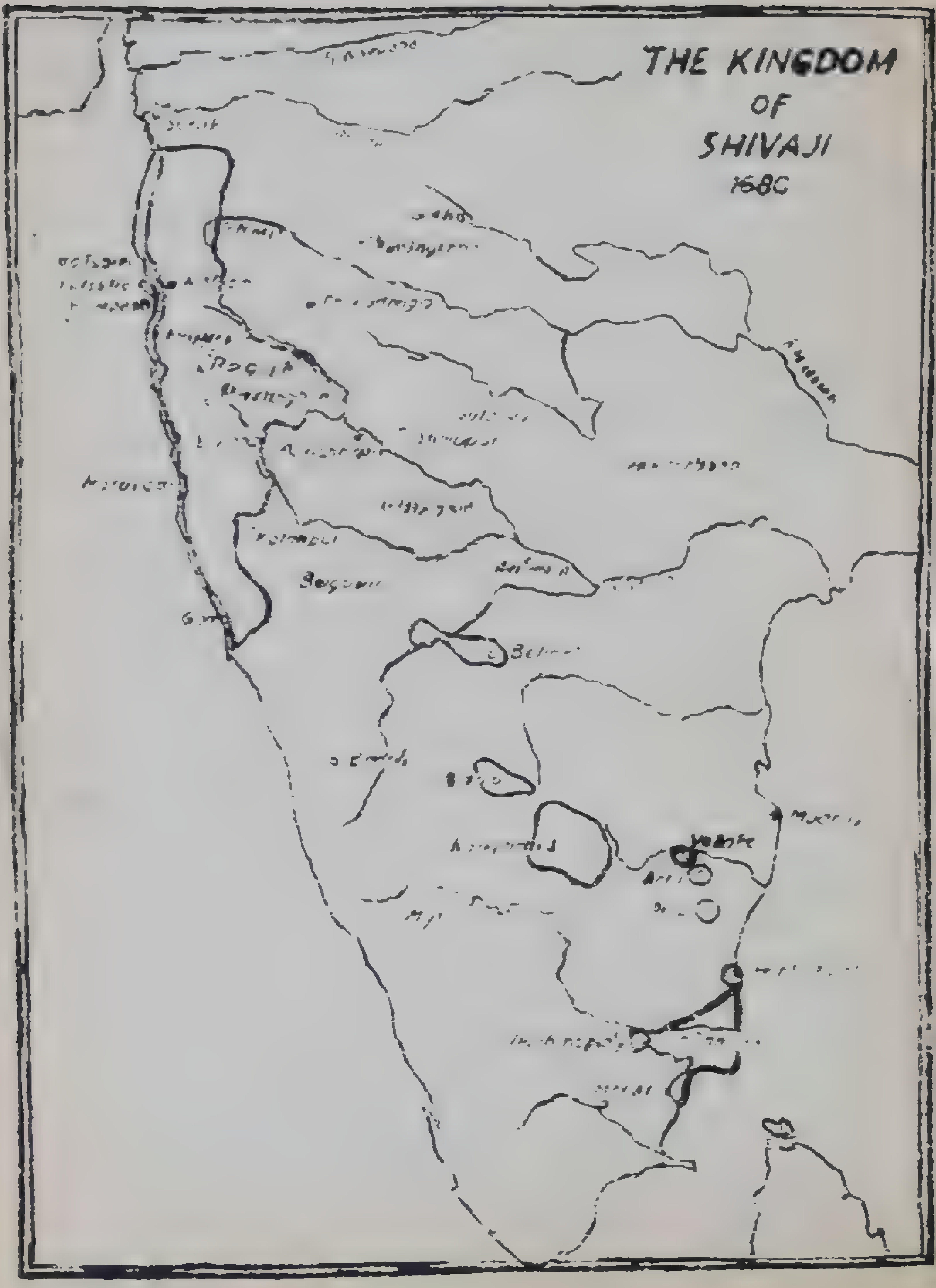
THE KINGDOM
OF
SHIVAJI
1680
Belgaum

ہوتی تھی۔ راجہ اپنی خواہش کے مطابق ان وائسرایوں کو بدل سکتا تھا۔ صوبے ضلعوں، پرگنوں اور محالوں میں منقسم تھے۔ اور ان کے انتظام کے لئے چھوٹے درجہ کے افسر مقرر کئے گئے تھے۔

شواجی سب سپاہیوں کو نقد تنخواہ دیتا تھا۔ اور تقرری کے وقت صرف ان کی قابلیت اور اوصافِ حمیدہ کا ہی خیال رکھا جاتا تھا۔ نہ تو اس نے جاگیر داری کو اپنایا۔ اور نہ عہدوں کو موروثی ہونے دیا۔ کسانوں کے ساتھ وہ بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا۔ حالانکہ اورنگ زیب پیداوار کا ½ لگان کی شکل میں وصول کرتا تھا۔ لیکن شواجی نے ⅖ لگان مقرر کیا پرانے ہندو راجاؤں کے مقابلہ میں یہ کہیں زیادہ تھا۔ لیکن اس وقت کے اصولوں کے مطابق یہ زیادہ نہ تھا اس نے شیر شاہ کی طرح سپاہیوں کو تنبیہہ کر رکھی تھی کہ وہ زراعت کو کوئی نقصان نہ پہنچاویں جو اس معاملہ میں حکم عدولی کرتا تھا اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

شواجی کی ریاست چاروں طرف سے دشمنوں سے گھری ہوئی تھی، جن سے اسے ہمیشہ لڑنا پڑتا تھا۔ اس لئے اُسے کافی بڑی فوج رکھنی پڑتی تھی۔ اس کی وفات کے وقت اس کی فوج میں چالیس ہزار سوار ایک لاکھ پیادے اور ۱۲۶۰ ہاتھی تھے۔ اس فوج کا کافی بڑا حصہ راجہ کے ہی ساتھ رہتا تھا۔ باقی فوج سلطنت کے ۲۴۰ قلعوں میں منقسم رہتی تھی۔ شواجی نے توپخانہ بھی تیار کیا تھا لیکن وہ بہت اچھا نہ تھا۔ اسی طرح اس کا جہازی بیڑا بھی مضبوط نہیں ہو پایا تھا۔ سپاہیوں میں سخت انضباط رکھا جاتا تھا۔ فوج کے ساتھ لونڈیاں یا ناچنے گانے والی عورتیں نہیں رہ سکتی تھیں۔ عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور مذہبی مقاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر انہیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ وہ ہندو مذہب کا سرپرست ضرور تھا۔ لیکن اسلام کا دشمن نہ تھا۔ مسلمان مؤرخ خافی خاں بھی اس کی مذہبی فراخدلی کی تعریف کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس نے کبھی کسی عورت یا مسجد کی توہین کرنے کی کوشش نہیں کی۔

شواجی کی ریاست چھوٹی تھی۔ اور آمدنی بھی کم تھی۔ لیکن اسے فوج پر بہت روپیہ خرچ کرنا پڑتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اور اپنا اقتدار وسیع کرنے کے لئے اس نے پڑوس کے ملکوں سے چوتھ، اور سردیش مکھی نام کے محصول وصول کرنے شروع کئے۔

شیواجی بھی ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی بزرگ ہستیوں میں سے ایک ہے

شواجی کی سیرت اور اس کی بزرگی

اس کا نصب العین مہارانا پرتاپ سے بھی بلند تر تھا۔ اور اس کا طرز عمل مہارانا پرتاپ سے کہیں زیادہ کامیاب تھا۔ وہ صرف حوصلہ مند اور بہادر ہی نہ تھا۔ بلکہ سیاسی حکمتوں سے بھی خوب واقف تھا۔ اور موقعہ پڑنے پر ان کا معقول فائدہ اٹھاتا تھا۔ شراب خواری، بدکاری اور تعصب کے زمانہ میں رہتے ہوئے بھی اس کا چال چلن بے داغ اور اس کا طرز عمل کریمانہ تھا۔ وہ مسلمان فقیروں کی عزت کرتا تھا۔ مسجدوں کی تعمیر کے لئے روپیہ دیتا تھا۔ اور قرآن کی جلد اسے کبھی مل جاتی تھی تو عزت کے ساتھ اسے کسی مسلمان کو دے دیتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس کی ریاست کے مسلمان بہ نسبت اورنگ زیب کے اس سے زیادہ خوش رہے اور اورنگ زیب کی فوج کے سپاہی بھی اس کے یہاں پناہ پاتے تھے۔ شواجی نے اپنی عقلمندی اور قابلیت سے ایک چھوٹی سی جاگیر کو، باوجود مغلوں کی انتہائی کوشش کے ایک بڑی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔ اور اس کی حکومت کا معقول انتظام کیا۔ اس نے وقت و موقع کو دیکھتے ہوئے ایسی تدبیروں پر عمل کیا جو بہت ہی کامیاب ثابت ہوئیں۔ اور مرہٹوں کی طاقت مغل سلطنت کے زوال کا ایک خاص سبب بن گئی۔ انہیں سب وجوہات سے اسے مرہٹہ سلطنت کا بانی کہتے ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی اس کی حکمت عملی کی پیروی کی جاتی تو مرہٹوں کا زوال اتنی جلدی نہ ہوتا۔

شواجی کی وفات کے بعد سمبھوجی کی ناقابلیت اور عشرت پسندی کی

پیشواؤں کا عروج

وجہ سے سازِ حکومت ڈھیلا پڑنے لگا۔ راجہ رام اور تارا بائی کے زمانہ میں مغلوں کی لڑائی کے سبب سے صوبوں کے حاکموں اور فوجی افسروں پر مرکزی سرکار کا اختیار کم ہو گیا۔ جاگیرداری کا طریقہ بھی رائج ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہ حکم جاری کر دیا گیا تھا کہ جو جتنے ملک پر قبضہ کرلے گا وہ اتنے ہی ملک کا حاکم مان لیا جائے گا۔ مغلوں کی طاقت کم ہو جانے کی وجہ سے یہ چھوٹے چھوٹے راجہ من مانی لوٹ مار کرنے لگے۔ اس وجہ سے بہت بدنظمی پھیلنے لگی۔ شواجی کی فوجی حکمتِ عملی بھی بدل گئی۔ اور مرہٹے اب بڑی بڑی فوجیں بنا کر مغلوں کی طرح لڑنے لگے۔ اور مرکزی سرکار کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے ان میں تربیت و تنظیم کی بڑی کمی پیدا ہو گئی۔ شواجی کے خاندان والوں کی ناقابلیت سے فائدہ اٹھا کر پیشوا بہت با اقتدار ہو گیا۔ اور آہستہ آہستہ اس کا عہدہ موروثی ہو گیا۔ اور وہی مرہٹہ ریاست کا حقیقی حکمران ہو گیا۔

بالاجی وشوناتھ ۱۷۱۳ء—۱۷۲۰ء

پہلا با اقتدار پیشوا بالاجی وشوناتھ تھا۔ اس نے ۱۷۱۳ء سے ۱۷۲۰ء تک حکومت کی۔ اس وقت شواجی کا پوتا شاہو حکومت کرتا تھا اس نے پونا کو مرہٹہ سلطنت کا پایۂ تخت بنایا۔ اس نے لوٹ مار بند کی۔ اور زراعت کی ترقی کی کوشش کی۔ ۱۷۱۷ء میں اس نے مغل بادشاہ سے ایک فرمان حاصل کیا۔ جس کی رو سے شاہو کو شواجی کی ریاست کا آزاد حکمران منظور کیا گیا۔ اور اسے دکن کے صوبوں سے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا اختیار دیا گیا۔

اس نے مرہٹہ سرداروں کو مرکزی سرکار کے ماتحت رکھنے کے لئے دو تدبیریں کیں۔ ہر سردار کو ایک مقررہ خطہ سے چوتھ وصول کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسے وصول کی ہوئی رقم کا حساب رکھنا پڑتا تھا۔ اور اسے شاہی خزانہ میں جمع کرنا پڑتا تھا دوسرے اس نے ان سب کو مہاراشٹر میں چھوٹی چھوٹی جاگیریں دیں تاکہ وہ پونا دربار کے دباؤ میں رہیں۔

جی راؤ اوّل
سنہ ۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۰ء

بالاجی وشوناتھ کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ اوّل پیشوا ہوا۔ شواجی کے بعد وہ دوسرا بڑا شخص ہے جس نے مرہٹہ طاقت کو بہت بڑھایا۔ اس نے مالوا سے چوتھ وصول کرنے کے لئے افسر مقرر کئے اور نظام سے چوتھ کی بقایا رقم وصول کر لی۔ اس نے گجرات پر مرہٹوں کا قبضہ مضبوط کیا۔ اور مالوا، بندیل کھنڈ و برار کو بھی مرہٹہ سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے سنہ ۱۷۳۷ء میں دلی تک دھاوا مارا۔ اور بھوپال کے پاس مغلوں کو شکست دیکر ان سے ۵۰ لاکھ روپیہ جرمانہ وصول کیا۔ اور مالوا و بندیل کھنڈ پر قانونی قبضہ حاصل کر لیا۔ اس نے کرناٹک سے بھی چوتھ وصول کی اور بسین کا جزیرہ بھی فتح کر لیا۔

باجی راؤ اوّل نے نئی ریاستیں فتح کر کے اور نظام و مغل بادشاہ کو شکست دیکر مرہٹوں کا اقتدار بہت بڑھا دیا۔ اس نے راجپوتوں کو بھی اپنے قبضہ میں کرنا چاہا۔ لیکن اس نے فراخدلی سے کام نہیں لیا اس لئے راجپوتوں کو مرہٹوں سے کبھی ہمدردی نہ ہوئی۔ باجی راؤ خیال کرتا تھا کہ وہ مغل بادشاہ کو قابو میں کر کے شاہو کو کل ہند کا حکمران بنا سکے گا۔ اور تب دکن کا نظام بھی اس کا ماتحت ہو جائے گا۔ لیکن یہ حکمت کارگر نہ ہوئی۔ اگر اس نے پہلے حیدرآباد کو برباد کر کے کل دکن پر قبضہ کر لیا ہوتا، تو نہ انگریزوں و فرانسیسیوں کو طاقت بڑھانے کا موقعہ ملتا۔ اور نہ کوئی مرہٹوں کو آپس میں لڑانے والا ہی رہتا۔

بالاجی باجی راؤ
سنہ ۱۷۴۰ء تا سنہ ۱۷۶۱ء

باجی راؤ کی وفات کے بعد بالاجی باجی راؤ پیشوا ہوا۔ وہ اپنے باپ کی طرح قابل نہ تھا۔ اس کے زمانہ میں مرہٹوں میں فرقہ بندیاں ہونے لگیں۔ بھونسلا خاندان کے سردار اس سے جلتے تھے۔ اور وہ گجرات کے گایکواڑ کو بھی بھڑکاتے رہتے تھے۔ نظام ان دونوں کو پیشوا کے خلاف مدد دینے کا دم بھرتا رہتا تھا۔ پھر بھی اس کے زمانہ میں پہلے مرہٹوں کی طاقت کافی بڑھی۔ راگھوجی

بھونسلے اور بھاسکر پنڈت نے بنگال پر حملہ کیا اور کٹک واڑیسہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے دو نئے سردار ہولکر اور سیندھیا نے شمالی ہند میں کچھ کامیابی حاصل کی۔ ہولکر نے جاٹوں اور راجپوتوں سے چوتھ وصول کی اور سیندھیا نے اودھ ور روہیلکھنڈ تک دھاوا مارا۔

اسی درمیان میں ۱۷۴۸ء میں شاہو بیمار پڑ گیا۔ اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ بالاجی باجی راؤ نے اس سے ایک حکمنامہ حاصل کر لیا۔ جس کے ذریعہ پیشوا کا عہدہ اس کے خاندان میں موروثی ہو گیا۔ اس نے شاہو کی وفات کے بعد شواجی خاندان کے ایک شخص کو بادشاہ بنا دیا۔ اور خود حکمرانی کرنے لگا۔ اس نے بھونسلا، ہولکر، سیندھیا اور گائیکواڑ کو اپنی اپنی جاگیروں کا انتظام کرتے رہنے کی اجازت دیدی۔ اس سے وہ سب مطمئن ہو گئے۔

اس کے زمانہ میں سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ گو بڑے بڑے سرداروں پر بادشاہ کا زیادہ دباؤ نہ رہا۔ شمال میں ہولکر اور سیندھیا نے کل راجپوتانہ، موجودہ ممالک متحدہ اور پنجاب پامال کر ڈالا۔ اور وہ دوآب، روہیلکھنڈ و پنجاب سے چوتھ وصول کرنے لگے۔ پنجاب میں احمد شاہ ابدالی کے حاکم تھے۔ ان کو انہوں نے نکال باہر کیا۔ دکن میں نظام الملک کی وفات کے بعد جانشینی کے لئے جو جنگ ہوئی اس سے فائدہ اٹھا کر پیشوا نے بیجاپور، اورنگ آباد دولت آباد اور بیدر پر قبضہ کر لیا۔

پانی پت کی تیسری لڑائی ۱۷۶۱ء

ابھی دکن میں ان کی فتوحات ہو رہی تھیں، کہ احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کیا۔ اور پانی پت کے میدان تک بڑھ آیا۔ اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور روہیلکھنڈ کے سردار نجیب الدولہ مرہٹوں سے بہت ڈرے ہوئے تھے وہ احمد شاہ سے مل گئے۔ ابدالی سے لڑنے کے لئے پیشوا نے ایک بڑی فوج بھیجی۔ پانی پت کے میدان میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ مرہٹوں کو

شکست ہوئی اور ان کے بہت سے سردار زخمی ہوئے اور کام آئے۔ مرہٹوں کی شکست کے تین خاص سبب تھے۔ ابدالی کو ہندوستانی مسلمانوں کی مدد مل جانے سے اسے رسد ملنے میں مشکل نہیں اٹھانی پڑی۔ مرہٹوں کا سپہ سالار سداشو راؤ بھاؤ بڑا مغرور تھا اور اس نے بھرت پور کے راجہ سورج مل اور سیندھیا کی رائے کے خلاف ایک جگہ جم کر لڑائی کی۔ تیسرے مرہٹوں کی بدسلوکی کی وجہ سے شمالی ہند میں کوئی ان کا دوست نہ تھا۔ اور ان کو رسد کی کمی پڑ گئی پانی پت کی شکست کا مرہٹوں کی تاریخ پر بہت اثر پڑا۔ ان کی طاقت کچھ عرصہ کے لئے کم ہوگئی۔ بوڑھا پیشوا رنج کے مارے مر گیا۔ اور اس کے مرنے پر گروہ بندیوں اور باہمی حسد میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کی ایک ریاست کے بجائے پانچ ریاستیں بن گئیں۔ ان کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر پہلے نظام اور میسور کی ریاستیں بڑھ گئیں اور بعد میں ان سب کو غیر ملکی سوداگروں نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

خاص تاریخیں

شواجی کے ہاتھ سے افضل خاں کا قتل	۱۶۵۸ء
مغل بادشاہ اور بالاجی وشوناتھ کی صلح	۱۷۱۷ء
باجی راؤ اوّل کا پیشوا بننا	۱۷۲۰ء
مالوا پر قبضہ	۱۷۲۴ء
دلی پر دھاوا	۱۷۳۷ء
باجی راؤ کی وفات	۱۷۴۰ء
اڑیسہ اور کٹک پر قبضہ	۱۷۴۵ء
شاہو کی وفات	۱۷۴۸ء
پنجاب پر قبضہ	۱۷۵۸ء

نظام کو شکست ۱۷۵۹ء

پانی پت میں مرہٹوں کو شکست ۱۷۶۱ء

بالاجی باجی راؤ کی وفات ۱۷۶۱ء

مشق کے لئے سوالات

۱- شواجی کی سیرت پر ان کی والدہ کا کیا اثر پڑا؟

۲- شواجی کے انتظام حکومت کے اوصاف بیان کرو۔

۳- شواجی کو مرہٹہ سلطنت کا بانی کیوں کہتے ہیں؟

۴- مرہٹوں میں بدنظمی پھیلنے کے کیا اسباب تھے؟ بالاجی وشوناتھ نے اُسے روکنے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟

۵- باجی راؤ اوّل نے مرہٹہ سلطنت کو کیا خاص فائدے پہنچائے؟

۶- بالاجی باجی راؤ کے زمانہ میں مرہٹوں نے کیا ترقی کی؟

۷- پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کو شکست کیوں ہوئی۔ اس کے کیا نتیجے ہوئے؟

اُنتیسواں باب

سکھوں کی تاریخ

گرونانک

سکھ مذہب کے بانی گرونانک تھے۔ اُنہوں نے سکھوں کو صرف مذہبی تعلیم دی تھی۔ ان کا خاص مقصد پنجاب کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو متفق کرا کر وہاں کی دائمی بدامنی کا خاتمہ کرنا تھا۔ گرو نانک کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے اصولوں کی اشاعت کی۔

سکھ لوگ گرو نانک کو ایشور کا اوتار مانتے ہیں۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ ان کے بعد ان کی آتما (روح) دوسرے گرو میں پیوست ہو گئی تھی۔ اسی طرح سلسلہ وار دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے گرو میں منتقل ہوتی رہی اور سکھوں کو مذہب کی تلقین کرتی رہی۔

گرو ارجن اور جہانگیر

نانک جی کے بعد پانچویں گرو ارجن ہوئے۔ انہوں نے ۱۵۸۲ء سے ۱۶۰۷ء تک گرو کا لقب اختیار کیا۔ انہوں نے سکھوں کی توجہ دنیاوی ترقی کی طرف بھی مبذول کی۔ انہوں نے ان سے گھوڑوں کی تجارت کرنے کے لئے کہا۔ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ گرو نے اس ترکیب سے سکھوں کو گھوڑے کی سواری سکھانی چاہی تھی۔ لیکن یقین کے طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خیال کہاں تک درست ہے۔ گرو ارجن معمولی طور پر مذہبی خیال کے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے نانک جی کے سبق آموز پدوں (نظموں) کو جمع کیا۔ وہی مجموعہ "آدی گرنتھ" کے نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے امرت سر کو سکھوں کا خاص مرکز بنایا۔ اور سکھ مذہب کے انتظام کے لئے ایک جمہوری نظام تیار کیا۔ گرو ارجن نے خسرو کو کچھ مالی امداد دی تھی، اسی جرم پر جہانگیر نے ان کو قتل کرا دیا تھا۔

اسی وقت سے سکھ مغلوں سے ناراض ہو گئے۔ ارجن کے جانشین گرو ہرگوبند

گرو ہرگوبند

نے سکھوں میں فوجی اور سیاسی جذبات بھرے وہ خود کو "سچا بادشاہ" کہلانا برا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ خود ہتھیار باندھتے اور راجاؤں کی وضع میں رہتے تھے انہوں نے اپنے مریدوں کو گوشت کھانے کا حکم دیا۔ اور ان کو فوجی تعلیم دیکر ایک چھوٹی سی فوج بھی تیار کر لی۔ انہوں نے امرت سر میں ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا۔ اور ایک چھوٹے جاگیردار کی طرح رہنے لگے۔ ان کے وقت سے مغلوں اور سکھوں میں علانیہ جنگ کا آغاز ہوا۔ جہانگیر ان کی چال ڈھال سے ناراض ہو گیا۔ اور اس نے ان کو قید کر لیا۔ شاہجہان کے وقت میں آزاد ہو کر

انہوں نے بغاوت کرنا شروع کر دیا۔ اس میں ان کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور ۱۶۶۴ء میں انہوں نے رحلت کی۔

ان کے بعد دوسرے مشہور گرو تیغ بہادر (۱۶۶۴ء۔ ۱۶۷۵ء) ہوئے۔ پہلے اورنگ زیب ان سے خوش تھا۔ اور وہ اس کی طرف سے کئی لڑائیاں بھی لڑ چکے تھے۔ لیکن بعد میں اسے ان پر شبہ ہونے لگا۔ اس نے ۱۶۷۵ء میں ان کو پایۂ تخت میں پکڑ بلایا۔ اور ان سے کہا کہ یا تو تم ثابت کرو کہ تم میں خدائی طاقت ہے ورنہ تمہیں سزائے موت دی جائے گی۔ گرو نے کہا کہ میں ایک تعویذ تلوار کے دستہ پر باندھ دیتا ہوں اس کا اثر یہ ہوگا کہ آپ اس تلوار سے مجھے قتل نہ کر سکیں گے۔ اورنگ زیب نے ان کو تعویذ باندھنے کی اجازت دیدی۔ تلوار کا وار لگتے ہی ان کا سر جسم سے الگ ہو کر گر پڑا۔ اب اس تعویذ کو کھولکر دیکھا گیا۔ اس میں لکھا تھا "سر دیا سِر نہ دیا" یعنی میں نے اپنا سر کٹا دیا لیکن راز ظاہر نہ کیا۔ ان کے اس طرح مر جانے اور بازیگروں کی طرح اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے جان نہ بچانے کی خبر سکھوں تک پہونچی تو ایک طرف تو ان کو بہت غصہ آیا۔ اور دوسری طرف اپنے گروؤں پر ان کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا۔

گورو گووند سنگھ

تیغ بہادر کے بعد ان کے فرزند گووند سنگھ (۱۶۷۵ء۔ ۱۷۰۸ء) گرو ہوئے۔ انہوں نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن وہ وقت لڑائی شروع کرنے کے لئے مناسب نہ تھا۔ گورو گووند سنگھ کو یہ بھی ڈر تھا کہ بادشاہ انھیں بھی کسی بہانہ سے قتل نہ کرا دے۔ اس لئے بیس سال تک وہ روپوش رہے۔ اس زمانہ میں بہت تھوڑے لوگوں کو ان کا صحیح پتہ معلوم رہتا تھا۔ انہوں نے یہ وقت علم حاصل کرنے، عبادت کرنے اور مغلوں سے جنگ کرنے کی تجویزیں بنانے میں صرف کیا۔ گورو گووند سنگھ نے سکھوں کو ایک مذہبی فوجی تنظیم میں تبدیل کرنا چاہا۔ اور ان میں انتقامی جوش

اور ہمت بھرنے کی کوشش کی۔ ایک دن انہوں نے اپنے سب مریدوں کو ماتا بھوانی (دیوی) کے مندر کے پاس جمع کیا۔ اور کہا کہ مغلوں پر فتح اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ ہمیں ماتا کی دعا حاصل ہو۔ ماتا نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر سکھوں میں سے پانچ آدمی اپنے سر قربانی میں مجھے دیں تو میں ان کے مذہب کو فتح کی دعا دوں گی۔ فوراً ہی بہت سے لوگ اس قربانی کے لئے تیار ہوگئے۔ ان میں سے پہلے پانچ کو وہ دیوی کے مندر میں لے گئے اور تھوڑی دیر بعد ان کی گردنوں میں خون لگائے ہوئے انہیں واپس لائے۔ اور سکھوں سے کہا کہ بھوانی ماتا نے انھیں پھر سے زندہ کر دیا ہے اور فتح کی دعا بھی دی ہے وہ پانچوں شخص "پنج پیارا" کے نام سے مشہور ہو گئے اور سکھوں کو یقین ہو گیا کہ انکی فتح یقینی ہے۔

گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کا فوجی انتظام مضبوط کرنے کے لئے کئی نئی باتیں کیں۔ انہوں نے ہر سکھ کو 'ک' سے شروع ہونے والی پانچ چیزوں کے رکھنے کا حکم دیا۔ وہ چیزیں یہ تھیں۔ کیش (بال)، کڑا۔ کچھ (چھوٹا جانگھیہ) کرپان (پیش قبض) اور کنگھی۔ انہوں نے نئے سکھوں کو مذہب قبول کرتے وقت شربت پلانے کا رواج ڈالا۔ پانی میں تباشے ڈال کر انھیں کرپان سے گھول لیا جاتا تھا۔ پھر وہی شربت اسے دیا جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیا شخص سکھوں میں اس طرح مل گیا۔ جیسے پانی میں تباشے۔ انہوں نے سکھوں میں ذات پات کا خاتمہ کر دیا۔ اور وہ سب ایک ہی رتبہ کے سمجھے جانے لگے۔ انہوں نے سکھوں کو جسمانی طاقت بڑھانے کی طرف متوجہ کیا۔ اور ہر سکھ اب اپنے نام کے آگے "سنگھ" جوڑنے لگا۔ کل سکھ مذہب کے جنگ کرنے والے لوگوں کی جماعت کا نام 'خالصہ' (خدا کے خاص بندے) رکھا گیا۔ اس طرح سکھوں کو فوجی زندگی کے ذریعہ مذہب کی حفاظت کی طرف راغب کیا گیا۔

گرو گوبند سنگھ نے اپنے مریدوں کو فوجی تعلیم دی اور ان کی ایک چھوٹی سی

مغلوں سے جنگ

فوج تیار کی۔ اس کی تعداد بڑھانے کے لئے انہوں نے کچھ پٹھان بھی رکھ لئے۔ انہوں نے کئی قلعے بنوا لئے۔ اور پھر مغلوں پر چھاپہ مارنے لگے۔ اورنگ زیب نے سرہند کے حاکم کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان کو شکست ہوئی اور انہیں جنگلوں اور پہاڑوں میں پوشیدہ رہنا پڑا۔ اسی وقت گورو گوبند سنگھ نے یہ حکم نکالا۔ کہ ان کی وفات کے بعد گورو کا عہدہ ٹوٹ جائے گا۔ اور جس جگہ پانچ سکھ ہونگے وہیں ان کی آتما رہے گی۔ ان پانچوں کا فیصلہ گورو کا فیصلہ ہوگا۔ اس طرح سکھوں کی چھوٹی چھوٹی بغاوتیں جاری رہیں۔ اورنگ زیب کو مرہٹوں کی جنگ میں پھنسے رہنے کی وجہ سے سکھوں سے صلح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لئے اس نے گورو گوبند سنگھ کو دکن بلایا۔ لیکن ان کے پہونچنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ بہادر شاہ نے گورو گوبند سنگھ سے صلح کر لی۔ اور ۱۷۰۸ء میں ان کی وفات ہوگئی۔

۱۷۰۸ء سے ۱۷۶۷ء تک

ان کے بعد بندہ بہادر ان کے مریدوں کا صدر ہو گیا۔ اس نے مغلوں کے خلاف جنگ شروع کی۔ لیکن اسے زیادہ کامیابی نہ ہوئی ۱۷۵۰ء کے قریب جسّا سنگھ مشہور سردار ہوا۔ لیکن اسے بھی مستقل کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ برابر لڑائی ہوتے رہنے کی وجہ سے سکھوں کو تین فائدے ہوئے ان میں سے زیادہ تر کو فوجی تجربہ حاصل ہوگیا۔ ان میں کئی چھوٹے بڑے سردار پیدا ہوگئے۔ اور ان کے قبضہ میں کئی قلعے آگئے۔ انہیں قلعوں سے نکل کر وہ زوال پذیر مغل سلطنت کی لاہور، سرہند وغیرہ چوکیوں پر حملہ کیا کرتے تھے۔ اس عہد میں پنجاب پر تین طاقتوں کا دانت تھا۔ مغل وہاں اپنا اقتدار قائم رکھنے کی برابر کوشش کر رہے تھے۔ افغانستان کا حاکم احمد شاہ ابدالی ۱۷۴۸ء سے برابر جنگ کر رہا تھا۔ اور پنجاب پر اپنا اقتدار قائم کر رہا تھا۔ ادھر مرہٹے بھی حملے کر رہے تھے اور مغلوں اور افغانوں کو نکال کر اپنا

اقتدار جمانا چاہتے تھے۔ یہ تینوں ہی طاقتیں باہمی جنگوں کی وجہ سے کمزور ہو گئیں اور سنہ ۱۷۶۴ء میں سکھ سرداروں نے کل پنجاب کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے ایک متفقہ تجویز تیار کی۔ انہوں نے خالصہ کو پھر قائم کیا۔ اس میں سب سرداروں کے سپاہی شامل تھے۔ خالصہ نے گورو کی جگہ لے لی۔ خالصہ کی طرف سے ایک نیا سکہ بھی جاری کیا گیا جس کے ایک طرف کچھ لکھا ہوا تھا جس کا مطلب ہے، گورو گوبند سنگھ نے گورو نانک سے دیگ (بزرگی)، تیغ اور فتح پائی تھی۔ خالصہ ایک قسم کی پنچایت تھی۔ اس کا خاص مقصد بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ خالصہ کی ترتیب کا یہ نتیجہ ہوا کہ دریائے جہلم سے لیکر ستلج تک اور ستلج وجمنا کے درمیان کا بہت سا حصہ سکھوں کے قبضہ میں آگیا۔ خالصہ کی طرف سے اس ریاست کی حکومت کے لیے کچھ سردار مقرر کر دیئے گئے۔ یہ سردار اس وقت ۱۲ تھے اور ان میں سے ہر ایک ایک مسل کا سردار تھا۔ ان مسلوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) پھلکیاں (۲) اہلو والیہ (۳) بھنگی (۴) کنہیا (۵) رام گڑھیا (۶) سنگھ پوریا (۷) کروڑ سنگھیا (۸) نشانیا (۹) سکرچکیا (۱۰) ڈلے والی (۱۱) نکائی اور (۱۲) شہید۔

اس طرح مغلوں کی تنگ مزاجی نے سکھوں کو ایک مذہبی فرقے کے بجائے فوجی طاقت میں منقلب کر دیا۔ اور پنجاب میں ان کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اب صرف ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو انہیں متحد کر کے ان کی طاقت کا معقول فائدہ اٹھا سکتا۔

خاص تاریخیں

گرو ارجن کی وفات	سنہ ۱۶۰۶ء
گورو ہر گوبند کی وفات	سنہ ۱۶۴۴ء
تیغ بہادر کا گرو ہونا	سنہ ۱۶۶۴ء

اورنگ زیب کے ذریعہ تیغ بہادر کو سزائے موت	سنہ ۱۶۷۵ء
گورو گوبند سنگھ کی وفات	سنہ ۱۷۰۸ء
جسّہ سنگھ کا اقتدار	سنہ ۱۷۵۰ء کے نزدیک
خالصہ کی بنیاد اور پنجاب پر سکھوں کا قبضہ	سنہ ۱۷۶۴ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ گرو ارجن نے سکھ جماعت کی ترقی کے لیے کیا کام کئے؟
۲۔ مغلوں اور سکھوں سے جھگڑا کیوں بڑھتا گیا؟
۳۔ گرو تیغ بہادر کے قتل کا سکھوں پر کیا اثر پڑا؟
۴۔ گرو گوبند سنگھ نے سکھوں میں کیا اصلاحیں کیں؟
۵۔ گرو گوبند سنگھ نے گرو ہونے کا سلسلہ کیوں توڑ دیا؟
۶۔ پنجاب میں سکھوں کی ریاست قائم ہونے میں کن باتوں سے مدد ملی؟

تیسواں باب

وسطی زمانہ میں ہندوستان کی تہذیب اور صنعت

سیاسی حالت محمد غوری کے حملہ کے بعد ہندوستان کے انتظام حکومت میں ایک نئی تہذیب کی مہر لگی سلاطین دلی نے زیادہ تر باتیں مسلم ممالک کے مطابق رائج کیں۔ اگرچہ انہیں کچھ باتیں یہاں کی بھی ماننی پڑیں، اس طرح جو نظام حکومت بنا اس میں ہندوستان اور اسلام کی تہذیبیں شامل ہیں، مغلوں کی آمد سے قبل نظام حکومت فوجی تھا۔ اور فوج کی ہی طاقت پر راجہ کے

دباؤ اور اقتدار کا انحصار تھا۔ مسلمانوں کی تعداد کم ہونے اور ہندوؤں کے بغاوتیں کرتے رہنے کی وجہ سے سلطنت کے حکام شہروں اور قلعوں میں ہی رہ کر رعایا کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور گاؤں میں بہت کم افسر مقرر کئے جاتے تھے حکمرانوں کی مذہبی حکمت عمل بہت تنگ تھی۔ ہندوؤں کو جزیہ اور دوسرے مذہبی محصول دینے پڑتے تھے اور حالانکہ محمد تغلق کے عہد میں کچھ ہندوؤں کو بڑے بڑے علاقوں کی حکومت بھی سپرد کی گئی لیکن عموماً ہندو کسی اونچے عہدے پر نہیں رکھے جاتے تھے۔ بلبن نے نو مسلموں کو بھی اکثر حکومت سے الگ ہی رکھا۔ لیکن خلجیوں کے عہد سے یہ طریقہ بدل گیا۔ اور مذہب بدلنے والے ہندو کافور اور خسرو کی طرح سپہ سالار اور سلطان اور خان جہاں مقبول کی طرح وزیر اعظم ہو سکتے تھے۔ اس تعصبانہ طرز عمل نے ہندوؤں کی ہمدردی حاصل کرنا بہت مشکل کر دیا۔ فیروز اور سکندر کے طرز عمل سے رعایا میں اور بد اطمینانی پھیلی۔ مغلوں کے عہد میں حالات بدل گئے۔ رعایا اور بادشاہ دونوں کا ہی زاویۂ خیال مذہبی کے بجائے زیادہ سیاسی ہونے لگا۔ رانا سانگا کے ساتھ حسن خاں میواتی نے بابر کا مقابلہ کیا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کے خلاف میواڑ کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اور اکبر کے عہد سے تو یہ تفریق ہی مٹ گئی۔ بلا امتیاز مذہب قابلیت کے مطابق سب کو اونچے عہدے ملنے لگے۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل بادشاہ ملکی بادشاہ سمجھا جانے لگا۔ اور رعایا کی محبت اتنی بڑھ گئی کہ دار السلطنت کے لوگ بادشاہ کے درشن (دیدار) کئے بغیر کچھ کھاتے پیتے بھی نہ تھے۔ اور ہندو اصولوں کے مطابق وہ خدا کا ایک جزو سمجھا جانے لگا۔ اور لوگ بھول گئے کہ مغل غیر ملکی ہیں۔ اس خاندان کے بادشاہوں نے نہ صرف تلوار کے زور سے بلکہ امن اور آرام کی بنیاد پر حکومت کرنے کی کوشش کی۔ شاہجہان اور خاصکر اورنگ زیب کے زمانہ میں پھر سے تعصب شروع ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سارے ملک میں بغاوتیں ہونے لگیں۔ اور سلطنت تباہ ہو گئی۔

اس عہد میں سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ بلبن علاؤالدین اور محمد تغلق کے عہد میں یہ سختی حد کو پہونچ گئی تھی۔ فیروز کے زمانہ سے سزائیں انسانیت کی ہونے لگیں حالانکہ مغلوں کے زمانہ میں بھی ہاتھی کے پیروں تلے دبوا دینا۔ جنگلی جانوروں سے نچوانا۔ آنکھیں نکلوانا اور کبھی کبھی زندہ دیوار میں چن دینا، ایسی سزائیں دی جاتی تھیں۔ سزائیں دینے میں مذہب کا امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔

سرکاری محصول سخت تھے مغلوں سے پہلے ہندوؤں کو زیادہ محصول دینے پڑتے تھے۔ لگان پیداوار کا ½ سے ⅓ تک لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ گھر اور چراگاہ کا محصول، جزیہ اور تیرتھ (متبرک مقامات) کا محصول بھی دینا پڑتا تھا۔ چنگی بھی ہندوؤں کو مسلمانوں سے دوچند دینی پڑتی تھی۔ مسلمانوں کو زمین کا لگان پیداوار کا ½ ہی دینا پڑتا تھا لیکن انہیں زکوٰۃ دینی پڑتی تھی یہ محصول (زکوٰۃ) غریبوں، عورتوں بچوں اور اپاہجوں وغیرہ سے نہیں لیا جاتا تھا لیکن جن سے لیا جاتا تھا ان کو آمدنی کا صرف ۲½ فیصدی دینا پڑتا تھا اکبر کے زمانہ میں محصول سب کے لئے یکساں کر دیئے گئے۔ لیکن اورنگ زیب کے زمانہ میں پھر کچھ امتیاز ہونے لگا۔ اور سرکاری محصول بھی مذہب کی بنا پر لگائے گئے۔

عدل و تعلیم کا انتظام اچھا نہ تھا۔ قاضی صرف بڑے شہروں میں رہتے تھے جہاں بہت تھوڑے لوگ پہونچ پاتے تھے۔ معمولی طور پر مقامی اہلکار اور مالدار لوگ کافی ظلم کر سکتے تھے۔ تعلیم کا خاص انتظام صرف مسجدوں اور مندروں میں ہی تھا اس کے علاوہ کچھ ٹول، پاٹھ شالہ اور مدرسے بھی تھے۔ جن میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی لیکن رعایا کو تعلیم یافتہ بنانا بادشاہ کا فرض نہیں سمجھا جاتا تھا۔

بلبن، علاؤالدین اور فیروز شاہ نے نئی سڑکیں بھی بنوائیں مغلوں نے ان میں اور اضافہ کیا۔ لیکن ملک کے رقبہ کا خیال رکھتے ہوئے سڑکیں بہت کم تھیں سرکاری ڈاک اور فوج کی آمد و رفت کے لئے ہی وہ زیادہ استعمال ہوتی تھیں۔ مسافروں اور سوداگروں کو بھی ان سے آرام ملتا تھا۔

شالی مار باغ لاهور (جهانگیر)

اقتصادی حالت

مغلوں کے آنے سے قبل ملک میں اکثر بدامنی ہی رہی۔ شاہی خاندان کا بننا، بگڑنا سلطنت کا گھٹنا، بڑھنا، بغاوتوں کی کمی بیشی رعایا اور حکمرانوں کو آرام سے زندگی بسر کرنے کا موقع نہ دیتی تھیں۔ تجارت میں کافی رخنے پڑتے تھے۔ راستوں میں چوری۔ ڈکیتی کا ڈر لگا رہتا تھا سرکاری افسر اور اہلکار بغیر قیمت دیئے یا کم قیمت پر سوداگروں کا مال چھین لینے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ اس طرح سوداگروں کو ۱۳ ویں صدی سے ۱۶ ویں صدی کے آغاز تک بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی مالی حالت اتنی اچھی نہ تھی جتنی کہ عہد مغلیہ میں ہوئی۔ مغلوں نے بدنظمی کا خاتمہ کر کے ایک طاقتور مرکزی حکومت قائم کی اور کل سلطنت میں مخبروں کا ایک جال بچھا دیا۔ اس لئے سوداگروں کو بہت سہولتیں ہو گئیں۔ دوسرے دربار کے لوگ اور ان کی دیکھا دیکھی چھوٹے عہدے والے امیر اور سردار بڑی شان سے رہتے تھے۔ وہ خوبصورت سوتی۔ اونی اور ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے اور طرح طرح کے زیور اور جواہرات پہنتے تھے ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے غیر ممالک سے تمام عیش و عشرت کا سامان آتا تھا۔ جو منہ مانگی قیمت پر فروخت ہوتا تھا۔ یورپ، افریقہ کے سمندر کا مشرقی ساحل مصر، عرب وسط ایشیا، برما۔ لنکا، شام و دیگر مشرقی جزیروں سے بہت زیادہ تجارت ہوتی تھی۔ سورت، بھروچ، کالی کٹ، گوا، مچھلی پٹم وغیرہ مشہور بندرگاہ تھے، بدلے کے سامان میں سوتی، اونی و ریشمی کپڑے، سونے چاندی کا سامان، افیون، نیل، مرچ، لکڑی اور پتھر کی خوبصورت چیزیں خاص تھیں۔ باہر سے دھاتیں، موتی، شراب، میوے، گھوڑے، لڑائی کا سامان اور جڑاؤ چیزیں زیادہ آتی تھیں۔ اس تجارت کی وجہ سے غیر ممالک کا بہت سا روپیہ ہندوستان میں آتا تھا۔ کچھ سیٹھ بہت مالدار تھے۔ ۱۷ ویں صدی میں سورت کا ویرجی بوہرا دنیا میں سب سے مالدار شخص سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے دستکاروں کے ذریعہ معاش ان رئیسوں کی فضول خرچی اور شان و شوکت ہی تھا۔ جہانگیر کے بعد

عیش و عشرت و آلائش میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اونچے درجے کے معدودے چند لوگوں کی زندگی بہت ہی آرام کی تھی۔ لیکن عام رعایا زراعت سے پیٹ پالتی تھی۔ لگان اور دوسرے محصولوں کے بار کی وجہ سے ابتدائی سالوں میں کسانوں کی حالت بہت ابتر رہی یہاں تک کہ ہندوؤں کے گھروں میں سونا چاندی دیکھنے تک کو نہ رہا۔ مغلوں کے عہد میں حالت کچھ سنبھل گئی۔ لیکن قحط پڑنے پر اب بھی کسان کتے بلّی کی موت مرتے تھے اور کبھی کبھی آدمی آدمی کو کھانے لگتا تھا۔

معاشری حالت

مسلمانوں کی آمد کے بعد کچھ نئے رسم ورواج بھی رائج ہوگئے۔ ہندوؤں میں چھوت چھات پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ عورتوں کی حالت برابر خراب ہوتی گئی۔ کم سنی کی شادیاں اب زیادہ ہونے لگیں اور پردے کی رسم بڑھ گئی۔ مسلمانوں میں پردہ بہت رائج تھا۔ امیروں میں کئی شادیاں کرنے کا رواج پہلے سے زیادہ ہوگیا۔ ہندوؤں میں بیوہ عورتوں کی شادی ہونے کی رسم نہ تھی۔ اس لئے ستی کا رواج بنا رہا۔ حالانکہ محمد تغلق اور اکبر نے اس رسم کو روکنے کی کوشش کی۔ مغل شہزادوں کی بیویوں اور لونڈیوں کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں تک پہونچ جاتی تھی۔ لیکن شہزادیوں کو اکثر غیر منکوحہ ہی رہنا پڑتا تھا۔ آدمی اور عورتوں کی خرید و فروخت ہر شہر میں ہوتی تھی۔ گاؤں بھی رسم غلامی سے بچے نہ تھے۔ سب مالدار لوگوں کے پاس غلام رہتے تھے۔ اور بڑے عہدہ داروں و سلطانوں کے یہاں بہت زیادہ غلام رہتے تھے۔ فیروز تغلق کے ایک لاکھ اسّی ہزار غلاموں کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ عموماً غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ انھیں کھانے پہننے کی تکلیف نہ تھی۔ اور وہ گھر کے لوگوں کی طرح ہی رہتے تھے۔ ان کو مناسب تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اور کچھ لوگ اپنے غلاموں کو اپنے بیٹوں سے بھی بڑھکر مانتے تھے۔ جیسے علاؤالدین خلجی اور محمد غوری غلاموں میں سے کچھ لوگ اتنے قابل نکلے کہ وہ سلطان کے عہدے تک پہونچ جاتے تھے۔ بڑے آدمی کا غلام ہونا کوئی بدنامی کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ پردہ کی رسم

اور بیگمات کی کثرت کی وجہ سے اس زمانہ میں خواجہ سراؤں کی تعداد بھی بہت بڑھنے لگی۔ وہ محلوں کے اندر رکھے جاتے تھے۔ اور دیگر کاموں کے علاوہ گانے بجانے اور تفریح طبع کا کام کرتے تھے۔ اس عہد میں شریف گھرانے کی عورتوں کا رقص و سرود میں حصہ لینا معیوب سمجھا جانے لگا۔ اور ان فنون لطیفہ کا دارو مدار غلام، لونڈیوں اور پیشہ ور رقاصہ عورتوں پر ہی رہ گیا۔ امیروں میں شراب، جوا، افیون، بھانگ، وغیرہ کا کافی رواج تھا۔ اور ان کی زندگی اکثر گری ہوئی تھی۔ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کا مقصد زیادہ سے زیادہ عیش کرنے کا رہتا تھا۔ کچھ لوگ بہت نیک اطوار رحم دل اور مذہبی ہوتے تھے۔ سوسائٹی میں ضعیف الاعتقادی بہت تھی۔ نیز تھہ یاترا، سادھو سنتوں کی پوجا، قبروں اور سمادھیوں کی پرستش، بھوت پریت کی پوجا کا عام رواج تھا۔ ٹونے ٹوٹکے۔ منت ماننا۔ گنڈے تعویذ، نجوم پر سب چھوٹے بڑوں کا اعتقاد تھا۔ اکبر جیسا سمجھدار آدمی بھی درحقیقت یقین کرتا تھا کہ خواجہ صاحب کی درگاہ تک پا پیادہ جانے سے اُسے چتوڑ کا قلعہ حاصل ہوجائے گا۔ اور اس کی اولاد زندہ رہے گی۔ کچھ فقیر فقراء کی تعریف میں جو باتیں لکھی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان کو خدائی طاقت والے بازیگر سمجھتے تھے۔

مذہبی حالت

صرف ضعیف الاعتقادی اور نادانی ہی اس عہد کی مذہبی زندگی کی خرابیاں نہ تھیں۔ ذات پات کا فرق۔ کھانے پینے کا اعتراض اور مذہبی کٹرپن نے بھی سوسائٹی میں خرابیاں پیدا کر دی تھیں۔ ہندو مذہب اور اسلام کے میل جول سے بھی مذہبی زندگی میں کئی خاص تبدیلیاں ہوئیں۔ ابھی تک ہندوستانی مذہبوں کی نشر و تبلیغ غیر ممالک میں ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب غیر ملکی مذہب کی تبلیغ ہندوستان میں شروع ہوئی۔ محمود غزنوی تیمور، فیروز تغلق اور کچھ دوسرے حکمرانوں اور فاتحوں نے موت کا خوف دکھا کر کچھ ہندوؤں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔ کچھ لوگوں نے سرکاری عہدوں کے

لاریخ میں بیا مذہب قبول کر لیا جب سرکاری محصولوں میں امتیاز ہوتا تھا تو کچھ غریب ہندو مالی مشکلات سے بچنے کے لیے بھی مسلمان ہو گئے۔ ہندوؤں کے ظلموں سے پریشان چھوٹی ذاتوں کے بہت سے لوگ فقیروں کے معجزوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے ان کے علاوہ کچھ بڑے گھرانوں کے لوگ بھی اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے ایسے لوگ مسلم صوفی فقیروں کے اثر سے مسلمان ہوئے۔ کچھ مسلمان بھی ہندو شاستروں ہندو سادھوؤں اور ہندو اصولوں سے متاثر ہو کر ہندو بن گئے۔ لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم رہی اس کا سبب یہ تھا کہ عام ہندو بہت کٹر اور تنگ نظر تھے وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کا تعلق گائے کا گوشت کھاتے اور مورتیاں توڑنے سے ہے اس لئے وہ مسلمانوں کو ملیکش سمجھتے تھے اور ان سے دور رہنا چاہتے تھے وہ نہ ان سے ملنا چاہتے تھے اور نہ ان کو ملانا چاہتے تھے۔ باہمی تعلقات اچھے ہونے پر بھی وہ تہذیب کی رو سے بہت نزدیک آنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اتنے ڈرپوک ہو گئے تھے کہ وہ ڈرتے تھے کہ ان کا مذہب برباد ہو جائے گا اس لئے ہندوؤں میں کٹرپن بڑھتا گیا اور حالانکہ مسلمانوں پر ہندوستانی مذہبوں اور رسم ورواج کا اتنا اثر پڑا کہ ہندوستانی مسلمان دنیا بھر کے مسلمانوں سے الگ قسم کے ہو گئے۔ پھر بھی اور فاتحوں کی طرح ہندوستانیوں نے مسلمانوں کو اپنے مذاہب اور سوسائٹی میں برابری کا رتبہ دے کر اپنے میں شامل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

لیکن سب ہندو ایسے کٹر نہ تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے فقیر اور مہاتما بھی ہوئے جنہوں نے مغلوب ہندو رعایا میں جوش پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور جوان کو نودار مسلمانوں سے ملا کر پھر ہندوستانی اتحاد کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے جن مہاتماؤں نے ہندوؤں کے اونچ نیچ کے امتیاز کو مٹا کر انہیں متحد کرنے کی کوشش کی ان میں رامانج، مادھواچاریہ، رامانند، تکارام، چیتنیہ، ولبھ چاریہ دادو، ایکناتھ اور رام داس خاص ہیں۔ ان سب مہاتماؤں نے بھگوان کی بھگتی پر خاص زور دیا۔ اور کہا کہ بھگوان کی نظر میں ذات پات کا کوئی فرق نہیں،

چانڈال بھگت اچھوت عابد ظاہر پرست برہمن سے کہیں بہتر ہے بھگوان سچی بھگتی چاہتے ہیں۔ بھگت اس زندگی میں سکون اور عاقبت میں بھگوان کی عنایت حاصل کریگا۔ ان مہاتماؤں کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانے کی کوشش کی۔ اور ان خرابیوں کو دور کرنے کی ترکیبیں کیں۔ ایسے فقیروں میں کبیر اور نانک خاص ہیں گو کہ چیتنیہ اور ولبھ اچاریہ نے بھی اس کام میں مدد دی۔ ان کے مریدوں میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی تھے۔ دل کی صفائی اور خدا سے سچی محبت ہی حقیقی سکون کے ذریعے بتائے گئے۔ کبیر نے ملاؤں اور پنڈتوں دونوں کی ہی برائیاں کیں اور کہا کہ وہ مذہب کی اصلیت نہیں سمجھتے بھگوان، رام، رحیم، خدا، کرشن، اللہ سب ایک ہی طاقت کے الگ الگ نام ہیں نہ وہ مندر میں چھپ کر بیٹھا ہے نہ کعبہ میں، نہ اسے چلا کر پکارنے کی ضرورت ہے اور نہ اس نے نام لینے کے لئے تسبیح کی ضرورت ہے۔ ان مہاتماؤں اور صوفی فقیروں کی تعلیم کا اثر یہ ہوا، کہ دونوں ہی مذہبوں کے سمجھدار لوگ ایک دوسرے کے بہت نزدیک آ گئے اور باہمی بغاوت اور نفرت کا خاتمہ ہو گیا اکبر جیسے حکمرانوں نے بھی اس کام میں مدد دی اور مذہب دین الٰہی چلا کر اور مذہبی بحث و مباحثہ کے ذریعہ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔

علم و ادب کی ترقی

بہت سے سادھوؤں نے اپنے اصول اور خیالات بھجنوں، گیتوں، پدوں وغیرہ کے ذریعہ سے پھیلائے۔ حمد و ثنا کے لئے بھی عام بول چال کی زبان میں بہت سی تصنیفیں ہوئیں۔ اس طرح مذہبی ترقی اور اصلاح کی خاطر ادب کی بنیاد پڑی۔ اس کے علاوہ شاہی درباروں میں بھی عالموں کی عزت ہوتی تھی۔ اس لئے اس عہد میں علم و ادب کی بہت ترقی ہوئی۔ ہندوؤں کی فطرت کے خلاف مسلمان بادشاہوں نے اپنے خاندانوں کی تاریخ قلم بند کرانے میں خاص دلچسپی لی۔ شاہی دربار کے اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوا، کہ کچھ مورخوں نے خود بھی تاریخیں لکھیں۔ عہد مغلیہ سے پہلے کے مورخوں

میں حسن نظامی منہاج السراج۔ ضیاء الدین برنی، شمس سراج۔ عفیف اور امیر خسرو زیادہ مشہور ہیں۔ ان تاریخوں میں سیاسی حالات کا ہی زیادہ ذکر ہے دوسرے ان میں ہندوؤں کے خلاف نفرت کی بو آتی ہے اور سلاطین کے کاموں کو ضرورت سے زیادہ مذہب کے رنگ میں رنگا گیا ہے۔ عہد مغلیہ کے مورخوں میں گلبدن بیگم عبدالقادر بدایونی۔ ابوالفضل۔ عباس خاں شروانی۔ ہندو بیگ فرشتہ، عبدالحمید لاہوری۔ خافی خاں وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے کئی تصنیفوں میں رعایا کی مذہبی اقتصادی اور معاشرتی زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے وہ پہلی تصنیفات سے زیادہ مفید ہیں۔ کچھ سوانح حیات اور خطوط کے مجموعے بھی ہیں جو تاریخ کے لئے بہت مفید ہیں۔ فیروز، بابر اور جہانگیر کی خود نوشت سوانح حیات اور اورنگ زیب کے خطوط زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام کتابیں فارسی میں ہیں صرف بابر کی خود نوشت سوانح حیات ترکی میں ہے۔

تاریخی تصنیفوں کے علاوہ اس عہد میں بہت سی سنسکرت کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ تحریک بھی بادشاہوں نے کی۔ فیروز تغلق، اکبر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے زمانہ میں کئی پرانی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ مہابھارت۔ رامائن بھگوت گیتا۔ لیلاوتی۔ اتھروید اور یوگ وسشٹھ ان میں خاص تھے۔ جون پور بنگال اور گجرات کے حکمرانوں کی تحریک سے ان میں سے کچھ کتابوں کا ترجمہ صوبوں کی زبانوں میں کیا گیا۔ اس طرح زمانہ سلف کے ہندوستانیوں کا جمع کیا ہوا علمی خزانہ عام لوگوں کے لئے کھل گیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے خیالات سمجھنے میں آسانی ہوئی۔

ان کے علاوہ اس عہد میں کئی شاعر بھی ہوئے جنہوں نے نظم قسم کی تصنیفات کیں امیر خسرو۔ میر حسن دہلوی۔ بدر چاچ۔ عرفی۔ نظیری، فیضی اور غزالی ان شعراء میں زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔

فارسی زبان کی طرح دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی بلند پایہ کا ادب وجود میں آیا۔ ہندی میں امیر خسرو کی پہیلیاں۔ کبیر کے دوہے اور ساکھیاں، دادو اور راما نند کے پد (اشعار) ابتدائی تصنیفات ہیں۔ ان کے بعد سور داس، تلسی داس ملک محمد جائسی، کیشو داس، بہاری، دیو، مت رام، بھوشن لال وغیرہ نے اپنی تصنیفات سے مذہبی ادب کو آراستہ کیا۔ سُور، تلسی اور جائسی کی تصنیفات مذہبی جذبات سے پُر ہیں۔ تلسی کا رام چرت مانس ہندوؤں کے لئے۔ عیسائیوں کی بائبل اور مسلمانوں کی قرآن کی طرح متبرک بن گیا ہے۔ کیشو بہاری، دیو اور مت رام مغل عہد کی شان وشوکت کی نشانیاں ہیں۔ ان کی تصنیفات عشق ومحبت سے پُر ہیں۔ اور ان میں عیاشی کی صاف جھلک ہے۔ بھوشن اور لال نے جوش حب الوطنی پیدا کرنے کی کوشش کی اور شجاعانہ نظمیں لکھیں۔

دوسری صوبوں کی زبانوں میں بھی اسی طرح تصنیفات ہوئیں۔ بنگالی گجراتی۔ مراٹھی، راجستھانی، میتھل، تامل، تیلگو وغیرہ میں بھی مذہبی اور دیگر قسم کی بہت سی تصنیفات ہوئیں۔ دکن کی مسلمان ریاستوں کی سرپرستی سے اردو ادب کی بھی ابتداء اور ترقی ہوئی۔ اردو کے مصنفوں میں دکن میں ولی اور نصرتی اور شمال میں سودا اور آتش نے دادِ سخن دی۔

علم وادب کی ترقی کے ساتھ اور بھی بہت سے فنون میں ترقی ہوئی۔ مذہب اور دربار کے اثر سے جس طرح ادب کی ترقی ہوئی اسی طرح موسیقی کی ترقی میں بھی انہیں دونوں طاقتوں کا ہاتھ ہے۔

فنون لطیفہ کی ترقی
(۱) موسیقی

دلشنو اور دیگر بھگتی کو ماننے والے فرقوں میں پد اور بھجن گانے کا بہت رواج ہوا۔ گوبند سوامی پر وٹھل داس کے مریدوں میں سے تھے۔ علم موسیقی کے زبردست ماہر تھے بیجو باورا تان سین اور باز بہادر بھی موسیقی میں فرد تھے۔ عہد مغلیہ میں اس فن نے

بھی بہت ترقی کی۔ حالانکہ اورنگ زیب نے اُسے پسند نہ کیا۔

(۲) فنِ تعمیر اِس عہد میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں سے بیشتر اب تک موجود ہیں۔ قطب مینار۔ ڈھائی دن کا جھونپڑا۔ علائی دروازہ۔ غیاث الدین تغلق کا مقبرہ اور دلی کا پرانا قلعہ۔ سلاطین دلّی کی تعمیرات میں خاص ہیں۔ ان عمارتوں میں ایک نئی طرز کا سلسلہ دکھائی پڑتا ہے اور اس طرز پر مذہب اسلام کی واضح چھاپ ہے۔ ان میں محراب اور گنبدوں کا استعمال زیادہ ہے آرائش نہیں کے برابر ہے۔ جو کچھ ہے وہ بھی یا تو کچھ پھول پتیاں ہیں یا مختلف قسم کی عربی فارسی عبارتیں ہیں یا اقلیدس کی معیّنہ شکلوں یا سفید اور سرخ پتھر کو ساتھ ساتھ لگا کر ظاہر کی گئی ہے مسجدیں اکثر بہت بڑی ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ایک ساتھ نماز پڑھ سکیں۔ پندرھویں صدی میں صوبوں کی ریاستوں میں کئی نئے طرزِ تعمیر ایجاد ہوئے جیسے گجرات میں جالیدار کھڑکیاں اور بادلیاں بنانے میں بہت ہوشیاری دکھائی گئی ہے۔ بنگال میں رنگین اینٹوں اور محراب دار چھتوں کا استعمال کیا گیا۔ اور جونپور میں عالی شان مسجدوں کے صدر دروازے انہیں کے مطابق بڑے بنائے گئے۔ لیکن ان میں نقلی اور اصلی دریچوں اور چھوٹے دروازوں کی کئی قطاریں بنائی گئیں جس طرح ان سب ریاستوں کو شامل کر کے ایک وسیع مغل سلطنت بنی۔ اسی طرح ان مختلف طرزوں کے میل جول سے ایک مخصوص مغلیہ طرزِ تعمیر وجود میں آیا۔ ۱۶ ویں صدی کی پہلی مشہور عمارت شیر شاہ کا مقبرہ ہے جو سہسرام میں ہے ہمایوں کا مقبرہ بھی طرزِ تعمیر کی ترقی کے اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے محراب اور اس کا گنبد پہلے کی عمارتوں سے زیادہ خوبصورت لگتے ہیں۔ کناروں کے مینار سنگِ مرمر کے ساتھ رنگین پتھروں کا لگانا اور اِدھر گرد ایک باغ کا ہونا فارس کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ اکبر کی عمارتوں میں کئی خاص ہیں۔ فتح پور سیکری کے محلوں میں ہندو مسلم طرزِ تعمیر کے اتحاد کے کچھ خوبصورت نمونے ہیں۔ جامع مسجد اور بلند

تاج محل-آگرہ

دروازہ بہت بڑی عمارتوں میں سے ہیں۔ الہ آباد کا قلعہ اور سکندرہ کا مقبرہ بھی قابل دید ہیں جہانگیر کے وقت میں اعتماد الدولہ کا مقبرہ پچی کاری کے کام کے لئے مشہور ہے اس پچی کاری کے کام کا بہترین نمونہ دلی کا دیوان خاص اور آگرہ کا تاج محل ہے شاہجہان کے کاریگروں نے پتھر پر مصوری کا کام کر دکھایا ہے۔ تاج محل کی خوبصورتی اور شہرت اس کی پچی کاری پر ہی نہیں بلکہ وہ عمدہ صناعی پر منحصر ہے اس کے اطراف کا باغ، نہریں، دوسری چھوٹی عمارتیں۔ اس کے گنبد اور محراب اس کے اندر کی شاندار جالی۔ عربی تحریریں سب ہی چیزیں اسے فن تعمیر کا ایک لاثانی جوہر بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ شاہجہان کی جامع مسجد اور موتی مسجد بھی صناعی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ مغلوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی بہت سی خوبصورت عمارت بنوائیں ان میں برندابن۔ متھرا، ایلورا کے ہندو مندر، امرت سر کا سکھ مندر، ویر سنگھ دیو کا محل۔ آگرہ کا دربار اور بیجاپور میں عادل شاہ کا مقبرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۳) مصوری

فن تعمیر کے علاوہ مصوری میں بھی کافی ترقی ہوئی، مغلوں سے پہلے کے سلطان مصوری کی مخالفت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اسے شریعت کے خلاف سمجھتے تھے۔ ہندوؤں نے بھی اس عہد میں کوئی خاص مصوری نہیں کی۔ کچھ جین کتابوں میں بھونڈی قسم کی تصویریں ملتی ہیں۔ بابر کے آنے کے بعد سے مصوری کی طرف توجہ ہوئی۔ فارس سے واپس آتے وقت ہمایوں اپنے ساتھ کچھ مصور بھی لایا تھا میر سید علی اور خواجہ عبد الصمد ان میں بہت عمدہ مصور تھے اکبر نے انہیں سے فن تعمیر میں تعلیم حاصل کی اور اسے ایسا شوق ہو گیا کہ اس نے اس فن کی ترقی کے لئے بہت کوشش کی سید علی اور عبد الصمد مصوری کے استاد بنا دیئے گئے اور ان کے پاس ہونہار لوگ اس فن کی تعلیم پانے لگے۔ انہوں نے ۱۰۰ سے زیادہ اچھے مصور تیار کر دیئے۔ بادشاہ خود ان کا کام دیکھتا تھا۔ اور ان کے کاموں کے مطابق ان کو انعام دیئے جاتے

تھے۔ جلدی اور بہتر کام کرنے کے لئے ایک ہی تصویر کے مختلف اعضاء وہ ان اعضاء کے ماہروں سے بنوالیتا تھا۔ اکبر کے مصوروں میں فرخ بیگ، دشونت، بساون جگن ناتھ اور سانول داس نے بہت اچھی تصویریں بنائی ہیں۔ ان لوگوں کا زیادہ تر کام چنگیز نامہ، ظفر نامہ، رزم نامہ (مہابھارت) راماین نل دمن دکالیا دمن کو باتصویر بنانے میں ہوا۔ اکبر کے بعد اس کے فرزند جہانگیر کے عہد میں فن مصوری نے بہت ترقی کی۔ جہانگیر کو خوبصورت پرند دلکش مناظر، خاص اشخاص اور خاص خاص موقعوں کی پرجذبات تصویریں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس کے عہد کے خاص مصور فرخ بیگ۔ محمد نادر آقا رضا۔ وشنو داس، منوہر اور تلسی تھے۔ ان مصوروں نے نئے رنگوں کی ایجاد میں، صحیح شکل وصورت بنانے میں اور دلکش مناظر کی تصویر کھینچنے میں خاص کامیابی حاصل کی۔ شاہجہان کے عہد میں آرائش کا کام بڑھ گیا۔ سنہرے رنگ کا کافی استعمال کیا گیا۔ دوسرے رنگوں کو بھی زیادہ شوخ بنایا گیا۔ اور تصویروں کے حاشیے خوب آراستہ کئے گئے۔ اورنگ زیب نے مصوری بھی بند کر دی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس فن کی سرپرستی کی۔ اور امیروں وشاہزادوں کی کوششوں سے فن مصوری زندہ بنا رہا۔

ان خاص فنون کے علاوہ کچھ چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی تھیں جن کی کافی ترقی ہوگئی تھی اس عہد میں بہت باریک اور نفیس کپڑے بنتے تھے۔ مقیش کی کشیدہ کاری اور لیس وغیرہ بنانے میں بھی کمال دکھایا گیا۔ سونے چاندی کے عمدہ زیور خوبصورت نگے، برتن اور دوسری چیزیں بھی بنتی تھیں شاہجہاں کا تخت طاؤس اس صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ لکڑی اور پتھر میں نقاشی کندہ کاری اور پچی کاری کا کام بہت اعلیٰ پیمانہ کا ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے کہ وسطی زمانہ میں ہندوستان کی تاریخ صرف مغل سلطنت کی وسعت اور شان کے لئے ہی نہیں بلکہ ایک نئی تہذیب اور

فنونِ لطیفہ کی بہترین ترقی کے لئے بھی مشہور ہے۔

مشق کے لئے سوالات

۱۔ سلاطین دلّی کے طرزِ حکومت میں کیا خرابیاں تھیں؟ مغلیہ سلاطین ان خرابیوں کو دور کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے؟

۲۔ زرخیز زمین اور محنتی کسان ہونے پر بھی ہندوستانی رعایا کی اقتصادی حالت کیوں خراب تھی؟

۳۔ زراعت کے علاوہ معاش حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع کیا تھے؟ ان لوگوں کی مالی حالت کیسی تھی؟

۴۔ وسطی زمانہ کی سوسائٹی کی کیا خصوصیات تھیں؟

۵۔ "بھگتی مارگ" کا کیا مقصد ہے؟ اسلام اور ہندو مذہب کے میل ملاپ سے ایک دوسرے پر کیا اثر پڑا؟

۶۔ فارسی علم و ادب میں کس قسم کی تصنیفات ہوئیں؟ ہر صنف کے نمائندہ مصنفین کے نام بتاؤ؟

۷۔ صوبوں کی زبانوں کے ادب کی ترقی کے کیا اسباب تھے؟

۸۔ وسطی زمانہ کے ہندوستان کی مشہور عمارتوں میں سے کچھ کے نام بتاؤ اور سمجھاؤ کہ وہ کیوں مشہور ہیں؟

۹۔ عہدِ مغلیہ سے قبل کی تصویریں اتنی کم اور نیچے درجہ کی کیوں ہیں؟ عہدِ مغلیہ میں فنِ مصوری میں کیا ترقی ہوئی؟

۱۰۔ اورنگ زیب کی مذہبیت کا فنون پر کیا اثر پڑا؟

اکتیسواں باب

کرناٹک کی لڑائیاں اور انگریزوں کی فتح

پرانے راستوں کا بند ہونا روم، وینس اور جنیوا وغیرہ کے سوداگر بہت پرانے زمانے سے ہمارے ملک سے تجارت کیا کرتے تھے اور ان کی وجہ سے ہندوستان میں کافی آمدنی ہوتی تھی۔ اسلام کی ترقی ہونیکے بعد عرب لوگوں نے بالکل تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی اور ان لوگوں کا اس طرف آنا بند کر دیا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں صدیوں تک مذہبی لڑائیاں ہوتی رہیں جنکی وجہ سے آپس میں دشمنی اور بھی بڑھتی گئی۔ لوٹنے، قتل کرنے، غلام بنا لینے اور زبردستی مذہب تبدیل کرانیکے واقعات برابر ہوتے رہے جنکی وجہ سے یورپ والوں کیلئے بحر روم اور بحر قلزم و نیز زمین کے راستے سے ہندوستان میں آنا ناممکن سا ہو گیا۔

لہٰذا ہندوستان کی طرف آنیکے نئے نئے راستوں کی تلاش ہونے لگی۔ شمال، مغرب

نئے راستوں کی تلاش اور جنوب کی طرف سے کتنے ہی ملاحوں نے ہندوستان تک پہنچنا چاہا۔ اور اس کوشش میں بہت سے بہادر اور ہمت کرنیوالوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ مگر پندرھویں صدی کے آخر تک کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخرکار پرتگال کے رہنے والے واسکوڈی گاما نے جنوبی افریقہ کے کنارے کا پتہ لگایا۔ اب ہندوستان تک آنیکی امیدیں بڑھ گئیں اسی لئے اس کنارے کا نام کیپ آف گڈ ہوپ، رکھکر وہ شمال مشرق کی طرف بڑھا اور ۱۴۹۸ء میں اس کا جہاز کالی کٹ کی بندرگاہ پر لگ گیا۔ اب ہندوستان آنے کیلئے نیا راستہ معلوم ہو گیا۔ کالی کٹ کے راجہ زیمورن نے پرتگالی والوں کو یہاں تجارت کرنے کی اجازت بھی دیدی۔

پرتگال کی ایسٹ انڈیا کمپنی اس اجازت سے پرتگال والوں نے جہاں تک ممکن تھا فائدہ اٹھانیکی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی بحری طاقت

سے عرب لوگوں کا ہندوستان آنا بند کردیا۔ انہوں نے اپنے مذہبی رہنما پوپ کے حکم سے یورپ کے دیگر تجارت کرنیوالوں کا ہندوستان آنا بند کردیا۔ اسطرح ان کو ہندوستان سے تجارت کرنیکا اکیلا اختیار مل گیا اور ان کی کتنی ہی تجارتی کوٹھیاں قائم ہو گئیں ہر جگہ ان لوگوں کو عزت کے ساتھ بلایا جاتا تھا اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں مالامال ہو گئے۔ سنہ ۱۵۱۰ء میں انہوں نے گوآ میں اپنی حکومت قائم کی اور وہ کل ہندوستان پر قبضہ کر کے سلطنت کرنیکے منصوبے کرنے لگے۔ انہوں نے مغلیہ خاندان کے زوال کے بعد ہونیوالے دنگوں اور جھگڑوں سے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان کی جہازی طاقت کو بڑھنے بھی نہیں دیا اور مسلمانوں پر ظلم کر کے ہندوؤں کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی لیکن انکی زیادتیوں نے ہی انکے زوال کے ذریعے پیدا کردیے۔ ہندوستان کی اسلامی حکومت ان کو یہاں سے نکالنے پر تیار ہو گئی۔ یورپ کی پروٹسٹنٹ قومیں و نیز انگلینڈ اور ہالینڈ کے لوگ پوپ صاحب کے حکم کی پرواہ نہ کر کے ہندوستان میں آنے لگے۔ سنہ ۱۵۸۰ء میں اسپین نے پرتگال پر قبضہ کر لیا اور اس طرح اسپین کے دشمن اس کے بھی دشمن ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگال کی کل تجارت ڈچ اور انگریزوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ اب پرتگال کا قبضہ صرف گوآ، ڈامن اور ڈیو پر رہ گیا۔

ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی

پرتگال کی طاقت نیست و نابود کرنے میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا کافی ہاتھ تھا۔ اس نے گروہ جزائر مشرقی کے مسالے والے جزیروں کی کل تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مغلوں کی بڑی طاقت سے ڈر کر ہندوستان کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ ان جزیروں کے مسالے کی تجارت سے ان کو بہت فائدہ ہوا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں ہالینڈ کو کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں جس کی وجہ سے بھی وہ ہندوستان میں اپنی طاقت زیادہ نہ بڑھا سکا۔

فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی

ڈچ لوگوں کے علاوہ فرانسیسی بھی ہندوستان میں تجارت کرنے آئے۔ اگرچہ ان کی کمپنی پہلے بن چکی تھی۔ مگر اس نے سنہ ۱۶۶۴ء کے بعد ہندوستانی تجارت کی طرف زیادہ توجہ کی۔ لیکن اس کے بعد بھی اس کو اپنے

ناک کی حکومت سے کافی ہمت افزائی نہیں ہوئی۔ بلکہ کمپنی کو ملک کی لڑائیوں سے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کمپنی کے خلاف زیادہ تر انگریزوں نے کارروائی کی جس کا بیان ہم اسی باب میں کرینگے۔ اس کے پہلے انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ترقی پر ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہوگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی ترقی

اکبر کی ہمعصر ملکہ ایلزبتھ نے ۱۶۰۰ء میں ایک ایسٹ انڈیا نام کی تجارتی کمپنی قائم کی تھی۔ ہندوستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت جہانگیر کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی۔ کمپنی کے افسروں کی فرض شناسی، مغل بادشاہوں کی عنایت اور انگلینڈ کے حکمرانوں کی سرپرستی کی وجہ سے اس کی تجارت بہت ترقی کر گئی تھی۔ اور کمپنی نے کلکتہ، مدراس، بمبئی، سورت، پٹنہ، قاسم بازار وغیرہ مقامات میں بہت سی تجارتی کوٹھیاں بنالی تھیں۔ آگے چل کر انگلینڈ میں ایک نئی کمپنی تجارت کرنے کے لئے بنائی گئی۔ اس کی وجہ سے اس کی تجارت کم ہونے لگی لیکن پارلیمنٹ میں اس کے چلانے والوں کا کافی اثر ہونے کی وجہ سے یہ نئی کمپنی توڑ دی گئی۔ اور اس کے حصہ داروں کو بھی پرانی کمپنی کا حصہ دار بنا دیا گیا اس طرح ۱۷۰۸ء میں ایک متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد پڑی۔

جس وقت کمپنی کی اندرونی حالت اس طرح سنبھل رہی تھی۔ اسی وقت ہندوستان میں بھی موافق و مناسب حالات بننے لگے۔ ۱۷۰۷ء میں مغل شہنشاہ اورنگذیب کی وفات ہو جانے کے بعد مرکزی حکومت بہت کمزور ہو گئی۔ اور صوبے دار آزاد ریاستیں بنانے لگے۔ انگریزی کمپنی کی زیادہ تر کوٹھیاں موجودہ مدراس، کلکتہ یا بمبئی کے نزدیک تھیں۔ یہ سب مقامات دلی سے بہت دور پڑتے تھے۔ اس لئے مغل شہنشاہ کی دست اندازی کا بہت کم خوف تھا۔ صوبوں کے حاکم اتنے طاقتور نہ تھے۔ کہ وہ انگریزی تجارتی کمپنیوں کو کافی نقصان پہنچا سکتے۔ مرہٹے مغلوں سے لڑ رہے تھے۔ اس لڑائی سے بھی کمپنی کو فائدہ ہوا کمپنی

کے جہازوں نے مغلوں کی طرف سے لڑکر مرہٹوں کی کشتیوں کی فوج کو برباد کردیا اس طرح ان کے ایک آئندہ ہونیوالے دشمن کی طاقت کم ہوگئی۔

مغل بادشاہ کی طاقت کم ہونے کے بعد اور مرہٹوں کی طاقت متحد ہونے سے قبل ہندوستان میں بڑی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ اس بدنظمی سے جہاں سوداگروں کو نقصان ہوا تھا وہاں دو تین بہت بڑے فائدے بھی ہوئے۔ کمپنی کے سوداگروں نے بغیر چنگی دیئے تجارت کرنا شروع کردی۔ اکثر وہ مقامی افسروں کی مرضی کے خلاف کام کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ لیکن بنگال کے صوبہ دار مرشد قلی خاں نے ان سے سختی کے ساتھ چنگی وصول کرنا شروع کی ساوراں کو حکم دیا کہ وہ اپنی کوٹھیوں کے باہر کی زمین خالی کردیں۔ اس حکم سے ان کو بہت پریشانی ہونے لگی کمپنی نے شہنشاہ وقت بہادر شاہ کے یہاں اپنے دو سفیر بھیجے۔ ان کے ساتھ ایک ہیملٹن نام کا ڈاکٹر بھی تھا۔ جب یہ دلی پہونچے تو انہیں معلوم ہوا کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ مرچکا ہے اور اس کا جانشین جہاندار شاہ تخت سے اتارا جاچکا ہے۔ اس وقت فرخ سیر بادشاہ تھا۔ اتفاقاً وہ بیمار پڑ گیا۔ اور اس کو اپنے دربار کے معالجوں سے شفا نہ ہوئی۔ ڈاکٹر ہیملٹن کے علاج سے اسے فائدہ ہوگیا۔ اس لئے اس نے ان سفیروں کی درخواست منظور کرلی۔ ان کو کلکتہ اور مدراس کے پاس ۲۹ گاؤں دیدیئے گئے اور ان کا سالانہ خراج مقرر کردیا گیا۔ دوسری خاص سہولت یہ ملی کہ انہیں دکن اور بنگال میں بغیر محصول دیئے تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہوگئی۔ بادشاہ کے اس حکمنامہ (۱۷۱۵ء) سے کمپنی کو بہت فائدہ ہوا۔ اس کی ایک چھوٹی سی جاگیر ہوگئی۔ جہاں کی حکومت اسی کے ہاتھ میں رہی۔ اس طرح وہاں لڑائی کا سامان جمع کرنا لڑائی کی تیاری کرنا یا سازشیں کرنا آسان ہوگیا۔ چنگی معاف ہوجانے کی وجہ سے وہ دوسرے سوداگروں کے مقابلہ میں سستا سامان فروخت کرسکتے تھے۔ اس طرح ان کا زیادہ مال فروخت ہونے لگا۔

کمپنی کی ترقی کا دوسرا سبب ان کا طریقہ تجارت بھی ہے۔ کمپنی کے اہلکار اکثر

کاریگروں کو پیشگی روپیہ دیدیتے تھے۔ جب ان کا سامان تیار ہو جاتا تھا تو وہ کچھ ارزاں قیمت پر لینے کی کوشش کرتے تھے اور اگر کاریگر راضی نہ ہو تو اسے فوراً پرانی رقم مع سود ادا کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس زبردستی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ انہیں سامان ارزاں مل جاتا تھا اور کاریگر بندھ جانے کی وجہ سے جس طرح کا سامان وہ چاہتے تھے ویسا ہی سامان تیار ہوتا تھا۔

ادھر ۱۷۳۹ء میں کمپنی نے پیشوا سے بھی فرخ سیر کی طرح حکم نامہ حاصل کرلیا۔ اس کے مطابق انہیں گجرات میں بغیر چنگی دیئے تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہوگئی۔ ان حکم ناموں میں ایک بات بڑی اہم ہے کہ مغل بادشاہ اور پیشوا دونوں نے ایسے مقامات پر چنگی معاف کردی تھی جہاں قانونی نظر سے تو ان کا اختیار تھا مگر درحقیقت وہاں ان کی کچھ نہ چلتی تھی۔ ان حکمناموں سے کمپنی کو چنگی نہ دینے کا ایک بہانہ ہوگیا۔ دینا یا نہ دینا اصلیت میں مقامی حاکموں کی طاقت پر منحصر تھا کیونکہ کمپنی کی فوجی طاقت بڑھتی جارہی تھی۔ اس لئے وہ مقامی حاکم آسانی سے انہیں قابو میں نہیں کرپاتے تھے۔

فرانسیسی کمپنی کی پالیسی

جس وقت انگریزی کمپنی اس طرح تجارت میں مشغول ہو کر مالا مال ہورہی تھی۔ اسی وقت ڈوپلے فرانسیسی کمپنی کا گورنر مقرر ہوا۔ وہ بڑا اولوالعزم اور جاہ جلال کا خواہاں تھا۔ اس نے دکن کی حالت کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ کہ ہندوستانی راجاؤں اور نوابوں کے جھگڑوں میں پڑ کر کافی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ڈوپلے جانتا تھا کہ تجارت میں انگریز اتنا آگے بڑھ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے اسلئے اس نے ایک بڑی عاقلانہ تجویز بنائی۔ پہلے اس نے ہندوستانی سپاہیوں کو بھرتی کرکے کمپنی میں فرانسیسی فوجی افسروں کے ذریعہ تعلیم دلائی اور ایک مضبوط فوج تیار کرلی۔ اس کے بعد اس نے موقع پاکر دکن کی ریاستوں میں فرانسیسیوں کا اقتدار قائم کرنے کیلئے نئے دعویدار کھڑے کئے۔ وہ سوچتا تھا کہ ان ریاستوں کے حاکموں پر قبضہ

پا لینے کے بعد انگریزوں کا نکال دینا مشکل نہ ہوگا۔ انہیں نکال دینے کے بعد فرانس کے ہاتھ میں نہ صرف ہندوستانی تجارت بلکہ ہندوستانی سلطنت بھی آجائے گی۔

جس وقت ڈوپلے پانڈیچری کا گورنر تھا۔ اس وقت دکن میں سب سے

اٹھارھویں صدی میں جنوبی ہند کی حالت

طاقتور مرہٹے تھے۔ ان کا قبضہ کل مہاراشٹر پر تھا۔ اور دکن کے پٹھار کا کافی حصہ بھی ان کے زیر اقتدار آچکا تھا۔ لیکن مرہٹوں کی نظر شمالی ہند کی طرف تھی اور وہ دکن کی طرف سے کچھ لاپرواہ سے تھے۔ دوسری خاص ریاست نظام حیدر آباد کی تھی وہ برائے نام مغل بادشاہ کے ماتحت تھا۔ لیکن حقیقت میں آزاد تھا اسے مرہٹوں سے ہمیشہ ڈر رہتا تھا ان سے جان بچانے کیلئے ان کو آپس میں لڑائی کی کوشش کرتا رہتا تھا نظام بھی برائے نام دکن کا حکمران تھا کیونکہ اسے خود مرہٹوں کو چوتھ دینی پڑتی تھی موجودہ صوبہ مدراس کے زیادہ تر حصہ میں اس وقت ایک دوسری نیم آزاد ریاست تھی۔ اس کے حکمران کو کرناٹک کا نواب کہتے تھے۔ وہ برائے نام نظام کا ماتحت تھا۔ حالانکہ اصلیت میں وہ بھی آزاد ہی تھا۔ کرناٹک کے نواب کے علاوہ میسور اور تنجور کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جو اپنی آزادی بنائے رکھنے کے لئے مرہٹوں۔ نظام اور کرناٹک کے نواب سے لڑتی رہتی تھیں۔

کرناٹک کی لڑائیاں

۱۷۴۶ء اور ۱۷۶۳ء کے درمیان جنوبی ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں تین لڑائیاں ہوئیں۔ زیادہ تر ان کی لڑائیاں کرناٹک ہی میں ہوئیں۔ اس لئے انہیں کرناٹک کی لڑائیاں کہتے ہیں، انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائی ہونے کا سبب ڈوپلے کی حکمت عملی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ ہر لڑائی کے کچھ خاص اسباب بھی تھے۔

یورپ میں فرانس اور انگلینڈ میں بہت دنوں سے دشمنی چلی آتی تھی ۱۷۴۰ء میں یورپ میں ایک جنگ شروع ہوئی۔ جو آسٹریا کی جانشینی کیلئے جنگ کے نام سے

پہلی لڑائی
سنہ ۱۷۴۶ء تا سنہ ۱۷۴۸ء

مشہور ہے۔ یہ جنگ سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۸ء تک ہوئی۔ اس میں انگلینڈ اور فرانس نے بھی حصہ لیا۔ ڈوپلے نے اسی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر انگریزی کوٹھیوں پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس نے سنہ ۱۷۴۶ء میں مدراس پر حملہ کیا۔ انگریزوں نے جنگ کی پوری تیاری نہ کی تھی کیونکہ کرناٹک کے نواب انورالدین نے ان کی حفاظت کا اقرار کر کے انہیں فوجی تیاری کرنے سے روک دیا تھا۔ جب ڈوپلے نے حملہ کیا۔ تو انگریزوں نے نواب سے مدد چاہی۔ نواب نے ڈوپلے کو حکم دیا۔ کہ لڑائی بند کر دے اس کے نہ ماننے پر نواب نے ڈوپلے پر حملہ کیا۔ ڈوپلے کی فوج نے نواب اور انگریز دونوں کی فوجوں کو شکست دی اور مدراس پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح سے ڈوپلے کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ بدقسمتی سے ڈوپلے کو اس فتح سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ جب سنہ ۱۷۴۸ء میں یورپ کی لڑائی بند ہو گئی۔ تو فرانس کی سرکار نے مدراس واپس کر دینے کا وعدہ کیا۔

دوسری لڑائی
سنہ ۱۷۴۸ء تا سنہ ۱۷۵۴ء

انگریزوں نے اپنی شکست سے کافی فائدہ اٹھایا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ اپنی حفاظت کے لئے انہیں اپنے ہی پیروں پر کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس لئے آہستہ آہستہ انہوں نے بھی فوج تیار کرنا شروع کر دیا۔ اسی وقت ہندوستانی بادشاہوں میں تین خاص شخصوں نے سنہ ۱۷۴۸ء میں وفات پائی۔ وہ تھے دلی کے بادشاہ محمد شاہ۔ مرہٹوں کا راجہ چھترپتی شاہو اور حیدرآباد کا نظام آصف جاہ نظام الملک۔ ڈوپلے نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے حیدرآباد کے تخت کے لئے ایک ایسے شخص کے ساتھ دینے کا ارادہ کیا۔ جس کا حق کمزور ہو۔ کیونکہ اس کے کامیاب ہونے پر اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ آصف جاہ کے خاندان والوں میں ایک شخص کا نام مظفر جنگ تھا وہ آصف جاہ کا پوتا تھا۔ ڈوپلے نے اسے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ نظام نے کرناٹک کے نواب کو نامزد کیا تھا۔ ڈوپلے نے مظفر جنگ

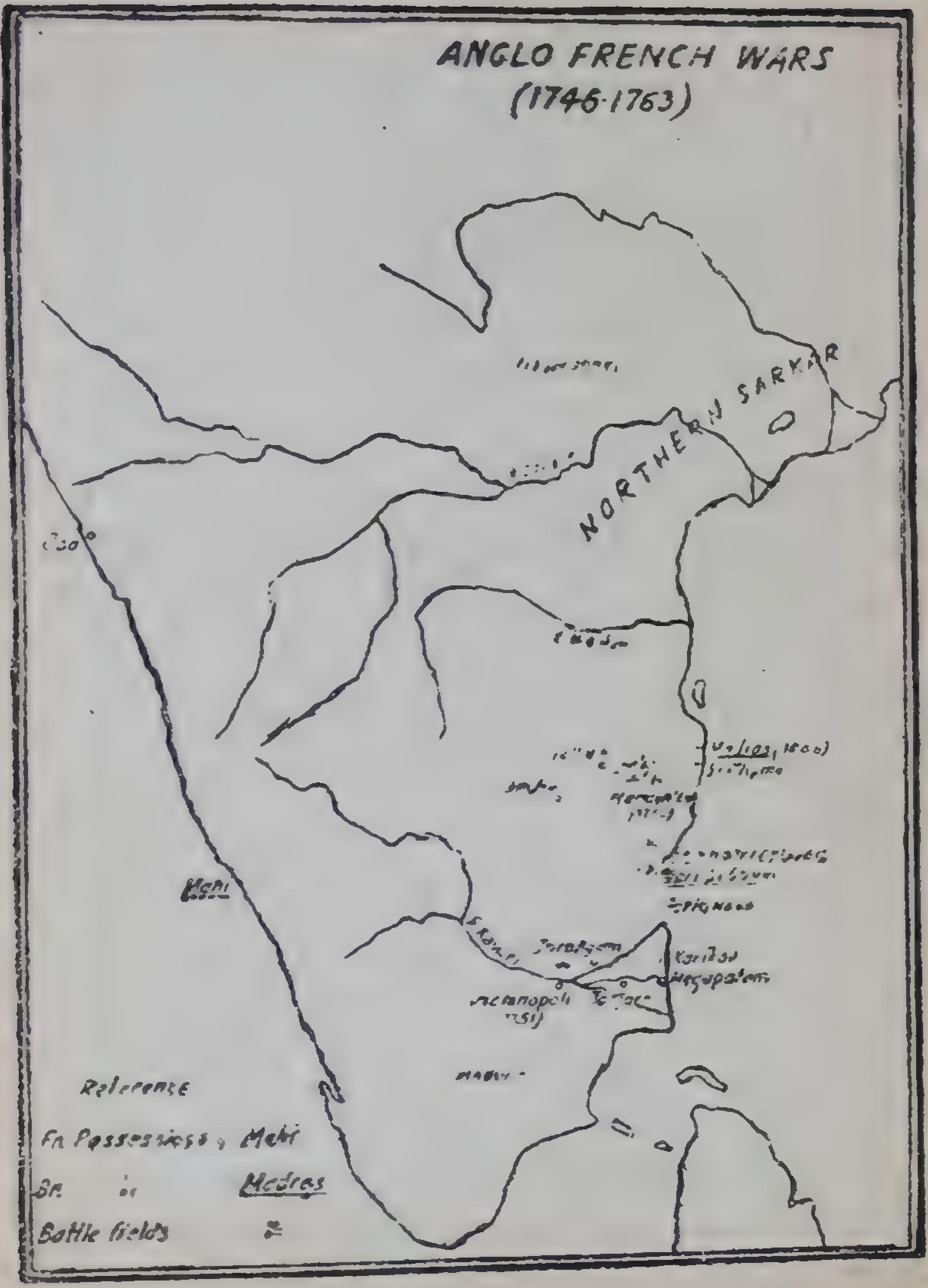
ANGLO FRENCH WARS
(1746-1763)
NORTHERN SARKAR
Reference
Fr. Possessions Mahe
Br. Madras
Battle fields

کے نظام ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اس سے کہا کہ وہ انورالدین کی جگہ پر چاندا صاحب کو نواب مقرر کر دے۔ چاندا صاحب بہت دن سے مدد مانگنے کے لئے ڈوپلے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ اس کا خسر پہلے کرناٹک کا نواب رہ چکا تھا۔ اسی رشتہ سے وہ کرناٹک کا حقدار بنتا تھا، ڈوپلے، مظفر جنگ اور چاندا صاحب نے اپنی فوجیں جمع کر کے کرناٹک پر حملہ کیا۔ اس میں انہیں پوری کامیابی حاصل ہوئی اور چاندا صاحب ۱۷۴۹ء میں نواب ہو گیا۔ انورالدین کی شکست اور وفات کے بعد اس کا بیٹا بھاگ کر ترچناپلی میں چھپ رہا۔ اور اس نے انگریزوں اور نظام کے پاس مدد مانگنے کے لئے سفیر بھیجے۔

حیدر آباد میں ناصر جنگ نواب ہو گیا۔ اور اپنے بھتیجے کی بغاوت فرو کرنے کے لئے کرناٹک آیا۔ چاندا صاحب تو بھاگ نکلا۔ لیکن مظفر جنگ نے ماتحتی قبول کر لی۔ اور وہ ناصر جنگ کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ دن بعد ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ دھوکے سے مار ڈالا گیا۔ اس کے مرتے ہی مظفر جنگ نے پھر اپنے نظام ہونے کا اعلان کر دیا۔ ڈوپلے نے بسی کے ساتھ اسے حیدر آباد بھیج دیا۔ اور وہ تخت پر بیٹھ گیا ڈوپلے کو دریائے کرشنا کے جنوب کے حصہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اور اسے و فرانسیسی کمپنی کو بہت سا روپیہ نذرانہ میں ملا۔ اس طرح کرناٹک اور حیدر آباد دونوں ڈوپلے کے قبضے میں آ گئے۔

اس حالت سے انگریز گھبرائے محمد علی ان سے مدد کی درخواست کر ہی رہا تھا۔ انہوں نے فوجی تیاری بھی کر لی تھی اس لئے ایک انجمن جنگ کا انعقاد ہوا۔ اس میں کلائو نامی ایک محرر نے جو ۱۷۴۴ء میں مدراس آیا تھا۔ اور جس نے ۱۷۴۶ء میں سپاہی کا کام بھی اچھا کیا تھا۔ ایک تجویز پیش کی۔ اس نے کہا کہ محمد علی کی مدد کرنے کے لئے کرناٹک کے پایۂ تخت ارکاٹ پر حملہ کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ چاندا صاحب پایۂ تخت کی حفاظت کے لئے ترچناپلی سے ہٹے گا اس طرح محمد علی کو کچھ آرام مل جائے گا اور چاندا صاحب کی طاقت تقسیم ہو جانے کی وجہ سے

اس کو شکست بھی ہو سکتی ہے یہ تجویز منظور کر لی گئی اور کلائیو کو ہی اس حملہ کا سپہ سالار بنایا گیا۔

وہ ارکاٹ فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چاندا صاحب گھبرا کر ارکاٹ کی طرف

ارکاٹ کا محاصرہ

بڑھا لیکن وہ مغلوب ہوا اور مارا گیا۔ اس طرح ۱۷۵۱ء میں محمد علی کرناٹک کا نواب ہو گیا۔ اور وہاں انگریزی اقتدار قائم ہو گیا۔ محمد علی نے کمپنی کو بہت سی دولت اور گاؤں انعام کے طور پر دیئے۔ یہیں سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی ابتدا سمجھنا چاہیئے۔

حیدرآباد میں بھی گڑبڑ ہونیوالی تھی۔ کیونکہ مظفر جنگ یکایک مر گیا۔ بسی نے اس وقت بڑی ہوشیاری دکھائی اس نے اپنی فوج کی مدد سے فوراً اصلابت جنگ کو جو آصف جاہ کا تیسرا لڑکا تھا گدی پر بٹھا دیا۔ اور خود اس کی مدد کے لئے وہاں پر گیا۔ اس طرح دکن کی ایک ریاست انگریزوں کے زیر اثر آگئی اور دوسری فرانسیسیوں کے۔ ڈوپلے نے ایک نئی فوج تیار کر کے انگریزوں کو کرناٹک سے نکالنا چاہا۔ لیکن اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ بسی نے نظام کو سمجھا بجھا کر شمالی سرکار کے ضلعے اپنی فوج کے اخراجات کیلئے لے لئے۔ کمپنی کو بھی ایک ٹھوس فائدہ ہوا۔ انگلینڈ کی طاقت کم نہیں ہوئی بلکہ کچھ بڑھ ہی گئی۔ اس وجہ سے فرانس کی سرکار ڈوپلے سے ناراض ہو گئی اور وہ ۱۷۵۴ء میں واپس بلا لیا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ۱۷۵۴ء میں فرانسیسیوں اور انگریزوں میں صلح ہو گئی۔ اور اس طرح کرناٹک کی دوسری لڑائی کا خاتمہ ہوا۔

ڈوپلے کی حکمتِ عملی سے ہندوستان میں فرانسیسی کمپنی کی عزت بہت بڑھ گئی

ڈوپلے کے کام کی تنقید

انگریز اس سے بہت ڈرتے تھے اس لئے اس کے واپس بلائے جانے پر وہ بہت خوش ہوئے۔ ڈوپلے کو اپنی حکمت عملی سے پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کے پاس روپیہ کی کمی تھی اور وہ کافی فوج نہیں رکھ پاتا تھا۔ دوسرے فرانس کی سرکار سے مناسب مدد نہیں ملی۔ ڈوپلے بڑا عقلمند شخص تھا۔ اس کی تعریف اسی میں ہے، کہ اس کی چلائی

ہوئی حکمت عملی کی ہی پیروی کر کے انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی شاندار سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

ڈوپلے کے واپس چلے جانے کے بعد کچھ دن تک ہندوستان میں امن رہا۔

تیسری لڑائی ۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۳ء

لیکن انگریزوں اور فرانسیسیوں میں اس وقت تجارت اور نوآبادیوں کے لئے بڑا زبردست مقابلہ ہو رہا تھا۔ یورپ میں وہ اپنی جماعت کو مضبوط کر رہے تھے، شمالی امریکہ میں بھی ان کی نوآبادیاں نزدیک نزدیک تھیں۔ وہاں ۱۷۵۴ء سے ہی جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی دونوں کمپنیوں کی کوٹھیاں پاس پاس تھیں اور وہ ابھی دوسری لڑائی کے واقعات بھولے نہیں تھے۔ اس لئے ایک اور لڑائی کا ہونا ضروری ہو گیا۔ فرانس اور انگلینڈ میں ۱۷۵۶ء میں جو لڑائی شروع ہوئی وہ ۱۷۶۳ء تک چلتی رہی۔ اس لئے اسے جنگِ ہفت سالہ بھی کہتے ہیں۔

۵۷-۱۷۵۶ء میں کمپنی کی حالت کچھ بگڑ رہی تھی۔ کیونکہ بنگال کے نئے نواب اور مقامی انگریزی کوٹھیوں کے کارکنوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے فرانسیسی گورنر نے اس وقت تک اعلانِ جنگ کرنے سے انکار کیا۔ جب تک کہ اس کے پاس فرانس کی سرکار کا حکم نہ آ گیا۔ اس میں کافی دیر ہوئی اور اس درمیان میں بنگال میں انگریزوں کی حالت ٹھیک ہو گئی اور کرناٹک کے نواب کی طرح وہاں کا نواب بھی کلائیو کی حکمت عملی کی وجہ سے کمپنی کے قابو میں آ گیا۔

فرانس کی سرکار نے کاؤنٹ لیلی نام کا ایک نیا گورنر بھیجا۔ وہ ۱۷۵۸ء میں ہندوستان آیا اس نے فوراً بسی کو حیدرآباد سے واپس بلا لیا۔ اس کے جاتے ہی مرہٹے نظام پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اس سے نہ صرف بہت سا روپیہ لیا۔ بلکہ اس کے کئی قلعے بھی چھین لئے۔ اس لئے نظام فرانسیسیوں سے بہت ناراض ہو گیا۔ کلائیو نے بنگال سے کرنل فورڈ کے ساتھ ایک فوج شمالی سرکار میں بھیجی۔ اور اس نے خود فرانسیسی کوٹھی چندر نگر پر قبضہ کر لیا۔ کرنل فورڈ نے شمالی سرکار

پر قبضہ کر لیا۔ اب کمپنی نے نظام کے پاس ایک قاصد اور بھیجا۔ کہ اگر شمالی سرکار کے ضلعے اس کو دیدیئے جائیں۔ تو وہ ہمیشہ نظام کی مدد کرے گی۔ پہلے تو نظام صلح کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ لیکن ان کے بہت یقین دلانے پر اور یہ دیکھکر کہ شمالی سرکار پر انہوں نے قبضہ کر ہی لیا ہے۔ اس نے ان سے صلح کر لی۔ اس طرح نظام پر بھی انگریزی کمپنی کا اقتدار جمنے لگا۔

شمالی سرکار کی فتح کے بعد انگریزی فوج سر آیر کوٹ کے زیر کمان کاونٹ لیلی کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوئی۔ ۱۷۶۰ء میں وانڈی واش کے مقام پر لیلی کو شکست ہوئی۔ اگلے سال پانڈی چری پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ اور لیلی قید ہو گیا۔ انگریزوں نے پانڈی چری کے قلعہ کو بالکل توڑ پھوڑ دیا۔ اور وہاں کا لڑائی کا سب سامان اپنے قبضہ میں کر لیا۔

۱۷۶۳ء میں یورپ میں پیرس کی صلح ہو گئی۔ اس لئے ہندوستان میں بھی صلح ہو گئی۔ فرانسیسی نوآبادیاں واپس کر دی گئیں۔ لیکن انہیں وعدہ کرنا پڑا کہ وہاں آئندہ کوئی فوجی تیاری نہیں کریں گے۔ اس لڑائی کے بعد فرانسیسیوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے کم ہو گئی اور وہ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لائق نہ رہے انہوں نے دیسی راجاؤں کی فوجوں میں ملازمت کر کے انہیں انگریزوں کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش ضرور کی۔ لیکن انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس طرح ۱۷۶۳ء تک انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی ہی ہندوستان میں آنے والی یورپ کی کمپنیوں میں سب سے اچھی ہو گئی اور اسے آگے چل کر جو کچھ مخالفت برداشت کرنی پڑی۔ وہ ہندوستانی بادشاہوں کی طرف سے ہی ہوئی۔

انگریزی کمپنی کی کامیابی کے اسباب

انگریزی کمپنی کی کامیابی کے کئی اسباب تھے۔ ان سے پہلے آنیوالوں میں پرتگال اور ڈچ خاص ہیں۔ پرتگالیوں کی بہت کچھ طاقت ڈچ لوگوں نے ضائع کر دی۔ اور کچھ ان کی حکمت عملی اور حالت کی وجہ سے بھی ان کی طاقت برباد ہو گئی۔ ڈچ

لوگوں نے ہندوستانی تجارت کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ وہ مشرقی مجموعہ جزائر میں ہی پھنس گئے اس لئے ڈچ لوگوں کی طرف سے بھی انہیں ہندوستان میں کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی۔ صرف ایک فرانسیسی کمپنی ان کا مقابلہ کرنے والی رہ گئی وہاں کے مقابلہ میں بہت بعد میں آئی تھی۔ اس لئے اسے ہندوستانی تجارت میں بہت حصہ نہیں مل سکا۔ دوسرے انگریزی کمپنی نے مغل بادشاہ اور پیشوا سے کچھ خاص سہولتیں حاصل کر لی تھیں۔ جن سے ان کی تجارت اور بھی بڑھ گئی اور کمپنی بہت مالدار ہوگئی۔ فرانسیسی کمپنی سرکاری کمپنی تھی۔ اس کا انتظام ایک سرکاری محکمہ کی طرح ہوتا تھا۔ اکثر فرانس کی سرکار اس کی اہمیت کو بہت کم سمجھتی تھی۔ اس لئے وہ وقت پر مدد نہیں دیتی تھی۔ فرانسیسی کارکن متفق ہو کر کام نہیں کرتے تھے اور ایک دوسرے سے بغض و حسد رکھتے تھے۔ اس وجہ سے بھی کافی نقصان ہوتا تھا۔ تیسرے فرانس کی سرکار اتنی طاقتور بھی نہیں تھی کہ وہ آسانی سے ہندوستان میں مدد بھیج سکتی۔ ان سب مشکلات کے برخلاف انگریزی کمپنی کی حالت بہت ہی اچھی تھی۔ اس نے تجارت کے ذریعہ کافی دولت جمع کر لی تھی۔ اس لئے اُسے اپنے خرچ کے لئے کسی کا دست نگر نہیں رہنا پڑتا تھا۔ بلکہ وہ خود انگریزی سرکار کو قرض دیا کرتی تھی۔ دوسرے کمپنی کے منتظم آزاد سوداگر تھے جو ہمیشہ اپنے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی ترقی کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ وہ قابل سے قابل لوگوں کو بھیجتے تھے۔ اور ان کے کاموں کی نگرانی رکھتے تھے۔ تیسرے کمپنی کو انگریزی سرکار کی خارجی حکمت عملی سے بہت فائدہ ہوا۔ اس کی وجہ سے اس کے سب دشمن برباد ہو گئے چوتھے اسے انگریزی جہازی بیڑے کی مدد مل سکتی تھی۔ جو یورپ میں سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اور جس کی وجہ سے یورپ کے دوسرے ملک ہندوستان میں اپنی مدد بہت مشکل سے بھیج سکتے تھے۔ پانچویں یہ کمپنی کی خوش قسمتی تھی کہ اس عہد میں اسے کلائیو، لارنس اور واٹسن جیسی قابل ہستیوں کی خدمات حاصل ہو گئیں۔ وہ آپس میں میل جول سے کام کرتے تھے۔ اور اپنے ملک کے

فائدہ کے سامنے اپنے ذاتی مفاد کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۷۶۳ء سے دو سال قبل پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کو شکست فاش ہو چکی تھی۔ اس لئے کمپنی کو اپنی طاقت بڑھانے کا اور بھی زیادہ موقع مل گیا۔

خاص تاریخیں

متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا قائم ہونا	۱۷۰۸ء
بادشاہ فرخ سیر کا حکم نامہ	۱۷۱۵ء
پیشوا کا حکم نامہ	۱۷۳۹ء
مدراس پر ڈوپلے کا قبضہ	۱۷۴۶ء
شاہو، محمد شاہ اور نظام الملک کی وفات	۱۷۴۸ء
انورالدین کی شکست اور وفات	۱۷۴۹ء
ناصر جنگ کی وفات	۱۷۵۰ء
صلابت جنگ کا نظام ہونا	۱۷۵۱ء
ارکاٹ کا محاصرہ اور چاندا صاحب کی وفات	۱۷۵۱ء
ڈوپلے کا واپس جانا	۱۷۵۴ء
ہندوستان میں لیلی کی آمد	۱۷۵۸ء
کرنل فورڈ کا شمالی سرکار پر قبضہ	۱۷۵۹ء
وانڈواش کی لڑائی	۱۷۶۰ء
پانڈی چیری پر انگریزوں کا قبضہ	۱۷۶۱ء
پیرس کی صلح	۱۷۶۳ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ترقی کے کیا اسباب تھے؟

۲- اٹھارہویں صدی میں دکن میں کون کون ریاستیں تھیں؟ ان کے باہمی تعلقات بیان کرو۔

۳- ڈوپلے کون تھا؟ اس کی حکمتِ عملی کیا تھی؟ وہ کامیاب کیوں نہیں ہوا؟

۴- کلائیو نے کرناٹک کی لڑائیوں میں کیا حصہ لیا؟

۵- انگریزی کمپنی کی کامیابی کے کیا اسباب تھے؟

۶- جنوبی ہند کا ایک نقشہ بناؤ اور اس میں کرناٹک کی لڑائیوں کے خاص مقامات دکھاؤ۔ انگریزی اور فرانسیسی کوٹھیوں کو الگ الگ رنگوں سے ظاہر کرو۔

تئیسواں باب

بنگال کی آزادی اور نوابی کا خاتمہ

بنگال کی نوابی

اورنگ زیب کی وفات کے بعد ۱۷۱۳ء میں مرشد قلی خاں بنگال کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ وہ ۱۷۱۳ء سے ۱۷۲۵ء تک بنگال کا حکمران رہا۔ اسی کے وقت سے مغل بادشاہ کا اثر بنگال پر بھی گھٹنے لگا۔ اسی کے برتاؤ سے ناراض ہو کر ہگلی کے انگریزوں نے فرخ سیر سے خاص سہولتوں کی درخواست کی تھی۔ فرمان مل جانے کے بعد جب انہوں نے ان موضعوں پر قبضہ کرنا چاہا، جو کہ بادشاہ نے ان کو دیئے تھے تو مرشد قلی خاں نے اعتراض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ کمپنی کو فوج کی مدد سے ان موضعوں کو لینا پڑا۔ اس طرح کمپنی کے اہلکاروں اور بنگال کے حاکم میں کچھ اَن بَن ہو گئی۔ پھر بھی دونوں نے ہی ایک دوسرے کے کاموں میں دخل اندازی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے

بعد شجاع خاں (سنہ ۱۷۲۵ء ۔ سنہ ۱۷۳۹ء) اور علی وردی خاں (سنہ ۱۷۴۱ء سنہ ۱۷۵۶ء) بنگال کے حاکم ہوئے۔ علی وردی خاں کے عہد سے بنگال کے حاکم بالکل ہی آزاد ہو گئے۔ گو نام کے لئے اب بھی کبھی کبھی وہ مغل بادشاہ کو کچھ پیشکش بھیج دیا کرتے تھے۔ یہ تینوں شخص کافی قابل تھے۔ اس لئے انگریزوں کو کرناٹک والی پالیسی برتنے کا موقعہ نہیں ملا۔ جب جب انہوں نے یا فرانسیسیوں نے قلعے بنوانے شروع کئے علی وردی خاں نے انہیں مسمار کرا دیا۔ اور ان کو واضح طور پر حکم دیا کہ وہ صرف سوداگروں کی طرح رہیں اور بنگال کو کرناٹک نہ سمجھیں۔

نواب سراج الدولہ اور انگریزی سوداگر

سنہ ۱۷۵۶ء میں علی وردی خاں کی وفات ہو جانے پر اس کا پوتا سراج الدولہ تخت نشین ہوا۔ وہ ابھی نوجوان ہی تھا اور اسے حکومت کا تجربہ نہ تھا گو وہ بالکل کمزور بھی نہ تھا۔ انگریز اور فرانسیسی دونوں جانتے تھے۔ کہ یورپ میں جلد لڑائی چھڑ جائیگی اور اس وقت ہندوستان میں بھی ضرور لڑائی ہو گی۔ اس لئے وہ اپنی بستیوں کے گرد قلعہ بندی کرنے لگے۔ نواب نے کام بند کرنے کا حکم دیا۔ چندر نگر کے فرانسیسیوں نے تو یہ حکم مان لیا۔ لیکن اپنی طاقت کے غرور میں انگریزوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اس پر سراج الدولہ کا ناراض ہونا لازمی تھا۔ انگریز سوداگروں نے اس وقت دو اور خاص غلطیاں کیں۔ انہوں نے سراج الدولہ کے خلاف سازش کرنے والوں کو اپنے یہاں پناہ دی۔ اور مانگنے پر بھی انہیں واپس نہ کیا بلکہ انہیں اور مشتعل کیا۔ انہوں نے فرخ سیر کے فرمان سے فائدہ اٹھا کر چنگی دینا بھی بند کر دیا۔ اور نواب کے احکام کی مخالفت کی۔ اس لئے سراج الدولہ کے لئے سوائے ان پر حملہ کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہ رہا۔ اس طرح بنگال کے نواب اور کمپنی میں جنگ شروع ہوئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بنگال پر بھی انگریزی کمپنی کا اقتدار قائم ہو گیا۔

سراج الدولہ نے قاسم بازار کی کوٹھی پر قبضہ کر کے کلکتہ پر حملہ کیا۔ انگریز

انگریزوں کا بنگال سے اخراج

گورنر ڈریک بالکل گھبرا گیا اور جان بچا کر بھاگ نکلا اس لئے کلکتہ پر بھی آسانی سے نواب کا قبضہ ہو گیا۔ مفرور لوگوں نے کلکتہ سے ۲۰ میل جنوب کی جانب فلٹا نامی مقام پر پہنچکر دم لیا۔ سراج الدولہ نے ان کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ اور انگریزوں کی جتنی کوٹھیاں بنگال، بہار اور اڑیسہ میں تھیں ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اسی وقت ارکاٹ کا فاتح کلائیو انگلینڈ سے واپس آیا تھا۔ مدراس میں جب بنگال کے واقعات کی اطلاع پہونچی تو بہت پریشانی ہوئی۔

کلائیو کا بنگال پر حملہ

آخر یہی طے ہوا کہ بنگال فوج بھیجنا ضروری ہے کلائیو کے ساتھ خشکی کی راہ سے اور واٹسن کے ساتھ تری کی راہ سے فوج بھیجی گئی۔ اس نے جنوری ۱۷۵۷ء میں کلکتہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دریائے گنگا کے کنارے جتنی کوٹھیاں تھیں انھیں بھی پھر سے فتح کر لیا۔ کلائیو کی ان فتوحات کا خاص سبب یہ تھا۔ کہ سراج الدولہ کو انگریزوں کے آنے کی خبر اتنی دیر میں ملی کہ وہ ان کو روکنے کا انتظام وقت پر نہ ہو سکا۔ دوسرے اسے اس بات کا بھی پتہ چلا تھا کہ کچھ لوگ اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں اس نے سوچا کہ انگریزوں سے صلح کر کے پہلے ان باغیوں کا ہی خاتمہ کر دینا چاہئے اس مقصد سے اس نے ۱۷۵۷ء میں صلح کر لی جس کی شرطوں کے مطابق اس نے نہ صرف ان کو سب پرانی سہولتیں عنایت کیں۔ بلکہ گذشتہ جنگ میں کمپنی کا جو نقصان ہوا تھا۔ اسے بھی پورا کرنے کا وعدہ کیا۔ بغیر کسی بڑی جنگ کے ایسی شرائط منظور کرنے کا خاص سبب اندرونی بغاوتوں کے خوف کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

سراج الدولہ کے خلاف سازش

کلائیو بنگال کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ اب وہ بنگال کو مکمل طور پر انگریزوں کے قبضہ میں لانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ جلد ہی اسے پتہ چل گیا۔ کہ نواب کے خلاف دخاص

گروہ ہیں۔ اس کا بڑا سپہ سالار میر جعفر علی وردی خاں کا بہنوئی تھا۔ وہ سراج الدولہ کو ہٹا کر خود نواب بننا چاہتا تھا۔ دربار کے کچھ امیر اس کا ساتھ دینے کیلئے تیار تھے۔ دوسرے مرشد آباد کے کچھ ہندو سود اگر بھی سراج الدولہ سے ناراض تھے ان میں جگت سیٹھ اور امی چند خاص تھے۔ ان لوگوں نے ایک بڑی سازش شروع کی تھی اور چپکے چپکے ایک پوشیدہ فوج تیار کر رہے تھے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو نکال کر پھر سے ہندو سلطنت قائم کرنا تھا۔ کلائیو نے ان دونوں ہی گروہوں سے میل جول بڑھایا اور سراج الدولہ کو تخت سے اتارنے کا فیصلہ کیا۔

آخر میں اسے درباری سازش سے ہی زیادہ فائدہ ہونے کی امید دکھائی دی اس لئے وہ اسی گروہ میں شامل ہو گیا۔ ایک پنجابی سوداگر امی چند کے ذریعہ میر جعفر اور کلائیو میں صلح کی باتیں ہوتی رہیں۔ جب معاملہ کافی آگے بڑھ گیا۔ تب امی چند نے راز فاش کرنے کا ڈر دکھایا اور خاموش رہنے کے لئے ایک بڑی کثیر رقم کا مطالبہ کیا۔ موقع کے لحاظ سے اسے منہ مانگی رقم دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اور میر جعفر اور کلائیو میں کمپنی کی طرف سے صلح ہو گئی۔ میر جعفر اور کلائیو نے مل کر سراج الدولہ کو شکست دینے کا اقرار کیا۔ میر جعفر کو نواب مان لیا گیا اور اس نے نواب ہونے پر کمپنی کو ایک کروڑ روپیہ اور ۲۴ پرگنوں کی جاگیر جس کی آمدنی دس لاکھ روپیہ تھی نوے ہزار روپیہ سالانہ پر دینے کا وعدہ کیا۔ پوشیدہ طور پر اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ انگریز اہلکاروں کی بھی جیبیں گرم کرے گا۔ صلح کا اصلی مسودہ سفید کاغذ پر لکھا گیا۔ امی چند کو دھوکا دینے کے لئے اس کی ایک فرضی نقل سرخ کاغذ پر کی گئی۔ اس پر مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا گیا کہ امی چند کو نواب کے خزانہ سے ۵ فیصدی روپیہ اور ۲۵ فیصدی جواہرات دیئے جائینگے۔ اس جعلی صلحنامہ پر واٹسن نے دستخط نہیں کئے اور ہوئے اس کے دستخط خود بنا دیئے۔ اور امی چند کو یہی مسودہ دکھا کر بہکا دیا

اب سراج الدولہ سے لڑائی کا بہانہ تلاش کرنا تھا یہ کچھ مشکل کام نہیں

موقع کلائیو نے اس کے پاس ایک خط بھیجا کہ آپ نے فروری کی شرائط کو پورا نہیں کیا

پلاسی کی لڑائی

اور فرانسیسیوں سے سازش کی ہے اس کا جواب پانے سے پہلے وہ اپنی کل فوج جمع کر کے مرشد آباد کی طرف روانہ ہو گیا نواب گھبرا گیا۔ اس نے کلائیو کے جھوٹے الزام کی مخالفت کی۔ اور اپنی فوج کو جلدی سے جمع کیا۔ پلاسی کے پاس دونوں فوجیں مقابلہ میں آئیں۔ سراج الدولہ کی بدقسمتی سے ۲۲ جون کی شب کو پانی برس گیا۔ اور اس کے افسروں کی لاپرواہی سے بارود بھیگ گئی۔ لڑائی شروع ہوتے ہی میر جعفر کی فوج انگریزوں سے مل گئی۔ یہ دیکھ کر سراج الدولہ کی باقی فوج میں بھی گڑبڑی پھیل گئی۔ سپاہی سوچنے لگے کہ پتہ نہیں اور کون کون انگریزوں سے مل جائے۔ اس لئے وہ بغیر جنگ کئے ہی بھاگ نکلے۔ سراج الدولہ بھی بھاگا۔ لیکن وہ پکڑا گیا۔ اور اسے میر جعفر کے لڑکے میرن نے مار ڈالا۔ اس طرح ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو بنگال کی آزاد نوابی کا خاتمہ ہو گیا اور انگریزوں کا اقتدار وہاں بھی جم گیا۔

امی چند کی وفات

میر جعفر نواب ہو گیا۔ اس نے اپنے مددگاروں کو انعام دینے کے لئے ایک دربار کیا۔ کمپنی کو ۲۴ پرگنے کی جاگیر ۹۰ ہزار روپیہ سالانہ پر دی۔ اس کے سب پرانے اختیارات بدستور رہے اور اسے ایک کروڑ روپیہ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ کلائیو کو ۲۳½ لاکھ روپیہ اور دیگر اہلکاروں کو بھی خوب گراں بہا نذرانے دیئے گئے۔ امی چند کو کچھ بھی نہ ملا۔ اسے صرف یہ بتایا گیا کہ اصلی صلحنامہ پر اسے دینے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اسے اپنی غداری پر بڑی ندامت ہوئی۔ اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بداعمالی کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ اٹھاتے دیکھ کر وہ بوکھلا اٹھا اور آخر کار پاگل ہو کر مر گیا۔

کلائیو نے کل پونے دو کروڑ روپیہ اپنے اور اپنے مددگاروں کے لئے نذرانہ کے طور پر لیا۔ کمپنی کا ایک کروڑ باقی رہ گیا۔ اس میں سے بھی کچھ رقم

کلائیو اور میر جعفر ۱۷۵۷ء تا ۱۷۶۰ء

وصول کرنا ضروری تھا۔ اس لئے بہت سا شاہی سامان اور ہیرے موتی فروخت کر دیئے گئے۔ ان کی قیمت سے کمپنی کے قرضہ کا کچھ حصہ ادا کر دیا گیا۔ میر جعفر کی عجیب حالت تھی۔ وہ نام کے لئے نواب ضرور تھا لیکن اس کے پاس روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی کوئی فوج نہیں رکھ سکتا تھا۔ اور فوج کے بغیر لگان وصول کرنا بھی مشکل تھا انگریز اہلکاروں کو نذرانہ دے چکنے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ کمپنی کے قرضہ سے نجات مل جائے گی۔ لیکن وہ برابر سود کے ساتھ بڑھتا ہی گیا۔ ملک میں بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ اور دلی کا بادشاہ شاہ عالم بھاگ کر بنگال کی طرف آ رہا تھا۔ مجبور ہو کر اسے کلائیو کے ہاتھ پر کٹھ پتلی ہو جانا پڑا۔ کلائیو نے بڑی مستقل مزاجی سے کام لیا۔ اس نے سب بغاوتوں کو دبا دیا۔ اور میر جعفر کی طرف لگان وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس کے کاموں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ میر جعفر کا اقتدار پورے بنگال، بہار اور اڑیسہ پر جم گیا۔

بیرونی حملہ

۱۷۵۹ء تک میر جعفر اپنی حالت سے اتنا عاجز آ گیا کہ اس نے ڈچ لوگوں سے مدد کی درخواست کی۔ ڈچ لوگوں نے ہگلی کا محاصرہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن خشکی اور تری دونوں میں ہی انکو شکست فاش ہوئی۔ اور انہیں عہد کرنا پڑا۔ کہ وہ آئندہ امن و امان میں ہرگز خلل انداز نہ ہوں گے۔ اسی سال شاہ عالم نے بنگال پر حملہ کیا۔ کلائیو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے گیا۔ اس کی آمد کی خبر پا کر اودھ کا نواب جو شاہ عالم کی مدد کر رہا تھا واپس چلا گیا۔ اس لئے اس کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ کلائیو نے شاہ عالم کو ایک ہیرا نذر کیا۔ اور اس نے امیر کا خطاب دیا۔ میر جعفر کو خوف تھا کہ لڑائی میں ڈچوں کی شرکت کی وجہ سے وہ تخت سے برطرف نہ کر دیا جائے۔ اسی لئے اس نے بھی کلائیو کے واسطے امیر کا خطاب حاصل کرنے

کی کوشش کی۔ کلائیو نے نواب کے پاس کہلا بھیجا کہ امیر کا خطاب تو اسے مل گیا لیکن جاگیر کوئی نہیں ملی۔ ڈر کے مارے میر جعفر نے کلکتہ کے جنوب والی زمین اسے جاگیر میں دیدی۔ اس زمین کے لئے کمپنی اسے ہر سال ۳۰ ہزار پونڈ (قریب ۳ لاکھ روپیہ) دیتی تھی۔ اب یہ روپیہ کلائیو کو ملنے لگا۔

اس طرح کلائیو نے ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۰ء تک بنگال کے گورنر اور فوج

کلائیو کے کام کی اہمیت

کے افسر کی حیثیت سے کمپنی کی طاقت میں بڑا اضافہ کر دیا نواب کمپنی کے ہاتھ کا کھلونا ہو گیا۔ اور فرانسیسی ودیج ہمیشہ کے لئے دب گئے لیکن کمپنی کو اتنا فائدہ پہونچانے میں اس نے ہمیشہ کمپنی کے ہی فائدہ کا خیال نہیں رکھا۔ عموماً اس وقت کے سب انگریز خواہ وہ انگلینڈ میں ہوں یا کہیں اور اپنے عہدہ کا غیر واجب فائدہ اٹھا کر خوب روپیہ کمانے میں مشغول تھے۔ کلائیو نے بھی ۲۲½ لاکھ روپیہ نقد اور ۳ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر اپنے لئے حاصل کر لی تھی۔ اس فائدہ کو حاصل کرنے میں اس نے مناسب اور غیر مناسب کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ واٹسن کے جعلی دستخط بنا کر امی چند کو دھوکا دینا۔ سراج الدولہ سے صلح کرنے کے بعد اسی کے خلاف سازش کرنا اور بلا وجہ لڑائی چھیڑ کر اس کے قتل کا انتظام کرنا اور نواب کے خزانوں کو نذرانوں میں لوٹ کر خالی کر دینا اسی کا کام تھا۔ ان کاموں کے لئے آگے چل کر اسی کے ملک میں اس کی بہت رسوائی کی گئی۔ باوجود ان تمام باتوں کے یہ کہنا پڑیگا کہ اس نے کمپنی کو بھی فائدہ پہونچایا۔ اور ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کے کرنے میں اس وقت کے عام لوگ پس وپیش کرتے ہوں۔ وہ وقت ہی بے قاعدہ لوٹ کھسوٹ کا تھا۔

میر قاسم کا نواب ہونا سنہ ۱۷۶۰ء

کلائیو کی حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نواب کی طاقت بہت کم ہو گئی اور ملک میں لوٹ مار بہت ہونے لگی۔ کمپنی کے نئے گورنر وینس ٹارٹ نے کلائیو کی طرح

روپیہ وصول کرنے کے ارادے سے میر جعفر کے داماد میر قاسم کو نواب بنایا۔ میر جعفر تخت سے اتار دیا گیا۔ اور اس کی جگہ میر قاسم کو ملی۔ میر قاسم نے اپنی ممنونیت ظاہر کرنے کے لیے کمپنی کو بردوان، چٹاگاؤں اور مدناپور کے اضلاع دیئے اور بیس لاکھ روپیہ کونسل کے ممبروں اور دیگر افسروں کو نذرانہ کے طور پر دیا۔

میر قاسم ایک قابل شخص تھا۔ اور وہ بنگال کی حکومت کو درست کرنا چاہتا تھا۔

میر قاسم کا زوال

اس نے سرکاری اہلکاروں کی تعداد کم کر کے خرچ میں کمی کی اور اس سے ایک آزاد فوج تیار کی۔ تاکہ اسے بار بار کمپنی سے مدد نہ لینی پڑے۔ اس فوج میں اس نے غیر ملکی لوگوں کو بھرتی کیا۔ ان لوگوں نے اس فوج کو یورپ کی طرز پر تعلیم دی۔ اس نے اپنا پایہ تخت مرشد آباد سے ہٹا کر کلکتہ سے کافی دور مونگیر میں بنایا۔ اور وہاں رہ کر اندرونی حکومت کو درست کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی وجہ سے اس سے کمپنی کے اہلکاروں کا جھگڑا ہو گیا وہ لوگ نہ تو یہ پسند کرتے تھے کہ وہ غیر ملکی لوگوں کو اپنی فوج میں رکھے اور نہ انہیں یہ پسند تھا کہ وہ اپنا انتظام خود ہی کرے۔ کیونکہ اس طرح انھیں لوٹ مار کا موقع نہیں ملتا تھا۔ لیکن جس بات پر ظاہرا جھگڑا ہو گیا، وہ چنگی کا سوال تھا فرخ سیر کے وقت سے کمپنی کو بغیر چنگی دیئے تجارت کرنے کی اجازت تھی۔ میر جعفر کے زمانہ میں کمپنی کے افسروں نے اپنی ذاتی تجارت کی بھی چنگی معاف کرالی تھی۔ میر قاسم کے عہد میں وہ خود تو چنگی دیتے ہی نہ تھے بلکہ اپنی مہر جسے دستک کہتے تھے ہندوستانی سوداگروں کو فروخت کر کے ان کا سامان بھی بغیر دیئے نکلوا دیتے تھے۔ ہندوستانی سوداگروں کو اگر نواب کو دس روپیہ چنگی دینی پڑتی تو انگریز اہلکار ۷ یا ۸ روپیہ ہی لیکر انھیں دستک دے دیتے تھے۔ اس طرح انھیں مفت کی رقم مل جاتی تھی۔ ہندوستانی سوداگروں کو چنگی کم دینی پڑتی تھی اور بیچارے نواب کی آمدنی کم ہوتی جاری تھی۔ میر قاسم نے کونسل کے سامنے اس بات کی شکایت کی وارن ہیسٹنگز اور وینسی ٹارٹ نے اس بات کی تصدیق کی لیکن کثرت رائے انکے خلاف رہی۔ میر قاسم نے پریشان ہو کر سب لوگوں کی چنگی

معاف کردی۔ اب انگریزوں کی ونمک کی فروخت بند ہوگئی۔ اس غیر واجب فائدہ کے بند ہونے سے وہ بہت بگڑے اور انہوں نے میر قاسم کو ہٹا کر میر جعفر کو پھر نواب بنانا چاہا۔ ان کا رخ دیکھکر میر قاسم نے ان کی کوٹھیوں پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ اور جو انگریز ملا۔ اسے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد وہ اودھ کی طرف مدد حاصل کرنے کے لئے چلا گیا۔

بکسر کی لڑائی

بنگال کونسل نے فوراً میر جعفر کو پھر نواب بنا دیا۔ اور میر قاسم سے جو فائدے ہوئے تھے انہیں تو قائم ہی رکھا لیکن اس کے ذریعہ جو انتقال ہوا تھا اسے پورا کرنے کا وعدہ کرالیا۔ اور یہ بھول گئے کہ میر قاسم کو تخت پر بٹھانے والے اور میر جعفر کو تخت سے علیحدہ کرنے والے خود وہی لوگ تھے۔ اور پھر بھی اس تبدیلی کا خمیازہ بیچارہ میر جعفر ہی اٹھائے۔ نوابی کا انتظام کرکے ایک فوج تیار کی گئی اور وہ میجر منرو کے زیر کمان اودھ کی طرف روانہ ہوئی۔ میر قاسم کی امداد کے لئے اودھ کا نواب شجاع الدولہ اور مغل بادشاہ شاہ عالم بھی آ گئے۔ ان کی متحدہ فوج ١٧٦٤ء میں بکسر کے مقام پر مغلوب ہوئی۔ میر قاسم بھاگ گیا اور پتہ نہیں کس طرح اس کا خاتمہ ہوا۔ شاہ عالم کمپنی کے قبضہ میں آگیا۔ الہ آباد کے قلعہ پر کمپنی کا قبضہ ہوگیا۔ اور شجاع الدولہ ڈر گیا کہ کہیں اسکی کل سلطنت نہ چھین لی جائے اس لئے وہ بھی صلح کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

کلائیو کا دوبارہ بنگال کا گورنر ہونا

ان سب واقعات کی خبر جب انگلینڈ پہونچی تو لوگوں نے کلائیو کو ایک بار پھر گورنر بنا کر بھیجا۔ اس بار وہ صرف دو سال یعنی ١٧٦٥ء سے ١٧٦٧ء تک گورنر رہا۔ اس قلیل عرصہ میں ہی اس نے کئی اہم کام کئے اور کمپنی کی حالت کو پہلے سے زیادہ مضبوط کردیا۔

پہلے وہ شاہ عالم اور شجاع الدولہ سے صلح کرنے کے لئے الہ آباد گیا۔ اس صلح میں چار فریق تھے۔ شاہ عالم، اودھ کا نواب شجاع الدولہ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور بنگال کا نواب۔ شاہ عالم اور شجاع الدولہ دونوں ہی شکست پا چکے تھے کلائیو

شاہ عالم اور کلایو - الہ آباد

الہ آباد کی صلح ۱۷۶۵ء

ان کے متعلق جو کچھ چاہتا کر سکتا تھا۔ شاہ عالم کے پاس نہ زر تھا نہ زمین اس لئے اس سے سوائے مغل بادشاہ کے فرمان کے اور کچھ نہ مل سکتا تھا۔ شجاع الدولہ کی ریاست انگریزی سلطنت میں شامل کرنا ناممکن نہ تھا۔ لیکن ایسا کرنے میں بہت سی مشکلیں تھیں کمپنی کی اندرونی حالت کی اصلاح کئے بغیر اس کی ذمہ داری کو بڑھانا عقلمندی نہ ہوتی۔ پھر اودھ پر قبضہ کرنے سے مرہٹے اور روہیلوں سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ تیسرے کمپنی کے ڈائرکٹر سلطنت بڑھانے کے حق میں نہ تھے اس لئے کلائیو نے ایسی شرطیں طے کیں جس سے کمپنی کی ذمہ داری نہایت کم رہے اور اقتدار زیادہ سے زیادہ۔ یہ سب شرائط شاہ عالم کے فرمان کی شکل میں نکالی گئیں حالانکہ وہ کلائیو کے ہی اشارہ پر چل رہا تھا۔ اس لڑائی میں سب سے زیادہ نقصان اودھ کے نواب کا ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ اسی سے کچھ مل سکتا تھا۔ کڑا اور الہ آباد کے ضلعے شاہ عالم نے خالصہ کر لئے۔ یعنی کلائیو کے ڈر سے نواب کو انہیں بادشاہ کو دینا پڑا۔ کمپنی کو اس نے ۵۰ لاکھ روپیہ حرجانہ کے طور پر دینے کا اقرار کیا۔ اودھ کی حفاظت کے لئے اسے اپنے خرچہ پر کمپنی کی ایک فوج بھی رکھنی پڑی یہ فوج نواب کو کمپنی کے خلاف جانے سے روکتی۔ اور ضرورت پڑنے پر نواب کے خلاف بھی کام میں لائی جا سکتی تھی۔ اس شرط کے ذریعہ اودھ پر بھی کمپنی کا اقتدار قائم ہو گیا۔ بنگال کے نواب نے بغاوت کی تھی۔ اس کا سبب یہ سمجھا گیا کہ اس کی طاقت بڑھ گئی ہے اس خرابی کو دور کرنے کے لئے اکبر کے عہد کا دستور پھر سے کیا گیا۔ اور ناظم یا صوبہ دار اور دیوان کے عہدے الگ الگ کر دیئے گئے۔ میر جعفر مر چکا تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا نجم الدولہ صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ اور کمپنی دیوان بنائی گئی۔ دیوان کی حیثیت سے اسے ۵۳ لاکھ روپیہ سالانہ صوبہ دار کو اندرونی انتظام اور امن کی حفاظت کے لئے دینے کا حکم دیا گیا۔ اور ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کو دینے کا حکم ہوا۔ اس طرح بنگال میں دو عملی حکومت قائم ہوئی۔

صلح کرنے کے بعد کلائیو نے اندرونی حکومت کی طرف توجہ کی۔ بنگال کے نئے

کلائیو کی اصلاحیں

نواب کے ساتھ ایک دوسری صلح کی گئی اسے وعدہ کرنا پڑا کہ وہ نائب نوابوں کے ذریعہ انتظام حکومت کریگا۔ نائب نواب وہ شخص ہی مقرر کیا جا سکتا تھا جس کا نام کمپنی کا گورنر بھیجے اور وہ بغیر کمپنی کی اجازت کے نکالے نہیں جا سکتے تھے۔ اس طرح بنگال کے نواب سے ایک قسم کا استعفا لکھا لیا گیا۔

کمپنی کے اہلکاروں میں اس وقت دو خاص خرابیاں تھیں رشوت لینا اور ذاتی تجارت کرنا کلائیو نے سب افسروں سے اقرار نامے لکھا کر اور انکی آمدنی بڑھانیکی دوسری تدبیریں کرکے ان خرابیوں کا خاتمہ کر دیا

کلائیو کے جاتے ہی دو عملی حکومت کی خرابیاں واضح طور پر دکھائی پڑنے لگیں۔

بنگال کی نوابی کا خاتمہ

کمپنی اور نواب کے نوکروں میں جھگڑا ہونے لگا۔ دونوں ہی کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا چاہتے تھے۔ اس کا بار غریب رعایا پر پڑا۔ ادھر ۱۷۶۹ء میں کمپنی نے یہ حکم نکالا تھا۔ کہ لگان وصول کرنیوالے اہلکاروں کو کمیشن بھی ملا کریگا۔ اس لئے بھی لگان وصول کرنے میں بہت سختی کی جانے لگی۔ اور کبھی کبھی کسان کے پاس روپیہ نہ ہونے پر اس کا سامان مٹی کے مول نیلام کر دیا جاتا تھا۔ لگان کے علاوہ نذرانے بھی دینے پڑتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ کسان کو کھانے پہننے کے لئے بھی تکلیف ہونے لگی۔ ایسے ہی وقت میں ۱۷۷۰ء میں ایک زبردست قحط پڑا۔ سرکاری اہلکار قحط زدہ لوگوں کی امداد کرنے کے بجائے کمیشن کے لالچ میں اب بھی لگان وصول کرنے میں کوشاں تھے اس تباہی اور خدائی قہر کی وجہ سے بنگال کی ⅓ آبادی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اور ⅓ سے زیادہ زمین بنجر پڑ گئی۔ اس بدامنی کے زمانہ میں انقلاب پسند فقیروں (سنیاسیوں) کی ایک تحریک بھی زور پکڑنے لگی۔

ایسی حالت میں وارن ہیسٹنگز بنگال کا گورنر مقرر ہوا۔ اس نے ۱۷۷۲ء سے ۱۷۷۴ء کے درمیان کئی اصلاحیں کیں۔ جس سے کمپنی اور رعایا کی حالت میں کچھ

اصلاح ہوئی اگرچہ بنگال کی نوابی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اس نے سرکاری ملازموں کو ٹھیک کرنے کے لئے کلائیو کے زمانہ کے عہدنامہ کی شرائط کی یاد دلائی۔ اور رشوت لینے یا ذاتی تجارت کرنے کے جرموں میں برخاست کرنے کی دھمکی دی۔ زیادہ تر لوگوں نے آئندہ نیک اطوار رہنے کا اقرار کیا اور انہیں معاف کر دیا گیا۔ اندرونی حالت درست کرنے کے بعد اس نے دو عملی حکومت کو دور کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ نواب کے تمام انتظامی حقوق چھین لئے گئے اور اسے ۱۶ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن دی جانے لگی۔ اس کے بہت سے فضول خرچے توڑ دیئے گئے۔ اور اس کے لئے آزادی سے بیکاری اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے کی سہولتیں عنایت فرمائی گئیں اس کے ذریعہ مقرر کئے ہوئے نواب برخاست کر دیئے گئے۔ اور پورے صوبہ کیلئے ہر ضلع میں انگریز کلکٹر رکھے گئے جو لگان وصول کرنے کے علاوہ امن وامان قائم رکھنے کا بھی انتظام کرتے تھے۔ اس طرح ۱۷۵۷ء میں جو کام شروع ہوا تھا وہ ہیسٹنگز کی حکمت عملی سے انجام پایا۔ اور بنگال کی نوابی کا خاتمہ ہو گیا۔

خاص تاریخیں

سراج الدولہ کی تخت نشینی	۱۷۵۶ء
انگریزوں کو شکست	۱۷۵۶ء
پلاسی کی لڑائی	۱۷۵۷ء
میر جعفر کا نواب ہونا	۱۷۵۷ء
مغلوں کا بنگال پر حملہ	۱۷۵۹ء
ڈچ لوگوں کو شکست	۱۷۵۹ء
کلائیو کو امیر کا عہدہ اور جاگیر ملنا	۱۷۵۹ء
کلائیو کا انگلینڈ واپس جانا	۱۷۶۰ء
میر قاسم کا نواب ہونا	۱۷۶۰ء

میر قاسم کا تخت سے اتارا جانا ۱۷۶۳ء
بکسر کی لڑائی ۱۷۶۴ء
کلائیو کا دوبارہ گورنر ہونا ۱۷۶۵ء
میر جعفر کی وفات ۱۷۶۵ء
الہ آباد کی صلح ۱۷۶۵ء
کلائیو کا انگلینڈ واپس جانا ۱۷۶۷ء
بنگال کا قحط ۱۷۷۰ء
ہیسٹنگز کا گورنر ہونا اور نوابی کا خاتمہ ۱۷۷۲ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور بنگال کے نوابوں میں کن باتوں میں جھگڑا ہوتا تھا؟ ا
۱۷۵۶ء سے قبل کوئی لڑائی کیوں نہیں ہوئی؟
۲۔ سراج الدولہ نے انگریز بستیوں پر کیوں حملہ کیا؟
۳۔ کلائیو کو سراج الدولہ کے خلاف کن وجوہات سے کامیابی ہوئی؟
۴۔ کلائیو نے بنگال میں کمپنی کا اقتدار جمانے کے لئے کیا کیا؟
۵۔ کلائیو کی حکمت عملی میں کیا خرابیاں تھیں؟
۶۔ کیا کلائیو کو برٹش سلطنت کا بانی کہا جا سکتا ہے؟ اسباب بتاؤ۔
۷۔ میر قاسم اور بنگال کی کونسل میں کیوں جھگڑا ہوا؟ اس جھگڑے میں کس ک
قصور تھا؟
۸۔ بکسر کی لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟
۹۔ کلائیو کو دوبارہ گورنر بنا کر کب اور کیوں بھیجا گیا؟ اس مرتبہ اس ن
کیا خاص کام کئے؟
۱۰۔ الہ آباد کے صلحنامہ کی خاص شرائط کیا تھیں؟ اور صلح میں کمپنی کو کیا فائد

۱۱۔ ہندوستان کا ایک نقشہ بناؤ اور اس میں مندرجہ ذیل باتیں دکھاؤ:۔
(الف) بنگال کے نواب کے ماتحت کے مقامات۔
(ب) چوبیس پرگنے۔ چٹگاؤں، بردوان۔ اور مرشدآباد۔
(ج) چنسرا، چندر نگر اور کلکتہ۔
(د) پلاسی۔ بکسر اور الہ آباد۔
(ہ) جنوبی ہند میں کمپنی کی بستیاں (سنہ ۱۷۶۳ء)
۱۲۔ "الہ آباد کی صلح سے بنگال کی نوابی کا خاتمہ یقینی ہو گیا"۔ اس پر اپنے خیالات ظاہر کرو۔

تینتیسواں باب
کمپنی کی سلطنت کی وسعت
(سنہ ۱۷۷۴ء۔ سنہ ۱۸۵۷ء)

سنہ ۱۷۷۴ء میں کمپنی کی حالت

سنہ ۱۷۷۴ء کمپنی کی تاریخ میں ایک خاص تاریخ ہے اس وقت تک کمپنی نے ہندوستان کی تجارت پر اختیار واحد حاصل کر لیا تھا۔ اس کی تجارتی اور سیاسی طاقت کے ۳ خاص مرکز تھے۔ کلکتہ، مدراس اور بمبئی۔ ان تینوں ہی مقامات کی کوٹھیوں کے صدر پہلے سے ہی پریسیڈنٹ کہلاتے تھے۔ مدراس کے پریسیڈنٹ کی ماتحتی میں شمالی سرکار کے اضلاع اور مدراس کے ارد گرد کی زمین تھی۔ کرناٹک کا نواب اس کے زیر اثر تھا۔ اور میسور و حیدرآباد کے حکمرانوں کا تعلق اسی سے رہتا تھا۔ ان میں سے نظام کمپنی کا دوست بن رہا تھا۔ اور میسور کا حیدر علی حال ہی میں اس کا کٹر دشمن ہو گیا تھا۔ بنگال میں کلکتہ کا

پریسیڈنٹ بہت طاقتور ہو گیا تھا۔ بنگال اور بہار، و اڑیسہ کی حکومت اب اس کے ہاتھ میں تھی۔ اودھ کا نواب وزیر ایک طرح سے اس کا ماتحت تھا۔ مغل بادشاہ کچھ دن پہلے تک اسی کے ہاں سے پنشن پاتا تھا۔ مدراس اور بمبئی کے پریسیڈنٹ [illegible] ہاتھ میں [illegible] کی سلطنت [illegible] کی۔ [illegible] دیسی ریاستوں سے [illegible] خط و کتابت کر سکتے تھے۔ [illegible] [illegible] [illegible] خرابی کو دور [illegible] کمپنی کی حالت کو [illegible] انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے ایک ریگولیٹنگ ایکٹ پاس کیا جس [illegible] بنگال کا گورنر، گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ اور مدراس و بمبئی کے گورنر اس کے ماتحت کر دیے گئے۔ [illegible] [illegible] [illegible] کمپنی کی مالی حالت بہتر ہو گئی۔ [illegible] کر سکتی تھی۔

۱۷۷۲ء کی سیاسی حالت

اس وقت ہندوستان میں جو طاقتیں تھیں ان کی حالت نے کمپنی کی سلطنت کی توسیع کا کام آسان کر دیا۔ اس وقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

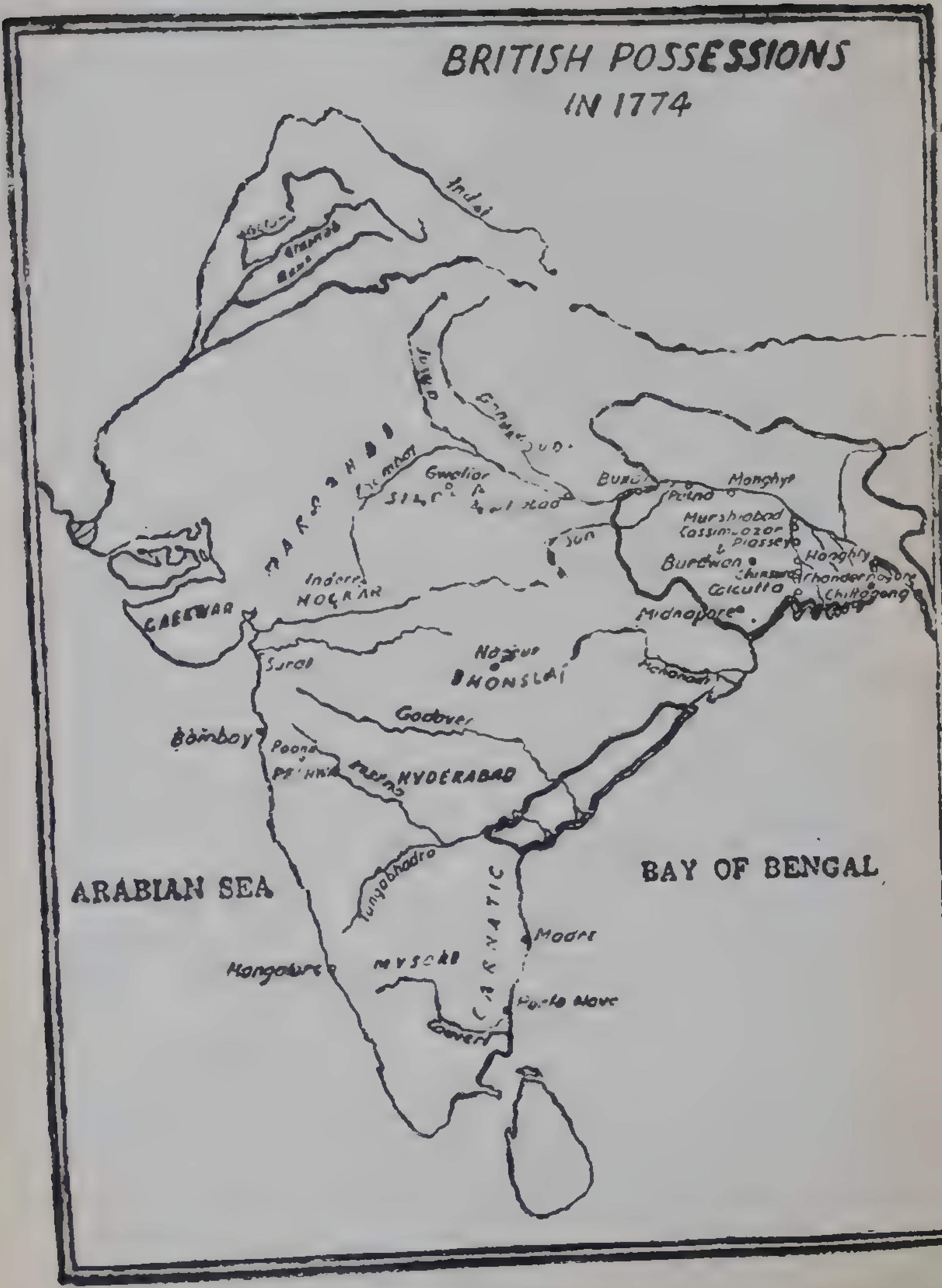
BRITISH POSSESSIONS
IN 1774
Indus
Gwalior
Patna
Monghyr
Murshidabad
Burdwan
Calcutta
Hooghly
Chittagong
Midnapore
GAEKWAR
HOLKAR
Surat
Nagpur
BHONSLAI
Godaveri
Bombay
Poona
HYDERABAD
Tungabhadra
CARNATIC
Madras
MYSORE
Mangalore
Porto Novo
Cauvery
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL

قبضہ تھا۔ اس وقت کمپنی نے حیدر علی کو مدد نہیں دی۔ اس لئے وہ کمپنی کا کٹر دشمن ہوگیا۔ اور مرہٹوں و نظام سے مل کر انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی تجویزیں بنانے لگا۔ لیکن نظام کو حیدر کا یقین نہ تھا اور اس نے ۱۷۶۹ء میں کمپنی سے صلح کر لی تھی جسے توڑنے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر کمپنی ہٹ جائے گی تو میسور اور مرہٹے اس کی ریاست کو ہڑپ کر جائیں گے۔

مرہٹوں کی طاقت ایک وقت بہت زیادہ تھی۔ انہوں نے دلی پر قبضہ کر کے تقریباً کل شمالی ہند اور مہاراشٹر پر اپنا سکہ جما رکھا تھا۔ لیکن ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی شکست نے ان کی طاقت کو بڑا دھکا پہونچایا۔ چوتھا پیشوا مادھو راؤ (۱۷۶۱ء ۱۷۷۲ء) نے مرہٹوں کو پھر متحد کیا۔ اور گائیکواڑ، ہولکر اور بھونسلے کو مطمئن رکھا اس کی وفات کے بعد پیشوا کی گدی کے لئے جھگڑا شروع ہوگیا۔ اور جب نانا فرنویس نے مادھو راؤ کے بھتیجے کو پیشوا بنا کر اس کی طرف سے سلطنت کا انتظام شروع کیا۔ تو مادھو راؤ کا چچا رگھوناتھ راؤ (جسے راگھوبا بھی کہتے ہیں) انگریزوں اور نظام سے مدد مانگنے لگا۔ اس طرح مرہٹوں میں پھوٹ ہوگئی۔ اور وہ آپس میں لڑنے لگے۔ راجپوتانہ کے راجپوت ان کے ظلموں سے ناراض تھے اور ان کے مغلوب ہونے میں ہی اپنی بھلائی سمجھتے تھے۔ پنجاب میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جن کے سردار سکھ تھے۔ اس طرح کمپنی کی ہمسایہ ریاستوں میں صرف میسور اور مرہٹے ہی طاقتور تھے لیکن وہ بھی اب اتنے طاقتور نہیں رہے تھے جتنے کہ پہلے تھے۔

کمپنی کی توسیع سلطنت کی پالیسی

اکثر کمپنی کے ڈائرکٹر لڑائیوں کے ذریعے سلطنت بڑھانے کی مخالفت کرتے تھے۔ لیکن کمپنی کے ہندوستانی گورنر جنرلوں میں بہت سے ایسے ہوئے جن کا خیال ہندوستان کی حالت کو دیکھتے ہوئے یہ تھا کہ کل ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت ہونی چاہیئے۔ انگلینڈ کی سرکار بھی اس توسیع سلطنت کی پالیسی کے خلاف نہ تھی۔

کامیابی حاصل ہونے پر ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور ۱۷۵۷ء تک تقریباً کل ہندوستان اور برما پر انگریزی کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔ اس سلطنت کے بنانے میں کمپنی کے نوکروں نے مندرجہ ذیل ذرائع سے خاص فائدہ اٹھایا۔

(۱) دیسی ریاستوں میں اگر ایک سے زیادہ دعویدار ہوتے تھے تو کمپنی ان میں سے ایک کی مدد کر کے اسے اپنے زیر اثر لانے اور اس سے کچھ جاگیر حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

(۲) جن ریاستوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔ یا جن کی طاقت کم ہونے لگی تھی۔ ان سے کمپنی ایک خاص قسم کی صلح کرتی تھی جسے عہد معاونت "امدادی صلح" کہتے ہیں۔ اس صلح کے ذریعہ کمپنی اس ریاست کی اندرونی بغاوتوں اور بیرونی حملوں سے حفاظت کرنے کا وعدہ کرتی تھی۔ اور اس ریاست کے خرچہ سے اسی کے یہاں اپنی ایک فوج رکھتی تھی۔ ایسی ریاستوں کی بیرونی پالیسی پر نگرانی رکھنے کے لئے وہ وہاں پر اپنے پریسیڈنٹ یا ایجنٹ بھی رکھ دیتی تھی۔ فوج کے اخراجات کے بہانہ سے ان ریاستوں سے بڑے بڑے علاقے لے لئے جاتے تھے جن پر کمپنی کا قبضہ ہو جاتا تھا۔

(۳) جو ریاستیں آسانی سے کمپنی کی پالیسی منظور نہیں کرتی تھیں ان پر حملہ کر کے ان کی ریاست انگریزی سلطنت میں شامل کر لی جاتی تھی اور ان کے حکمرانوں کو کوئی چھوٹی جاگیر یا پنشن دیدی جاتی تھی۔

(۴) جن ریاستوں نے کسی وقت کمپنی سے صلح کر لی تھی۔ ان کو کمپنی ماتحت دوست ریاستیں مانتی تھی۔ اور موقعہ ملنے پر بدانتظامی، انگریزوں کے خلاف سازش یا جانشین نہ ہونے پر ان کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیتی تھی۔

کمپنی اور مرہٹے ۱۷۷۵ء تا ۱۸۱۸ء

کمپنی کی خوش قسمتی سے مرہٹوں میں نفاق ہو گیا تھا۔ اور پیشوا کا عہدہ حاصل کرنے کے لئے رگھوناتھ راؤ نے بمبئی کے گورنر سے مدد مانگی۔ اور ۱۷۷۵ء میں سورت کی

(۱) پہلی لڑائی صلح کے مطابق اسے ½۱ لاکھ روپیہ ماہوار دینے کی شرط پر ۳۰۰۰ سپاہی دینے کا وعدہ کیا گیا۔ فتحیاب ہونے پر اس نے کمپنی کو سالسٹ، بیسین، بھڑوچ اور سورت کے علاقے جن کی سالانہ آمدنی ۱۱ لاکھ تھی دینے کا وعدہ کیا۔ وارن ہیسٹنگز (۱۷۷۲ء۔ ۱۷۸۶ء) نے جو اس وقت بنگال کا گورنر جنرل تھا۔ اس صلح کو منظور نہ کر کے ۱۷۷۶ء میں نانا فرنویس سے ایک صلح کر لی جس کے ذریعہ بغیر جنگ کئے ہی کمپنی کو ۱۲ لاکھ سالانہ آمدنی دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اور راگھوبا کو ۲ ہزار روپیہ ماہانہ پنشن دینا منظور کر لیا گیا لیکن کمپنی کے ڈائرکٹروں نے بمبئی کے گورنر کے اثر میں آ کر لڑائی کے حق میں ہی فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ لڑائی میں کامیابی حاصل ہونے پر پیشوائی کی مٹھی میں آ جائیگا۔ اور مرہٹے کمزور ہو جائیں گے۔ اس لئے ۱۷۷۶ء میں لڑائی شروع ہوئی۔ ہیسٹنگز نے نظام کو دھمکا کر قابو میں رکھا اور بھونسلا کو ۵۰ لاکھ روپیہ رشوت دیکر پونا دربار کی مدد کرنے سے روک دیا۔ ادھر نانا فرنویس سب ہی مرہٹہ سرداروں، نظام اور حیدر علی کو ایک ساتھ انگریزوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ باہمی حسد اور خود غرضی کی وجہ سے ۱۷۸۰ء تک حیدر علی تماشا دیکھتا رہا۔ مہاداجی سیندھیا اکثر خاموش رہا۔ اور دوسرے لوگوں نے پیشوا کے مشورہ پر کچھ توجہ نہ کی۔ اس عرصہ میں مشکلات کے باوجود بھی ہیسٹنگز نے اپنی حالت سنبھال لی۔ لیکن جب ۱۷۸۰ء میں حیدر علی نے مدراس پر حملہ کر دیا تو وہ گھبرا گیا اور اس نے مرہٹوں سے صلح کرنے کی بڑی کوشش کی۔ آخر میں وہ کامیاب ہو گیا اور ۱۷۸۲ء میں سالبائی کے صلحنامہ کے ذریعہ مرہٹوں کی پہلی لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ کمپنی نے سالسٹ کے علاوہ سب ہی فتح کئے ہوئے مقامات واپس کر دیئے۔ اور مرہٹوں کے باہمی جھگڑوں میں دخل نہ دینے کا اقرار کیا۔ مرہٹوں نے بھی راگھوبا کی پنشن دینے اور انگریزوں کے خلاف کسی یورپ کے ملک کی مدد نہ کرنے کا وعدہ کیا اس پہلی لڑائی میں کمپنی کو کوئی خاص فوری فائدہ نہیں ہوا لیکن انکو یہ پتہ چل گیا

کہ مرہٹوں کی فوج کیسی ہے، اور مرہٹوں میں باہمی نفاق ہے جسکا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اس صلح کے بعد ۲۰ سال تک کمپنی کو مرہٹوں کے معاملہ میں دست اندازی کرنے کا مناسب موقع نہیں ملا۔ اس درمیان میں کمپنی کی طاقت کافی بڑھ گئی تھی اور اس کا گورنر جنرل لارڈ ویلزلی (۱۷۹۸ء - ۱۸۰۵ء) بہت ہی قابل اور ہونہار شخص تھا۔

(۲) مرہٹوں میں نفاق اور بیسین کی صلح

اس کے برخلاف مرہٹوں کے باہمی جھگڑے بڑھتے گئے۔ پیشوا اور گائیکواڑ ہولکر اور سیندھیا و پیشوا اور اس کے صلاح کار نانا فرنویس میں بڑے جھگڑے ہوتے۔ مرہٹوں میں پہلی لڑائی کے وقت کے خاص خاص لوگ مرچکے تھے اور مرہٹوں کے سردار بڑے ہی خودغرض اور ناعاقبت اندیش تھے۔ مادھو راؤ کی وفات ہوچکی تھی لیکن اس کا لڑکا باجی راؤ دوم ۱۷۹۵ء میں پیشوا ہوگیا تھا اور مہاداجی سیندھیا کی وفات کے بعد دولت راؤ سیندھیا اس کا جانشین ہوگیا تھا۔ نانا فرنویس مرچکا تھا۔ پیشوا باجی راؤ دوم نے اپنی حکمت عملی سے سیندھیا و ہولکر دونوں کو ناراض کردیا تھا اور وہ دونوں ہی اسے اپنے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنانا چاہتے تھے اس باہمی بغض و حسد کی وجہ سے ۱۸۰۲ء میں باجی راؤ دوم نے ہولکر سے شکست کھاکر انگریزوں کے یہاں پناہ لی۔ اور بیسین کی صلح کے ذریعہ اس نے امدادی صلح کی شرطیں منظور کرلیں۔ انگریزوں نے اسے دوبارہ پونا کے تخت پر بٹھانے کا وعدہ کیا۔ اور باجی راؤ نے انگریزی فوج رکھنا اور اس کے اخراجات کے لیے ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا علاقہ دینے کا وعدہ کرلیا۔ اس نے کمپنی کو کچھ تجارتی سہولتیں بھی دیدیں۔ کمپنی نے فوج بھیجکر اسے پونا کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور ہولکر کی فوج کو نکال دیا۔

(۳) مرہٹوں کی دوسری لڑائی

پیشوا کے اس کام سے سیندھیا اور بھونسلا بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے اسے کمپنی کے پنجہ سے چھڑانے کے ارادہ سے جنگ کا اعلان کردیا۔ ہولکر اور گائیکواڑ تماشا

INDIA in 1805
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL

جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ ویلزلی نے جنگ کی پوری تیاری کر لی تھی۔ لیک کے زیر کمان ایک فوج شمالی ہند میں اور دوسری فوج آرتھر ویلزلی کے ساتھ دکن میں لڑنے کے لئے بھیجی گئی۔ ویلزلی نے احمد نگر کے قلعہ پر قبضہ کر کے اسائی کے میدان میں بھونسلا اور سیندھیا کی فوجوں کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے اسیر گڑھ اور برہان پور پر قبضہ کر کے جنوبی ہند میں سیندھیا کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ارگاؤں کی جنگ میں بھونسلے کو شکست دی۔ اور وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ شمالی ہند میں لیک نے دلی اور آگرہ پر قبضہ کر کے سیندھیا کو لاسواڑی کے مقام پر شکست دی جس کی وجہ سے وہ بھی لڑائی بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ۱۸۰۳ء میں بھونسلا نے دیوگاؤں کے مقام پر صلح کر لی۔ اس نے بسین کی صلح منظور کر لی۔ اور اپنے یہاں ایک ریزیڈنٹ رکھنا منظور کر لیا۔ کٹک اور برار کے علاقے کمپنی کو مل گئے۔ اور بھونسلا بھی کمپنی کی ماتحتی میں آگیا۔ سیندھیا نے ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۴ء میں دو معاہدے کئے جن کے مطابق اس نے بسین کی صلح منظور کر لی۔ کمپنی اور اس کے دوستوں کے خلاف اپنے سب اختیارات چھوڑ دئے۔ اور اپنے یہاں ایک ریزیڈنٹ رکھ لیا۔ اس نے اسیر گڑھ کے علاوہ جنوبی ہند کی اپنی کل ریاست اور دلی اور آگرہ اور جمنا کے جنوب کا ملک کمپنی کو دیدیا۔ اسی کی آمدنی سے کمپنی نے ایک فوج سیندھیا کی سرحد کے پاس رکھدی۔ اس طرح سیندھیا بھی کمپنی کی ماتحتی میں آگیا۔

(۴) مرہٹوں کی تیسری لڑائی

سیندھیا اور بھونسلا کی شکست سے گھبرا کر ہولکر نے بھی لڑائی شروع کردی اور راجپوتانہ کی مشہور ریاست جے پور پر حملہ کیا۔ ریاست کے راجہ نے کمپنی سے مدد مانگی۔ اور ویلزلی نے ہولکر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ بھرت پور کے جاٹ راجہ نے بھی ہولکر کی مدد کی لیکن جب ہولکر ڈیگ۔ فرخ آباد اور دلی کے پاس مغلوب ہو گیا۔ اور انگریزوں کا اثر بڑھتا ہی گیا۔ تو اس نے کمپنی سے صلح کر لی۔ ۱۸۰۶ء میں دوسرا

کی لڑائی کے بعد ہولکر نے بھی صلح کرلی۔ اس نے چمبل کے شمال کا ایک ملک کمپنی کو دیدیا۔ اور کمپنی کے دوستوں کے خلاف اپنے سب حقوق ترک کر دیئے۔ جس وقت یہ لڑائی جاری تھی اسی وقت گائکواڑ نے بھی ۱۸۰۵ء میں امدادی صلح منظور کر لی۔ اور اس طرح ۱۸۰۶ء تک سب مرہٹے سردار کمپنی کے مطیع ہو گئے۔

(۵) مرہٹوں کی چوتھی لڑائی اور پیشوائی کا خاتمہ

حالانکہ ایک ایک کرکے سب ہی مرہٹے مغلوب ہو چکے تھے پھر بھی ان میں آزاد ہونے کی خواہش باقی تھی۔ بارلو (۱۸۰۵ء سے ۱۸۰۶ء) نے سیندھیا کے ساتھ ایک نیا معاہدہ کرکے اسے خوش رکھنے کے لئے گوالیار اور گوہد کا علاقہ واپس کر دیا تھا۔ اس سے سیندھیا کے حوصلے کچھ بڑھنے لگے تھے۔ باجی راؤ دوم مرہٹوں کی بدحالی پر بہت نادم تھا اور وہ اپنی کوشش سے انہیں ایک بار پھر آزاد کرا دینا چاہتا تھا۔ وہ اسی مقصد سے پوشیدہ کارروائی کر رہا تھا۔ اور مرہٹوں کو متحد کرکے ایک ساتھ کمپنی پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ویلزلی کی امدادی صلح سے اس طرح جکڑا ہوا تھا کہ اس کے منصوبے پوشیدہ نہ رہ سکے لارڈ ہیسٹنگز (۱۸۱۳ء سے ۱۸۲۳ء) نے پیشوا، گائکواڑ، بھونسلا اور سیندھیا کو نئے معاہدے منظور کرنے پر مجبور کیا۔ جن کے ذریعہ کمپنی نے ان کی ریاستیں اور ان کی آزادی محدود کر دیں۔ اور ان کی ریاستوں میں رہنے والی کمپنی کی فوج میں اضافہ کر دیا۔ پھر بھی پیشوا سے خاموش نہ رہا گیا۔ اور ۱۸۱۷ء میں اس نے کھرکی میں رہنے والی انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ بھونسلا اور ہولکر نے بھی اس کی نقل کی۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اتنی تیاری کر رکھی تھی (تین مہینے کے اندر سب ہی باغی مرہٹے سردار گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لڑائی میں پیشوا نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ اس لئے اسے ۸ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن دے کر پونا سے بہت دور کانپور کے ضلع کے بٹھور مقام پر رکھ دیا گیا۔ اور اس کی ریاست کا زیادہ تر حصہ انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اور باقی حصہ

ستارا کے راجہ پرتاپ سنگھ کو جو شواجی کے خاندان سے تھا، دیدیا گیا۔ اور اُسے امدادی صلح کی تمام شرطیں منظور کرنی پڑیں۔ بھونسلا کی ریاست کا شمالی ہند کا حصہ انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اور باقی حصہ پر ایک کم سن شہزادہ کی طرف سے ریسیڈنٹ حکومت کرنے لگا، ہولکر کے یہاں بھی انگریزی فوج رکھدی گئی اور اس کے اختیارات کم کر دیئے گئے۔

اس طرح ۱۸۱۸ء تک مرہٹوں کی آزادی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور برٹش سلطنت کی حدود و اقتدار میں بہت اضافہ ہو گیا۔ ان کی طاقت سے متاثر ہو کر وسط ہند اور راجپوتانہ کے حکمرانوں نے بغیر جنگ کئے ہی امدادی صلح کرنا منظور کر لیا اور کمپنی کی اطاعت قبول کر لی۔

اب اس مقام پر مرہٹوں کے زوال کے اسباب پر ایک نظر ڈال لینا بیجا نہ ہوگا۔

مرہٹوں کے زوال کے اسباب

مرہٹہ سلطنت کا خواب خاک میں مل جانے اور غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ جانے کے خاص اسباب مرہٹوں کی ذاتی خرابیاں تھیں۔ شواجی کے جانشین نااہل تھے۔ جس کی وجہ سے پیشوا کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ مادھوراؤ کے بعد جتنے پیشوا ہوئے وہ بھی ناقابل تھے۔ ان کی کمزوری اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے مرہٹوں کی طاقت غیر منظم ہو گئی۔ مرہٹہ سرداروں میں اتنا نفاق تھا کہ وہ خود غرضی اور حسد سے مشتعل ہو کر سب کچھ کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اور متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر پاتے تھے ان کا فوجی انتظام بھی اچھا نہ تھا انہوں نے اپنی فوجوں کو یورپ کی سی فوجی تعلیم دلانے کے لئے بیرونی افسر رکھ لئے تھے۔ جو روپیہ کے لالچ میں اکثر دغابازی و بیوفائی سے گریز نہ کرتے تھے ان کا توپخانہ و بندوقیں بھی اچھی نہ تھیں۔ اٹھارہویں صدی میں مرہٹوں نے لوٹ مار کو اپنی حکمت عملی کا ایک خاص حصہ بنا کر دوسرے ہندوستانی حکمرانوں اور ان کی رعایا کو اپنا دشمن بنا لیا جس کی وجہ سے ہندو مسلمان سب ان کے مخالف ہو گئے اور ان کی شکست کا انتظار کرنے لگے۔ ان خرابیوں کے برعکس کمپنی کی طاقت بہت بڑھ رہی تھی۔

اس کے ناخدا بڑے ہوشیار اور سیاستدان تھے۔ اور ان کی فوج بہت مستعد اور اچھے ہتھیاروں سے مسلح تھی۔

مرہٹوں کی بہ نسبت میسور پر قبضہ کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میسور کے

میسور سے لڑائی ۱۷۶۰ء سے ۱۷۹۹ء

حاکم حیدر علی سے کمپنی کی پہلی لڑائی ۶۹-۱۷۶۸ء میں ہوئی تھی۔ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد مرہٹوں کی پہلی لڑائی کے وقت حیدر علی نے ۱۷۸۰ء میں مدراس پر حملہ کر کے میسور کی دوسری لڑائی کی بنیاد ڈالی۔ حیدر علی نے پولی لور میں بیلی کو شکست دی۔ اور کرناٹک کو برباد کرتا ہوا مدراس کی طرف بڑھا۔ اس عرصہ میں اس کے بیٹے ٹیپو نے برتھ ویٹ کو شکست دی۔ لیکن سر آیر کوٹ نے پورٹونوود کی لڑائی میں حیدر علی کو شکست دے کر اس کی فوج کو روک دیا۔ اس کے تھوڑے ہی دن بعد ۱۷۸۲ء میں اس کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد اس کے فرزند ٹیپو سلطان نے ۱۷۸۴ء تک لڑائی جاری رکھی۔ اور آخر میں منگلور کی صلح کے ذریعہ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے مفتوحہ ممالک واپس کر دیئے اور لڑائی ختم ہوگئی۔

اپنے والد کے مقصد کو پورا کرنے کے ارادہ سے ٹیپو اپنی طاقت بڑھانے لگا۔ اور مرہٹوں و نظام سے کمپنی کو ہندوستان سے نکال لینے کے معاہدوں کی تجویزیں پیش کرنے لگا۔ کارنوالس (۱۷۸۶ء - ۱۷۹۳ء) نے ٹیپو کی طاقت کا خاتمہ کرنے کے مقصد سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ ٹیپو نے اسی صفت ٹراونکور پر حملہ کر دیا۔ اور کارنوالس نے نظام و پیشوا سے صلح کر کے میسور کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ دو سال تک لڑائی ہونے کے بعد ۱۷۹۲ء میں سری رنگا پٹن کی صلح کے ذریعہ اس لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ اس لڑائی میں ٹیپو کو کسی سے بھی مدد نہ ملی۔ اور جب اس کی دار السلطنت کا محاصرہ کامیاب ہونے کی امید ہوئی۔ تو وہ صلح کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ ادھر کارنوالس بھی فرانس سے لڑائی چھڑ جانے کے ڈر سے صلح کرنا چاہتا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے ٹیپو کو اپنی آدھی سلطنت دے

دینی پڑی۔ جسے نظام کمپنی اور پیشوا نے تقسیم کر لیا۔ ہرجانہ کے طور پر اس نے ۳ کروڑ روپیہ دینے کا وعدہ کیا جس میں سے ۱½ کروڑ فوراً لے لیا گیا اور باقی کی ادائیگی کے وقت تک اس کے دو لڑکے کمپنی کے پاس قیدی کے طور پر رہے۔ کمپنی نے میسور کا ایسا حصہ لیا جس کی وجہ سے اس کا تعلق ساحل سمندر سے منقطع ہوجائے اور اس پر حملہ کرنا بھی زیادہ آسان ہوجائے۔

ٹیپو مغلوب ہونے پر بھی مایوس نہیں ہوا۔ اس نے انگلینڈ کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی ترکیب سوچی، اور عرب، ترکی، افغانستان و فرانس سے صلح کی بات چیت شروع کی۔ ابھی وہ اپنی طاقت کو منظم کر ہی رہا تھا کہ ویلزلی گورنر جنرل ہو کر آگیا۔ اس نے میسور کے حاکم کے منصوبوں کو سمجھ لیا۔ اور پیشوا و نظام سے صلح کر کے لڑائی کی تیاری کر لی۔ ادھر انگلینڈ کی حالت میں بھی اصلاح ہو رہی تھی کیونکہ نیپولین بونا پارٹ، جو مصر تک آگیا تھا، واپس چلا گیا۔ اور افغانستان کا فرمانروا زمان شاہ دلی کی غارتگری کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ چھوڑ کر کابل واپس چلا گیا تھا۔ اس لئے ویلزلی نے ٹیپو پر معاہدہ شکنی کا الزام لگا کر سنہ ۱۷۹۹ء میں حملہ کر دیا۔ آرتھر ویلزلی اور ہیرس نے ٹیپو کو شکست دی اور سری رنگا پٹن پر قبضہ کر لیا۔ ٹیپو لڑتا ہوا مارا گیا۔

اس لڑائی کے بعد ٹیپو کے بیٹوں کو پنشن دیکر علیحدہ کر دیا گیا۔ میسور کا کچھ حصہ رفیق ریاستوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اور باقی حصہ کے لئے پرانے ہندو شاہی خاندان کا ایک لڑکا حکمران مقرر کیا گیا۔ اسے امدادی صلح کی شرائط منظور کرنی پڑیں۔ اور کمپنی نے اچھا انتظام نہ ہونے کی صورت میں کل سلطنت ضبط کر لینے کا حق حاصل کر لیا۔ اس طرح سنہ ۱۷۹۹ء میں میسور ریاست کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ویلزلی نے ہندو حکومت قائم کرنے میں بڑی دور اندیشی سے کام لیا اس کے اس کام سے ہندو لوگ کمپنی کی تعریف کرنے لگے۔ میسور ایک طرح سے کمپنی کے قبضہ میں آ ہی گیا لیکن نظام یا پیشوا کو اس سے حصہ لینے کا موقع نہیں ملا۔

سلطنت کی توسیع پر امدادی صلح کا اثر

عہد ویلزلی کی لڑائیوں نے کمپنی کے دشمنوں کی طاقت کم کردی اور اس کی سلطنت و اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ لیکن ویلزلی نے بغیر جنگ کئے صرف سیاسی دباؤ سے ہی کمپنی کی سلطنت اور اقتدار کو کافی ترقی دی۔ ۱۷۹۹ء میں تنجور میں جانشینی کیلئے جھگڑا ہوا۔ ویلزلی نے تنجور کو انگریزی ریاست میں شامل کرلیا۔ اور وہاں کے راجہ کو پنشن دیکر خاموش کردیا۔ ۱۸۰۰ء میں اس نے نظام سے نئی صلح کر کے فوج کے خرچ کے لئے اس سے وہ سب مقامات لے لئے جو اس کو میسور سے حاصل ہوئے تھے اسی سال سورت کی نوابی کے لئے جانشینی کا جھگڑا ہوا۔ ویلزلی نے اسے بھی انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۸۰۱ء میں اس نے کرناٹک کے نواب کو پنشن دیکر اس کی ریاست بھی ضبط کر لی۔ اسی سال اس نے اودھ کے نواب سے ایک نیا معاہدہ کیا۔ وہاں انگریزی فوج کی تعداد بڑھادی گئی۔ اور ان کے خرچ کے لئے نواب کے وہ اضلاع لے لئے گئے جن پر مرہٹوں یا افغانوں کے حملہ کا زیادہ ڈر تھا۔ اس طرح الہ آباد، فتحپور، کانپور، اعظم گڑھ، گورکھپور بریلی، مراد آباد، بدایوں، شاہجہانپور کے اضلاع کمپنی کے قبضہ میں آگئے اور نواب کی ریاست پہلے کے مقابلہ میں نصف رہ گئی۔

سندھ، پنجاب اور آسام و برما کے علاوہ ہندوستان کے سب مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد کمپنی نے کچھ وقت انتظام حکومت میں صرف کیا۔ اس کے بعد لارڈ منٹو (۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۳ء) کے عہد میں اس نے حدود کو محفوظ رکھنے کے خیال سے فارس۔ افغانستان، سندھ اور پنجاب کے حاکموں سے معاہدے کئے کمپنی کے گورنر جنرل حتی الامکان لڑائی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کیونکہ انگلینڈ کو نپولین بوناپارٹ سے لڑنا تھا۔ نپولین کی طاقت تیزی سے بڑھ رہی تھی اس نے ۱۸۰۷ء تک پورے یورپ کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ صرف انگلینڈ ہی جزیرہ ہونے کی وجہ سے بچ رہا تھا۔ اس نے ۱۸۰۷ء میں روس کے زار (حکمرانوں

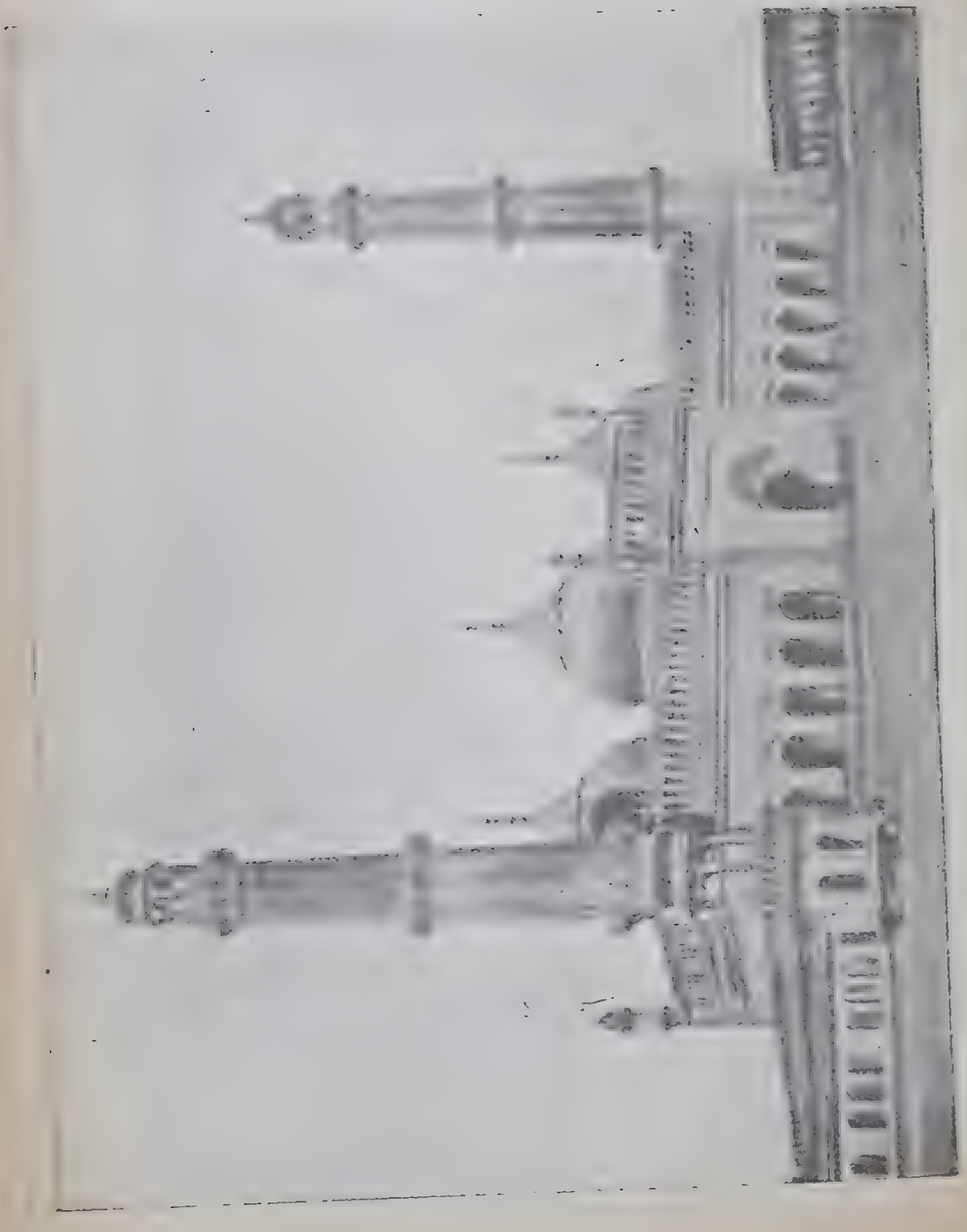

کے خطاب) سے صلح کر لی تھی۔ اور وہ خشکی کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی تدبیر کر رہا تھا۔

فارس سے صلح نپولین کا ارادہ ٹرکی اور فارس ہو کر حملہ کرنے کا تھا۔ سرکار ہند نے اس لئے میلکم کو ایلچی بنا کر بھیجا تھا۔ اسی وقت انگلینڈ کی گورنمنٹ نے بھی ایک ایلچی فارس بھیجا۔ فارس کے بادشاہ نے ان دونوں سے بات کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ وہ دونوں ہی جھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ آخر میں انگلینڈ کے ایلچی جانسن نے اپنے ایلچی ہونے کا مناسب ثبوت دیکر صلح کر لی۔ اس کے مطابق فارس کے بادشاہ نے اپنی سلطنت سے ہو کر روسیوں اور فرانسیسیوں کو نہ جانے دینے کا وعدہ کیا۔ انگریزی گورنمنٹ نے اسے یوروپین دشمنوں کے خلاف دولت اور سپاہیوں کے ذریعہ مدد دینے کا وعدہ کیا۔

افغانستان سے صلح دوسرا ایلچی افغانستان بھیجا گیا۔ اس وقت وہاں کا امیر شاہ شجاع تھا۔ اس نے بھی صلح کر لی۔ اور وعدہ کیا کہ فارس۔ فرانس یا روس کی فوج کو اپنے ملک میں ہو کر جانے کی اجازت نہ دے گا۔ انگریزی گورنمنٹ نے بھی اسے ان دشمنوں کے خلاف مدد دینے کا وعدہ کیا۔

سندھ اور پنجاب اسی طرح کی صلح سندھ کے امیروں سے بھی ہو گئی۔ انہوں نے فرانسیسیوں کو اپنی سلطنت سے نکال دیا۔ اور وعدہ کیا کہ کسی غیر ملکی فوج کو اپنے ملک سے ہو کر جانے کی اجازت نہیں دینگے۔ پنجاب میں اس وقت رنجیت سنگھ حکومت کر رہا تھا اور ۱۸۰۷ء تک پنجاب کی تمام سکھ ریاستوں کو اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ستلج اور جمنا کے درمیان پڑنے والی سکھ ریاستوں پر حملے شروع کر دیئے۔ ان میں سے جیند اور پٹیالہ نے انگریزی کمپنی سے مدد مانگی۔

منٹو رنجیت سنگھ سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس کا اثر ستلج کے جنوبی حصہ کی طرف بڑھنے بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ اس کے ایک ایسی صلح

کرنا چاہتا تھا جس کے ذریعہ آئندہ احتمالی فرانسیسی حملہ کے وقت ہندوستانی سرکار کو اس سے مدد مل سکے۔ اس ارادہ سے اس نے مٹکاف کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ رنجیت سنگھ نے انگریزوں کی حالت نازک سمجھکر کہا کہ وہ اسی وقت صلح کریگا جب اس کا قبضہ ستلج پار والی سکھ ریاستیں بھی قبول کرلیں۔ مٹکاف اور منٹو حالات کو بغور دیکھتے رہے اور صلح کی بات چیت کرتے رہے رفتہ رفتہ انگلینڈ کی حالت میں بہت کافی اصلاح ہوگئی۔ ٹرکی کے سلطان، فارس کے شاہ، افغانستان کے امیر اور سندھ کے حکمران دوست ہو گئے تھے۔ نیپولین کی فوج اسپین کی لڑائی میں مبتلا ہوگئی روس کا زار ہندوستان کی طرف آنے کے لئے بہت خواہشمند نہ تھا۔ اس طرح ہندوستان پر حملہ ہونے کی امید بہت کم ہوگئی تھی۔ اس سبب سے ۱۸۰۹ء میں منٹو نے رنجیت سنگھ سے بجائے دینے کے اسے دھمکانا شروع کیا۔ اس نے آکٹرلونی کو ایک فوج کے ساتھ انبالہ بھیجا اور اعلان کردیا کہ ستلج کے پار کی ریاستیں انگریزی کمپنی کی ماتحتی میں آگئی ہیں۔ اگر لاہور دربار ان کے اوپر حملہ کرے گا تو اس کی پوری طاقت سے مخالفت کی جائے گی۔ رنجیت سنگھ اس بدلی ہوئی حالت سے سہم گیا۔ اسے خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں ستلج کے شمالی سکھ سردار بھی اس کے خلاف سازش نہ کرنے لگیں۔ اس وجہ سے اس نے بھی صلح کرلی۔

امرت سر کی صلح ۱۸۰۹ء

اس صلح کے مطابق رنجیت سنگھ اور انگریزی کمپنی نے ایک دوسرے کے ساتھ مستقل دوستی کا برتاؤ کرنے کا وعدہ کیا۔ رنجیت سنگھ نے ستلج کے جنوب میں صرف اتنی ہی فوج رکھنے کا وعدہ کیا جتنی اس کی سلطنت کی حفاظت کے لئے ضروری تھی ساتھ ہی اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان سکھ حکومتوں کے اختیارات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے گا جو ستلج کے جنوب میں اس کی سلطنت کی سرحد کے باہر ہیں۔ انگریزی کمپنی نے بھی وعدہ کیا کہ وہ ستلج کے شمال میں مہاراجا کی حکومت یا اس کی رعایا کے معاملوں میں کوئی دست اندازی نہ کرے گی۔ اس صلح کے بن جانے سے کمپنی کا

سکّہ دریائے ستلج تک جم گیا۔ اور غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف اتحادی سلطنتوں کی دوہری دیوار کھڑی ہو گئی۔

بحر عرب اور بحر ہند منٹو نے فرانسیسی حملے کے امکان کو بالکل نیست و نابود کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس لئے اس نے فرانس اور اس کے مقبوضہ جزائر پر حملہ کیا۔ اور ان کو بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس طرح ماریشس، بوربن، جاوا وغیرہ ہندوستانی سرکار کے قبضہ میں آ گئے۔ ان فتوحات کی وجہ سے فرانسیسی جہازی بیڑے کے ٹھہرنے کے لئے بحر ہند میں کوئی مقام نہیں رہا۔ اس وجہ سے تری کے راستہ سے بھی حملے کا خوف جاتا رہا۔

کمپنی کی شمالی سرحد کمپنی کی شمالی سرحد پر نیپال کے گورکھوں کی ریاست تھی۔ گورکھے ہمالیہ کی ترائی کے کل حصہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ کمپنی کے گورنر جنرلوں میں سے کارنوالس اور ویلزلی نے گورکھوں پر کمپنی کا اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ منٹو کے وقت میں شوراج اور بٹ دل پر گورکھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ منٹو نے ان پر پھر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ ۱۸۱۴ء میں گورکھوں نے پھر بٹ دل پر قبضہ کر لیا۔ اس بار ہیسٹنگز نے جنگ کا اعلان کر دیا۔

گورکھوں کی جنگ ۱۸۱۴ء تا ۱۸۱۶ء ہیسٹنگز نے ایک فوج تیار کی۔ اور لدھیانہ و پورنیا کے بیچ میں پانچ مختلف راستوں سے ریاست نیپال میں داخل ہوا۔ وہ سمجھتا تھا کہ گورکھے گھبرا کر فوراً صلح کی درخواست کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ ان فوجوں میں سے صرف لدھیانہ والی فوج جس کا سپہ سالار آکٹرلونی تھا کامیاب ہوئی۔ باقی سب شکست کھا کر واپس ہوئیں۔ اب گورکھوں نے پنجاب کے راجہ رنجیت سنگھ، شمال اور جنوب کے مرہٹہ سرداروں راجپوتوں اور برما کے راجہ کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور ان کو کمپنی کے خلاف لڑائی چھیڑنے کی دعوت دی۔ کمپنی کی خوش قسمتی سے سب

ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے اور آکٹرلونی کی فوج کمک پانے پر آگے بڑھتی گئی۔ الغرض سنہ ۱۸۱۶ء میں سگولی کی صلح ہو گئی۔ اس کے مطابق کمپنی کو گڑھوال، کمایوں اور ترائی کا زیادہ تر حصہ حاصل ہو گیا جس میں شملہ، مسوری وغیرہ مقامات ہیں۔ نیپال سرکار نے ایک انگریز ریذیڈنٹ رکھنا منظور کر لیا۔ اور سکم سے اپنا قبضہ ہٹا لیا۔ اس کے بعد ہی سکم نے امدادی صلح کر لی۔ اس لڑائی کی وجہ سے کمپنی کی سلطنت کی سرحد ہمالیہ کی ترائی تک پہونچ گئی اور گورکھوں سے دوستی ہو جانے کی وجہ سے نہ صرف شمالی سرحد محفوظ ہو گئی، بلکہ ہندوستانی راجاؤں کے خلاف لڑنے کے لئے ہوشیار سپاہی ملنا بھی آسان ہو گیا۔ گورکھوں نے اپنی شکست کے لئے ہندوستانی راجاؤں کو کبھی معاف نہیں کیا۔

فتح برما
سنہ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۲۶ء

ہیسٹنگز کے زمانہ میں تقریباً کل ہندوستان پر قبضہ ہو گیا۔ اور اس کی حدود بھی محفوظ تھیں لیکن مشرق کی طرف ایک ریاست کی روز بروز ترقی سے اُسے کچھ کھٹکا ہونے لگا۔ سنہ ۱۷۷۰ء سے ہی آوا کے راجہ کی طاقت بڑھنے لگی تھی۔ اور سنہ ۱۷۹۳ء تک وہ اپر برما، لوار برما، اراکان، ٹناسرم کا مالک ہو گیا تھا۔ اسی وقت سے اس نے چٹگاؤں، مرشد آباد، ڈھاکہ اور قاسم بازار کے ضلعوں پر اپنا قبضہ جمانا شروع کیا۔ یہیں سے اس میں اور کمپنی میں اَن بَن ہونے لگی۔ کمپنی نے جب جب تجارت کی سہولتیں مانگیں تب ہی ان کی درخواست نامنظور کر دی گئی۔ اسلئے کمپنی برما کے راجہ کے مخالفوں کو اپنے یہاں پناہ دیکر حملہ کرنے میں امداد دیتی رہتی تھی ادھر برما کے راجہ نے سنہ ۱۸۸۲ء میں آسام، منی پور اور کچھار پر اور سنہ ۱۸۲۴ء میں چٹگاؤں کے پاس شاہپوری جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے مشرقی بنگال پر بھی حملہ کرنے کی تیاری کی اس لئے سنہ ۱۸۲۴ء میں لارڈ ایمہرسٹ (سنہ ۱۸۲۳ء۔ سنہ ۱۸۲۸ء) نے جنگ کا اعلان کر دیا۔

سر آرچی بالڈ کیمپبل نے مئی میں رنگون پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اسی وقت بارش اور بیماری کا قہر نازل ہوا۔ ایمہرسٹ رسد اور علاج کا ٹھیک انتظام نہ

(۱) پہلی لڑائی سنہ ۱۸۲۴ء تا ۱۸۲۶ء کرسکا اس لئے سینکڑوں سپاہی نذر اجل ہو گئے۔ ادھر برما کی فوج مہا بندیلا کے زیر کمان بنگال میں گھس آئی۔ بارش ختم ہونے پر برما کے راجہ نے مہا بندیلا کو رنگون پر قبضہ کرنے کا حکم دیا جس میں وہ ناکامیاب ہوا۔ اس سے کمپنی کے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور انہوں نے کل لوار برما فتح کر لیا۔ اراکان۔ منی پور اور کچار کی طرف سے جانے والی فوجیں آگے بڑھنے میں ناکام رہیں۔ اتنے میں ہی برسات شروع ہونے کی وجہ سے لڑائی بند ہو گئی۔ دوسری بار برسات کے بعد کے حملہ سے برما کا راجہ گھبرا گیا۔ اور اس نے باندیو کے مقام پر صلح کر لی۔ اس کے مطابق اراکان اور تناسرم کمپنی کو دیدیئے گئے۔ آسام، منی پور اور کچار آزاد کر دیئے گئے۔ اور انہوں نے کمپنی سے امدادی صلح کر کے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ برما میں انگریز ریسیڈنٹ رہنے لگا۔ اور برما میں انگریزوں کو تجارت کی سہولتیں عنایت کر دی گئیں۔ وہاں کے راجہ نے ایک کروڑ روپیہ لڑائی کا ہرجانہ بھی دینا منظور کر لیا۔ اس لڑائی کی وجہ سے کمپنی کی مشرقی سرحد کافی محفوظ ہو گئی۔ اور آئندہ برما کے راجہ پر حملہ کرنا بہت آسان ہو گیا۔ سنہ ۱۸۲۶ء سے سنہ ۱۸۳۷ء تک برما کے دربار سے دوستانہ تعلقات رہے لیکن

دوسری لڑائی سنہ ۱۸۵۲ء جب برما کے نئے راجہ نے اپنے ملک کے قاعدے کے مطابق پرانے راجہ کے معاہدے کو ماننے سے انکار کیا۔ اور انگریزوں کی توہین کی تو ریزیڈنٹ واپس چلا آیا۔ اور سوداگروں نے لارڈ ڈلہوزی کے پاس جا کر فریاد کی۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں ڈلہوزی نے ایک فوج بھیجی اور برما کے راجہ سے کہا۔ کہ وہ اپنے طرز عمل کو بدل دے۔ لیکن جب اس کا کوئی تسلی بخش نتیجہ نہ ہوا۔ تو اس نے سنہ ۱۸۵۲ء میں لڑائی شروع کر دی اور لوار برما فتح کر کے انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے یہ بھی دھمکی دی اگر برما کا راجہ مخالفت کریگا۔ تو اس کی کل سلطنت چھین لی جائیگی شکست کے خوف

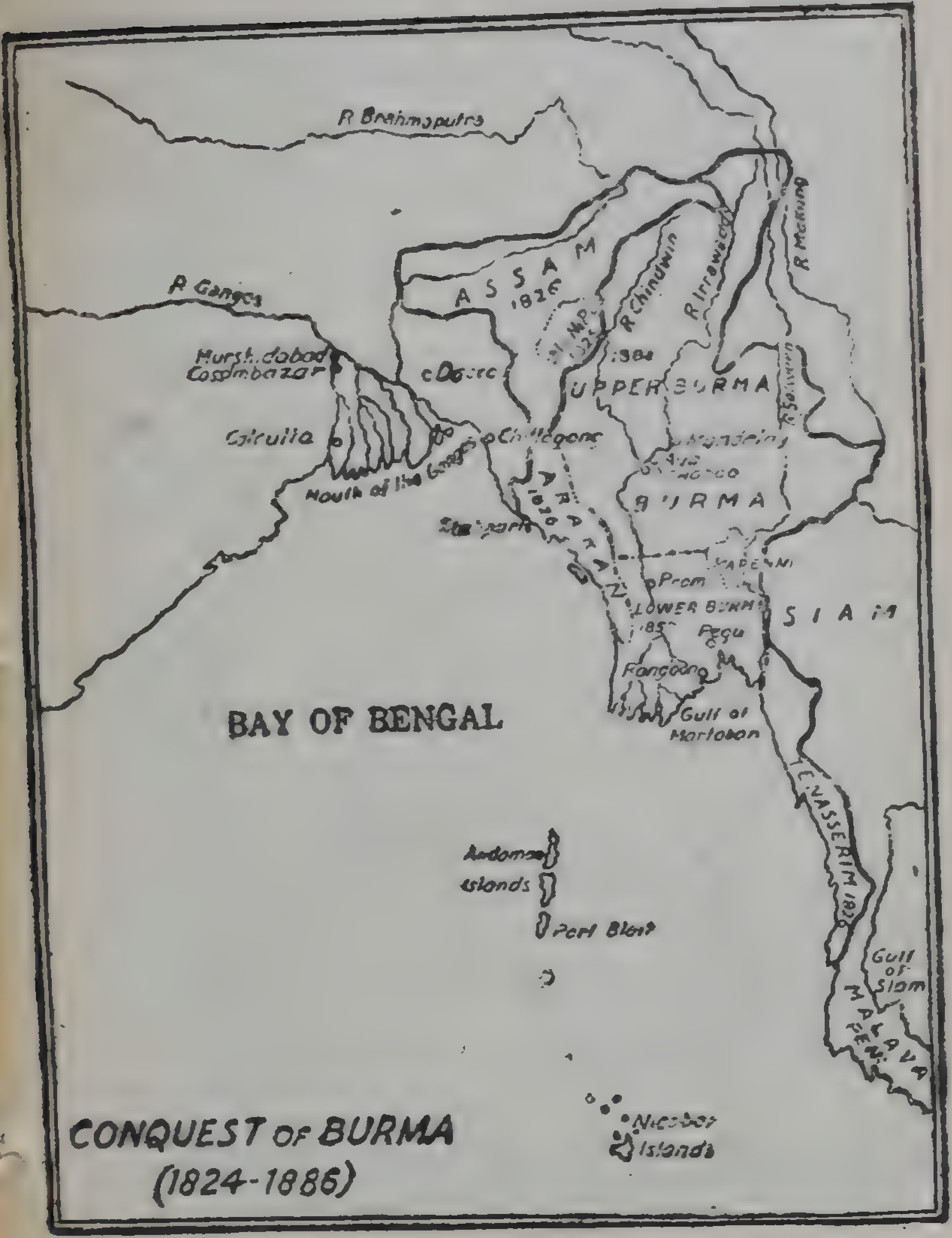

CONQUEST OF BURMA
(1824-1886)

سے راجہ خاموش رہ گیا۔

تیسری لڑائی ۱۸۸۵ء۔۱۸۸۶ء

اس کے بعد کچھ دن تک امن رہا۔ لیکن جب ۱۸۷۸ء میں تھیبو نیا راجہ ہوا تو پھر جھگڑا ہونے لگا۔ اور ریزیڈنٹ کو واپس جانا پڑا۔ اس نے اٹلی فرانس اور جرمنی کو تجارتی سہولتیں دیں لیکن انگریز سوداگروں کو تنگ کرنے لگا۔ اس نے فرانس کی سرکار سے سامانِ جنگ کی بھی درخواست کی۔ ان باتوں کی خبر پا کر انگریزی سرکار نے برما کی آزاد ریاست کے خاتمہ کا ارادہ کیا۔ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریزی فوج نے مانڈلے پر قبضہ کر لیا اور تھیبو کو قید کرکے صوبہ بمبئی میں رتنا گر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۸۶ء میں برما انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

کمپنی نے شمالی اور مشرقی سرحد کی حفاظت کیلئے کئی لڑائیاں کیں لیکن

شمال مغربی سرحد کی لڑائیاں

لارڈ آکلینڈ (۱۸۳۶ء۔۱۸۴۲ء) کے زمانہ تک اس نے شمال مغربی سرحد کی حفاظت کے لئے صرف معاہدوں کے ہی بھروسہ پر رہنا پسند کیا۔ آکلینڈ نے سوچا کہ جس طرح نیپال اور برما کے مطیع ہو جانے سے شمال اور مشرق کی طرف سے سلطنت کو کوئی خاص خطرہ نہیں ہے اسی طرح اگر افغانستان کا امیر کمپنی کے زیر اثر آجائے۔ تو ہندوستانی سلطنت کو روس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے کوئی ڈر نہ رہے گا۔ اس لئے اس نے دوست محمد کے بجائے شاہ شجاع کو وہاں کا امیر بنانا چاہا۔ اس لئے افغانوں کی پہلی لڑائی (۱۸۳۹ء۔۱۸۴۳ء) ہوئی۔

لارڈ آکلینڈ اور افغانستان

لارڈ آکلینڈ کے بارے میں ایک انگریز مصنف نے کہا ہے کہ وہ نا قابل اور اُوٹ پٹانگ کام کرنے والا شخص تھا۔ اس کے عہد حکومت کی جتنی شکایت کی گئی ہے اس سے زیادہ کسی دوسرے گورنر جنرل کی نہیں کی گئی۔

اس کے زمانہ کا خاص واقعہ افغانستان کی پہلی لڑائی ہے اس میں اس نے

اپنی ساری کمزوریاں ظاہر کیں جس کے سبب اُسے واپس لیا گیا۔ اس کے زمانے میں دوست محمد افغانستان کا امیر تھا۔ اسے چاروں طرف سے کسی نہ کسی دشمن کا خطرہ بنا رہتا تھا۔ جانب شمال میں بلخ کا حاکم بغاوت کر رہا تھا جنوب میں اس کا بھائی قندھار کا مالک بن بیٹھا تھا۔ اور اس سے مخالفت کر رہا تھا مغرب میں ایک تخت سے برطرف شخص فارس کے بادشاہ سے مل کر سازش کر رہا تھا۔ اور روس کا زار فارس والوں پر حملہ کرنے کے لئے ابھار رہا تھا۔ اور مشرق میں ایک دوسرا شخص شاہ شجاع انگریزوں اور سکھوں سے مدد مانگتا ہوا گھوم رہا تھا۔ سکھوں کا راجہ رنجیت سنگھ پشاور لے چکا تھا۔ اور کابل کی طرف بڑھنے کی سوچ رہا تھا۔ اس وجہ سے دوست محمد کو کسی طاقتور مددگار کی بہت ضرورت تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید ہندوستانی سرکار سے اسے مدد مل جائے۔ اس ارادہ کو پورا کرنے کے لئے اس نے لارڈ آکلینڈ کے پاس ایک مبارکباد کا خط بھیجا۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ "میری امیدوں کا کھیت جیسے موسم سردی کی ٹھنڈی ہواؤں کی وجہ سے پالا مار گیا تھا۔ آپ کے آنے کی خوشخبری سنکر جنت کے باغ کا مقابلہ کرنے لگا ہے اور اس کا باعث رشک ہو گیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اور میرے ملک کو اپنا ہی سمجھیں گے"۔

دوست محمد سے جھگڑا

آکلینڈ کے پاس جب یہ خط آیا تب وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ افغانستان کی سلطنت اب میری ہی ہے۔ اور میں اس کی بابت جو انتظام چاہوں کر سکتا ہوں۔ دوست محمد کو تو روسیوں کا خطرہ تھا ہی۔ انگلینڈ کی سرکار بھی اس وقت روس کی ایشیائی حکمت عملی سے ڈرتی رہتی تھی۔ اس سبب سے آکلینڈ چاہتا تھا کہ دوست محمد یہ وعدہ کر دے کہ وہ روسیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ لیکن وہ خود اس کے جواب میں کچھ بھی کرنے کو رضامند نہیں تھا۔ پس دوست محمد نے اس مشورہ کو نامنظور کر دیا، اور اپنی حفاظت کے لئے فارس اور روس سے صلح کی بات چیت کی۔ یہ خبر ملتے

بھی آکلینڈ بہت ناراض ہوا۔ اور اس نے افغانستان کو اپنا ہی سمجھ کر دوست محمد کے بجائے شاہ شجاع کو امیر بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ سچ ہے کہ تجربہ کار منٹو جیسا کمول بنٹنگ، ویلزلی اور الفنسٹن نے سرکار ہند کی پالیسی کی مخالفت کی اور روس کے زار نے لڑائی بچانے کے ارادہ سے اپنے ایلچی کو واپس بلا لیا تھا۔ لیکن آکلینڈ کے دماغ میں یہی آیا کہ دشمنی رکھنے والے امیر کے بجائے دوست امیر کا ہونا ضروری ہے۔ اور ایسا امیر شاہ شجاع ہی ہو سکتا ہے۔ اس ارادہ کو پورا کرنے کے لئے اس نے اپنی سمجھ سے بڑی عمدہ ترکیب نکالی۔ شاہ شجاع، رنجیت سنگھ اور کمپنی میں ایک صلح ہوئی (۱۸۳۸ء) جس کے مطابق شاہ شجاع کو امیر بننے میں باقی دو نے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ سکھوں کی فوج رہے گی اور انگریزوں کا روپیہ۔ یہ روپیہ سندھ کے امیروں سے لیا گیا۔ جو کبھی کبھی خراج دے افغانستان کے ماتحت تھے۔ اور اس وقت سرکار ہند سے مخالفت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

لڑائی کی شروعات رنجیت سنگھ نے روپیہ تو لے لیا لیکن اس نے نہ تو انگریزی فوج کو اپنی مملکت سے ہو کر جانے کی اجازت دی اور نہ پشاور کے دروں سے آگے بڑھنے کا ہی وعدہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی فوج شاہ شجاع کے ساتھ سندھ کے راستہ سے قندھار کو بڑھی۔ سپاہیوں نے سندھ میں خوب لوٹ مار کی۔ اور امیروں کو اپنی امداد کا انعام یہ ملا کہ وہ کمپنی کی ماتحتی میں لے لئے گئے۔ قندھار پر اپریل ۱۸۳۹ء میں قبضہ ہو گیا۔ اور اگست تک سارا افغانستان قبضہ میں کر لیا گیا۔ شاہ شجاع نے برنس اور میکناٹن انگریز ایلچیوں کی صلاح سے حکومت کرنا شروع کیا۔ اپنی قابلیت دکھانے کے ارادہ سے قلات کے خان پر چڑھائی کی۔ اور ہرات کی حکومت کے لئے ایک دوسرا آدمی مقرر کیا گیا۔ دوست محمد نے کچھ دن ادھر اُدھر گھومنے کے بعد انگریزوں کی پناہ لی۔ اور نومبر ۱۸۴۰ء میں کلکتہ بھیج دیا گیا۔

آکلینڈ کی غلطیاں

اس کے آنے کے بعد انگریز سپاہی اور افسر بالکل بے فکری کے ساتھ رہنے لگے۔ انہوں نے عمدہ جگہوں پر بنگلے بنوائے اور برف پر اسکیٹنگ کرنے لگے اور افغان مرد عورتوں سے زیادہ میل جول بڑھا کر انہیں اپنی تہذیب سے متاثر کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ بالا حصار کا قلعہ شاہ شجاع کی بیگموں کے رہنے کے لئے دیدیا گیا۔ اور سپاہی کھلے خیمہ میں رہنے لگے۔ رسد خیمہ سے کافی دور رکھی گئی۔ اور اس کی حفاظت کا معقول انتظام نہیں کیا گیا بوڑھا اور بیمار الفنسٹن جس کے بارے میں آکلینڈ کی بہن نے لکھا ہے "بیچارہ بری طرح سے گٹھیا کی بیماری میں مبتلا ہے اس کا ایک ہاتھ سیدھا نہیں ہوتا اور وہ بہت لنگڑاتا ہے۔ لیکن دوسری باتوں کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کے لئے کافی نوجوان سپہ سالار ہے"

ایک طرف تو انگریز اپنا فوجی انتظام اتنا ڈھیلا کر رہے تھے اور دوسری طرف افغان ان کو نکالنے کے لئے تیار تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا امیر سکھ کافروں اور انگریزوں کا کھلونا بن کر رہے۔ انہوں نے دوست محمد کے بڑے لڑکے اکبر خاں کی ماتحتی میں سب تیاری کر لی۔

انگریزی فوج کی بربادی

دوسری نومبر (۱۸۴۱ء) کو برنس کو مار ڈالا گیا اور بہت سے انگریز افسر اور ان کی ساری اولاد قتل کر دی گئی۔ الفنسٹن کو ان واقعات کی خبر شام کو ملی اور اس نے میک ناٹن کو صرف یہ جواب دیکر ہی تسلی کر لی کہ دیکھیں کل صبح کیا ہوتا ہے ان بیوقوفیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کی طاقت اور عزت کو بہت دھکا لگا۔ میک ناٹن مارا گیا افسران اور عورتیں سب ہی قید کر لی گئیں ان کا روپیہ اور لڑائی کا سامان چھیننے کے بعد ۶۰۰۰ آدمیوں کو کابل سے جلال آباد کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور راستہ میں ان سب کو مار ڈالا گیا۔ صرف ڈاکٹر برائیڈن مصیبت زدہ خبر سنانے کے لئے بچ رہا۔

اس دردناک قتل عام اور نقصان کی خبر پاکر آکلینڈ کچھ نہ کر سکا۔ انگلینڈ کی

جنگ کا خاتمہ اور ایلن برا

سرکار نے اسے ہٹا کر بجائے اس کے ایلن براکو گورنر جنرل بنا کر بھیجا۔ پہلے تو اس نے بھی کچھ بزدلی دکھلائی لیکن بعد میں اس نے افغانوں سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ پشاور سے پولک اور قندھار سے ناٹ کی فوجیں بڑھیں اور غزنی اور کابل کو لوٹتی جلاتی اور برباد کرتی ہوئی واپس آگئیں۔ کچھ دن بعد سرکار ہند نے دوست محمد کو ہی امیر منظور کرکے کابل بھیجدیا اس طرح جو حالت سنہ ۱۸۳۹ء میں تھی وہی بنی رہی۔ آکلینڈ کی حکمتِ عملی سے شاہ شجاع کی جان گئی۔ کمپنی کے ۲۰۰۰۰ سپاہی اور افسر کتوں کی موت مرے اور ۵ اکروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ افغانستان کا امیر دوست محمد ہی رہا۔ اور وہ کمپنی کی واپس آنے والی فوج کی وحشیانہ حرکات سے ناراض ہوگیا۔ کمپنی کی عزت بھی بہت کم ہوگئی۔ اسی عزت کی حفاظت کے لئے لارڈ ایلن برا (سنہ ۱۸۴۲ء ۔ سنہ ۱۸۴۴ء) نے سندھ پر حملہ کیا۔

فتح سندھ سنہ ۱۸۴۳ء

ایلنبرا کے سفیر چارلس نیپیر نے امیروں سے امدادی فوج رکھنے کی ضد کی۔ اس فوج کے پہونچتے ہی امیروں کی فوج نے بغاوت کردی نیپیر اسی موقع زریں کی تاک میں تھا۔ اس نے بغاوت کو فرو کردیا حالانکہ امیروں نے کمپنی کی طرف سے بدسلوکی ہونے پر بھی کبھی کوئی معاہدہ نہیں توڑا تھا۔ پھر بھی بغاوت کی ذمہ داری انہیں پر رکھی گئی اور سندھ انگریزی سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔

سندھ پر قبضہ کرلینے کے بعد فطری طور پر کمپنی کی توجہ پنجاب کی طرف ہوئی۔

پنجاب پر قبضہ سنہ ۱۸۴۵ء۔ سنہ ۱۸۴۹ء

جب تک رنجیت سنگھ (سنہ ۱۷۸۰ء ۔ سنہ ۱۸۳۹ء) زندہ رہا کمپنی کو پنجاب پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ بہت ہی قابل اور ہوشیار حکمران تھا۔ سکرچکیا مسل کے سردار کے فرزند کی حیثیت سے اس نے ۱۷ سال کی عمر سے ہی جبکہ زمان شاہ نے حملہ کیا تھا، ترقی کرنا شروع کی اور سنہ ۱۸۰۷ء تک اس نے کل پنجاب پر قبضہ کرلیا وہ دریائے ستلج کے

پار کی ریاستوں کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن امرتسر کی صلح ۱۸۰۹ء کی وجہ
سے اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا کیونکہ ان ریاستوں نے کمپنی کی حمایت قبول
کر لی تھی۔ اس نے پشاور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس [illegible] ریاست کیلئے
[illegible] اس کی فوج بڑی طاقتور تھی۔ [illegible]
[illegible] فوجی تنظیم [illegible] تھی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
عاشق [illegible] پنجاب [illegible]
فوج ان کے [illegible]
کرنا [illegible] کے حکم کے بموجب [illegible]
فوج کی طاقت کم کر کے [illegible]
انگریزوں کا خفیہ طور پر [illegible]
قائم کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ یہ حالات [illegible] کمپنی کے [illegible]
لیا کہ پنجاب پر قبضہ ہونے میں [illegible] ۱۸۴۵ء
۱۸۴۵ء نے ستلج کے مشرق کی طرف [illegible]
۸۰ توپیں بھی موجود تھیں [illegible]
جا رہی تھیں لیکن [illegible]
[illegible] نے ستلج پار کر کے [illegible]
یہ سمجھا گیا کہ انگریزوں کا [illegible]
اور انہوں نے ستلج پار کر کے انگریزوں [illegible]

یہیں سے سکھوں کی پہلی لڑائی کی ابتداء ہوئی۔ پہلی لڑائی [illegible]

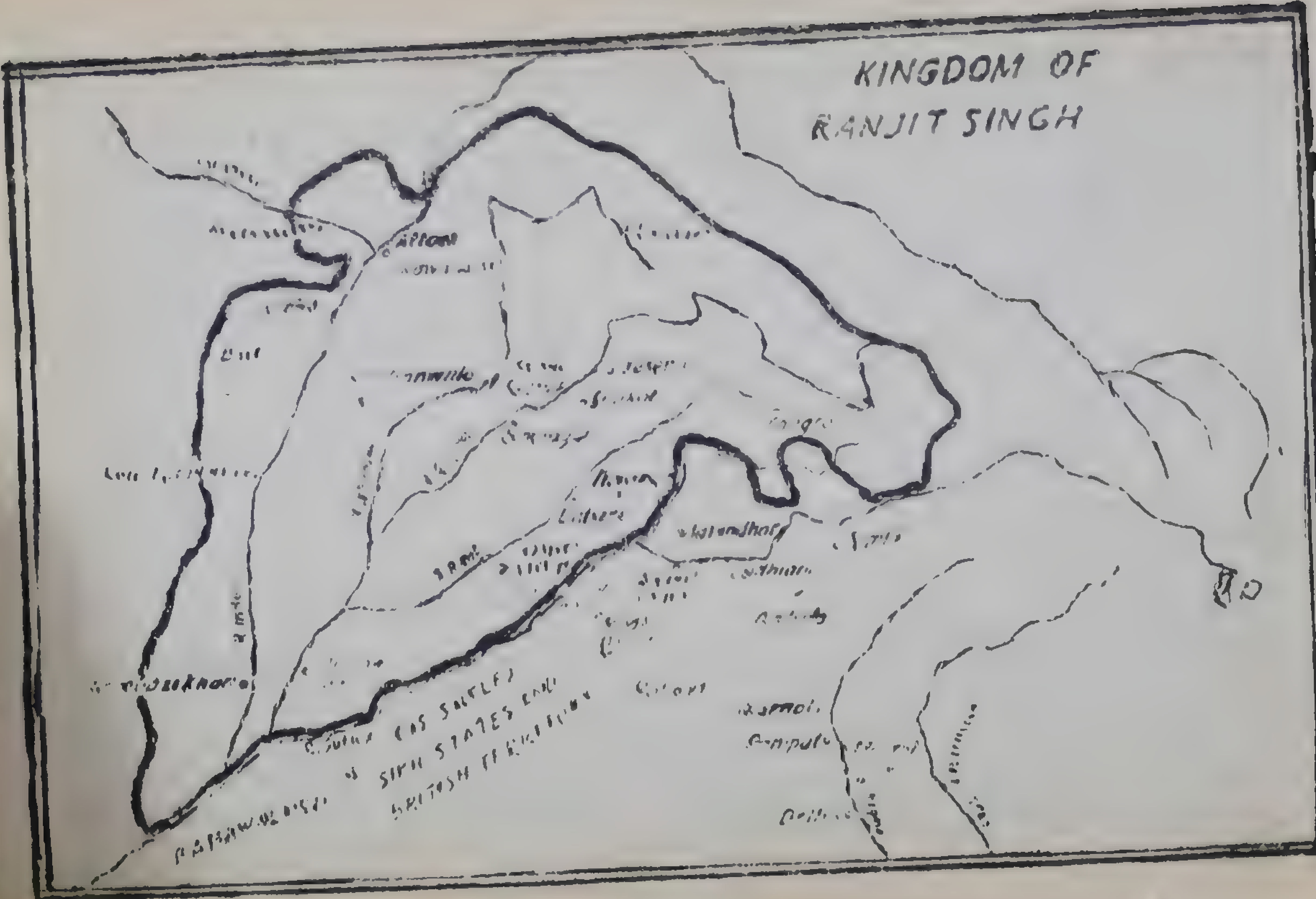
KINGDOM OF
RANJIT SINGH

پہلی لڑائی ۱۸۴۵ء تا ۱۸۴۶ء

ہوئی جہاں لال سنگھ کی دغا بازی سے سکھوں کو شکست ہوئی اس طرح فیروز شہر کی لڑائی میں تیج سنگھ نے دھوکا دیا اور فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ گلاب سنگھ و دیگر خود غرض سردار بھی فوج کو دھوکا دیتے رہے وہ اس کی تمام چالیں پہلے سے انگریزوں کو بتا دیتے تھے اور پھر فوج کو بھڑا کر خود موقع سے ہٹ جاتے تھے اس الیوال اور سبراؤں کی لڑائیوں میں بھی سکھوں کو شکست ہوئی۔ اور ان کا فوجی نظام برہم ہو گیا اب لاہور دربار اور کمپنی میں صلح ہو گئی اور جنگ ختم ہو گئی۔ لاہور کی صلح کے ذریعہ بیاس اور ستلج کے درمیان کا دوآب اور ستلج پار کی زمین کمپنی کو دیدی گئی۔ لاہور دربار نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہرجانہ بھی دینا منظور کیا۔ اور کمپنی کے دباؤ سے اس کی ادائیگی کے لئے کاشمیر کا صوبہ ایک کروڑ روپیہ میں گلاب سنگھ کو فروخت کر دیا گیا۔ باقی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لئے گئے اور ان کو نکال دیا گیا سکھ فوج کی تعداد ۱۲۰۰۰ سوار اور ۲۰۰۰۰ ہزار پیدل مقرر کی گئی۔ کچھ عرصہ کے لئے انگریزی فوج پنجاب میں رکھ لی گئی۔ اور اسے سب جگہ جانے کی اجازت مل گئی۔ آئندہ حکومت کے لئے دلیپ سنگھ حکمران ہوا۔ اس کی ماں محافظ اور لال سنگھ وزیر اعظم مقرر ہوئے لیکن ان کو ریزیڈنٹ ہنری لارنس کے مشورہ سے حکومت کرنے کی اجازت دی گئی۔

دوسری لڑائی ۱۸۴۸ء تا ۱۸۴۹ء

کچھ عرصہ کے بعد جنداں اور لال سنگھ کو پنجاب سے باہر نکال دیا گیا اور ریزیڈنٹ [illegible] آٹھ سرداروں کی مجلس کے مشورہ سے حکومت کرنے لگا۔ [illegible] دربار نے ایک مستقل طور پر امدادی فوج رکھنا منظور کر لیا۔ اور اس کے اخراجات کے [illegible] دینے کا وعدہ کیا۔ ہنری لارنس نے سکھوں کے بجائے انگریزوں کو مقرر کرنا شروع کیا۔ اور اس نے مذہبی اور معاشرتی مداخلت بھی کی۔ اس [illegible] پھیلنے لگی۔ اسی وقت ۱۸۴۸ء میں ملتان کے حاکم مولراج نے استعفیٰ دیدیا۔

اور جو انگریز افسر اس کے جانشین کے ساتھ بھیجے گئے ان کو کسی نے رات کو مار ڈالا اس لئے مولراج نے بغاوت کر دی۔ اس کی خبر پا کر دوسرے ناراض لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ بغاوت بڑھتی ہی گئی۔ ڈلہوزی (۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء) نے اس کے دبانے کا فوراً انتظام کیا۔ رام نگر اور چلیانوالہ کی لڑائیوں میں کسی فریق کو فتح نہ ہوئی۔ لیکن ملتان اور گجرات کی لڑائیوں میں سکھ ہار گئے اور لڑائی بند ہو گئی۔

ڈلہوزی نے دلیپ سنگھ کے بے قصور ہونے پر بھی اس کو تخت سے اتار دیا اور پنجاب کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ دلیپ سنگھ کو ۵۰ ہزار پونڈ پنشن دی جانے لگی۔ اور وہ کچھ دن بعد انگلینڈ چلا گیا۔ اور وہاں جا کر عیسائی ہو گیا اس طرح رنجیت سنگھ کی وفات کے دس سال بعد ہی اس کی ریاست کا خاتمہ ہو گیا اس کے خاص اسباب تین ہیں:۔ (۱) رنجیت سنگھ کے جانشین نا قابل تھے (۲) فوج کے سردار خود غرض اور دغا باز تھے۔ اور (۳) کمپنی کی طاقت اس وقت تک بہت بڑھ گئی تھی۔

دوسری ریاستوں کا شامل ہونا

ڈلہوزی اور اس کے پہلے کے گورنر جنرلوں نے کئی چھوٹی بڑی ریاستیں بغیر جنگ کئے ہی انگریزی سلطنت میں شامل کر لی تھیں۔ لارڈ ولیم بینٹنگ (۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۵ء) نے بد انتظامی کی وجہ سے ۱۸۳۱ء میں میسور اور کچار پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں منی پور کے راجہ کا کوئی فرزند نہ ہونے کی وجہ سے اس کی وفات کے بعد اس کی ریاست انگریزی سلطنت میں شامل کر لی گئی۔ ۱۸۳۴ء میں کرگ کے ظالم راجہ کو برطرف کر دیا گیا۔ اور ۱۸۳۵ء میں جینتیا کا راجہ جس نے دو انگریزوں کو مار ڈالا تھا تخت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ یہ دونوں ریاستیں بھی کمپنی کے قبضہ میں آ گئیں۔ ۱۸۴۱ء میں آکلینڈ نے کرنال کے نواب کو صرف اس شبہ میں ہٹا دیا، کہ وہ انگریزوں سے دشمنی رکھتا ہے۔

ڈلہوزی سمجھتا تھا کہ دیسی راجہ ناقابل اور سست ہیں جس کی وجہ سے ان کی رعایا کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس کا خیال تھا کہ جتنی ریاستوں کا خاتمہ کیا جا سکے اتنا ہی رعایا اور کمپنی کے لئے مفید ہے اس اصول کے مطابق اس نے کئی ریاستوں کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ستارا (۱۸۴۹ء) جھانسی (۱۸۵۳ء) اور ناگپور (۱۸۵۴ء) کے راجاؤں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ڈلہوزی نے ان میں سے کسی کو لڑکا گود لینے کی اجازت نہ دی۔ اور سب کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۸۵۶ء میں بد انتظامی کے جرم میں اودھ کے نواب واجد علی شاہ کو بھی تخت سے اتار دیا گیا۔ اور اودھ انگریزی ریاست میں شامل کر لیا گیا۔

اس طرح ۱۸۵۷ء تک انگلینڈ کی تجارتی کمپنی کل ہندوستان کی مالک ہو گئی۔ بیشتر حصہ پر اس کی براہ راست حکومت تھی اور باقی پر دیسی راجاؤں کا قبضہ تھا جو تقریباً تمام باتوں میں اس کی خواہش کے مطابق چلنے پر مجبور رہتے۔ کمپنی کے افسروں نے اس سلطنت کے بنانے میں مناسب اور غیر مناسب کا زیادہ خیال نہیں کیا اور اپنے ملک کے فائدہ کے لئے سب کچھ ہی کیا۔ کلائیو نے جعل سازی کی اور بے قصور نوابوں کو برطرف کیا۔ اور میر جعفر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بہت کچھ دولت حاصل کی۔ وارن ہیسٹنگز نے نیک سیرتی کے باوجود بھی کمپنی کی لڑائیوں کے لئے روپیہ حاصل کرنے میں روہیلوں، اودھ کی بیگموں، اور بنارس کے راجہ چیت سنگھ کے ساتھ بہت ناجائز برتاؤ کیا۔ ویلزلی اور ڈلہوزی نے دوسروں کے جذبات کا خیال نہیں رکھا اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی کہاوت پر عمل کیا۔ لیکن یہ سب ہوتے ہوئے بھی یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستانیوں کی شکست کا خاص سبب باہمی نفاق، ان کے حکمرانوں کی خود غرضی اور ان کے فوجی نظام کی کمزوری تھی۔ انہیں خرابیوں کی وجہ سے کمپنی کو وقتاً فوقتاً اپنی مختلف حکمتوں کا استعمال کرکے ہندوستان میں سلطنت قائم کرنے میں آسانی ہوئی۔

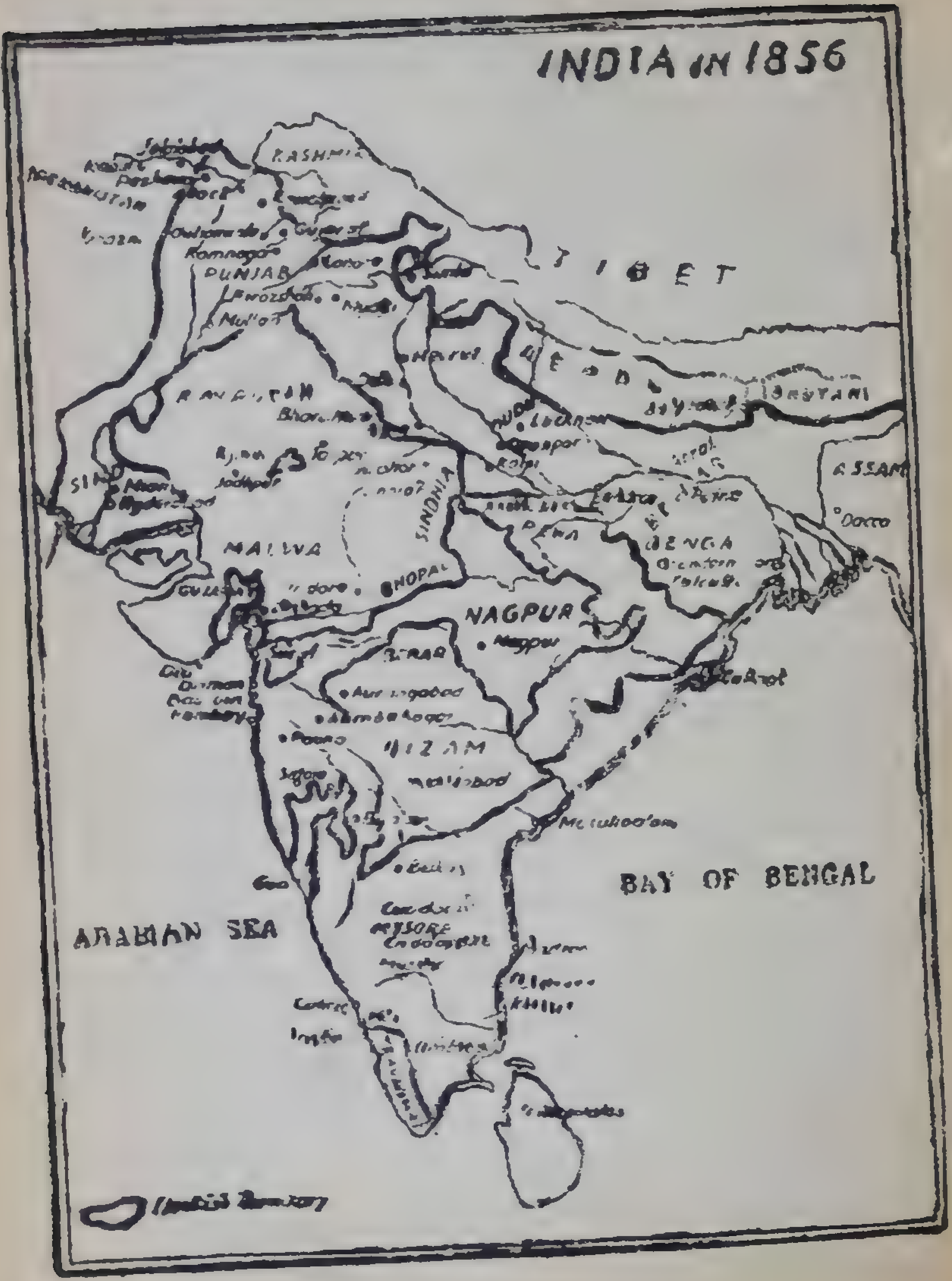
INDIA IN 1856
KASHMIR
TIBET
PUNJAB
MALWA
SINDHIA
BHOPAL
NAGPUR
BERAR
NIZAM
BENGAL
ASSAM
BAY OF BENGAL
ARABIAN SEA
MYSORE
Nagpur
Poona
Dacca
Goa

خاص تاریخیں

حیدر علی کی ولادت	۱۷۲۲ء
حیدر علی کی تاجپوشی	۱۷۶۳ء
میسور کی پہلی لڑائی	۱۷۶۷ء - ۱۷۶۹ء
ریگولیٹنگ ایکٹ کا پاس ہونا	۱۷۷۳ء
سورت کی صلح	۱۷۷۵ء
مرہٹوں کی پہلی لڑائی کی ابتداء	۱۷۷۶ء
میسور کی دوسری لڑائی کی ابتداء	۱۷۸۰ء
سالبائی کی صلح	۱۷۸۲ء
ٹیپو کی تخت نشینی	۱۷۸۲ء
منگلور کی صلح	۱۷۸۴ء
میسور کی تیسری لڑائی	۱۷۹۰ء - ۱۷۹۲ء
باجی راؤ دوم کا پیشوا ہونا	۱۷۹۵ء
میسور کی چوتھی لڑائی	۱۷۹۹ء
بسین کی صلح	۱۸۰۲ء
بھونسلا اور سیندھیا کو شکست	۱۸۰۳ء - ۱۸۰۴ء
ہولکر کو شکست	۱۸۰۶ء
امرت سر کی صلح	۱۸۰۹ء
گورکھوں کی جنگ	۱۸۱۴ء - ۱۸۱۶ء
پیشوا کی بغاوت	۱۸۱۷ء
مرہٹوں کا زوال اور پیشوائی کا خاتمہ	۱۸۱۸ء
رنگون پر پہلا حملہ	۱۸۲۴ء

یانڈبو کی صلح	۱۸۲۶ء
افغانوں کی پہلی لڑائی کا آغاز	۱۸۳۹ء
رنجیت سنگھ کی وفات	۱۸۳۹ء
دوست محمد کا پناہ لینا	۱۸۴۰ء
برنس کی موت	۱۸۴۱ء
آکلینڈ کا واپس جانا	۱۸۴۲ء
افغانوں کی پہلی لڑائی کا خاتمہ	۱۸۴۳ء
سندھ کی فتح	۱۸۴۳ء
سکھوں کی پہلی لڑائی	۱۸۴۵ء
لاہور کی صلح	۱۸۴۶ء
مول راج کی بغاوت	۱۸۴۸ء
پنجاب کا انگریزی سلطنت میں شامل ہونا	۱۸۴۹ء
برما کی دوسری لڑائی	۱۸۵۲ء
ناگپور ریاست کا خاتمہ	۱۸۵۴ء
اودھ کا خاتمہ	۱۸۵۶ء
اپر برما کا انگریزی سلطنت میں شامل ہونا	۱۸۸۶ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ کمپنی نے اپنی سلطنت کو بڑھانے کے لئے کن تدبیروں پر عمل کیا؟ ان میں سے کونسی زیادہ مفید ثابت ہوئیں؟ مثالیں دیکر بتاؤ۔

۲۔ مرہٹوں کی شکست کے اسباب کیا تھے؟ جن لڑائیوں کے ذریعہ مرہٹوں کی آزادی کا خاتمہ ہوا؟ ان کا مختصر حال بیان کرو۔

۳۔ حیدر علی کا مقصد کیا تھا؟ وہ اس میں کامیاب کیوں نہیں ہوا؟

۴- لارڈ منٹو نے شمال مغربی سرحد کو محفوظ بنانے اور ہندوستان میں فرانس کی طاقت ختم کرنے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟
۵- ہندوستان کی تاریخ میں گورکھوں کی لڑائی کی کیا اہمیت ہے؟
۶- برما کے راجاؤں اور کمپنی کے حاکموں میں جھگڑا ہونے کے کیا خاص اسباب تھے؟ برما کی آزادی کا خاتمہ کس طرح ہوا؟
۷- افغانوں کی پہلی لڑائی کے کیا اسباب تھے؟ آکلینڈ کی افغان پالیسی کا مختصر بیان کرو۔
۸- پنجاب قبضہ کرنے میں کن باتوں سے مدد ملی؟

چونتیسواں باب

برٹش انتظام حکومت میں اصلاحات
(۱۷۷۴ء - ۱۸۵۷ء)

اصلاحات کے ذرائع

ریگولیٹنگ ایکٹ کے پاس ہونے کے قبل انگلینڈ کی پارلیامنٹ کمپنی کے معاملوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی تھی، اکثر وہ اسی وقت اس کے بارے میں خیال کرتی تھی جب کوئی شخص اس کے خلاف شکایت کرے یا کمپنی کے ڈائریکٹر کچھ خاص سہولتوں کے واسطے درخواست دیں۔ لیکن ۱۷۷۳ء کے بعد پارلیامنٹ نے باقاعدہ کمپنی کے کام کی نگرانی شروع کر دی۔ اور وقتاً فوقتاً نئے ایکٹ بنا کر کمپنی کی اندرونی حکومت اور برٹش سرکار سے اس کے تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی رہی ہندوستانی انتظام حکومت کی ترقی میں ان برٹش پارلیامنٹ کے ایکٹوں کی خاص اہمیت ہے۔ اسکے علاوہ

برٹش ہندوستانی سرکار کے عہدہ دار وقتاً فوقتاً بہت سی تبدیلیاں کرتے رہے جن کی وجہ سے انتظامِ حکومت کی شکل وصورت بدلتی گئی۔ آسانی کے خیال سے ان دونوں قسم کے قاعدوں کو الگ الگ بیان کرنا زیادہ مفید ہوگا۔

ریگولیٹنگ ایکٹ ۱۷۷۳ء

کمپنی کے حکام اکثر خود غرض اور بے ایمان ہوتے جارہے تھے۔ اسے کئی جنگیں بھی کرنا پڑی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی مالی حالت خراب ہوتی گئی۔ اور اسے سرکارِ برطانیہ سے قرض کی درخواست کرنی پڑی۔ پارلیامنٹ نے روپیہ منظور کرنے کے ساتھ ساتھ کمپنی کی مالی حالت درست کرنے کے لئے ایک ریگولیٹنگ ایکٹ بھی پاس کیا اس کی رُو سے گورنر جنرل کا تمام ہندوستانی سلطنت پر اور سرکار برطانیہ کا کمپنی کے اوپر دیکھ ریکھ رکھنے کا اختیار بڑھا دیا گیا۔ اس ایکٹ کے مطابق مندرجہ ذیل خاص تبدیلیاں ہوئیں:۔

(۱) بنگال کا گورنر اب گورنر جنرل کہلانے لگا۔ اور اسے دیگر گورنروں کی بیرونی حکمتِ عملی پر نگاہ رکھنے کا اختیار دیا گیا۔

(۲) گورنر جنرل کو قابو میں رکھنے اور اسے مشورہ دینے کے لئے ایک چار ممبروں کی کونسل مقرر کی گئی جس کی مرضی کے خلاف کام کرنے کا حق گورنر جنرل کو نہیں دیا گیا۔

(۳) گورنر جنرل اور اس کی کونسل پر کمپنی کے ڈائرکٹروں کا اقتدار بنا رہا۔

(۴) ڈائرکٹروں کی حکمتِ عملی پر سرکارِ برطانیہ کا اقتدار قائم کرنے کے لئے یہ قاعدہ بنایا گیا۔ کہ وہ کمپنی کے آمد وخرچ کی تفصیل سرکار برطانیہ کے سامنے پیش کریں اور اسے وقت معینہ پر اپنی فوجی و تجارتی حکمتِ عملی سے آگاہ کرتے رہیں۔

(۵) محکمۂ انصاف میں ایک اعلیٰ عدالت قائم کرنے کے ارادے سے ایک سپریم کورٹ قائم کیا گیا جس پر گورنر جنرل یا اس کی کونسل کا قبضہ نہ رہا۔

(۶) کمپنی کے اعلیٰ افسران کی تنخواہ بڑھا دی گئی۔ اور ان کو تجارت کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔

اس ایکٹ میں کئی خامیاں رہ گئی تھیں۔ جن کو دور کرنے کے لئے دوسرے ایکٹ بنانے پڑے۔

پٹ کا انڈیا بل کونسل کے لوگ گورنر جنرل کو تنگ کرنے کے لئے اس کی ہر بات کی مخالفت کرتے تھے اور اسے ان کی ہی رائے ماننی پڑتی تھی۔ دوسرے مدراس و بمبئی کے گورنر اب بھی من مانی کرنا چاہتے تھے ان خرابیوں کو دور کرنے اور کمپنی پر برٹش سرکار کی پابندی بڑھانے کے لئے پٹ نے ۱۷۸۴ء میں ایک نیا ایکٹ پاس کیا۔ اس کے مطابق کونسل کے ممبروں کی تعداد تین کر دی گئی۔ اور گورنر جنرل کو معمولی ممبر کی طرح اور برابر رائے ہونے پر صدر ہونے کی حیثیت سے دوبارہ رائے (ووٹ) دینے کا حق حاصل ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ایک ممبر بھی اس کی طرف رہے تو وہ اپنی خواہش کے مطابق حکومت کر سکیگا۔ دوسرے گورنروں کو واضح طور پر حکم دیا گیا کہ وہ جنگ، صلح آمد و خرچ اور دیگر حکومت کے کاموں میں گورنر جنرل کے ماتحت رہ کر حکومت کریں۔ اور انہیں تنبیہہ کی گئی کہ اگر وہ گورنر جنرل کے احکام کی خلاف ورزی کرینگے تو وہ معطل کر دیئے جائیں گے۔

کمپنی پر پارلیامنٹ کی پابندی بڑھانے کیلئے کئی دفعات رکھی گئیں۔ کمپنی کے منتظمین میں سے تین صاحبان کی ایک خفیہ کمیٹی ہندوستانی سرکار سے خط و کتابت کرنے کیلئے مقرر کی گئی۔ وزیر مال ایک اور وزیر اور دو پریوی کونسل کے ممبروں کا ایک بورڈ قائم کیا گیا جس کا تقرر بادشاہ کے ہاتھ میں رہا۔ اس بورڈ کو منتظمین اور ان کی خفیہ کمیٹی کے سب ہی کاموں میں دخل اندازی کا اختیار دیا گیا۔ اور بورڈ کے ہر حکم کی پابندی ان پر لازم کر دی گئی منتظمین کو صرف تقرر کرنے کی پوری آزادی رہی۔

۱۷۸۶ء کا ایکٹ لارڈ کارنوالس کے تقرر کے وقت پارلیامنٹ نے ایک اور ایکٹ پاس کیا جس کے ذریعہ گورنر جنرل کو اپنی کونسل کے جملہ اراکین کی متفقہ رائے کے خلاف بھی عمل کرنے کا اختیار دیا۔ اس ایکٹ کے پاس ہونے سے گورنر جنرل کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔

۱۷۹۳ء میں کمپنی کو نیا حکم نامہ دیا گیا اس کی دفعات کے مطابق صوبے کے گورنروں

چارٹر ایکٹ ۱۷۹۳ء

کو بھی خاص حالات میں اپنی کونسلوں کی رائے کے خلاف عمل کرنے کا اختیار دیا گیا۔ مرکزی سرکار کی آمدنی میں سے بورڈ آف کنٹرول کے ممبروں اور ان کے دفتر کا خرچہ بھی دیا جانے لگا۔

بیس سال بعد دوسرا چارٹر (حکم نامہ) دیا گیا۔ کمپنی کے پاس اب بہت وسیع

چارٹر ایکٹ ۱۸۱۳ء

سلطنت ہو گئی تھی۔ اور وہ تجارت بھی کر رہی تھی۔ ہندوستانی تجارت میں اس کا ٹھیکہ توڑ دیا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ تجارت اور سلطنت کی آمد اور خرچ کا حساب الگ الگ رکھے ساتھ ہی کمپنی کو ایک لاکھ روپیہ سالانہ تعلیم کی ترقی کیلئے صرف کرنے کا حکم دیا گیا۔

۱۸۳۳ء تک کمپنی کی سلطنت اور بھی وسیع ہو گئی۔ اس لئے نئے حکم نامہ میں

چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء

اسے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کمپنی کی وسیع سلطنت کا خیال رکھتے ہوئے گورنر جنرل کو اب بجائے بنگال کے ہندوستان کا گورنر جنرل کہا جانے لگا اس کو برٹش ہندوستان کے لوگوں اور معاملوں سے تعلق رکھنے والے قاعدوں کے بنانے اور بدلنے اور رد کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اور اس کام میں اس کی مدد کے لئے اس کی کونسل کا ایک اور ممبر یعنی لاء ممبر (رہبر قانون) مقرر کیا گیا۔ اسی ایکٹ کے مطابق تعلیم پر دس لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کیا جانے لگا۔ اور ہندوستانیوں کو اونچے عہدے ملنے لگے۔

۱۸۵۳ء کے چارٹر ایکٹ کی رو سے بنگال کا ایک لفٹنٹ گورنر مقرر کیا جانے لگا اور

چارٹر ایکٹ ۱۸۵۳ء

گورنر جنرل کا کام صرف کل ہندوستان کے معاملات کی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں کی نگرانی رہ گیا۔ گورنر جنرل کو قانون بنانے میں مشورہ دینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس میں کونسل کے ممبروں اور کمانڈر ان چیف کے علاوہ سپریم کورٹ کا صدر جج اور ایک دوسرا جج اور چاروں صوبوں میں بیس سال کا تجربہ رکھنے والا ایک منتخب اعلیٰ افسر

شامل کیا گیا۔

ان سب ایکٹوں کی رو سے گورنر جنرل، گورنر اور دیگر اعلیٰ عہدہ داروں کے اختیارات اور فرائض مقرر کئے گئے اور ان کے باہمی تعلقات کی تشریح کی گئی۔ ساتھ ہی پارلیامنٹ کی پابندیاں روز بروز بڑھتی گئیں۔ اور ۱۸۵۸ء میں کمپنی کے کل اختیارات چھین لئے گئے اور شاہِ برطانیہ نے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

انتظام حکومت میں اصلاحات

کمپنی کے افسروں نے ضرورت کے مطابق بہت سی اصلاحیں کیں جن سے سرکار کی طاقت اور آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ اور رعایا کی تکالیف بھی کچھ کم ہوئیں۔ اصلاح کرنے والے گورنر جنرلوں میں وارن ہیسٹنگز، کارنوالس، لارڈ ہیسٹنگز، ولیم بینٹنگ اور ڈلہوزی خاص ہیں۔

وارن ہیسٹنگز کی اصلاحیں

وارن ہیسٹنگز نے کمپنی کے اہلکاروں کی رشوت ستانی اور ذاتی تجارت کس طرح بند کی تھی اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو کمپنی کی مالی مشکلات کو دور کرکے بنگال کی حکومت کا معقول انتظام کرنا تھا۔ اس نے حکومت کے کل اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور نواب کو پنشن دے کر بارِ حکومت سے سبکدوش کر دیا۔ اس طرح کلائیو کی دوعملی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ کل صوبہ کئی اضلاع میں منقسم کر دیا گیا۔ اور ہر ضلع کے لئے ایک کلکٹر مقرر کیا گیا۔ جو لگان وصول کرتا اور امن و امان کا انتظام کرتا تھا۔

مالی حالت درست کرنے کے لئے پہلے اس نے خرچ میں کمی کی۔ بنگال کے نواب کی پنشن ۳۲ لاکھ کے بجائے ۱۶ لاکھ کر دی گئی۔ دوعملی حکومت کا خاتمہ ہو جانے سے نائب نوابوں اور دیگر نئی اہلکاروں کی ضرورت نہ رہی۔ ان کو نکال دیا گیا۔ اس سے بھی خرچ میں کفایت ہوئی۔ شاہ عالم مرہٹوں سے مل گیا تھا اور کوئی طاقت نہ رکھتا تھا اس لئے اس کی ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن بند کر دی گئی۔

اس کے علاوہ اس نے آمدنی بڑھانے کی بھی کوشش کی۔ کڑا اور الہ آباد کے اضلاع پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور بعد میں ۵۰ لاکھ روپیہ دینے پر ۱۷۷۵ میں اودھ کے نواب کو دیدیے گئے۔ مرہٹوں سے بچنے کے لئے سپاہیوں کی تعداد بڑھادی گئی تھی۔ ہیسٹنگز نے ان میں سے کچھ سپاہی اودھ میں رکھدیئے اور ان کی تنخواہ نواب سے وصول کی گئی۔ لگان کی وصول یابی میں آسانی کے خیال سے اس نے زمین کو پانچ سال کے ٹھیکے پر دیدیا۔ ٹھیکہ کا رواج ہونے کی وجہ سے بھی آمدنی بڑھ گئی۔ جب ان طریقوں سے بھی کمپنی کا خرچہ پورا نہ ہوا اور اسے کوئی معقول ترکیب نہ سوجھی تو اس نے اودھ کے نواب کو روہیلوں کے خلاف مدد دیکر ۴۰ لاکھ روپیہ پانے کا وعدہ کرا لیا۔ بعد میں مرہٹوں اور میسور کی لڑائی ہونے کے وقت اس نے اودھ کی بیگموں اور بنارس کے راجہ اجیت سنگھ پر بیجا دباؤ ڈالکر بہت سا روپیہ وصول کیا اور جب چیت سنگھ نے زرِمطلوبہ نہیں دیا۔ تو اسے تخت سے اتار کر دوسرے شخص کو راجہ بنایا اور بنارس ریاست سے ۲۲½ لاکھ روپیہ سالانہ کے بجائے ۴۰ لاکھ روپیہ کا خراج لیا جانے لگا۔ ان مناسب اور غیر مناسب ذرائع سے اس نے کمپنی کی سلطنت کی حفاظت کر لی۔ اور اس کی مالی حالت پہلے سے بہتر کر دی تھی۔

رعایا کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہیسٹنگز نے دو کام کئے اس نے ہر ضلع میں ایک دیوانی اور ایک فوجداری عدالت قائم کی۔ دیوانی عدالت کا کام کلکٹر کرتا تھا۔ لیکن عدالت فوجداری کے لئے ہندوستانی منصف رکھے گئے جو کلکٹر کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔ ان عدالتوں کے اوپر اس نے کلکتہ میں دو اپیل کی عدالتیں کھولیں۔ صدر دیوانی عدالت۔ دیوانی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتی تھی۔ اور فوجداری عدالتوں کی اپیل صدر نظامت نامی عدالت کے سامنے پیش ہوتی تھیں۔ عدل و انصاف کا انتظام ہوجانے سے رعایا کی حالت سنبھل گئی۔ دوسرے اس نے سنیاسیوں کی بغاوت فرد کر کے امن و اماں قائم کیا۔

وارن ہیسٹنگز کے مستقل جانشین کارنوالس نے اپنے عہد حکومت کا زیادہ تر

کارنوالس کی اصلاحیں

وقت کمپنی اور رعایا کی حالت کی اصلاح کرنے
میں ہی صرف کیا۔ اس کے وقت میں انتظام
حکومت میں چار خاص خرابیاں تھیں۔

(۱) کمپنی کے اہلکاروں کی تنخواہ بہت کم تھی۔ لیکن ذاتی تجارت (جو کہ وہ اپنے
رشتہ داروں یا دوستوں کے نام سے کرتے تھے) لگان اراضی کا کمیشن اور رشوت
وغیرہ سے وہ بہت کافی رقم پیدا کر لیتے تھے اسی طرح بنارس کے انگریز ایجنٹ کو
صرف ۱۳۵۰ پونڈ تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن اس کی کل سالانہ آمدنی چالیس ہزار
پونڈ سے بھی زیادہ تھی۔

(۲) کلکٹر اور جج ایک ہی شخص ہوتا تھا۔ اس لئے اکثر صحیح انصاف نہیں
ہوتا تھا اور طرفداری اور بے ایمانی کی شکایتیں ہوتی رہتی تھیں۔

(۳) اس کے علاوہ ضلع کی عدالتیں فیصلہ کرنے میں بہت وقت صرف کرتی تھیں
جس کی وجہ سے غریب اور بے یار و مددگار لوگوں کی حفاظت کے ذرائع برباد ہو
جاتے تھے۔ دیر میں فیصلہ ہونے پر بھی اگر دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اس
سے مطمئن نہ ہوا تو اس کے خلاف کلکتہ جا کر اپیل کرنا اکثر ناممکن یا بہت ہی
تکلیف دہ ہوتا تھا۔

(۴) سالانہ اور پنجسالہ ٹھیکوں سے کسانوں کی تکلیفیں بڑھ گئی تھیں۔ اور
سرکار کی دقتیں بھی بہت بڑھ گئی تھیں۔ [illegible] وقت پر پورا روپیہ بھی
وصول نہیں ہوتا تھا۔

کارنوالس نے یکے بعد دیگرے ان سب خرابیوں کو کم کیا یا دور کر دیا اس نے

سول سروس کی اصلاح

سرکاری عہدہ داروں کی تنخواہ بڑھا دی تاکہ وہ ایمانداری
سے کام کر سکیں۔ مثلاً اس کے وقت میں ضلع کے جج کو ۲۵۰۰ روپیہ
ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ تنخواہ بڑھانے کے بعد اس نے

انہیں خبردار کیا کہ وہ معاہدوں کی پابندی کریں اور رشوت لینا و ذاتی تجارت کرنا قطعی بند کر دیں۔ اس قانون کے خلاف کرنے والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری اہلکاروں کے عادات و اطوار میں کافی اصلاح ہو گئی۔

عدالتوں کی اصلاح

کارنوالس نے عدالتوں میں بہت سی اہم اصلاحیں کیں۔ مجرموں کا پتہ لگانے کے لئے اس نے ہندوستانی دارو غہ مقرر کئے۔ ان کو ۲۵ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ہر ضلع میں ایک انگریز جج رہتا تھا جو تمام فوجداری کے مقدمے سنتا تھا اس کی مدد کیلئے ہندوستانی اسیسر بھی رہتے تھے۔ ضلع کی عدالتوں کی اپیلیں سننے کے لئے اس نے کلکتہ کے بجائے چار اپیل کی عدالتیں کھولیں۔ ان کے مرکز ڈھاکہ، مرشدآباد، پٹنہ اور کلکتہ تھے۔ ان چار اپیل کی عدالتوں کے بن جانے سے لوگ اپنے گھروں سے تھوڑی دور جا کر ہی اپیل کر سکتے تھے خاص سہولت یہ تھی کہ ان اپیل کی عدالتوں میں جو تین جج رہتے تھے وہ اپنے ماتحت اضلاع میں دورہ کرتے رہتے تھے اور جگہ جگہ پر مقدمے کرتے تھے اسی لئے ان کو سرکٹ جج کہتے تھے ان چاروں اپیل کی عدالتوں کے اوپر کلکتہ میں صدر نظامت عدالت رہتی تھی اس کا صدر گورنر جنرل رہتا تھا اور اس کے ممبر کونسل کے ممبر ہوتے تھے۔ ان عدالتوں کی آسانی کے لئے کارنوالس نے ایک قانون کی کتاب تیار کرائی۔ جو کارنوالس کوڈ کے نام سے مشہور ہے۔

فوجداری عدالتوں سے علاحدہ ہی دیوانی عدالتوں کا انتظام تھا۔ دیوانی کے چھوٹے چھوٹے مقدمے منصف کرتے تھے۔ وہ ہندوستانی ہوتے تھے۔ ان کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ مقدمہ دائر کرنے والے کو کچھ فیس دینا پڑتی تھی یہی ان کی آمدنی ہوتی تھی۔ منصفوں کے اوپر ضلع کا جج ہوتا تھا۔ وہ کلکٹر سے علیحدہ ہوتا تھا۔ کارنوالس کا خیال تھا کہ کلکٹر اگر جج بھی ہوگا، تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ بے انصافی

کرے گا۔ اسی وجہ سے اس نے کلکٹر کی جگہ پر دیگر شخص کو دیوانی کے مقدموں کا جج بنایا۔ ان ضلعوں کی دیوانی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف بھی ڈھاکہ، پٹنہ، کلکتہ اور مرشدآباد میں اپیل ہو سکتی تھی۔ ان اپیلوں کی عدالتوں کے وہی جج ہوتے تھے جو فوجداری کی عدالتوں کے تھے فرق صرف اتنا تھا کہ دیوانی مقدموں کے فیصلے کرتے وقت انہیں اسیسروں کی ضرورت نہیں رہتی تھی اور نہ وہ ان مقدموں کو سننے کے لیے دورہ ہی کرتے تھے۔

کارنوالس کی ان اصلاحوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انصاف کرنے میں زیادہ آسانی ہوگئی۔ فیصلے جلدی ہونے لگے۔ اور رعایا کو زیادہ آرام ہوگیا لیکن اس نے ہندوستانیوں کو تمام اونچے عہدوں سے نکال کر بڑی غلطی کی محکمۂ [illegible] انصاف تھوڑے ہی زمانہ میں بہت نا قابل اور خرچ کا محکمہ ہوگیا۔ ان خرابیوں کو آگے چل کر دور کرنا پڑا۔

کارنوالس نے لگان کا بھی معقول انتظام کرنے کا فیصلہ کیا۔ سنہ ۱۷۸۶ء

استمراری بندوبست
سنہ ۱۷۹۳ء

میں اسے حکم ملا تھا کہ سالانہ بندوبست کو بند کر کے دہ سالہ بندوبست کا انتظام کرے۔ کارنوالس نے اس کام کے لیے جان شور کو مقرر کیا۔ وہ بڑا محنتی شخص تھا اس نے تین سال میں دورہ کر کے ہر ضلع کی زمین ٹھیکیداروں کو دیدی۔ جس شخص نے سب سے زیادہ سالانہ محصول دینے کا وعدہ کیا اسی کو دس سال کے لئے زمین دیدی گئی۔ یہ انتظام سنہ ۱۷۸۹ء تک ختم ہوگیا۔

جان شور بھی دہ سالہ بندوبست کا حامی تھا۔ لیکن کارنوالس اس سے مطمئن نہ تھا اس کے کہنے سے سنہ ۱۷۹۳ء میں یہی دہ سالہ بندوبست استمراری کر دیا گیا۔

اس بندوبست سے کمپنی کو بہت فائدہ ہوا اسے بار بار بندوبست کرنے کے جھنجھٹ سے نجات مل گئی۔ لگان وصول کرنے کا خرچ بہت کم

فائدہ

ہوگیا کیونکہ زمیندار خود آکر خزانہ میں روپیہ جمع کر جاتے تھے تب سے

کمپنی کی آمدنی مقررہ اور مستقل ہوگئی۔ اور وہ اسی کے مطابق اپنے منصوبے بنا سکتی تھی۔ جو ملتے جن لوگوں کو ٹھیکے ملے تھے وہ کمپنی کے مددگار ہو گئے تھے کیونکہ انہیں خوف تھا کہ حکومت بدلنے پر ممکن ہے ان کا اختیار مستقل نہ رہے۔

کمپنی کے علاوہ زمینداروں یا ٹھیکہ داروں کو بھی اس سے فائدہ ہوا۔ وہ مالک بن گئے اس لئے ان کی عزت بڑھ گئی۔ ان کا لگان مقرر ہو گیا۔ لیکن ان کی آمدنی برابر بڑھائی جا سکتی تھی اس طرح وہ جلد ہی کافی مالدار ہو گئے۔ مستقل آمدنی ہونے کی وجہ سے دوسرے کاروبار میں بھی کافی روپیہ لگا سکتے تھے۔

رعایا کو اس بندوبست سے زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ زمینداروں کی جمع کی ہوئی دولت سے بنگال میں کاروبار کی ترقی ہوئی اور تعلیم کا رواج بڑھا کچھ زمینداروں نے اپنا روپیہ رفاہِ عام کے لئے بھی خرچ کیا۔

لیکن اس بندوبست میں کچھ خرابیاں بھی تھیں جن کی وجہ سے سب ہی

نقصان

لوگوں کو کچھ نقصان بھی ہوا۔ حالانکہ سرکار کو زراعت کی ترقی کے لئے روپیہ خرچ کرنا پڑتا تھا لیکن اس کی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا تھا۔ زمینداروں کو اس قانون سے یہ بڑی دقت ہوئی کہ مقررہ تاریخ پر روپیہ ادا نہ ہونے پر ان کی زمین نیلام کر دی جاتی تھی۔ اس قانون کی وجہ سے بہت سے مالدار زمیندار فقیر ہو گئے۔ کچھ زمیندار کاہل اور سست بھی ہو گئے اور وہ صرف عیاشی میں ہی مشغول رہنے لگے جس سے ان کا زوال ہوا۔

اس بندوبست سے سب سے زیادہ نقصان بیچارے غریب کسان کا ہوا۔ اس کی بہبودی کا اس میں کوئی خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ زمیندار جب چاہتا اسے نکال سکتا تھا اور اس کا لگان بڑھا سکتا تھا۔ زمیندار یا اس کے ملازموں کے ظلموں کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی فریاد کی وجہ سے زمیندار اپنی زمینداری سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمینداروں اور ان کے

گماشتوں نے کسانوں کا خوب خون چوسا۔ اور ان کو مفلس بنا دیا۔

سب باتوں کو دیکھتے ہوئے استمراری بندوبست سے سرکار اور زمینداروں کو نقصان کے مقابلہ میں فائدہ زیادہ ہوا۔ اور کسانوں کو پہلے صرف نقصان ہی نقصان ہوا۔ آگے چل کر جب کسانوں کو لگان بھی ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیا گیا تو ان کی حالت بہتر ہو گئی۔ اور آج تک استمراری بندوبست والے مقامات کے کسان دوسروں کے مقابلہ میں کافی خوشحال اور مالدار ہیں۔

ہیسٹنگز کی اصلاحیں

لارڈ کارنوالس کے جانے کے بعد ۲۰ سال تک انتظام حکومت کے متعلق کوئی اصلاحات نہیں کی گئیں۔ سر جان شور صرف امن رکھکر اپنا وقت کاٹتا رہا۔ ویلزلی کے وقت سے لیکر ہیسٹنگز کے آنے کے وقت تک انگلینڈ کی سرکار نپولین کے خلاف جنگ کرنے میں مصروف تھی۔ اس لئے ہندوستان کے گورنر جنرلوں نے یا تو جنگ کر کے آئندہ ہونے والے دشمنوں کو دبایا، یا معاہدے کر کے اپنے دوستوں کی تعداد بڑھائی۔ لیکن ہیسٹنگز کے دس سال کے دور حکومت میں سب مرہٹے اور گورکھے دبا دیئے گئے تو اس نے نظام حکومت میں اصلاحیں کرنا ضروری سمجھا۔ اس کی اصلاحوں کی اہمیت اس کی فتوحات سے کم نہیں ہے۔

اس کی خوش قسمتی سے اُسے چار بہت قابل گورنروں کا تعاون حاصل ہوا وہ ہیں الفنسٹن، میلکم، منرو اور مٹکاف۔ الفنسٹن پہلے پیشوا کے یہاں ریزیڈنٹ تھا۔ ۱۸۱۸ء کے بعد وہ پیشوا کی ریاست کا گورنر مقرر کیا گیا۔ میلکم مالوا، اور بھونسلا سے حاصل کئے ہوئے ملک کا حاکم تھا۔ مٹکاف موجودہ صوبہ متحدہ کے ان اضلاع کا حکمران تھا جو اس وقت تک کمپنی کو مل چکے تھے اور دہلی کے مغل بادشاہ کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ منرو مدراس کا گورنر تھا۔ ان چاروں حضرات نے رعایا کے آرام کے لئے بہت سے کام کئے۔ اور ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

ہیسٹنگز کے زمانہ میں خاص طور پر چار قسم کی اصلاحیں ہوئیں۔ (۱) عدل و انصاف کے متعلق (۲) لگان کے متعلق (۳) تعلیمی (۴) انتظامی

محکمۂ عدل

محکمۂ عدل کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ مقدموں کا فیصلہ ہونے میں بڑی دیر لگتی تھی۔ اسے دور کرنے کے لیے ہیسٹنگز نے کئی تدبیریں کیں اس نے ہندوستانی منصفوں اور صدر امینوں کی تنخواہ بڑھا دی جس کی وجہ سے ان جگہوں کے لیے قابل لوگ آنے لگے۔ اور ان کے اختیارات بھی بڑھا دیئے گئے۔ اس طرح بڑے ججوں کا کام ہلکا ہو گیا۔ اس نے ضلع کے ججوں کو حکم دیا کہ وہ ہندوستانی منصفوں کی تعداد ضرورت کے مطابق بڑھا بھی سکتے ہیں۔ اس نے چھوٹے درجے کے انگریز حاکموں کو کچھ انصاف کرنے کے اختیارات بھی دیدیئے۔ اور کلکٹر کو مال کے کچھ مقدمے سننے کا اختیار دوبارہ دیدیا۔ بمبئی اور مدراس میں اس نے گاؤں کے مکھیوں اور پنچایتوں کو کچھ مقدمے کرنے کا اختیار دیدیا۔ اور بنگال میں ہندوستانی ججوں کو بہت سے ایسے مقدمے فیصل کرنے کا اختیار دیدیا۔ جن کو پہلے دورہ کرنے والے جج کیا کرتے تھے اس نے صوبوں کی اپیل کی عدالتوں کے ججوں کی تعداد ۳ سے بڑھا کر ۴ کر دی تاکہ وہ جلد کام کر سکیں۔ ان اصلاحوں سے دو خاص فائدے ہوئے۔ انصاف سرعت سے ہونے لگا۔ اور ہندوستانیوں کو اس محکمہ میں زیادہ جگہیں ملنے لگیں۔

لگان اراضی

لگان اراضی کے متعلق اصلاحوں کا خاص مقصد سرکاری لگان کی وصول یابی میں آسانی حاصل کرنا اور کسانوں و زمینداروں کو زیادہ مطمئن کرنا تھا۔ بنگال میں ۱۸۲۲ء کے ایکٹ کے مطابق موروثی کاشتکار جب تک لگان ادا کرتے رہیں بے دخل نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اور نہ معمولی طور پر ان کے لگان میں ہی اضافہ کیا جا سکتا تھا۔ صوبۂ متحدہ اور شمالی ہند کے دوسرے حصوں میں محال واری بندوبست جاری کیا گیا۔ اس کے مطابق سرکار نے موضعوں کی زمین کو محالوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر محال کا لگان وصول

کرنے اور سرکاری خزانہ میں جمع کرنے کے لئے گاؤں کے ہی ایک شخص کو مقرر کیا گیا تھا جس سے دمولی کا خرچ اور پریشانی بچ گئی۔ اور گاؤں کے مقتدر لوگوں کو کچھ اختیارات مل جانے سے وہ کمپنی کے تابعدار ہو گئے۔ مدراس میں اسی وقت منرو نے رعیت داری بندوبست جاری کیا جس کی رُو سے کسانوں کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ براہِ راست سرکاری خزانہ میں لگان کا روپیہ جمع کر دیں۔ اس طرح وہ زمیندار اور ٹھیکیداروں کی زبردستیوں سے بچ گئے۔ مدراس اور بمبئی کے زمینداروں کو کچھ پولیس کے اختیارات مل گئے جس کی وجہ سے وہ بھی سرکار کے غلام بن گئے اور سرکار کو بھی مفت مدد ملنے لگی۔

تعلیم

جس سال ہیسٹنگز گورنر جنرل ہوا۔ اسی سال انگلینڈ کی پارلیامنٹ نے کمپنی کے اختیارات اور فرائض کے متعلق ایک قانون پاس کیا تھا، جس کی رُو سے کمپنی کو ہر سال ایک لاکھ روپیہ تعلیم کی ترقی کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ہیسٹنگز نے اس رقم سے کچھ اسکول کلکتہ کے نواح میں کھولے اور کلکتہ کے ہندو کالج کو بھی امداد دی۔ اس نے تعلیم پھیلانے کے لئے پریس کو زیادہ آزادی دیدی اور اخباروں پہ لگنے والی شرح ٹکٹ بہت کم کر دی۔ اس لئے اخباروں کی اشاعت بڑھ گئی۔

امن اور خوش انتظامی

ہیسٹنگز کے زمانہ میں کئی نئے صوبے فتح کئے گئے تھے۔ اس لئے کچھ بدانتظامی کا پھیلنا فطری بات تھی۔ مرہٹوں کے فرو ہو جانے کی وجہ سے پنڈاریوں اور پٹھانوں کی شورشیں بھی بڑھنے لگیں۔ وہ لوگ اکثر مرہٹوں کی ماتحتی میں ہی کام کرتے تھے۔ پنڈاری صرف لٹیرے تھے وہ بلا امتیاز ذات، مذہب یا رنگ کے سب ہی چھوٹے اور بڑے درجے کے لوگوں کو لوٹا کرتے تھے۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی شامل تھے۔ اکثر ان کے گروہوں میں ہزاروں ڈاکو جمع ہو جاتے تھے وہ غارتگری کے بعد جنگلوں میں چھپ جایا کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے چھپنے کا مقام بدلتے رہتے تھے اسکی وجہ سے

پنڈاریوں کا فرو ہونا

بہت منظم نہیں ہوئی تھی ان کے سرداروں میں ہیرو۔ دورن، وصیل محمد اور چیتو بہت بہادر تھے۔ وہ راجاؤں اور نوابوں پر بھی حملہ کرنے میں نہ ہچکچاتے تھے۔ ان کے ساتھی ہمیشہ بھالوں اور تلواروں سے مسلح رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے پاس بندوقیں بھی رہتی تھیں۔ پنڈاری اپنے ظالمانہ برتاؤ کے لئے مشہور تھے اور ان کو خون بہانے یا تکلیفیں دیکر روپیہ وصول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا تھا۔ ہیسٹنگز نے ان کو فرد کرنے کے لئے ایک لاکھ ۱۲ ہزار سپاہیوں کی ایک شاندار فوج تیار کی۔ اور ان کو چاروں طرف سے گھیر کر مارنا شروع کیا۔ ان کی تنظیم برباد ہو گئی اور وہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے ان کے بہت سے سردار بھی مارے گئے صرف کریم خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس لئے اسے گورکھپور میں گنیش پور کا علاقہ دے دیا گیا۔ ۱۸۲۳ء تک سب پنڈاری خاموش ہو گئے۔ اور انہوں نے زراعت یا تجارت کرنا شروع کر دیا۔

پٹھان پنڈاریوں سے ملتے جلتے، لیکن ان سے مختلف پٹھان سردار تھے۔ ان میں امیر خاں اور محمد شاہ خاں خاص ہیں ان کی ترتیب تعلیم یافتہ سپاہیوں کی سی تھی۔ وہ صرف بڑے راجاؤں اور نوابوں کو ہی لوٹتے تھے۔ کبھی کبھی وہ کرایہ پر بھی لڑنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ سیندھیا اور ہولکر سے وہ اکثر ملے رہتے تھے ان کو دبانا آسان تھا۔ ہیسٹنگز نے انہیں شکست دی۔ اور ان کو پرامن زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ امیر خاں کو ٹونک کی ریاست دیدی گئی اور اس نے امدادی صلح کی شرائط منظور کر لیں۔

دیگر سردار اور جاگیردار الفنسٹن اور میلکم نے مرہٹوں سے جو مقامات حاصل کئے تھے۔ ان میں امن قائم کرنے کے لئے بڑی دریا دلی سے کام لیا۔ اس نے جاگیرداروں کے اختیارات کو سابق کی طرح رہنے دیا جن لوگوں کو پہلے ریاست سے امداد ملتی تھی ان کو اب بھی ملتی رہی۔ اور ان کے حقوق میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ اس طرح جلد ہی ملک میں امن قائم ہو گیا۔

ہیسٹنگز کے عہد میں صرف حکومت کے متعلق اصلاحیں ہوئی تھیں۔ جب بینٹنگ

لارڈ ولیم بینٹنگ
سنہ ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۵ء

گورنر جنرل ہوا۔ تو کئی اصلاحیں کی گئیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں ان کی بہت اہمیت ہے۔ بینٹنگ کے ہی زمانہ میں یہ سب اصلاحیں کیوں ہوئیں؟ ان کے کئی اسباب تھے۔ سنہ ۱۸۲۷ء سے انگلینڈ میں اصلاح کا دورہ شروع ہوا اور سنہ ۱۸۳۰ء سے کر سنہ ۱۸۳۲ء تک کئی خاص اصلاحیں کی گئیں۔ اسی کے اثر سے ہندوستان میں بھی اصلاحیں کی گئیں۔ دوسرے بینٹنگ خود وسیع الخیال شخص تھا جس میں انتظام جنگ کی بہ نسبت اصلاح حکومت کی قابلیت زیادہ تھی۔ تیسرے بہت سی لڑائیوں کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے لوگ ناراض ہونے لگے تھے۔ اور کمپنی کے ہاتھوں کو فائدہ بھی کم ہو گیا تھا کیونکہ لڑائیوں کی وجہ سے خرچ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ۱۹½ کروڑ روپیہ قرض ہو گیا تھا۔ اس حالت کو ٹھیک کرنے کیلئے امن اور اصلاحوں کی ضرورت تھی۔ چوتھے کمپنی کے چلانے والے چاہتے تھے کہ کمپنی کی آمد و خرچ برابر رہے اور رعایا اس سے خوش رہے۔ یہی سبب ہے کہ بینٹنگ کے زمانہ میں اتنی زیادہ اصلاحیں ہوئیں۔

اس کی اصلاحوں کو تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے اقتصادی انتظامی

اقتصادی اصلاحیں

اور معاشرتی۔ کمپنی کی مالی حالت سنبھالنے کے لئے اس نے کئی تدبیریں کیں۔ کلکتہ سے ۴۰۰ میل کے فاصلہ تک رہنے والے سپاہیوں کو اب صرف نصف بھتہ دیا جانے لگا۔ اور سب عارضی فوجیں برخاست کر دی گئیں۔ اس طرح ایک کروڑ روپیہ سالانہ کی بچت ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس نے بہت سے غیر ضروری عہدہ داروں کو نکال دیا۔ صوبوں کی اپیل کی عدالتیں توڑ دیں۔ انگریزوں کے بجائے کم تنخواہ پر ان سے زیادہ قابل ہندوستانی افسر مقرر کئے۔ ان سب اصلاحوں سے ۵۰ لاکھ روپیہ سالانہ کی بچت ہوئی۔

سلطنت کی آمدنی بڑھانے کے لئے اس نے تین تدبیریں کیں۔ وسط ہند کے افیون کے کاشتکاروں کو صرف اس شرط پر اجازت دی گئی کہ وہ کل افیون بمبئی کے بندرگاہ سے باہر بھیجیں۔ اس طرح جو چنگی پہلے سندھ کے امیروں کو کراچی سے ملتی تھی۔ وہ اب انگریز کمپنی کو ملنے لگی۔ دوسرے اس نے معافی کی زمین میں کاشت کرنیوالوں کے حقوق کی جانچ کرائی۔ اور جو لوگ کوئی پرانی سند یا فرمان نہ دکھا سکے ان پر لگان مقرر کر دیا گیا۔ تیسرے شمال مغربی سرحد (موجودہ ممالک متحدہ) میں ستی سالہ بندوبست کیا گیا۔ جس کی وجہ سے سرکاری آمدنی بڑھ گئی بینٹنگ کی ان سب اصلاحوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ 19½ کروڑ روپیہ کی کمی پوری ہوگئی اور ۲ کروڑ کی بچت ہونے لگی۔

عدالتوں میں اصلاح

اس وقت عدالتوں میں کئی خرابیاں تھیں۔ ان میں خاص تین تھیں۔ انگریز جج زیادہ تر نا قابل اور نکمے تھے۔ کیونکہ جو شخص کسی اور عہدے کے لائق نہیں ہوتا تھا اسے محکمۂ عدل میں جگہ دینے کا بُرا رواج جاری ہو گیا تھا۔ دوسرے فارسی کا استعمال ہونے کی وجہ سے رعایا کو بہت دشواری ہوتی تھی۔ تیسرے عدالتوں کی کارروائی کے قاعدوں میں بہت سی خرابیاں تھیں اس نے ڈھاکہ، مرشد آباد، پٹنہ اور کلکتہ کے صوبوں کی اپیل والی عدالتوں کو توڑ دیا۔ کیونکہ وہ ٹھیک کام نہیں کر رہی تھیں۔ شمال مغربی صوبہ کے لوگوں کی آسانی کے لئے الہ آباد میں ایک چیف کورٹ قائم کی گئی۔ صوبائی اپیل کی عدالتوں کے اختیارات ضلع کے ججوں کو دیدیئے گئے۔ وہ ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کہلانے لگے۔ یہی انتظام آج تک جاری ہے۔ ان ججوں کا کام بہت بڑھ گیا۔ اس لئے اسے ہلکا کرنے کے لئے دو تدبیریں کی گئیں۔ فوجداری مقدمے فیصل کرنے کے بہت سے اختیارات ضلع کے کلکٹروں اور نئے مقرر کئے ہوئے ہندوستانی ڈپٹی کلکٹروں کو دیدیئے گئے۔ دیوانی مقدموں کے لئے صدر امین مقرر کئے گئے ان کی تنخواہ ۵۰۰ روپیہ سے ۷۰۰ روپیہ

تنگ کردی گئی۔ اور ان کے اختیارات بڑھا دیئے گئے۔ اس طرح انصاف کا کام جلدی اور اچھا ہونے لگا۔ عدالت میں صوبائی زبانوں کے استعمال کی اجازت ہو گئی اور پرانے قانونوں کے بجائے رعایا کی سہولت کا خیال رکھتے ہوئے نئے قانون بنا دیئے گئے۔ بینٹنگ کی عدالتی اصلاحیں بہت پائیدار اور مستحکم ثابت ہوئیں ٹھیک انصاف کرنے کے لیے ایک اطمینان بخش محکمہ پولیس بھی بہت ضروری

پولیس

ہے بنٹنگ نے تھانیداری جاری رکھی اور اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی۔ لیکن اس نے دو نئی باتیں کیں۔ اس نے دیہات کی رعایا کی بہبودی کے خیال سے زمینداروں اور پٹیلوں کو کچھ پولیس کے اختیارات دے دیئے۔ وہ لوگ تھانیداروں کے مقابلہ اچھا کام کرتے تھے۔ دوسرے اس نے ہر ضلع میں کچھ پولیس کے اہلکار رکھنے کا رواج ڈالا۔ ان سے ملزموں کا پتہ لگانے اور ان کو گرفتار کرنے میں کافی مدد ملنے لگی۔

بینٹنگ نے کئی اہم معاشری اصلاحیں بھی کیں۔ سب سے پہلے اس نے

معاشرتی اصلاح اور رسم ستی

رسم ستی کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہندوؤں کی اونچی ذاتوں میں اس رسم کا بہت رواج تھا۔ عورت کو اپنے متوفی شوہر کے ساتھ جل کر جان دینی پڑتی تھی۔ اسی لئے اسے "سہ مرن" (ساتھ جان دینا) کہتے تھے۔ کسی زمانہ میں بیویاں اپنے متوفی شوہروں کے فراق میں اس قدر غمگین ہوتی تھیں کہ وہ مرجانا ہی بہتر سمجھتی تھیں اس حالت میں جل کر مرجانا زیادہ برا نہ تھا۔ ہندو سوسائٹی میں بیواؤں کے ساتھ جو بدسلوکی کی جاتی تھی اس کی وجہ سے بھی بہت سی عورتیں ستی ہو جاتی تھیں۔ کچھ ایسی بھی تھیں جن کا یہ اعتقاد تھا کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ جل کر مر جائینگی تو ان دونوں کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائینگے۔ اور وہ ہمیشہ ساتھ ساتھ جنت میں رہیں گے۔ کچھ حالات میں ہندو مذہب کے مطابق بھی ستی ہونے کی اجازت نہ تھی۔ خاندان کی حفاظت کے لئے اگر عورت کا زندہ رہنا زیادہ

ضروری ہو تو اسے زندہ رہنا پڑتا تھا۔ اسی لئے گنتی، کوشلیا وغیرہ ستی نہیں ہوئی تھیں۔ حاملہ عورت کو بھی ستی ہونے کی اجازت نہ تھی۔

آگے چل کر اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں بہت سی عورتیں شوہر کے ساتھ جلنا نہیں چاہتی تھیں لیکن ان کے خاندان کے لوگ اس میں اپنی بہت بدنامی سمجھتے تھے اور سوچتے تھے کہ ضرور بد چلن اور بدکار عورتیں ہی ستی ہونے سے انکار کرتی ہیں اس لئے وہ اسے زبردستی جلا دیتے تھے۔ محمد تغلق، اکبر اور اورنگ زیب نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اکبر نے قانون بنا دیا تھا کہ اگر کوئی عورت خود کی مرضی کے خلاف جلائی جلائی جائیگی تو جتنے لوگ اس کام سے تعلق رکھتے ہونگے ان سب کو سزائے موت دی جائے گی۔ انگریز افسروں نے بھی کہیں کہیں رسم ستی کے غلط استعمال کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ بینٹنگ کے سامنے جب یہ سوال پیش ہوا تو اس نے اس پر غور کیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ چیت سنگھ جیسے سرداروں کے ساتھ ۲۰۰ سے بھی زیادہ عورتیں نذر آتش ہو گئی تھیں اور ہر سال ہزاروں عورتیں بغیر خواہش ہی زندہ جلا دیئے جانے کی تکلیفیں اٹھاتی ہیں۔ تو اس نے ۱۸۲۹ء میں اسے قانوناً بند کر دیا۔ اس قانون کے بننے کے بعد کسی عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ مرنے کی اجازت نہ رہی اور جو شخص اس کام میں کسی طرح کی مدد کرے اسے انسان کے خون کا مرتکب سمجھا جانے لگا۔ پرانے ڈھنگ کے پنڈتوں نے اس کے خلاف بہت ہاتھ پیر پیٹے۔ لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور یہ رسم ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

ٹھگی — بینٹنگ کے عہد میں ٹھگی بہت پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھگوں کو پھانسی ڈار بھی کہتے تھے۔ وہ کالی کی پرستش کرتے تھے۔ وہ بڑے سنگدل اور ہوشیار ہوتے تھے راستہ چلتے ہوئے وہ مسافروں کے ساتھ ہو لیتے تھے اور موقع پا کر ان کے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی لگا دیتے تھے۔ جو کچھ مال اسباب ہوتا اسے لیکر وہ غائب ہو جاتے اور اسے اسی حالت میں پڑا رہنے دیتے تھے۔ کبھی کبھی

وہ مسافروں کو گرم راکھ سونگھنے کے لئے مجبور کرتے تھے۔ اور اس طرح ان کا پھیپھڑا خراب ہو جاتا تھا۔ وہ راہگیروں کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر بھی انہیں مار ڈالتے تھے۔ کچھ لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے تھے۔ اور اپنی دیوی کے سامنے ان کی قربانی کرتے تھے۔ ان کی شورشوں سے سب لوگ پریشان تھے۔

بینٹنگ نے ۱۸۲۹ء میں سلیمن کی صدارت میں ایک ٹھگی کا محکمہ کھولا اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ٹھگوں کو سزائیں دی جانے لگیں۔ ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا جس سے وہ آہستہ آہستہ اپنی بری عادتوں کو چھوڑ کر پُرامن زندگی بسر کرنے لگیں۔ اور ایمانداری سے معاش حاصل کرنے کے عادی ہو جائیں۔ ٹھگوں کی کرتوتوں کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ سلیمن نے جن ۱۵۰۰ آدمیوں کو ۱۸۳۵ء تک گرفتار کیا تھا۔ ان میں سے ایک بڈھے نے بتایا کہ اس نے ۴۰ سال میں ۹۳۱ آدمیوں کی جان لی تھی۔ ایک دوسرے شخص نے ۲۰ سال میں ہی ۵۰۸ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ بینٹنگ کی کوششوں سے آہستہ آہستہ ٹھگی بند ہو گئی۔

دختر کشی

راجپوتانہ، اجمیر اور خاندیش میں دختر کشی اور عورتوں کو فروخت کرنے کی رسم بہت رائج تھی۔ اکثر چھوٹی عمر میں ہی لڑکوں کو مار ڈالا جاتا تھا۔ مائیں بھی اس کام میں شامل ہو جاتی تھیں۔ اس لئے پتہ لگانا بہت مشکل تھا۔ خون کرنے کی کئی ترکیبیں تھیں۔ بچوں کا گلا گھونٹ دینا۔ اُسے دودھ نہ پلانا۔ افیون دے دینا وغیرہ۔ اس جرم کا خاص سبب یہ تھا کہ لڑکیوں کی شادیوں میں بڑی پریشانیاں ہوتی تھیں اور بہت جہیز دینا پڑتا تھا۔ بینٹنگ نے سب بچوں کی پیدائش و وفات کا اندراج شروع کیا۔ اور شک ہوتے پر مجرموں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ شادیوں میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اس نے جہیز کی رقم مقرر کر دی۔ اور غریبوں کو ان کی لڑکیوں کی شادیوں کے لئے سرکار سے امداد دینے کا قانون بنایا۔ اس طرح آہستہ آہستہ دختر کشی بند

ہوگئی سخت سزائیں دیکر عورتوں کو بھگانا اور فروخت کرنا بھی کم کر دیا۔
۱۸۴۳ء میں غلاموں کا رکھنا خلاف قانون قرار دیا گیا جتنے بھی لوگ غلام تھے وہ آزاد ہو گئے اور مالکوں کا ان پر کوئی حق نہ رہا نئے غلام بنانا بھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

غلاموں کی تجارت اور غلامی کا خاتمہ

بینٹنگ کی معاشری اصلاحوں میں تعلیمی، صلاحیں بہت ہی اہم ہیں۔

تعلیم

۱۸۱۳ء میں پارلیامنٹ نے ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس روپیہ کا کچھ فائدہ بینٹنگ کے زمانہ میں اٹھایا گیا۔ آگے چل کر یہ طے ہوا کہ اگر کوئی اسکول یا کالج رعایا کی کوشش سے کھولا جائے تو اُسے سرکار کی طرف سے کچھ مدد دی جائے۔ اس قاعدے کے مطابق بنگال، بمبئی مدراس اور صوبہ متحدہ میں کئی اسکول اور کالج کھل گئے۔ صوبہ متحدہ کی تعلیم گاہوں میں بنارس کے جے نرائن گھوشال کا قائم کیا ہوا اسکول اور گنگادھر شاستری کا قائم کیا ہوا آگرہ کالج خاص ہیں۔ بینٹنگ کے عہد حکومت میں ۱۸۳۳ء میں پارلیامنٹ نے دس لاکھ روپیہ سالانہ ہندوستانیوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کی اجازت دی۔ بینٹنگ نے میکالے کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی۔ اور اس نے یہ طے کیا کہ ہندوستانیوں کو مغربی علم و ادب اور سائنس کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دی جائے۔ راجہ رام موہن رائے بہت دن سے انگریزی زبان کے ذریعہ مغربی تعلیم کے دیئے جانے کی تبلیغ کر رہے تھے بینٹنگ نے اسی فیصلہ کو منظور کر لیا۔ اور اس نے حکم دیا کہ ہندوستانیوں کو مغربی علم و ادب اور سائنس کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دی جائے۔ اسی وقت سے مغربی تعلیم پھیلنا شروع ہوئی۔

اس سلسلہ میں کچھ باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ میکالے نے ہندوستانی علم و ادب تاریخ اور درشن سے واقفیت نہ رکھتے ہوئے بھی اس کی سخت

تنقید کی جس کو بہت سے ناواقف لوگوں نے سچ سمجھ لیا۔ ٹریولین نامی عالم نے انگریزی زبان اور ادب کی تعلیم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو ۱۰۰ سال کے اندر ہی ہمیں ہندوستان کی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑینگے رائے عامہ پر انگریزی تعلیم کے اثر کو اس نے بڑی حد تک ٹھیک سمجھا تھا۔
انگریزی زبان کے ذریعہ تعلیم ہو جانے کی وجہ سے طلبہ کی بنیادیں کمزور ہو گئیں۔ اور ان کا بہت سا وقت ایک غیر ملکی زبان کے سیکھنے میں ہی ضائع ہونے لگا۔ جس سے زبردست قومی نقصان ہوا۔ ہندوستانی قوموں، پاٹھ شالاؤں مدرسوں اور مکتبوں کا آہستہ آہستہ خاتمہ ہونے لگا جس کی وجہ سے عوام میں تعلیم کا رواج ہو گیا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریزی تعلیم کی بدولت ہی کل ہندوستان میں اتحاد و یگانگت کا خیال پیدا ہوا ہے اور مغربی تعلیم کے اثر سے ہی معاشری، مذہبی اور سیاسی اصلاحوں کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے سرکار کو سستے لیکن قابل اہلکار ملنے میں بڑی سہولت ہو گئی۔

بینٹنگ نے اتنی زیادہ اصلاحیں کیں۔ کہ ہندوستان والے اس سے بہت خوش رہے آجکل بھی بینٹنگ کا شمار ان چند گورنروں میں کیا جاتا ہے جنہوں نے ہندوستانیوں کی ترقی کی طرف بہت توجہ کی۔ اور انہیں خوش حال بنایا۔

ڈلہوزی کی اصلاحیں

بینٹنگ کے بعد ڈلہوزی نے کئی خاص کام کئے اس نے بینٹنگ کے شروع کئے ہوئے کچھ کاموں کو پورا کیا بینٹنگ نے بیواؤں کو زندہ رہنے کی قانونی حفاظت عطا فرمائی تھی۔ ڈلہوزی نے ان کی زندگی خوشگوار بنانے کیلئے انہیں دوبارہ شادی کرنے کا بھی اختیار دیدیا۔ اسی طرح انگریزی تعلیم میں کافی ترقی ہوئی۔ ہر صوبہ میں ایک محکمہ تعلیم کھولا گیا۔ اسی کے عہد میں سر چارلس وڈ کی تجویز کی بناء پر تعلیمی اصلاحوں کی تجویز تیار کی گئی ان کے مطابق یونیورسٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور ابتدائی تعلیم، تعلیم نسواں، فن مدرسی اور انجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم کا انتظام سرکار کی طرف سے کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا اسی

عہد میں ۲۰۰ میل سے زیادہ ریل کی پٹری بچھائی گئی اور کئی پختہ سڑکیں بنوائی گئیں جن میں گرانڈ ٹرنک روڈ سب سے مشہور ہے اسی زمانہ میں دریائے گنگا سے نہر نکالی گئی اور کچھ چھوٹی نہریں پنجاب میں بھی بننے لگیں جلد خبر بھیجنے کیلئے تار لگائے گئے اور ڈاک کی آسانی عوام کے لئے کر دی گئی جگہ جگہ پر شفاخانے کھولے گئے جہاں غریبوں کو مفت دوا دی جاتی تھی۔

یہ تمام اصلاحیں رعایا کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں اور سرکار کو بھی ان سے بہت فائدہ ہوا۔ لیکن اس وقت کے لوگوں نے ان اصلاحوں کا مطلب الٹا ہی لگایا وہ سمجھتے تھے کہ ان میں کوئی دغا یا فریب پوشیدہ ہے۔

خاص تاریخیں

پٹ کا انڈیا بل	۱۷۸۴ء
کارنوالس کا تقرر	۱۷۸۶ء
دہ سالہ بندوبست کا آغاز	۱۷۸۹ء
استمراری بندوبست	۱۷۹۳ء
پہلا چارٹر ایکٹ	۱۷۹۳ء
دوسرا چارٹر ایکٹ اور لارڈ ہیسٹنگز کا تقرر	۱۸۱۳ء
بنگال ٹیننسی ایکٹ	۱۸۲۲ء
پنڈاریوں کا خاتمہ	۱۸۲۳ء
لارڈ ولیم بینٹنگ کا تقرر	۱۸۲۸ء
رسم ستی کا خاتمہ	۱۸۲۹ء
ٹھگی کے انسداد کا نیا محکمہ	۱۸۲۹ء
غلامی کا خاتمہ	۱۸۳۲ء
تیسرا چارٹر ایکٹ اور کمپنی کے تجارتی محکمہ کا خاتمہ	۱۸۳۳ء

ٹھگی کا خاتمہ	۱۸۳۵ء
سرکار کی طرف سے انگریزی تعلیم کا پھیلنا	۱۸۳۵ء
چوتھا چارٹر ایکٹ	۱۸۵۳ء
تعلیم کے متعلق وُڈ کی رپورٹ	۱۸۵۴ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ۱۷۷۳ء کے بعد گورنر جنرل کا اقتدار اور اختیارات بڑھانے کے لئے کیا تدابیر کی گئیں؟

۲۔ کمپنی کے تجارتی اختیارات کیوں چھین لئے گئے؟ اس حکمتِ عملی کے عروج پر ایک مختصر مضمون لکھو۔

۳۔ وارن ہیسٹنگز نے کمپنی کی حالت درست کرنے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟ اس کی حکمتِ عملی کا رعایا پر کیا اثر پڑا؟

۴۔ کارنوالس کے عہد میں محکمۂ عدل میں کیا خرابیاں تھیں؟ ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے ہیسٹنگز اور بینٹنگ نے کیا تدبیریں کیں؟

۵۔ کارنوالس نے لگان کا استمراری بندوبست کیوں کیا؟ اسکے بعد دوسرے صوبوں میں ویسا ہی بندوبست کیوں نہیں ہوا؟

۶۔ کمپنی کے عہدِ حکومت میں انگریزی تعلیم کس طرح پھیلی؟ اس سے ہندوستانیوں کو کیا نفع یا نقصان ہوا۔

۷۔ کمپنی کے عہدِ حکومت میں ہندوستانیوں کی معاشرتی و اقتصادی ترقی کے لئے کیا تدبیریں کی گئیں؟ عوام پر ان کا کیا اثر پڑا؟

پینتیسواں باب

۱۸۵۷ء کا غدر ۔ کمپنی کا خاتمہ

۱۸۵۷ء کا غدر

لارڈ ڈلہوزی کے ہندوستان سے واپس جانے کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ اسے یقین دلایا گیا کہ فی الحال چھ برسوں کے لئے اب ہندوستان میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں اسے ایک ایسی زبردست مصیبت کا سامنا کرنا پڑا جیسی کہ پہلے کبھی پیش نہ آئی تھی۔ کچھ لوگوں نے اسے صرف ایک سپاہیوں کی بغاوت بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا خاص سبب سپاہیوں کی ناراضگی تھی۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ درحقیقت یہ غدر مسلمانوں کی ایک زبردست سازش تھی جس کا مقصد مغل سلطنت کو پھر سے زندہ کرنا تھا۔ اس سازش کرنے والوں نے ہی لوگوں کو مشتعل کر کے یہ آفت برپا کردی۔ کچھ لوگوں نے اسے ہندوستان کی آزادی کی پہلی لڑائی کہا ہے۔ اور انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ غدر ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ کوشش تھی جس کا مقصد انگریزی حکومت کو اکھاڑ پھینکنا اور مغل سلطنت و پیشوا کی حکومت کو از سر نو قائم کرنا تھا۔ بیشتر عالموں کو ان میں سے ایک بھی رائے سے اتفاق کلی نہیں ہے ان کی رائے ہے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر کئی وجوہات سے پیدا ہوئی بے اطمینانی کا نتیجہ تھا۔ بے اطمینانی کے کچھ اسباب سیاسی، کچھ معاشرتی، مذہبی اور کچھ فوجی تھے۔ لیکن یہ بتانا آسان نہیں کہ ان اسباب میں سے کونسا سبب زیادہ اشتعال انگیز ہوا۔

سیاسی اسباب

لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ میں اودھ، پنجاب، ناگپور، ستارا، جھانسی وغیرہ کئی ریاستیں مختلف وجوہ سے انگریزی سلطنت

میں شامل کر لی گئی تھیں۔ اس لئے جن لوگوں کو تخت حکومت سے محروم کیا گیا تھا۔ وہ اور ان کے ساتھی ناراض ہو گئے۔ ان ریاستوں کی رعایا بھی ناراض ہو گئی۔ دوسرے ان ریاستوں کا خاتمہ ہو جانے سے دوسری دیسی ریاستوں میں بھی بدامنی پھیلنے لگی۔

ڈلہوزی نے بہت سے معزول شدہ راجاؤں اور نوابوں کے خاندان والوں کی پنشنیں بند کر دی تھیں۔ اس نے مغل سلطنت کے نام و نشان کو بھی مٹا دینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ اس وجہ سے بھی بہت سے لوگ ناراض ہو گئے تیسرے انگریزی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ہندوستانیوں کو اونچے عہدے ملنا بند ہو گئے تھے۔ اس لئے اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی ناراضگی تھی اودھ کے تعلقہ داروں اور بنگال و بمبئی کے زمینداروں کے حقوق کی از سر نو جانچ کرائی گئی تھی اور جو لوگ اپنا حق ثابت نہ کر سکے۔ ان کی زمینیں چھین لی گئیں تھیں۔ اودھ کے کئی ہزار گاؤں اس طرح چھین لئے گئے تھے۔ بمبئی میں تقریباً بیس ہزار چھوٹی چھوٹی ریاستیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ اس وجہ سے بھی ناراض لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

مذہبی و معاشرتی اسباب

کمپنی نے معاشرتی و تہذیبی ترقی کی جو کوششیں کیں ان سے بھی ناراضگی بڑھی۔ رسم ستی کو روکنے، بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت دینے، مذہب تبدیل کرنے میں بھی موروثی جائداد پر حق قائم رہنے اور دختر کشی کے بند کرنے کے قاعدوں سے رعایا ناراض ہو گئی تھی۔ وہ ان کو معاشرتی اصلاح کے بجائے معاشرتی زوال کی علامت سمجھتی تھی۔ انگریزی تعلیم کے لئے جو اسکول اور کالج کھلے تھے، ان میں سے بیشتر کا انتظام عیسائی مشنریوں کے ہاتھ میں تھا ان میں عیسائی مذہب کی لازمی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور اسلام و ہندو مذہب کی برائی کی جاتی تھی۔ اس لئے اشاعت تعلیم کی جو تجویزیں بنیں ان کو بھی لوگوں نے محض

عیسائی بنانے کی ترکیبیں سمجھا۔ تیسرے مشن والوں کو سرکار کی طرف سے بہت سی سہولتیں دی جاتی تھیں۔ یہ بات بھی لوگوں کو پسند نہ تھی۔ سرکار کی طرف سے جو شفاخانے کھولے گئے تھے، ان کو بھی عیسائی بنانے کے ذرائع بتایا گیا۔ کیونکہ وہاں چھوت چھات کا خیال بہت کم کیا جاتا تھا۔ ریل اور تار جیسی اصلاحوں کو بھی لوگوں نے پسند نہ کیا وہ سمجھتے تھے کہ ان کے ذریعہ سرکار انہیں باندھ لینا چاہتی ہے اس طرح مذہبی ناراضگی کے بہت سے اسباب موجود تھے۔

بھتے کے سوال پر فوج میں ۱۸۴۴ء اور ۱۸۵۲ء کے درمیان چار بار بغاوتیں

فوجی اسباب

ہو چکی تھیں لیکن انہیں دبا دیا گیا تھا۔ سپاہیوں کا عقیدہ تھا کہ سلطنت کے بانی وہی لوگ ہیں، اور پھر پنجاب اور افغانستان کی لڑائیوں کے بعد وہ یہ بھی محسوس کرنے لگے تھے کہ انگریز افسر کافی ناقابل ہیں۔ ہندوستان کے باہر چین اور کریمیا کی لڑائیوں میں بھی انگریزی سپہ سالاروں نے کافی ناقابلیت دکھائی تھی۔ اس لئے ان کا رعب و دبدبہ ختم ہو چکا تھا۔ اسی وقت ان سپاہیوں کی تعداد ہندوستانی سپاہیوں کی ۱/۶ رہ گئی تھی۔ اس لئے سپاہیوں کی ہمت اور بھی بڑھ گئی اور وہ سوچنے لگے کہ انگریزوں کو نکال باہر کرنا ان کے لئے مشکل نہ ہوگا۔ دلی اور الہ آباد کے قلعوں میں صرف ہندوستانی سپاہی تھے۔ اور الہ آباد سے کلکتہ تک صرف دانا پور میں انگریز سپاہی تھی۔ باقی سب مقامات پر ہندوستانی سپاہی ہی تھے۔ بدقسمتی سے اس وقت کیننگ نے دو ایسے قانون جاری کئے جن کی وجہ سے سپاہیوں کی ناراضگی بغاوت کی شکل میں ابل پڑی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ اس نے یہ قانون بنایا کہ ہر سپاہی کو جہاں کا حکم دیا جائے وہاں جانا پڑے گا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اونچی ذات والے ہندو یا تو سمندر پار کا سفر کر کے اپنا ایمان خراب کریں یا اپنی ملازمت سے ہاتھ دھولیں۔ اس کے بعد نئی رائفلیں دی گئیں جن کا کارتوس دانت سے کاٹنا پڑتا تھا۔ کارتوس کے اوپر کچھ چربی

لگی تھی۔ لوگوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ اس میں سوٗر اور گائے کی چربی استعمال کی گئی ہے۔ اس لئے ان کو دانت سے کاٹنے میں ہندو اور مسلمان دونوں کا ہی دین وایمان خراب ہو جائے گا۔

غدر کا آغاز غدر کا آغاز ۱۸۵۷ء میں بیرک پور میں ہوا۔ جہاں منگل پانڈے اور اس کے ساتھیوں نے نئے کارتوس چلانے سے انکار کر دیا۔ بغاوت بہت تیزی سے پھیل گئی۔ مئی کے مہینہ میں میرٹھ کے ہندوستانی سپاہیوں نے بغاوت کی۔ انہوں نے خزانہ لوٹ لیا اپنے افسروں کو مار ڈالا۔ ان کے گھر جلا دیئے۔ اور دلی پر قبضہ کر کے بوڑھے بہادر شاہ کو پھر سے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اردگرد کے ہندو مسلمان دلی میں جمع ہونے لگے۔ اور جو انگریز ادھر ادھر پھیلے ہوئے تھے وہ بھاگ گئے یا مار ڈالے گئے۔

لکھنؤ لکھنؤ کے اردگرد فیض آباد کے مولوی احمد اللہ اور اودھ کی بیگموں کے اثر سے کافی بد امنی پھیل گئی۔ ہنری لارنس نے ریزیڈنسی میں چھپکر باغیوں کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ حالانکہ وہ مارا گیا لیکن ریزیڈنسی پر باغیوں کا قبضہ نہ ہو سکا۔

کانپور کانپور کی چھاؤنی پر بٹھور کے نانا صاحب راجی راؤ دوم کا پسر متبنّٰی جس کی پنشن ڈلہوزی نے بند کر دی تھی اسکے ساتھیوں نے حملہ کیا۔ انگریز مغلوب ہو گئے بہت سے مر گئے اور باقی ماندہ بھاگ نکلے۔ لیکن راستہ میں وہ بھی لقمۂ اجل بن گئے۔ نانا صاحب نے لکھنؤ کے باغیوں اور دلی کے باغیوں سے بھی تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی اس طرح کانپور بھی باغیوں کا ایک خاص قلعہ بن گیا۔

بندیل کھنڈ میں باندہ کے نواب، جالون کے راجہ اور جھانسی کی رانی اور تانتیا ٹوپی کے اثر سے ایک زبردست شورش برپا ہو گئی۔ اس کا مرکز

جھانسی جھانسی تھا۔ قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوگیا۔ چاروں طرف بدامنی پھیل گئی۔

راجپوتانہ، پنجاب، جنوبی ہند اور صوبہ متوسط میں بھی کچھ تھوڑی بہت

سرکار کے مددگار بغاوتیں ہوئیں۔ لیکن وہ جلد ہی دبا دی گئیں۔ بنگال اور بہار میں جگدیش پور کے راجہ کنور سنگھ کی صدارت میں کافی بغاوت پھیلی اور بہت دن تک جاری رہی لیکن یہ بغاوت ملک بھر میں نہ پھیلی۔ دکن کا زیادہ تر حصہ اس سے محفوظ رہا۔ اور نظام کے وزیر اعظم سالار جنگ نے بغاوت کے فرو کرنے میں بہت مدد دی۔ مرہٹہ حکمرانوں پر اس بغاوت کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ سیندھیا اور اس کے وزیر دنکر راؤ نے سرکار کو بہت مدد دی جس کی وجہ سے وسط ہند کی بغاوت فرو کرنے میں بہت آسانی ہوئی۔ بھوپال کی بیگم نے بھی کافی مدد دی۔ پنجاب کاشمیر میں جان لارنس کی وجہ سے بغاوت بڑھنے نہیں پائی۔ کاشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور پٹیالہ، کپورتھلہ و جیند کے سکھ راجاؤں نے بھی سرکار کی بہت مدد کی۔ سکھ سپاہیوں نے بڑی چستی سے باغیوں کو فرو کیا اور اس طرح اپنی شکست کا بدلہ لیا۔ اور سرکار کی بڑی مدد کی۔ گورکھے بھی ہندوستانی سپاہیوں سے بہت جلتے تھے۔ کیونکہ وہ انھیں کو اپنی شکست کا سبب خیال کرتے تھے۔ اس وقت انہوں نے بدلہ لینے کا اچھا موقع پایا۔ اور باغیوں کو فرو کرنے میں بڑی دلچسپی لی۔

ان بڑی بڑی ریاستوں کے علاوہ تقریباً کل ہندوستانی اہلکار اور زیادہ تر زمیندار وفادار ہی رہے بہت سے لوگوں نے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر ان کی جان بچائی۔ اور موقع ملنے پر انہیں زیادہ محفوظ مقاموں پر پہونچا دیا۔

غدر کا فرو ہونا سرکار نے انگلینڈ سے سپاہی منگانے کا انتظام کیا اور بمبئی و مدراس کی فوجیں بھی شمالی ہند کی طرف روانہ ہوئیں۔

سکھوں، گورکھوں، اور وفادار دیسی راجاؤں کی مدد سے ۱۸۵۸ء کے آخر تک باغیوں کو دبا دیا گیا۔ اور ایک ایک کر کے ان کے سب قلعے چھین لئے گئے۔ ٹیلر اور میجر آئر نے بہار کی بغاوت فرو کی۔ نیل اور کیمپبل نے کانپور و لکھنؤ پر قبضہ کر لیا۔ اور صوبہ متحدہ کے دیگر مقامات پر بھی امن قائم کیا۔ ہیوروز نے وسط ہند اور نکلسن نے دلی کی بغاوت کو دبایا۔ اس طرح سب مقامات پر سرکار کا تسلط قائم ہو گیا۔ بغاوت فرو کرنے میں سرکاری سپاہیوں نے بھی خوب وحشیانہ برتاؤ کیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسے سپاہیوں نے بیگناہ عورتوں بچوں اور پُرامن شہریوں کے ساتھ زیادہ ظلم کیا۔

باغیوں کے سرداروں میں سے نانا صاحب پتہ نہیں کہاں بھاگ گیا۔ بہادر شاہ گرفتار کیا گیا اور رنگون بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ ۱۸۶۲ء میں مر گیا۔ جھانسی کی رانی لڑتی ہوئی ماری گئی۔ اور تانتیا ٹوپے کو بہت ایذا رسانی کے بعد مار ڈالا گیا۔ لارڈ کیننگ نے جگہ جگہ پر دربار کئے اور لوگوں کو یقین دلا کر پُرامن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی۔

انگلینڈ میں اس بغاوت کی پوری ذمہ داری کمپنی پر رکھی گئی۔ اس لئے

ملکۂ معظمہ کا اعلانِ شاہی

یہ طے ہوا کہ کمپنی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور عنانِ حکومت ملکۂ وکٹوریہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ یہ اعلان نومبر ۱۸۵۸ء میں کیا گیا۔ اس اعلان میں کئی دفعات ایسی بھی تھیں، جن کے ذریعہ باغیانہ جذبات کو دبانے میں مدد ملی۔ راجاؤں و نوابوں کی بے اطمینانی دور کرنے کے لئے ملکۂ معظمہ نے اعلان کیا۔ کہ انہیں تمام قدیم معاہدے منظور ہیں اور وہ ان کی پابندی کرینگی۔ انہوں نے یہ بھی یقین دلایا، کہ وہ دیسی راجاؤں کے اختیارات اعزاز اور احترام کی حفاظت کریں گی۔ اور ان کی پالیسی انگریزی سلطنت کو بڑھانے کی نہیں ہے۔ انہوں نے دیسی راجاؤں کو اپنے قدیم رسم و رواج ماننے کی اجازت دی اور عہد کیا سرکاری

طرف سے ان میں کوئی دخل اندازی نہ کی جائیگی۔ عام رعایا کو اطمینان دلانے کے لئے انہوں نے صاف صاف اعلان کیا کہ ان کا مقصد نہ تو ہندوستانیوں کے مذہب میں مداخلت کرنا ہے اور نہ ان کے پرانے خیالات میں ہی تبدیلی کرنے کا خیال ہے انہوں نے یہ بھی یقین دلایا کہ ہر ہندوستانی بلا امتیاز مذہب، ذات پات رنگ کے جس عہدہ کے لائق ہوگا اسے حاصل کر سکیگا۔ باغیوں کو یقین دلایا گیا کہ اگر وہ یکم جنوری ۱۸۵۹ء تک اطاعت قبول کر لینگے یا بغاوت بند کر دیں گے تو ان کو معمولی طور پر کوئی سزا نہیں دی جائیگی۔ صرف ان کو سزا دی جائے گی جنہوں نے انگریزوں کو قتل کیا ہو یا قاتلوں کی مدد کی ہو۔

اس اعلان کا بہت اچھا اثر پڑا۔ اور غدر جلد ہی دب گیا۔ ایک وقت یہ غدر

باغیوں کی ناکامیابی کے اسباب

بہت ہی خوفناک صورت اختیار کر چکا تھا لیکن اس سے انگریزی سلطنت کی بنیادیں ہل نہ سکیں اس کی ناکامیابی کے خاص اسباب چار تھے باغیوں کے پاس کوئی متفقہ تجویز نہ تھی۔ اور نہ ان کا کوئی ایک سرداری تھا۔ جو اُن کے کاموں کو کسی ایک مقصد کے حاصل کرنے کیلئے جاری رکھتا۔ باغیوں کا کوئی ایک مقصد بھی نہیں تھا۔ بہت سے سردار صرف اپنی غرض کے لئے لڑ رہے تھے۔ دوسرے باغیوں نے رعایا کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے لوٹ مار کرکے رعایا کو اپنا مخالف بنا لیا۔ اس لئے ان کی طاقت محدود رہ گئی۔ تیسرے انگریز حاکموں نے بڑے صبر اور استقلال سے کام لیا۔ ان کے پاس ہتھیار کہیں اچھے تھے انہوں نے آمدورفت کے راستوں پر قبضہ کرکے باقاعدہ باغیوں کو دبایا۔ چہارم بہت سے ہندوستانی راجاؤں، سکھوں، گورکھوں، زمینداروں اور سرکاری ملازموں نے بھی سرکار کی امداد کی۔

غدر سے فوائد

لیکن یہ غدر بالکل ناکام بھی نہیں رہا۔ یہ سچ ہے کہ جھانسی کی رانی، پیشوا، مغل بادشاہ اور دوسرے چھوٹے راجہ اور نواب

اپنی کھوئی ہوئی ریاستیں حاصل کرنے میں پورے طور پر ناکامیاب رہے پھر بھی دوسرے ہندوستانی راجاؤں کے حقوق زیادہ محفوظ ہو گئے۔ اور سرکار نے گود لینے کی رسم منظور کر لی۔ مذہبی بے اطمینانی کے اسباب کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور ہندوستانیوں کے لئے تمام اونچے عہدوں کا دروازہ کھول دیا گیا۔ سرکار نے زیادہ دریا دلی سے کام لیا۔ اور ہندوستانیوں کو مطمئن کرنے کی خاص کوشش کی اس لئے یہ کہنا غلط ہوگا کہ بغاوت قطعاً ناکامیاب رہی۔

کیننگ کے عہد کے اور کام

کیننگ کا زیادہ تر وقت اس غدر کو فرو کرنے اور اس کے برے اثرات کو دور کرنے میں صرف ہوا۔ اس نے ۱۸۶۰ء میں ایک قانون بنا کر ہتھیار رکھنے کی ممانعت کر دی۔ اس حکم سے امن قائم کرنے میں ضرور امداد ملی۔ لیکن رعایا کی خود اعتمادی اور ہمت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ اپنی حفاظت کرنے کے قابل بھی نہ رہے۔ اس سے ملک کو زبردست نقصان ہوا۔ اس کے عہد میں کچھ آئین کے متعلق اصلاحیں بھی ہوئیں جن کا ذکر آگے کیا جائیگا۔

خاص تاریخیں

غدر کا آغاز	۱۸۵۷ء
ملکۂ وکٹوریہ کا اعلان	۱۸۵۸ء
ہتھیار رکھنے کی ممانعت کا قانون	۱۸۶۰ء
کیننگ کا واپس جانا	۱۸۶۲ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ غدر کے کیا اسباب تھے؟

۲۔ غدر کے خاص سردار کون تھے؟ ان کا اثر کن مقامات پر زیادہ تھا؟

۳۔ غدر کی ناکامیابی کے کیا اسباب تھے؟ کیا وہ مکمل طور پر ناکامیاب رہا؟
۴۔ ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان کی خاص دفعات بتاؤ؟
۵۔ باغیوں کو دبانے میں کن لوگوں نے زیادہ کوشش کی؟
۶۔ باغیوں کے سرداروں کا خاتمہ کہاں اور کس طرح ہوا؟
۷۔ مستقبل میں امن قائم رکھنے کے لئے کیا تدبیریں کی گئیں؟

چھبیسواں باب

ہندوستانی حدود کی حفاظت اور بیرونی حکمت عملی

لارڈ کیننگ کے زمانہ سے ہندوستان کے گورنر جنرل وائسرائے بھی کہلانے لگے۔ لارڈ کیننگ ہی پہلا وائسرائے تھا۔ ان کو وائسرائے اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ انگلینڈ کے شہنشاہ یا ملکۂ وکٹوریہ کے نمائندہ کی شکل میں حکومت کرتے ہیں۔ وائسرایوں کے عہد میں ملکہ وکٹوریہ کی حیات میں اور اس کے بعد بھی ایک خاص سوال سرحدوں کی حفاظت کا تھا۔ لارڈ کیننگ کے بعد لارڈ ایلگن کچھ عرصہ کے لئے وائسرائے ہوئے لیکن ان کے زمانہ میں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔

سرکار ہند کی افغان پالیسی

تیسرے وائسرائے لارڈ لارنس کے زمانہ میں افغانستان میں بدنظمی پھیلی کیونکہ وہاں کا امیر دوست محمد ۱۸۶۳ء میں رحلت کر گیا اور اس کے بعد تخت کے لئے لڑائی چھڑ گئی۔ دوست محمد نے اپنے تیسرے بیٹے شیر علی کو امیری کے عہدہ کے لئے نامزد کیا تھا اور وہ تخت پر بیٹھ بھی گیا تھا۔ لیکن اس کے بھائی اس کے خلاف بغاوت کرنے لگے۔ ان میں سے ہر ایک سرکار ہند سے امداد چاہتا تھا۔ لارنس نے ان کی

مدد کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ سرکار ہند اسی شخص کو امیر مان لیگی، جو اپنی طاقت سے امیر بن جائے گا۔ کیونکہ وہ افغانستان کے اندرونی معاملوں میں دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتی۔

۱۸۶۸ء میں کئی شاہی تبدیلیوں کے بعد شیر علی پھر امیر ہوا۔ اس کا ایک بھتیجہ عبدالرحمٰن روس والوں کے پاس بھاگ گیا۔ روس والوں نے وسط ایشیاء میں سلطنت بڑھانا شروع کر دیا تھا اور ۱۸۶۸ء تک انہوں نے تاشقند و بخارا فتح کر لیا۔ اور روسی ترکستان کا ایک نیا صوبہ بنایا۔ ان کے خوف سے اور شیر علی کی قابلیت سے متاثر ہو کر لارنس نے ۶۰۰۰ پونڈ نقد اور کچھ سامان جنگ دیا۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ اگر وہ سرکار ہند سے دوستی رکھے گا تو سرکار ہند اس کی آزادی کی حفاظت کے لئے اس کے دشمنوں کے خلاف جو مدد ضروری سمجھے گی دے گی۔

اس حکمت سے امیر پر سرکار ہند کا اقتدار بھی جم گیا۔ اور روسیوں سے جنگ کا خطرہ بھی نہیں بڑھا۔

لارڈ میو

۱۸۶۹ء میں لارڈ میو نئے وائسرائے ہوئے۔ انہوں نے بھی لارنس کا رویہ اختیار کیا اور شیر علی کو سامان جنگ اور ۶۰۰۰ پونڈ نقد دیا۔ شیر علی وائسرائے سے ملنے کے لئے انبالہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سرکار ہند اسے ایک مقررہ رقم سالانہ دینے کا پختہ وعدہ کرے اور اسکے دشمنوں کے خلاف ضرورت پڑنے پر روپیہ یا فوجی امداد دینے کا پختہ وعدہ کرے اسکے علاوہ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ سرکار ہند اسکے فرزند عبداللہ جان کو اس کا ولیعہد منظور کرے۔ میو نے دوستانہ اطمینان دلایا کہ وہ ہر حالت میں اس کی خواہشات اور فوائد کا خیال رکھتے ہوئے ضروری مدد دینے کی کوشش کرے گا۔ لیکن وہ سرکار ہند کی طرف سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتا۔

لارڈ نارتھ برک اور امیر کی بے اطمینانی

میو کے طرز عمل سے شیر علی ناراض ہو گیا لیکن روسیوں کے خوف سے اس نے کچھ کہا نہیں۔ ۱۸۷۳ء میں اس نے اپنے سفیر کے ذریعہ لارڈ نارتھ برک سے درخواست

کی کہ وہ روسیوں کے خلاف مدد دینے کا معاہدہ کرے۔ لیکن نارتھ برک نے کہا کہ وہ سرکار ہند کی معینہ پالیسی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ سرکار ہند نے عبداللہ جان کو شیر علی کا ولی عہد ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اس لئے اُسے یقین ہو گیا کہ اس سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اس لئے اس نے روس سے دوستی بڑھانا شروع کی۔

۱۸۷۴ء میں انگلینڈ میں مجلس وزراء تبدیل ہو گئی۔ نیا وزیر اعظم ڈسرلی

لارڈ لٹن اور افغانوں کی دوسری لڑائی

افغانستان میں دست اندازی کرکے روسیوں کا اثر روکنا چاہتا تھا۔ نارتھ برک نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے ۱۸۷۶ء میں اُسے استعفیٰ دینا پڑا۔ اور اس کی جگہ لارڈ لٹن گورنر جنرل مقرر ہوا۔ لٹن کو انگلینڈ کی سرکار کی حکمت عملی سے اتفاق تھا۔ اس نے ایک سفیر بھیجکر امیر کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ اس کی رُو سے اس نے امیر کو ہر سال زیادہ روپیہ دینے، عبداللہ جان کو ولی عہد ماننے اور روسیوں کے خلاف مدد دینے کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ وہ اپنے دربار میں ایک انگریز سفیر رکھ لے۔ امیر نے انگریز سفیر رکھنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس حالت میں اسے رُوسی سفیر بھی رکھنا پڑتا۔ رہی امداد وغیرہ کی بات اس کے لئے اس نے کہا کہ سرکار ہند پہلے ہی اقرار کر چکی ہے۔ لٹن اس کے اس جواب سے ناخوش ہو گیا۔ اس نے کوئٹہ پر قبضہ کرکے امیر کو دھمکانا چاہا اور کانفرنس کرکے اسے سمجھانا بھی چاہا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اسی دوران میں روس کا اثر دن بدن بڑھتا گیا۔ اور ایک رُوسی سفیر بھی افغانستان میں زبردستی رہنے لگا۔ لٹن نے جنرل چیمبرلین کو بھیجا اور امیر سے کہا کہ اُسے بھی رکھ لے۔ امیر نے آنا کانی کی۔ اس پر لٹن نے اعلان جنگ کر دیا۔ حالانکہ اس وقت تک یہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ روس کا اثر افغانستان میں مٹ گیا۔ اس طرح ۱۸۷۸ء میں افغانوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ خیبر، کرم اور بولن کے دروں سے تین فوجیں بھیجی گئیں۔ شیر علی مغلوب ہو گیا۔ اور رُوس کے ترکستان

میں بھاگ گیا۔ جہاں اس کی وفات ہو گئی۔ سرکار ہند نے اس کے فرزند یعقوب خاں سے ۱۸۷۹ء میں صلح کر لی۔

گنڈمک کی صلح

اس صلح کے مطابق امیر نے اپنی بیرونی حکمت عملی میں انگریز سفیر کا مشورہ ماننے کا اقرار کیا۔ کرّم۔ پشن۔ سیبی وغیرہ سرحدی علاقے اس نے سرکار ہند کو دیدیئے۔ اور دوستانہ تعلقات کرنے کا وعدہ کیا سرکار ہند نے اسے ۶ لاکھ روپیہ سالانہ دینا منظور کر لیا۔ اور حملہ کے وقت مدد دینے کا اقرار کیا۔

افغانوں کی تیسری لڑائی

یہ معاہدہ قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ افغان انگریز سفیر کے اختیارات کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ دوسرے امیر کچھ مستقل مزاج نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز سفیر مار ڈالا گیا۔ اور بدامنی شروع ہو گئی۔ انگریز سپہ سالاروں نے کابل اور قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اور یعقوب خان کو قید کر کے ہندوستان بھیجدیا۔ اسے پنشن ملنے لگی۔ اور وہ ڈیرہ دون میں رہنے لگا۔ لٹن نے اب افغانستان کے کئی ٹکڑے کرنا چاہا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کر سکے اسے انگلینڈ واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ پر رپن گورنر جنرل مقرر ہوا۔ رپن نے افغانستان سے فوج ہٹا لینا ہی مناسب سمجھا۔ اس لئے اس نے عبدالرحمٰن سے صلح کر لی اور اسے امیر بنا دیا۔ اس نے گنڈمک کے معاہدے کی شرائط منظور کر لیں۔ شیر علی کے لڑکے ایوب خاں نے اس کے خلاف بغاوت کی اس کو دبا دیا گیا۔ اور ۱۸۸۱ء میں انگریزی فوج واپس آ گئی۔

عبدالرحمٰن کی حکومت

ان لڑائیوں کی وجہ سے افغانستان میں روسیوں کا اقتدار بڑھنے کا خوف نہیں رہا۔ برٹش بلوچستان پر سرکار ہند کا قبضہ ہو گیا۔ اور کوئٹہ و بولن کا درہ بھی اس کے قبضہ میں آ گیا

عبدالرحمٰن بڑا قابل حکمران تھا۔ اس نے ۱۹۰۱ء تک حکومت کی۔ اس عہد میں اس نے روسیوں کو دور رکھا۔ اور انگریزوں کا بھی اقتدار بڑھنے نہیں دیا۔

N. W. FRONTIER
KHORASAN
AFGHANISTAN
Panjdeh
Balkh
Herat
Kabul
Jalalabad
Peshawar
Kurram
Khyber
Ghazni
Bala Hisar
R. Helmund
Kandhar
Pishin
Quetta
Bolan Pass
Sibi
BALUCHISTAN
R. Indus
KASHMIR
R. Jhelum
R. Chenab
PUNJAB
R. Ravi
Lahore
R. Sutlej
Ambala
Dehradun
Delhi

اس کے عہد میں ۱۸۸۵ء میں روسیوں نے پنجدہ پر قبضہ کر لیا۔ اسوقت عبدالرحمن نے بڑے استقلال سے کام لیا۔ دس سال کی خط و کتابت کے بعد اس نے سرحد کا جھگڑا طے کیا اور دریائے آکسس سلطنت روس اور افغانستان کی درمیانی سرحد مان لی گئی۔

لارڈ کرزن عبدالرحمن کی وفات کے بعد حبیب اللہ امیر ہوا اس نے بھی پرانی شرطیں منظور کر لیں لیکن یہ شک کیا جاتا تھا کہ وہ انگریزوں کا دوست نہیں ہے اسلئے کرزن نے شمال مغربی خطہ کا ایک نیا صوبہ بنایا اور سرحد کی حفاظت کا خاص انتظام کیا۔

حبیب اللہ نے افغانستان میں اصلاحیں کرنا چاہیں۔ اسلئے ۱۹۱۹ء میں وہ

امان اللہ ہلاک کر دیا گیا۔ اسکے بعد امان اللہ امیر ہوا۔ اس نے جرمنی کے اثر میں آکر جنگ عظیم کے وقت ہندوستان پر حملہ کیا۔ لڑائی کے بعد اس سے صلح ہو گئی اب افغانستان کی بیرونی حکمت عملی پر انگریزوں کا کوئی اختیار نہ رہا۔ افغان سفیر لندن میں رہنے لگا۔ سرکار ہند نے اسے سالانہ امداد دینا بند کر دیا۔ لیکن ہندوستانی بندرگاہوں میں ہو کر بغیر جنگی دیئے سامان منگانے کی اجازت دیدی گئی اس معاہدہ کے بعد افغانستان میں بہت کچھ گڑبڑ ہونے پر بھی سرکار ہند ہمیشہ علیحدہ ہی رہی ہے اب وہاں امان اللہ کے سپہ سالار نادر خاں کا لڑکا ظاہر شاہ حکومت کر رہا ہے۔ اور امان اللہ ۱۹۲۹ء سے جلاوطن ہو کر ایام گزاری کر رہے ہیں۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پاکستان حکومت قائم ہو گئی ہے صوبہ سرحدی کے پٹھان آزاد پٹھانستان بنانا چاہتے ہیں افغانستان گورنمنٹ نے بھی انکے ساتھ ہمدردی ظاہر کی ہے ایک خبر یہ بھی ہے کہ وہاں کے کچھ لوگ شاہ امان اللہ کو بلا کر پٹھانی حکومت کا قانونی بادشاہ بنانا چاہتے ہیں اس سلسلہ پر افغان سرکار کی پالیسی بڑی ہوشیاری سے نظر رکھنی پڑیگی۔

نیپال کی لڑائی کے بعد شمالی سرحد بھی کافی محفوظ ہو گئی تھی۔ ہمالیہ کی

بھوٹان اونچائی کے سبب سے اس طرف سے حملہ ہونے کا کوئی ڈر نہ تھا۔ لیکن ریاست بھوٹان کی پالیسی اس قسم کی رہی جس کی وجہ سے لارڈ لارنس جیسے شخص کو بھی جنگ کرنی پڑی ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ لارنس ہمسایہ ریاستوں کے اندرونی معاملوں میں بہت دست اندازی کرنیکے خلاف تھا

اس کے زمانہ میں بھوٹانیوں سے لڑائی ہونے کا خاص سبب تجارت تھا۔ بھوٹانیوں نے ۱۷۷۲ء میں کوچ بہار پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اسی وقت سے انگریز بھوٹان سے تجارت بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن بھوٹانی ان کو اپنے ملک میں آنے نہیں دیتے تھے۔ آسام کے انگریزی سلطنت میں شامل ہو جانے کے بعد بھوٹان سے سرحدی صوبہ پر جھگڑے ہونے لگے۔ لارنس نے ان جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے ایک سفیر بھیجا اس کا نام ایڈن تھا۔ بھوٹانیوں نے اسے جان کا ڈر دکھا کر اس سے ایسا معاہدہ منظور کرا لیا، جو برطانیہ کی شان کے خلاف تھا۔ اس پر ۱۸۶۵ء میں لڑائی چھڑ گئی۔ بھوٹانیوں نے اسی حکمت سے کام لیا جس کے ذریعہ گورکھوں نے ہیسٹنگز کی فوجوں کو پریشان کیا تھا۔ لیکن آخر کار ان کو شکست ہوئی اور انہیں صلح کرنی پڑی۔ اس صلح کی رو سے بھوٹان نے وہ اٹھارہوں درے جو بھوٹان سے آسام جاتے تھے سرکار ہند کو دے دیئے۔ اور ایک شاہی سفیر رکھنا بھی منظور کر لیا۔ سرکار ہند کی طرف سے ان کو ۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ دیا جانے لگا۔ اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے ملک سے ہو کر کسی کو ہندوستان میں نہ آنے دیں گے۔

تبت اس زمانہ میں سرکار ہند اور تبت میں بھی تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ تبت پہلے چین کے ماتحت تھا اور وہاں کا حکمران لامہ کا دلائی لاما ہوتا تھا۔ جو عموماً بچپن ہی میں مر جاتا تھا۔ اور حکومت کا کام محافظ کمیٹی کیا کرتی تھی۔ تبت اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں پہلے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن گورکھوں کی لڑائی کے بعد تبت کے لوگ کمپنی کے لوگوں کو اپنے ملک کے نزدیک آنا نقصان دہ سمجھنے لگے۔ تعلقات اتنے خراب ہو گئے کہ ۱۸۸۸ء میں تبت کی ایک فوج نے سکم پر حملہ کر دیا۔ سرکار ہند نے فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور چین کی سرکار کی مدد سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کی ناکام کوشش کی جس وقت کرزن وائسرائے ہو کر آیا (۱۸۹۹ء - ۱۹۰۵ء)، اس وقت دلائی لاما بالغ تھا اور بہت

اس کے روسی بودھ معلم کا بہت اثر تھا۔ وہ اکثر اپنے ملک کو جایا کرتا تھا اس پر کرزن کو سیاسی سازش کا شک ہوا۔ اور اس نے ۱۹۰۳ء میں تبت پر حملہ کر دیا۔ ینگ ہسبینڈ کی فوج لاسہ تک پہونچ گئی۔ اور بعد میں تبت سے صلح ہو گئی۔ چین اور روس نے بھی تبت کے معاملے میں دلچسپی دکھائی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ نے تبت کی اندرونی حکومت اور اس کی آزادی میں دست اندازی نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ آہستہ آہستہ تبت سے کچھ تجارت ہونے لگی۔ اور آجکل سرکار ہند اور تبت میں دوستانہ تعلقات ہیں۔

فارس جس طرح سرکار ہند کو روس کا اقتدار بڑھنے کے ڈر سے تبت اور افغانستان میں دست اندازی کرنے کی خواہش رہی ہے اسی طرح خلیج فارس کا ہندوستانی سلطنت اور تجارت میں کافی اہمیت ہونے کی وجہ سے اس نے فارس کو بھی اپنے حریفوں کے ہاتھ میں جانے سے روکا ہے۔ لارڈ منٹو نے پہلے پہل نیپولین کے ڈر سے فارس سے صلح کرنا چاہا تھا اور کچھ دقتوں کے بعد اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن فارس کا تعلق سرکار برطانیہ سے ہی رہا۔ برطانیہ ہندوستان کی حالت کا خیال رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کو اپنا سفیر انتخاب کرتی تھی جن کو سرکار ہند بھی پسند کرے۔ لارڈ کرزن کے وقت تک کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔ اس وقت فرانس، روس اور جرمنی فارس میں اپنا اقتدار بڑھانا چاہتے تھے۔ کرزن کی حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فارس پران کا اثر نہ جم سکا۔ جنگ عظیم کے وقت فارس کی ہمدردی انگلینڈ کے ساتھ نہ تھی اور اس کے بعد فارس نے آزادانہ بیرونی حکمت عملی پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں انگریز اور روسی فوجوں نے فارس پر قبضہ کر لیا تھا اور اس وقت وہاں روس کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔

دیگر ممالک عموماً سرکار ہند کی بیرونی حکمت عملی وہی رہتی ہے جو انگلینڈ کے غیر ملکی محکمہ کے ذریعہ منظور کی گئی ہو۔ لیکن گذشتہ بیس سالوں سے

کم اہمیت کے معاملوں میں پہلے کے مقابلہ میں کچھ زیادہ آزادی ملنے لگی ہے۔ سرکار ہند نے بین الاقوامی اداروں میں ہمیشہ حصہ لیا ہے اور اس کے ممبروں نے کبھی کبھی آزادانہ کی بھی پیروی کی ہے۔ تجارتی سہولتوں اور تہذیبی تعلقوں کو منظور کرنے کے لئے سرکار ہند نے ایک بین الاقوامی محکمۂ تحقیق جسے انگریزی میں انٹرنیشنل ریسرچ بیورو کہتے ہیں کھولا ہے اس کے ایجنٹ اور سفیر مختلف ممالک میں رہتے ہیں۔ اس نے چین۔ امریکہ، لنکا و سلطنت برطانیہ کے دیگر حصوں میں زیادہ گہرے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ آزاد ہونے پر ہندوستان کی بیرونی حکمت عملی انہیں بنیادی ستونوں پر قائم کی جائے گی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ہمارے ملک کے سفیر سبھی خاص خاص ملکوں میں بھیجے جائیں گے اور وہ وہاں ایک آزادانہ خیال سے ملکی معاملوں کی پیروی کریں گے۔

خاص تاریخیں

دوست محمد کی وفات	۱۸۶۳ء
بھوٹان کی لڑائی	۱۸۶۵ء
لارنس کے ذریعہ شیر علی کو مالی مدد	۱۸۶۸ء
انبالہ دربار	۱۸۶۹ء
افغانستان کی دوسری لڑائی	۱۸۷۸ء
انگریز سفیر کا خون	۱۸۷۹ء
لارڈ رپن کا تقرر	۱۸۸۰ء
عبدالرحمن سے صلح	۱۸۸۰ء
افغانستان کی تیسری لڑائی	۱۸۸۱ء
پنجدہ کا واقعہ	۱۸۸۵ء
تبت کا سکم پر حملہ	۱۸۸۶ء

روس و افغان حدود کی وضاحت ۱۸۹۵ء
عبدالرحمٰن کی وفات ۱۹۰۱ء
ینگ ہسبینڈ کا تبت پر حملہ ۱۹۰۳ء
امان اللہ سے نیا معاہدہ ۱۹۲۰ء
امان اللہ کا ترک حکومت کرنا ۱۹۲۹ء

مشق کے لئے سوالات

۱- لارڈ لارنس نے افغانستان میں دست اندازی نہ کرنے کی پالیسی پر کیوں عمل کیا؟
۲- اس پالیسی سے کیا فائدہ ہوا؟ کیا اس سے کوئی نقصان بھی ہوا؟
۳- لارڈ میو اور لارڈ نارتھ بُرک کے تعلقات شیر علی کے ساتھ کیسے رہے؟
۴- لارڈ لٹن اور شیر علی میں سمجھوتہ کیوں نہیں ہوا؟
۵- افغانوں سے دوسری لڑائی کیوں ہوئی؟
۶- اس لڑائی سے سرکار ہند کو کیا فائدہ ہوا؟
۷- افغانوں سے تیسری لڑائی کیوں ہوئی؟ اس کا خاتمہ کس طرح ہوا؟
۸- لارڈ رپن سے لیکر آج تک افغانستان اور سرکار ہند کے تعلقات مختصر طور پر لکھو۔
۹- بھوٹان سے جنگ کیوں ہوئی؟ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوا؟
۱۰- سرکار ہند اور فارس کے تعلقات بیان کرو۔
۱۱- کرزن نے تبت پر حملہ کیوں کیا؟ اس کا کیا نتیجہ ہوا؟
۱۲- انٹرنیشنل ریسرچ بیورو کا کیا کام ہے؟

ستائیسواں باب

آئینِ حکومت کی تاریخ اور صوبائی سوراج

سنہ ۱۸۵۸ء میں ملکہ معظمہ کے اعلان کے مطابق آئینِ حکومت میں کئی تبدیلیاں

ملکہ معظمہ کا اعلان سنہ ۱۸۵۸ء

ہوئیں کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہندوستان کی عنانِ حکومت کمپنی کے بجائے شہنشاہ انگلستان اور اس کی کونسل نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ پارلیامنٹ ہی اب ہندوستان کی حقیقی حکمران بن گئی۔ بورڈ آف کنٹرول اور انتظامیہ کمپنی دونوں کا ہی خاتمہ کر دیا گیا۔ ان کی جگہ پر ایک وزیرِ ہند مقرر کیا گیا جو اپنے سب کاموں کے لئے پارلیامنٹ کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ بنایا گیا۔ اس کی مدد کے لیے ایک انڈیا کونسل بنائی گئی۔ جس میں ۱۵ ممبر ہوتے تھے۔ اس میں سے کم از کم نصف ایسے ہوتے تھے جنہیں ہندوستان کا ذاتی تجربہ ہو۔ وزیرِ ہند، ہندوستان کی سرکار کے مہتمم اور نگران ہو گئے۔ اور ان کے حکم کے خلاف گورنر کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ دیسی راجاؤں کا تعلق اب کمپنی کے بجائے انگلینڈ کے حکمران سے ہو گیا۔

سنہ ۱۸۵۸ء کے بعد ہندوستانیوں کو اپنے ملک کی حکومت میں زیادہ سے

انڈین کونسل ایکٹ سنہ ۱۸۶۱ء

زیادہ حصہ لینے کا موقع دیا گیا۔ اور سنہ ۱۹۳۷ء کے ایکٹ کے ذریعہ انہیں ملکی سوراج کے اختیارات دیئے گئے۔ پہلا انڈین کونسل ایکٹ سنہ ۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ کے زمانہ میں پاس ہوا۔ اس کی رُو سے ایک مرکزی مجلسِ آئین کی بنیاد پڑی۔ قانون بنانے کے لئے گورنر جنرل کو اپنی کارکن کمیٹی کے ارکین

کے علاوہ کم سے کم چھ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ آدمی نامزد کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان میں کم از کم نصف غیر سرکاری آدمیوں کا ہونا لازمی کر دیا گیا۔ اور ان کے کام کرنے کا زمانہ دو سال مقرر کیا گیا۔ اس طرح ملک بھر کے لئے قانون بنانے میں کچھ غیر سرکاری لوگوں کو مدد دینے کا موقع مل گیا۔ مرکزی مجلس آئین کی طرح بمبئی مدراس اور بنگال کے لئے بھی مجلس آئین قائم کی گئیں۔ اسی طرح کی آئینی مجلسیں صوبۂ متحدہ اور پنجاب کے لئے بھی بنانے کا حکم ہوا۔ حالانکہ وہ بہت دنوں بعد بنیں۔ اسی سال ایک دوسرا ایکٹ بنا جس کی رُو سے سپریم کورٹ اور صدر عدالتیں توڑ دی گئیں اور ہائیکورٹ قائم کئے گئے۔ پہلے بمبئی کلکتہ اور مدراس میں ایسے کورٹ بنے۔ بعد میں اور ہائی کورٹ بھی بنے جن کے اختیارات اور تنظیم میں ۱۹۱۱ء اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹوں میں کچھ تبدیلی ہوگئی۔

لارڈ ڈفرن کے عہد میں ۱۸۸۷ء میں موجودہ صوبۂ متحدہ میں ایک صوبائی

انڈین کونسلس ایکٹ ۱۸۹۲ء

مجلس آئین قائم کی گئی۔ لینس ڈاون کے زمانہ میں دوسرا انڈین کونسل ایکٹ بنا۔ (۱۸۹۲ء) اس کی رُو سے مرکزی مجلس آئین کے نامزد کئے ہوئے ممبروں کی تعداد کم از کم ۱۰ اور زیادہ سے زیادہ ۱۶ کردی گئی نامزد کئے ہوئے لوگوں میں کچھ کا انتخاب عوام الناس کے اداروں کے ذریعہ ہوتا تھا اور منتخب شدہ شخص کو ہی گورنر جنرل نامزد کر دیتے تھے۔ اس طرح پوشیدہ رائے دہندگی کا قاعدہ شروع ہوا۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی کہ اس مجلس آئین کے اختیارات بڑھا دیئے گئے۔ اس کے ممبر سرکار کی پالیسی پر اعتراض کر سکتے تھے اور سوالات دریافت کر سکتے تھے۔ ان کو اقتصادی اختیارات بھی حاصل ہو گئے صوبجاتی آئین ساز مجلسوں میں نامزد کئے ہوئے ممبروں کی تعداد ۲۰ تک کردی گئی۔ اس طرح وہ زیادہ رائے عامہ کی نمائندگی حاصل کرنے کے لائق بننے لگیں۔

مارلے منٹو اصلاحیں ۱۹۰۹ء

لارڈ ڈفرن کے زمانہ میں ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تھی۔ اس کی سالانہ بیٹھک میں ۱۸۹۲ء کے ایکٹ پر بہت بے اطمینانی اور ناراضگی ظاہر کی گئی۔ اور زیادہ اختیارات کے لئے مانگ پیش کی گئی۔ کچھ دنوں تک کانگریس کی تحریک کا کوئی خاص اثر نہ پڑا۔ لیکن ۱۹۰۷ء سے اس کے لیڈروں کی عزت ملک میں بڑھنے لگی۔ اس لئے سرکار نے بھی ان کے مطالبوں پر زیادہ توجہ کی اسلئے ۱۹۰۹ء میں ایک نیا اصلاحی قانون پاس ہوا۔ اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل منٹو تھے اور وزیر ہند مارلے تھے۔ اس لئے اسے مارلے منٹو فارم کہتے ہیں۔ اس قانون کے مطابق مرکزی آئینی مجلس کے اراکین کی تعداد ۶۰ کر دی گئی ان میں سے ۳۳ نامزد کئے جاتے تھے اور ۲۷ رعایا کے منتخب کئے ہوئے ہوتے تھے۔ براہ راست انتخاب کرانے کا یہ پہلا موقع تھا لیکن فرقہ دارانہ طریقہ انتخاب سے ملک کو بڑا نقصان ہوا۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ بنی تھی۔ اس کے اراکین نے علیحدہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ کرزن کے زمانہ سے ہی سرکار مسلمانوں کو زیادہ سہولتیں دینے لگی تھی۔ اسلئے منٹو نے لیگ کا مطالبہ منظور کر لیا۔ ۱۹۰۹ء کی اصلاح کے مطابق فرقہ دارانہ طریقہ انتخاب صوبوں اور مقامی سوراج کے اداروں میں بھی جاری ہو گیا۔ صوبہ متحدہ کی آئینی مجلس کے ممبروں کی تعداد ۵۰ کر دی گئی اور اس میں منتخب شدہ لوگوں کا اوسط بڑھا دیا گیا۔ سب ہی آئینی مجلسوں کے اختیارات بھی بڑھا دیئے گئے۔ ان کو تجویز پاس کرنے، سرکار کی پالیسی کی تنقید کرنے اور ایک سوال کے جواب سے مطمئن نہ ہونے پر تکمیلی سوال دریافت کرنے کے اختیارات مل گئے۔ باوجود ان تمام حقوق کے رعایا کو ابھی اپنے ملک کی حکومت میں بہت کم اختیار تھا۔

منٹو مارلے اصلاحوں سے اس وقت کے تعلیم یافتہ لوگ مطمئن نہیں ہوئے کانگریس کی تحریک روز بروز زور پکڑتی گئی۔ اسی دوران میں یورپ میں جنگ

عظیم چھڑ گئی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جو خوفناک لڑائی ہوئی اس میں ہندوستانیوں

مانٹے گیو چیمسفورڈ اصلاح ۱۹۱۹ء

نے سرکار کی بڑی خدمت کی۔ کانگریسی لیڈروں نے بھی اپنی تحریک بند کرکے سرکار کی مدد کی۔ اور بلا کسی شورش کے پرامن طور پر زیادہ سہولتوں کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۱۶ء میں کانگریس لیگ سمجھوتہ ہو جانے سے قومی مطالبہ کا اثر اور بھی بڑھ گیا۔ ۱۹۱۷ء سرکار کی حالت بہت ہی خراب تھی اس وقت زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے کے لئے وزیر ہند مسٹر مونٹے گیو نے ایک اعلان کیا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں برٹش حکومت کا مقصد ذمہ دارانہ حکومت قائم کرنا ہے اس کے بعد وہ خود ہندوستان آئے اور اس وقت کے گورنر جنرل چیمسفورڈ کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کرکے اور خاص خاص لوگوں سے ملاقات کرکے انہوں نے ہندوستانی حکومت کا خاکہ تیار کیا۔ اس کے مطابق انگلینڈ کی پارلیامنٹ نے ۱۹۱۹ء میں ایک اصلاحی قانون پاس کیا۔ اسے مانٹے گیو چیمسفورڈ اصلاح کہتے ہیں۔

اس اصلاحی قانون کے مطابق مرکزی انتظامیہ کمیٹی میں دو حصے کر دیئے گئے ایک کا نام تھا کونسل آف اسٹیٹ اور دوسری کا لیجسلیٹو اسمبلی۔ کونسل آف اسٹیٹ میں ۳۳ منتخب اور ۲۷ نامزد کئے ہوئے لوگ رکھے گئے۔ اس کے ووٹر بہت مالدار یا زیادہ تعلیم یافتہ لوگ ہی ہو سکتے تھے۔ اسمبلی میں ۱۴۵ ممبر رکھے گئے۔ ان میں سے ۱۰۴ منتخب اور ۴۱ نامزد کئے ہوئے رکھے گئے۔ اسمبلی کو رائے دینے والوں (ووٹروں) کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ لیکن کونسل آف اسٹیٹ کے مقابلہ میں اس کے رائے دینے والوں کی تعداد کافی کم تھی۔ جداگانہ انتخاب اب بھی قائم رہا۔ گورنر جنرل کو ان مجلسوں کے متعلق وسیع اختیارات دیئے گئے اور دونوں مجلسوں کے اختیارات یکساں ہونے کی وجہ سے سرکار کی خواہش کے خلاف کوئی قانون بنا سکنا اب بھی ناممکن

تھا۔ اتنا ہوتے ہوئے بھی مرکزی سرکار میں عوام اور رائے عامہ کے نمائندوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اسی زمانہ میں صوبجاتی آئینی مجلسوں مقامی سوراج کے اداروں (لوکل سیلف گورنمنٹ بورڈس) کے اختیارات بھی بڑھائے گئے۔ صوبہ متحدہ اور دیگر صوبوں میں آئینی مجلس کا نام لیجسلیٹو کونسل تھا۔ ہمارے صوبہ (صوبہ متحدہ) کی لیجسلیٹو کونسل میں کم سے کم ۱۱۸ ممبر ہو سکتے تھے۔ لیکن ان کی تعداد ۱۲۳ رہتی تھی جن میں ۱۰۰ منتخب، ۱۷ نامزد کئے ہوئے سرکاری ممبر اور ۶ نامزد کئے ہوئے غیر سرکاری ممبر ہوتے تھے۔ اسی سال سے صوبوں میں تعلیم، مقامی سوراج، زراعت وغیرہ محکموں کا انتظام وزیروں کے سپرد کر دیا گیا۔ اور وہ صرف اسی وقت تک وزیر رہ سکتے تھے جب تک کہ صوبائی کونسل میں کثرت رائے ان کی طرف ہو لیکن محکمہ مال، پولیس جیل، امن قائم کرنا۔ عدل وانصاف وغیرہ کام ایسے ہی ممبروں کے ہاتھ میں رہے جو اپنے کاموں کے لئے صرف گورنر کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ تھے اس طریقہ کی حکومت کو دوراہہ طریقۂ حکومت کہتے ہیں۔ سرکار کا مقصد یہ تھا کہ صوبوں میں کچھ محکموں کا انتظام رعایا کے نمائندوں کو دے کر دیکھ لیا جائے کہ ہندوستانی کس حد تک خود حکومت کرنے کے لائق ہو چکے ہیں۔

وزیر ہند اور ان کی کونسل میں بھی کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ ابھی تک ان دونوں وانڈیا آفس کے کلرکوں وغیرہ کی تنخواہ اور دیگر اخراجات سرکار ہند کو دینے پڑتے تھے۔ اب اس کا کچھ حصہ انگلینڈ کی سرکار بھی دینے لگی۔ کونسل کے ممبروں کی تعداد ۸ سے ۱۲ تک مقرر کی گئی۔ اور ان میں سے ۳ شخص ہندوستانی ہونے لگے۔ وزیر ہند کو حکم دیا گیا کہ وہ ان معاملات پر سے جو کہ صوبوں میں وزیروں کے ہاتھ میں دیئے گئے ہیں پابندی و نگرانی کم کر دے۔ اور اگر کسی معاملہ میں سرکار ہند کی کارکن کمیٹی اور آئینی مجلس کی رائے ایک ہو تو جہاں تک ممکن ہو ردّ و بدل نہ کریں اس طرح سرکار ہند کو کچھ زیادہ آزادی دی گئی

گورنر جنرل اور گورنروں کی کارکن کمیٹیوں میں ہندوستانیوں کو زیادہ جگہیں

ملنے لگیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء کے اصلاحی قانون کی رُو سے مرکزی مجلس کا ایک ممبر ہندوستانی ہوتا تھا۔ اب گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کو شامل کر کے اس کے ۸ ممبروں میں سے ۳ ہندوستانی ہونے لگے۔ اسی وقت سے مرکزی سرکار کا کام ۸ محکموں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور ہر ممبران میں سے کسی ایک کا صدر مقرر کیا گیا۔

اس طرح اس اصلاحی قانون نے ہندوستانیوں کو ذمہ دارانہ حکومت کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔ لیکن ہندوستانی اس ترقی سے مطمئن نہ ہوئے۔ ہر سیاسی پارٹی نے کہا کہ یہ اصلاحیں ناکافی ہیں۔ اور برٹش سرکار ہندوستانیوں کی خواہشات کی تذلیل کر رہی ہے۔ بال گنگادھر تلک، مہاتما گاندھی۔ لالہ لاجپت رائے وغیرہ کانگرسی لیڈروں نے اصلاحوں کا بائیکاٹ کیا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے جو کچھ ملا تھا اُسے منظور کر کے اور مطالبے کرنے کا رویہ اختیار کیا۔ کانگرس کا اثر بڑھتے جانے کی وجہ سے صوبوں کے وزیروں کی عزت بہت کم ہوئی۔ ان میں اور کارکن کمیٹی کے ممبروں میں معقول تعاون نہ ہو سکا۔ دوراہی طرزِ حکومت کی خرابیاں صاف دکھائی دینے لگیں۔ اس لئے پھر کچھ اصلاحوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ برٹش پارلیامنٹ نے سر جان سائمن کی صدارت میں سات انگریزوں کا ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس نے سنہ ۱۹۲۷ء۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور مختلف پارٹیوں کے لوگوں سے ملاقات کر کے ایک رپورٹ تیار کی۔ اس کمیشن میں ایک بھی ہندوستانی نہ ہونے کی وجہ سے یہ بہت بدنام ہو گیا۔ زیادہ تر پارٹیوں نے اس سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی رپورٹ کی بہت بُرائی کی گئی۔

اس کی ترمیم کے لئے ہندوستانیوں اور انگریزوں کی تین گول میز کانفرنسیں لندن میں ہوئیں۔ ان میں سے ایک میں کانگرس کی طرف سے مہاتما گاندھی بھی شامل ہوئے۔ ان کانفرنسوں نے سائمن کمیشن رپورٹ کو اور بھی محدود اور مجوب کر دیا۔ اس کے بعد کئی اور سیڑھیاں پار کر کے سنہ ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء پاس ہوا۔ اور ہر سیڑھی پار کرنے کے بعد یہ محدود سے محدود تر ہی ہوتا گیا۔

حالانکہ ہندوستان کے ہر گروہ نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی برائی کی ہے۔ پھر بھی

۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ

اس کی رُو سے ہندوستانیوں کو پہلے کی بہ نسبت کئی نئے اختیارات ملے۔ اور آئین حکومت میں کئی اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ اس میں کچھ باتیں بالکل ہی نئی ہیں۔ اب دیسی ریاستوں اور برٹش صوبوں کو ملا کر کل ہندوستان کی متحدہ حکومت کی تجویز بنائی گئی ہے جب یہ تجویز عمل میں آئیگی اس وقت کل ملک ایک ہی حکومت میں آجائیگا دوسری اہم تبدیلی صوبجاتی سوراج کا قائم ہونا ہے۔ اس ایکٹ کے مطابق صوبوں کا تقریباً کل کام وزیروں کو دے دیا گیا ہے۔ اور وہ رعایا کے ذریعہ انتخاب کی ہوئی آئینی مجلسوں کے سامنے جواب دہ اور ذمہ دار بنا دیئے گئے۔ تیسری خصوصیت ہے مرکزی سرکار میں دو راہہ طریقہ حکومت کی تجویز۔ پہلے کی صوبجاتی حکومتوں کی طرح کچھ مرکزی محکمے وزیروں کو دیدیئے جائیں گے اور کچھ گورنر جنرل کے مشیروں کے ہاتھ میں رہیں گے۔ ابھی تک کل ہندوستان کے لئے کوئی سب سے اونچی ہندوستانی عدالت نہ تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اور کچھ دیگر ضرورتوں کے لئے ایک فیڈرل کورٹ (وفاقی عدالت) قائم کی گئی ہے۔ برٹش پارلیامنٹ کا اقتدار کچھ کم کر دیا گیا ہے۔ انڈیا کونسل بہت دنوں سے بدنام تھی۔ اس کو ہٹا کر ایک مشیروں کی کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔ وزیر ہند اپنی خواہش کے مطابق جب چاہیں اس سے مشورہ کر سکتے ہیں۔ لیکن نہ مشورہ کرنا ضروری ہے اور نہ ان کی رائے کا منظور کرنا۔ اس قانون کا صوبجاتی حصہ عمل میں آچکا ہے لیکن متحدہ حصہ ابھی تک صرف تجویز ہی ہے۔

ایکٹ کی رُو سے سندھ اور اڑیسہ کے دو نئے صوبے بنا دیئے گئے اور برما کا صوبہ ہندوستان کی سرکار سے علیحدہ کر دیا گیا۔

اس ایکٹ میں کئی اچھی باتیں ہوتے ہوئے بھی رعایا نے اسے قبول نہ کیا اسکے کئی سبب ہیں۔ اس میں گورنر جنرل اور گورنروں کو بہت سے خاص اختیارات

کرپس کی تجویز اور شملہ کانفرنس

دیئے گئے ہیں جن کو استعمال کرکے وہ ہندوستانی حکومت کی کل طاقت اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں یا اس میں برابر دخل اندازی کرسکتے ہیں متحدہ حکومت قائم کرنے کے لئے دیسی ریاستوں کی رضامندی ضروری ہے اور جب تک وہ حاصل نہ ہو، تب تک مرکزی حکومت کی شکل و صورت پہلے جیسی ہی رہے گی۔ تیسرے متحدہ حکومت قائم بھی ہو تو اس میں دقیانوسی اور مخالف اصلاح گروہوں کی ہی اکثریت رہے گی جس کی وجہ سے زیادہ حقیقی ذمہ داری ہونا ناممکن ہے۔ یہ سب خرابیاں اس ایکٹ کی خوبیوں کو ماند کردیتی ہیں لیکن کانگریس اور دیگر ترقی پسند لوگوں کی بے اطمینانی کا سبب یہ ہے کہ اس ایکٹ نے ہندوستان کی آزادی کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے جب ۱۹۳۷ء میں صوبجاتی آئینی مجلسوں کے انتخابات ہوئے، تو کانگریس نے بھی ان میں حصہ لیا۔ اور آگے چل کر ۸ صوبوں میں کانگریسی وزارت قائم ہوگئی۔ جنہوں نے عوام کی حالت سنبھالنے کے لئے اپنے محدود اختیارات کا پورا فائدہ اٹھایا۔ یہ کام جاری ہی تھا کہ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ سرکار نے صوبجاتی سرکاروں سے بغیر دریافت کئے ہی جنگ کا اعلان کردیا۔ اس لئے کانگریسی وزارتوں نے استعفے دیدیئے۔ اور گورنر اپنے خاص اختیارات کی رو سے حکومت کرنے لگے۔

لڑائی کی رفتار نے برٹش سرکار کو ترغیب دی۔ کہ وہ ہندوستانیوں کو مطمئن کریں اس لئے مارچ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس کو اس عقدہ کو حل کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ اس وقت تک مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ شروع کردیا تھا۔ کرپس نے سمجھوتہ کی کوشش کی۔ اور ایک موقع پر ایسا معلوم ہوا کہ سمجھوتہ ہوگیا لیکن یکایک سرکار کا رخ بدل گیا۔ اور حالت پہلے سے بھی بدتر ہوگئی۔ انتظام جنگ کے سلسلہ میں سرکار نے کچھ ایسے کام کئے جنہیں کانگریس نے بہت نامناسب سمجھا اور اس نے ان کی مخالفت کرنا چاہا۔ گورنر جنرل لارڈ لنلتھگو نے کانگریس کے لیڈروں کو اگست

سنہ ۱۹۴۲ء میں قید کرا دیا۔ اس کے بعد ملک بھر میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔ اور زبردست شورش شروع ہو گئی۔ سرکار کی سختیوں نے شورشوں کو دبا دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد (مئی سنہ ۱۹۴۴ء) مہاتما گاندھی کو رہا کر دیا۔ نئے وائسرائے لارڈ ویول نے ہندوستانی لیڈروں سے ملنا چاہا۔ اور سیاسی جمود کا خاتمہ کرنے کے لئے کچھ کوششیں کیں۔ اس عرصہ میں لڑائی ختم ہو گئی۔ اور سرکار کی پالیسی پھر بدل گئی۔ برٹن میں کچھ لوگ یہ محسوس کرنے لگے کہ وزیر ہند ایمری اور وزیر اعظم چرچل دیدہ دانستہ ہندوستانی جذبات کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مزدور پارٹی کے کچھ لوگوں نے جن میں ہیرلڈ لاسکی کا نام خاص ہے مزدور پارٹی کے ممبروں پر ہندوستان کی حالت سدھارنے کے لئے زور ڈالنا شروع کیا۔ اسی وقت برٹن میں نئے انتخابات ہوئے جن میں مزدور پارٹی کو کامیابی ہوئی۔ جون سنہ ۱۹۴۵ء میں سرکار کی طرف سے وائسرائے نے ایک نیا اعلان کیا۔ اور کانگریس کی کارکن کمیٹی کے ممبر رہا کر دیئے گئے۔ شملہ میں ایک نئی کل جماعتی جلسہ ہوا جس میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں صوبجاتی آئینی مجلسوں کے انتخابات کے بعد کئی سیاسی تبدیلیاں ہوئیں۔ کانگریس نے اگست سنہ ۱۹۴۲ء "ہندوستان چھوڑ دو" والے مسودہ کی بناء پر چناؤ میں حصہ لیا اور لیگ نے پاکستان کی بنا پر۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے لیگ کی مخالفت نہیں کی تھی۔ لیکن اس مرتبہ عموماً ہر صوبہ میں نیشنلسٹ مسلم جماعت متحد کی گئی جس نے کانگریس کے ساتھ ملکر چناؤ میں حصہ لیا۔ اور ہندوستان کے بٹوارے کے مسئلہ کی مخالفت کی۔ اس چناؤ میں کانگریس کو غیر مسلم حلقوں میں سنہ ۱۹۳۷ء سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اکثر ان کے مخالفین نہ صرف ناکامیاب رہے بلکہ ان کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔ لیگ کو بھی پہلے کے مقابلہ زیادہ کامیابی ہوئی اور بجز نیشنلسٹ مسلمانوں کے باقی سب مسلم جماعتیں انتخاب میں ناکامیاب رہیں۔ انتخابوں کی بنا پر محض بنگال میں لیگ کو مطلق اکثریت حاصل ہوئی۔ اور وہاں وزارت قائم ہو گئی ہے۔ جن صوبوں کو پاکستانی حلقے میں رکھنے کیلئے مانگ پیش کی گئی تھی۔

ان میں سے آسام اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں کانگریس کو مطلق اکثریت حاصل ہوئی ہے اور اس طرح ان صوبوں کے باشندوں نے پاکستان کی مخالفت کی۔ پنجاب میں کانگریس یونینسٹ اکالی جماعتوں نے مشترکہ وزارت قائم کی اور سندھ میں کانگریس وسید پارٹی کی اکثریت کے باوجود لیگی وزارت قائم ہے۔ باقی سب ہی صوبوں میں پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم کانگریسی وزارتیں قائم ہو گئی ہیں۔ ان چناؤ میں تین باتیں عیاں ہیں (۱) کانگریس کا اثر پہلے سے کہیں زیادہ ہے اور مسلمانوں میں بھی اس کی حکمت عملی دن بدن زیادہ پسند کی جا رہی ہے (۲) مسلمانوں میں لیگ کا اثر پہلے سے زیادہ ہے اور (۳) آسام اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے باشندے پاکستان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

کیبنٹ مشن

برطانیہ کی مزدور سرکار نے ہندوستانی مسئلہ کو حل کرنے کیلئے پھر کوشش شروع کی۔ پندرہ مارچ ۱۹۴۶ء کو وزیر اعظم نے تین وزراء کے مشن کو ہندوستان بھیجنے کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اس مرتبہ ہندوستانی مسئلہ ضرور حل کیا جائیگا۔ مشن مارچ کے آخر میں ہندوستان آ گیا اور اس نے مختلف پارٹیوں اور لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک اعلان شائع کیا جس کے مطابق صوبوں کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے اور ان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ تمام ہند کی یونین سرکار اور صوبوں کی حکومتوں کے درمیان کوئی فیڈرل حکومت رہے گی یا نہیں۔

درمیانی حکومت اور آزاد ہندوستان گورنمنٹ

کیبنٹ مشن کی تجاویز کو مسلم لیگ نے منظور کیا اور کانگریس نے ان کے کچھ حصوں کو نامنظور کیا۔ مگر کچھ وقت کے بعد ہی ۱۹۴۶ء میں کانگریس کی مدد سے ہندوستان میں درمیانی حکومت قائم ہو گئی۔ لیگ نے بلاک، دنگے و فساد شروع کئے۔ کلکتہ، بمبئی، دہلی اور کلکتہ اور دیگر مقاموں میں کچھ ہندو مسلمانوں کے دنگے ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد نواکھلی و تیرا میں بھیانک دنگا ہوا۔ ادھر لیگ

نے بھی درمیانی حکومت میں شامل ہونا منظور کر لیا۔ اس کے شامل ہونے سے لیگ اور کانگریس میں تناتنی بڑھ گئی۔ عوام کے دلوں میں دشمنی کے خیالات پیدا ہونے لگے اور بہار و ممالک متحدہ میں بھی باہمی فسادات ہوئے۔ جن میں بہت سے بے گناہوں کی جانیں گئیں۔ مگر سرکار کی کوشش و ہوشیاری سے جلد ہی دنگے دبا دیئے گئے۔

ان جھگڑوں کے درمیان ہی میں نئی طرز حکومت کے قائم کرنے کا مسئلہ بھی جاری تھا۔ مجلس قانون کے ممبران کا چناؤ بھی ہو گیا۔ لیگ اور کانگریس نے مشن کے فیصلوں کا مختلف مطلب سمجھا۔ آخر دونوں پارٹی کے لیڈران انگلینڈ گئے۔ وہاں برٹش کیبی نیٹ نے لیگ کی طرفداری کی۔ اور ویسا ہی فیصلہ دیا۔ لارڈ داویل سے لوگ بدظن ہونے لگے۔ اور ان کی جگہ پر لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن وائسرائے مقرر کئے گئے۔ برٹن کے وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ۱۶ رجون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو پورے طور پر آزاد کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ملی جلی سرکار نہ بنی۔ تو وہ صوبوں کی سرکاروں کو ہی اختیارات سپرد کر دیں گے۔ اس وجہ سے پنجاب۔ آسام اور سرحدی صوبہ میں لیگ کی طرف سے دنگے و فسادات بڑھتے گئے۔ اور دن بدن ملک کی حالت ابتر ہوتی گئی۔ نئے وائسرائے نے ۳ رجون ۱۹۴۷ء کو ایک نیا اعلان کیا۔ جس کو برٹش سرکار اور لیگ و کانگریس کے لیڈران نے پہلے سے ہی منظور کر لیا تھا۔ اس اعلان کے مطابق ہندوستان کو تقسیم کرنے اور تقسیم شدہ حصوں میں نئی طرز حکومت قائم ہونے کے وقت تک کے لئے ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء سے آزاد گورنمنٹ کے اختیارات دیئے جانے کا وعدہ کیا گیا۔ کچھ مسئلوں پر رعایا کی ووٹ لی گئی۔ برٹش پارلیمنٹ نے ایک نیا قانون بنایا۔ اور ۱۵ راگست

۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو آزاد حکومتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سرحدی صوبہ، بلوچستان، مغربی پنجاب، سندھ۔ اور مشرقی بنگال اور کچھ پڑوسی ریاستیں پاکستان کی گورنمنٹ کے زیر حکومت ہو گئیں۔ بقیہ ہندوستان انڈین یونین کے ماتحت ہے۔ گو کہ کچھ دیسی ریاستوں نے یونین میں شامل ہونے کا ابھی تک کوئی پورا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ ۱۵ اگست کے بعد سے مغربی پاکستان اور مشرقی پنجاب میں ہندو سکھ اور مسلمانوں کے درمیان آپس کی دشمنی بہت تیزی سے بڑھنے لگی۔ اور حالت اتنی خطرناک ظاہر ہونے لگی کہ بہت سے لوگوں کو اس بات کا شک ہو رہا ہے کہ آیا دونوں نئی حکومتیں اپنی رعایا کی جان و مال کی پورے طور پر حفاظت کرنے میں واقعی کامیاب ہو سکیں گی یا نہیں۔ اس طرح ملک ابھی تک ان جھگڑوں سے آزاد نہیں ہے۔ گو کہ ملک کو ہر طرح آزادی مل گئی ہے۔ لیکن امن و امان کا خیال ابھی دور کی چیز معلوم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ دونوں حکومتوں کی متفق تدبیروں اور کوشش سے یہ مشکلات بھی حل ہو جائیں گی۔ اور ہندوستان جلد ہی ترقی اور خوشحالی کے راستے پر آگے بڑھے گا۔

خاص تاریخیں

کمپنی کا خاتمہ	۱۸۵۸ء
پہلا کونسل ایکٹ	۱۸۶۱ء
دوسرا کونسل ایکٹ	۱۸۹۲ء
مارلے منٹو اصلاحیں	۱۹۰۹ء
مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاح	۱۹۱۹ء

سائمن کمیشن کی تقرری	۱۹۲۷ء
سائمن رپورٹ	۱۹۳۰ء
گول میز کانفرنس	۱۹۳۰ء۔ ۱۹۳۲ء
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ	۱۹۳۵ء
صوبجاتی سوراج کا قائم ہونا	۱۹۳۷ء
سیاسی جمود کی ابتداء	۱۹۳۹ء
کرپس کی تجویز اور اگست کی تحریک	۱۹۴۲ء
شملہ کانفرنس	۱۹۴۵ء
کیبی نیٹ مشن اور درمیانی سرکار	۱۹۴۶ء
آزاد ملکی گورنمنٹ کا قائم ہونا۔	۱۹۴۷ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ سنہ ۱۸۶۱ء اور سنہ ۱۸۹۲ء کے قانونوں کی رو سے مرکزی انتظامیہ کمیٹی کی ترقی میں کیا تبدیلیاں ہوئیں؟

۲۔ بیسویں صدی میں مرکزی انتظامیہ کمیٹی کی مسلسل ترقی بتاؤ؟ کیا سبب ہے، کہ انتظامیہ کمیٹی عوام کے نمائندوں کی خواہش کے مطابق عمل نہیں کرتی؟

۳۔ وزیر ہند کے عہدہ کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی؟ سنہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹوں نے اس کے اختیارات میں کیا تبدیلیاں کی ہیں؟

۴۔ صوبجاتی سوراج کا کیا مطلب ہے؟ سنہ ۱۹۱۹ء اور سنہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹوں کی رو سے صوبوں کی حکومت میں کیا تبدیلیاں کی گئیں؟

۵۔ عوام نے سنہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو قبول کیوں نہیں کیا؟ اس کی خرابیوں کو دور

کرنے کے لئے ابھی تک کیا گیا ہے؟
۶۔ انگلینڈ کی مزدور سرکار نے ہندوستانی مسئلہ کو حل کرنے کیلئے کیا کوششیں کیں؟

اڑتیسواں باب

محکمہ انصاف، پولیس اور سول سروس

انصاف طرز حکومت میں ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ سرکار کے خاص محکموں میں تبدیلی بھی ہوتی رہی ہے اس زمانے میں سب سے زیادہ تبدیلیاں محکمۂ انصاف میں ہوئی ہیں۔ وارن ہیسٹنگز، کارنوالس اور بینٹنگ کے زمانے کی اصلاحوں کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ ڈالہوزی کے زمانے میں بھی محکمہ عدالت میں کئی اصلاحیں ہوئیں۔

کتب قوانین یعنی کوڈ لارڈ کیننگ کے زمانے سے ہی ان اصلاحوں کی شروعات ہوئی۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں دیوانی عدالتوں کی کارروائیوں کو قوانین کی صورت دینے کے لئے سول پروسیجر کوڈ بنایا گیا۔ اسی طرح فوجداری عدالتوں کے لئے سنہ ۱۸۶۱ء میں کریمنل پروسیجر کوڈ بنایا گیا۔ ان کوڈوں کا رواج ملک بھر میں ہو گیا۔ اور سبھی جگہوں کی عدالتوں کا کام انہیں کی دفعات کے مطابق ہونے لگا۔ کسی جرم میں کیا سزا دینی چاہیئے بنانے کیلئے سنہ ۱۸۶۰ء میں انڈین پینل کوڈ یعنی ہندوستانی طرز سزا بنایا گیا۔ ان کتابوں کے مرتب ہو جانے سے عدالتوں کے ججوں، وکلاء اور پبلک سبھی کو سہولت ہو گئی۔

ہائیکورٹ ایکٹ سنہ ۱۸۶۱ء سنہ ۱۸۶۱ء میں ہی ایک قانون پاس ہوا جس کے مطابق سپریم کورٹ، صدر دیوانی اور صدر نظامت عدالتیں

توڑ دی گئیں ان کی جگہ پر کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں ہائیکورٹ قائم ہو گئے ان میں ایک چیف جج اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ دیگر جج مقرر کئے جا سکتے تھے۔ دیوانی اور فوجداری سبھی طرح کے مقدموں کی اپیلیں ہائیکورٹ میں ہونے لگیں۔ ہائیکورٹ کو اپنے ماتحت عدالتوں کے لئے قوانین بنانے اور ان کی جانچ کرنیکے بھی اختیارات دیئے گئے۔

۱۸۶۶ء میں الہ آباد میں بھی ایک ہائیکورٹ قائم ہوئی اور اسی سال پنجاب میں لاہور چیف کورٹ کی بنیاد پڑی۔ دیوانی اور فوجداری عدالتوں کی ترتیب ملک بھر میں قریب قریب یکساں کرنے کے لئے کئی اور قوانین بنائے گئے۔ لارڈ رپن کے وقت تک کسی ہندوستانی جج کو یورپیوں کا مقدمہ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اس نے اس تفرقہ کو مٹانے کے لئے البرٹ بل (۱۸۸۲ء) میں پاس کیا جسکے مطابق ہندوستانی ججوں کو جیوری کی مدد سے ان کے مقدمے فیصل کرنے کا اختیار دیا گیا۔ رفتہ رفتہ جب صوبے کی حکومت میں ترقی ہوتی گئی تو ۱۹۱۱ء میں ایک نیا ایکٹ پاس کیا گیا۔ جس کے مطابق ہائیکورٹوں کو ازسرنو ترتیب دی گئی۔ اب ججوں کی تعداد بڑھا کر ۲۰ تک کردی گئی۔ گورنر جنرل کو حق دیا گیا کہ جہاں کہیں نئے ہائیکورٹ کی ضرورت ہو وہاں اسے قائم کردیا جائے۔ اسی ایکٹ کے مطابق پٹنہ، لاہور اور رنگون میں ہائیکورٹ کھولے گئے۔

ہندوستانی عدالتیں کام کے لحاظ سے ۳ حصوں میں منقسم کی جاسکتی ہیں دیوانی، فوجداری اور مال۔ ان تینوں طرح کی عدالتوں کے کئی صیغے ہیں:

دیوانی عدالتیں ہر ضلع میں ایک یا ایک سے زیادہ سول جج اور منصف ہوتے ہیں وہی دیوانی کے مقدموں کے سب سے چھوٹے منصف ہیں ان کے فیصلوں کے خلاف ضلع جج کے یہاں یا ہائیکورٹ میں اپیل کی جا سکتی ہے۔ ضلع جج کے فیصلہ کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل کی جا سکتی ہے اگر مقدمہ کم از کم ۱۰۰۰ روپیہ کا ہو اور ہائیکورٹ اجازت دیدے تو اسکے فیصلہ کے خلاف انگلینڈ

کی پریوی کونسل میں اپیل کی جاسکتی ہے اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔

فوجداری عدالتیں فوجداری عدالتوں میں مارپیٹ، قتل، چوری، ڈکیتی، بغاوت، بلوہ، دنگا وغیرہ کے معاملے آتے ہیں۔ ان عدالتوں میں سب سے چھوٹی عدالت تیسرے درجہ کے مجسٹریٹ کی ہوتی ہے۔ مجسٹریٹوں کے فیصلوں کے خلاف ضلع کے دورہ جج (سیشن جج) کے یہاں اپیل کی جاسکتی ہے دورہ جج کے فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل کی جاسکتی ہے اگر کسی شخص کو موت کی سزا دی گئی ہو تو وہ گورنر، گورنر جنرل، اور بادشاہ سے رحم کی بھیک مانگ سکتا ہے اور اگر وہ چاہیں تو اسے زندگی بخش سکتے ہیں۔

مال کی عدالتیں مال کی عدالتوں میں سب سے چھوٹی عدالت تحصیلدار کی ہوتی ہے اس کے اوپر کلکٹر کی عدالت ہوتی ہے کلکٹر کے فیصلہ کے خلاف کمشنر کے یہاں اپیل ہوسکتی ہے اور کمشنر کے فیصلہ کے خلاف بورڈ آف ریوینو میں اپیل کی جاسکتی ہے۔ اس طرح آجکل ہر ایک صوبہ میں دیوانی فوجداری اور مال کی کافی عدالتیں کھول دی گئی ہیں جن کے ذریعہ پبلک اپنے جھگڑوں کو اطمینان سے طے کرا سکتی ہے اور ملزموں کو سزا دی جاسکتی ہے۔

فیڈرل کورٹ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطابق ایک جماعتی عدالت (فیڈرل کورٹ) قائم کی گئی۔ اس میں ایک چیف جسٹس اور زیادہ سے زیادہ ۵ دیگر جج ہو سکتے ہیں اس وقت اس میں صرف ۳ جج ہیں جماعتی عدالت میں طرز حکومت کے صحیح معانی کے مقدمے جاتے ہیں آجکل اس عدالت کے حقوق کو بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے تھوڑے ہی دنوں میں وہ تمام ہندوستان کی اعلیٰ عدالت ہو جائیگی جس میں سب ہی قسم کے مقدموں کی اپیلیں کی جاسکیں گی۔

محکمۂ عدالت پر ایک نظر زیادہ تر سب ہی ہندوستانی عدالتوں میں مناسب قابلیت کے حاکم رکھے جاتے ہیں۔ جن کو معقول تنخواہ دی جاتی ہے اور جن میں سے زیادہ تر کا چناؤ پبلک سروس کمیشن کرتے ہیں اسوقت

عدالتوں میں خصوصاً چار خرابیاں ہیں (۱) انصاف حاصل کرنے میں بہت خرچ ہوتا ہے (۲) کسی مقدمہ کا آخری فیصلہ ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے انصاف کا معقول فائدہ نہیں ہوتا (۳) مال کی عدالتوں کے حاکم دوسرے کام بھی کرتے ہیں اس لئے وہ مقدموں کی طرف جلدی توجہ نہیں دے پاتے (۴) فوجداری کے چھوٹے مقدمے کرنے کا حق ان حکام کو دیدیا گیا ہے جو امن وامان کے محافظ بھی ہیں اسلئے انکے فیصلے کبھی کبھی طرفداری سے خالی نہیں ہوتے

پولیس

عدالتوں کا کام مناسب طور سے تب ہی چل سکتا ہے جب پولیس محکمہ کا پورا ساتھ ہو۔ اور پولیس کا انتظام درست ہو۔ امن وامان قائم رکھنے کے لئے بھی پولیس کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے کارنوالس نے پہلے پہل تھانیداری کے رواج کی بنیاد ڈالی تھی اور تھانہ کے داروغہ کو ۲۵ روپیہ ماہوار دینا شروع کیا تھا یہ تنخواہ اتنی کم تھی کہ پولیس کے داروغہ اکثر خوب رشوت لیتے تھے اور عام طور سے وہ بدمعاشوں کے مددگار اور امیر اور شریفوں کے دشمن رہتے تھے۔ بینٹنگ نے کچھ اصلاح کی تھی لیکن حالت قابو میں نہیں آئی۔ کرزن (۱۸۹۹ء لغایت ۱۹۰۵ء) نے پولیس کے محکمہ کی اصلاح کے لئے ایک کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کی رپورٹ اتنی خراب تھی کہ وہ شائع نہیں کی گئی جب کرزن نے اس کی بناء پر کچھ سدھار کر لیا تب اس نے اسے شائع کرنے کی ہمت کی۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی شائع کیا کہ جن عیبوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بہت سے عیب مٹا دیئے گئے ہیں آگے چلکر محکمہ پولیس کے بہت سے عیب ہٹ گئے یا کم ہو گئے لیکن اس کا نظام اور اس کا طرز عمل اب بھی بے عیب نہیں ہے۔

تعلیم اور اصلاح کے باوجود اس وقت بھی محکمہ پولیس میں بہت عیب ہیں (۱) رشوت لینا۔ بدمعاشوں سے مل جانا۔ رعایا کی خدمت کے بجائے اس پر اپنا رعب جما کر اس کی دولت کی خواہش رکھنا۔ اپنی واہ واہی کے لئے جھوٹے مقدمے بنا کر بے گناہ لوگوں کو پھنسا دینا۔ ثبوت اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں مختلف تکلیفیں دینا،

وغیرہ ایسے عیوب ہیں جو کئی کارکنوں کے خلاف ثابت ہو چکے ہیں۔ اس محکمہ میں ابھی بہت اصلاح کی ضرورت ہے۔

سرکاری نوکریاں ہندوستان کی حکومت کی بنیاد سرکاری نوکریاں ہیں وہ ۳ حصّوں میں منقسم کی گئی ہیں۔ اول تمامی ہند کی دوئم صوبے کی اور تیسرے نیچے درجے کی نوکریاں۔ تمامی ہند کی نوکریوں میں انڈین سول سروس سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ انڈین سول سروس والے لوگ ہی ضلعے کے حاکم، ڈسٹرکٹ اور سیشن جج۔ ہائیکورٹوں کے ½ جج۔ کمشنر، چیف کمشنر، گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر۔ صوبے کے گورنر۔ صوبے اور مرکزی صدر دفتروں (سیکرٹریٹ) کے سیکرٹری۔ اور دیسی ریاستوں کے ایجنٹ مقرر ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ برٹش حکومت کا ایک خاص ستون انڈین سول سروس ہے۔

۱۸۵۳ء کے پہلے انڈین سول سروس میں ایک بھی ہندوستانی نہیں تھا۔ اس سال اس سروس میں تقرری کے لئے لندن میں امتحان ہونے لگا اور ہندوستانیوں کو بھی اس میں شامل ہونیکا حکم ملا۔ اس سہولیت سے فائدہ اٹھانا بہت مشکل تھا کیونکہ سمندری سفر کی وجہ سے مذہب خراب ہونیکا زیادہ اندیشہ رہتا تھا۔ اور اس میں رقم بھی بہت خرچ ہوتی تھی۔ ۱۸۷۰ء تک صرف ایک ہندوستانی رمیش چندر دت اس امتحان میں پاس ہو سکے۔ ۱۹۲۱ء میں جب اس امتحان کا انتظام ہندوستان میں ہوگیا۔ تو ہندوستانی بھی اس میں کامیاب ہونے لگے لیکن اس میں اب بھی انگریزوں کی تعداد کافی ہے۔ صوبہ اور نیچے درجہ کی نوکریوں کے لئے بھی ایسا امتحانات ہوتے ہیں سال میں سے زیادہ تر امتحانات اور انتخاب پبلک سروس کمیشنوں کے ماتحت ہیں۔

خاص خاص تاریخیں

سول پروسیجر کوڈ	۱۸۵۹ء

کریمنل پروسیجر کوڈ	۱۸۶۰ء
ہائی کورٹ ایکٹ	۱۸۶۱ء
الہ آباد ہائی کورٹ	۱۸۶۶ء
البرٹ بل	۱۸۸۲ء
ہائیکورٹ ایکٹ دوم	۱۹۱۱ء
ہندوستان میں سول سروس کے امتحان کی ابتداء	۱۹۲۱ء
فیڈرل کورٹ کا قائم ہونا	۱۹۳۵ء

مشق کے لئے سوالات

۱- غدر کے بعد محکمۂ انصاف کو سدھارنے کے لئے کیا تدبیریں کی گئیں۔ ابھی کن دوسری اصلاحات کی ضرورت ہے؟

۲- ہندوستانی محکمۂ پولیس کو ٹھیک کرنے کے لئے کیا کوششیں کی گئیں۔ اس کے نظام میں کن دیگر اصلاحات کا ہونا ضروری ہے؟

انتالیسواں باب

تعلیمی اداروں کی ترقی

تعلیمی اصلاح کی تاریخ

سرکار نے امن اور خوش انتظامی کے ساتھ ساتھ تعلیم کی ترقی کے لئے بھی کوشش کی ہے لارڈ ہیسٹنگز، بینٹنگ اور ڈلہوزی کے زمانہ کی اصلاحوں کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ کیننگ کے زمانہ میں سرکار کو وزیر ہند کی طرف سے حکم دیا گیا کہ ابتدائی (پرائمری)

تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کی جائے اور اس کی نگرانی اور انتظام سرکاری عہدہ داروں کے سپرد کردیا جائے ۱۸۵۷ء میں بمبئی، مدراس اور کلکتہ کی یونیورسٹیاں قائم ہوچکی تھیں لارڈ رپن کے زمانہ میں ہنٹر کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کی رائے کے مطابق ۱۸۸۲ء میں عوام کو ثانوی تعلیم کا بار اٹھانے کی ترغیب دی گئی۔ سرکار ہائی اسکولوں کو سالانہ امداد دیتی تھی۔ کچھ سرکاری اسکول بھی کھولے گئے مقامی سُواج کے نئے اداروں کو ابتدائی تعلیم کا انتظام دیدیا گیا لیکن یونیورسٹیوں میں کوئی خاص اصلاح نہیں کی گئی۔ لارڈ کرزن کے زمانہ میں رالے کمیشن مقرر کیا گیا۔ اور اس کی رپورٹ کی بنا پر ۱۹۰۴ء میں ایک ایکٹ بنایا گیا۔ جس کے ذریعہ یونیورسٹیوں کے انتظام میں سرکاری دخل بڑھ گیا۔ اس تبدیلی سے سرکار کی نگرانی زیادہ ہو گئی لیکن عوام کو یہ کام پسند نہ آیا۔ [illegible] کی اصلاحوں کے بعد یونیورسٹیوں میں [illegible] ہو گئیں ابھی تک یونیورسٹیاں صرف امتحانات کا انتظام کرتی تھیں۔ اب کچھ ایسی یونیورسٹیاں بھی بنیں جن میں تعلیم دینے کے لئے پروفیسر، لیکچرار وغیرہ مقرر کئے گئے۔ اور دوسرے ضروری انتظامات کئے گئے۔ اس زمانہ میں لکھنؤ، بنارس، علی گڑھ، الہ آباد، پٹنہ وغیرہ کی تعلیم دینے والی یونیورسٹیاں بنیں۔ الہ آباد کی پرانی یونیورسٹی کی طرف سے کئی کالجوں کے طلباء کے امتحانات کا انتظام کیا جاتا تھا۔ وہ کام آگرہ یونیورسٹی کو دیدیا گیا۔ ناگ پور، ڈھاکہ، حیدر آباد میسور، ٹراونکور، لاہور، دلی، اندھرا، انا ملائی اور رنگون میں بھی نئی یونیورسٹیاں کھولی گئیں۔ صوبہ متحدہ میں ایف۔ اے کی تعلیم کا کام یونیورسٹیوں سے لے لیا گیا۔ ایک انٹرمیڈیٹ بورڈ قائم کیا گیا، جو ہائی اسکولوں اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات اور تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔

محکمۂ تعلیم

اس وقت سرکار ہند کا ایک ممبر محکمہ تعلیم کا بھی صدر ہے۔ وہ ان یونیورسٹیوں کے کام کو دیکھتا ہے جن کو سرکار ہند سے امداد ملتی ہے۔ صوبہ متحدہ میں ایسی یونیورسٹیاں، علی گڑھ اور بنارس میں ہیں۔ وہ مختلف

میور سنٹرل کالج-الہ آباد یونیورسٹی کا سائنس ڈپارٹمنٹ

صوبوں کے مستند لوگوں اور بڑے پروفیسروں کا اجتماع کرا کے تعلیم کے متعلق معاملات میں صلاح و مشورہ بھی کرتے ہیں۔

صوبائی حاکم

ہر صوبہ میں ایک وزیر تعلیم ہوتا ہے۔ اس کی امداد کے لئے ایک مستقل معتمد تعلیمات (سیکرٹری) ہوتا ہے اس کے نیچے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن۔ ڈپٹی ڈائرکٹر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہوتے ہیں۔

ڈائرکٹر ہی صوبہ کی تعلیم کی نگرانی کرتا ہے صوبہ کے وزیر تعلیم کے احکام اور صوبہ کی مجلس آئینی کے قانونوں کی پابندی کرانا اسی کا فرض ہے پورا صوبہ کئی سرکلوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور ہر سرکل ایک انسپکٹر کے ماتحت رہتا ہے۔ انسپکٹر کی مدد کے لئے ایک اسسٹنٹ انسپکٹر رہتا ہے سرکل کے ہر ضلع میں ایک ڈپٹی انسپکٹر اور کئی سب ڈپٹی انسپکٹر ہوتے ہیں۔ اسسٹنٹ۔ ڈپٹی اور سب ڈپٹی انسپکٹر پرائمری۔ مڈل اور دیگر ہندی اردو مدرسوں کا معائنہ کرتے ہیں۔ انسپکٹر ان سب کو دیکھنے کے علاوہ انگریزی اسکولوں کا معائنہ خاص طور پر کرتے ہیں سنسکرت فارسی اور عربی کے مدرسوں کے لئے الگ الگ افسر مقرر ہیں۔ صوبجاتی سوراج قائم ہونے کے بعد ایک تعلیم پھیلانے کا محکمہ کھولا گیا ہے۔ وہ بالغ ناخواندہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی طرف سے مدرسے کھولے گئے ہیں۔ دارالمطالعہ قائم کئے گئے ہیں اور تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنے ناخواندہ پڑوسیوں کو خواندہ بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

صوبوں کے تعلیمی ادارے

عموماً سب ہی صوبوں میں اسی طرح کے تعلیمی ادارے ہیں جیسے صوبہ سندھ میں۔ یہاں پر ابتدائی تعلیم کے لئے موضعوں اور شہروں میں پرائمری اسکول کھولے گئے ہیں ان میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ہے صوبجاتی سوراج کے قائم ہونے کے بعد ان اسکولوں میں نیا طریقۂ تعلیم جاری کیا گیا ہے۔ طلبہ کو صنعت و حرفت کی تعلیم زیادہ دی جاتی ہے اور حتی الامکان سب مضامین کو کسی کاریگری یا دستکاری

کی بنیاد پر پڑھایا جاتا ہے۔ بچوں کو مٹی، کاغذ، سوت، لکڑی وغیرہ کی چیزیں بنانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ ان کو جغرافیہ، تاریخ، شہریات، معمولی سائنس وغیرہ کی تعلیم پہلے کے مقابلہ میں بہت اونچے پیمانہ پر دینے کی تجویز بنائی گئی ہے پرائمری یا ابتدائی اسکولوں کے علاوہ ثانوی تعلیم کے لئے مڈل اسکول، ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کالج ہیں ان میں دیگر مضامین کے ساتھ انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے لیکن تعلیم کا توسط اب صوبوں کی زبانوں کو کر دیا گیا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج اور یونیورسٹی ہیں۔ ان میں بھی انگریزی کے ذریعہ ہی تعلیم دی جاتی ہے صرف لکھنؤ یونیورسٹی نے جولائی سنہ ۱۹۴۷ء سے ہندوستانی میں تعلیم دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ثانوی اور ابتدائی مدرسوں کے لئے اچھے معلم تیار کرنے کیلئے ٹریننگ کالج، نارمل اسکول اور ٹریننگ سنٹر کھولے گئے ہیں۔ انجینیرنگ دستکاری صنعت اور دیگر پیشوں کی تعلیم کے لئے بہت سے اسکول اور کالج کھولے گئے ہیں لیکن ان میں ابھی زیادہ لوگ نہیں جاتے۔ سنسکرت فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے پاٹھ شالہ اور مدرسے ہیں ان کو سرکار کی طرف سے کچھ مدد ملتی ہے لیکن ان کا زیادہ تر خرچہ عوام سے ہی پورا ہوتا ہے۔

موجودہ حالت

حالانکہ اب ہمارے ملک میں ہر قسم کے تعلیمی ادارے کھل گئے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے اور کچھ قسم کے تعلیمی ادارے بہت ہی نیچے درجہ کے ہیں جس کی وجہ سے ان مضامین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمارے طلبہ کو غیر ممالک میں جانا پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۴۰-۴۱ء ملک بھر میں لڑکوں کے ابتدائی اسکولوں کی تعداد ۱،۶۱،۱۲۲ تھی جن میں ۸۸،۲۸،۲۹۶ بچے تعلیم پاتے تھے لڑکیوں کے اسکولوں کی تعداد ۲۶،۰۴۲ ہی تھی۔ اور ان میں ۲۹،۶۹،۴۵۳ لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔ اپنے صوبہ میں اسی زمانہ میں ۱۲،۰۸،۴۴ لڑکے اور ۵،۱۰،۴۸۸ لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔ اسی طرح سارے ملک میں تقریباً ۵ لاکھ ایسے گاؤں ہیں جہاں کوئی اسکول نہیں ہے۔ اور صرف ۶ فیصدی لوگ ابتدائی اسکولوں میں

تعلیم پا رہے ہیں ابھی ہمارے یہاں دوسرے ملکوں کی طرح لازمی تعلیم نہیں دی جاتی صرف ۱۴۱۰۵۱ گاؤں لازمی تعلیم کے اسکولوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جن میں سے ۱۶۲۲۴ ہمارے صوبہ کے ہیں۔

ثانوی تعلیم کے لئے ورناکیولر اور اینگلو ورناکیولر مڈل اسکول، ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کالج کھولے گئے ہیں۔ مڈل اسکول میں تعلیم پانے والے لڑکے لڑکیوں کی تعداد ۱۸،۹۷،۰۸۴۹ تھی۔ ہائی اسکول میں ۲۱،۴۲،۸۱۲ اور انٹرمیڈیٹ کالجوں میں ۸۱،۰۰۰ طالب علم تھے۔ اپنے صوبہ میں اس زمانہ میں ۱،۳۱،۴۰۴ لڑکے اور ۶۶،۲۷۷ لڑکیاں مڈل اسکولوں میں ۱،۹۰،۸۰۰ لڑکے اور ۱۶،۸۱۴ لڑکیاں ہائی اسکولوں میں اور ۷۷،۰۰۰ لڑکے اور ۵۰۰ لڑکیاں انٹرمیڈیٹ کالجوں میں تعلیم پا رہے تھے۔

ملک بھر میں کل ۱۸ یونیورسٹیاں ہیں جن میں ۱،۴۰،۴۰۶ لڑکے و لڑکیاں تعلیم پا رہے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ صنعتی ٹیکنیکل اسکول، اور دستکاری و کاریگری کے اسکول بھی تھے جن میں طرح طرح کی کاریگری سکھائی جاتی ہے۔ جس ملک کی آبادی تقریباً ۴۰ کروڑ ہو اس کی تعلیم گاہوں کا یہ حال بہت ہی ناقابلِ اطمینان معلوم ہوگا لیکن ابھی تک حالت سدھارنے کی خاص کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ انجینئرنگ ڈاکٹری فنون وغیرہ بہت سے مضامین ہیں جن میں اصلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمارے طلبہ کو انگلینڈ، امریکہ، جرمنی وغیرہ ممالک میں جانا پڑتا تھا اس وقت بھی تعمیرات مابعد جنگ کے لئے مناسب تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہزاروں طلبہ امریکہ اور انگلینڈ جا رہے ہیں۔

ضروری اصلاح

محکمۂ تعلیم میں ابھی کئی اصلاحوں کی ضرورت ہے۔ یونیورسٹیوں میں تعلیم صوبوں کی زبانوں کے ذریعہ ہونی چاہیئے۔ ان میں داخلے کے قاعدے کچھ سخت ہونے چاہئیں۔ اور ناخواندہ بالغان کو جلد از جلد خواندہ بنانے کی اور بھی زیادہ کوشش ہونی چاہیئے۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں

ہندوستان میں حکومت قائم ہونے کے بعد تعلیم کے نظام و سعت و ترمیم پر غور کیا جا رہا ہے۔

خاص تاریخیں

کلکتہ، بمبئی اور مدراس یونیورسٹیوں کا قائم ہونا	۱۸۵۷ء
ہنٹر کمیشن	۱۸۸۲ء
رالے کمیشن	۱۹۰۲ء
تعلیمی وزیروں کا تقرر	۱۹۲۰ء
انٹرمیڈیٹ بورڈ کا قائم ہونا	۱۹۲۱ء
تعلیم پھیلانے والے افسر کا تقرر	۱۹۳۷ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ۱۹ ویں صدی میں تعلیم کی ترقی کے لئے کیا کوششیں کی گئیں؟

۲۔ موجودہ زمانہ کے تعلیمی اداروں کا حال بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ ان میں کن اصلاحوں کی ضرورت ہے؟

۳۔ صوبائی محکمہ تعلیم کی تنظیم کا مختصر حال بیان کرو۔ اور ہر افسر کے خاص کام بتاؤ؟

چالیسواں باب

مقامی سوراج

مقامی سوراج کا مطلب کسی بھی مہذب ملک کی سرکار تمام ملک کی چھوٹی بڑی سب ضروریات کو پورا نہیں کرسکتی۔ بہت سے

ایسے کام ہیں جنہیں مقامی لوگ اچھی طرح کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کاموں سے زیادہ
واقف ہوتے ہیں اور وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ذاتی دلچسپی رکھتے ہیں۔
اس لئے مرکزی سرکار ریت سے مقامی کام وہیں کے انتخاب کئے ہوئے لوگوں پر چھوڑ
دیتی ہے اس مقامی حکومت کو جس میں اسی مقام کے باشندوں کے ذریعہ انتخاب
کئے ہوئے لوگ مقامی کاموں کے لئے ذمہ دار ہوں۔ مقامی سوراج کہتے ہیں۔

برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۶۸۷ء میں مدراس کی بستی کے لئے ایک
انگریزوں اور ہندوستانیوں کا کارپوریشن بنایا تھا۔ آگے چلکر ایسے ہی کارپوریشن
کلکتہ اور بمبئی کے لئے بھی بنائے گئے۔ لیکن ان کارپوریشنوں کے ممبر انتخاب نہ ہوکر
نامزد کئے ہوئے ہوتے تھے۔ اس لئے ۱۷ ویں صدی کے یہ ادارے حقیقی مقامی
سوراج قائم نہ کر سکے۔ اس عرصہ میں کمپنی کی سلطنت بڑھتی گئی۔ اور اسے سپاہیوں
کیلئے جگہ جگہ پر چھاؤنیاں بنانی پڑیں۔ بہت سے شہر گندے رہتے تھے اور اشیائے
خورونوش کی فروخت اور صفائی کا ٹھیک انتظام نہ ہونے کی وجہ سے سپاہی اکثر
بیمار پڑجاتے تھے اور مرجاتے تھے۔ سپاہیوں کی تندرستی کے خیال سے چھاؤنیوں
اور ان کے اردگرد کے مقاموں کو صاف رکھنا نہایت ضروری تھا۔ مرکزی سرکار
کی ذمہ داریاں اتنی بڑھ رہی تھیں کہ وہ ان باتوں کی طرف کافی توجہ نہیں دے
پاتی تھی۔ اس لئے ۱۸۴۲ء میں میونسپلٹیاں قائم کرنے کے لئے بنگال میں
ایک قانون بنا۔ جو میونسپلٹیاں پہلے بنیں، ان کے ممبر بھی نامزد کئے جاتے
تھے۔ ۱۸۷۰ء میں لارڈ میو کے عہد سے کچھ منتخب لوگ بھی ممبر ہونے لگے
کیونکہ انہوں نے اپنی تجویز میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ تعلیم، صفائی، صحت
علاج، مقامی سڑکوں، پلوں وغیرہ کا انتظام مقامی لوگوں کے ہاتھ میں رہے تو
زیادہ ترقی ہوگی۔ لارڈ میو کے بعد لارڈ رپن (۱۸۸۱ء۔ ۱۸۸۴ء) نے مقامی
سوراج کی بنیاد مضبوط کی اور اس کو تقریباً کل برٹش ہندوستان میں رائج کیا
اب ہر بڑے شہر میں ایک میونسپل بورڈ اور ایک ڈسٹرکٹ بورڈ قائم کیا گیا ہے۔

دونوں ہی بورڈوں میں زیادہ منتخب شدہ ممبر ہونے لگے۔ کیونکہ لارڈ رپن نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ سرکاری ممبر ایک ثلث سے زیادہ نہ ہوں اس سے قبل ان اداروں کے صدر (چیئرمین) ہمیشہ سرکاری افسر ہوتے تھے اس نے صوبجاتی سرکاروں کو یہ حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو سرکاری چیئرمینوں کے بجائے غیر سرکاری چیئرمین رکھے جائیں۔ اس نے ان بورڈوں کی آمدنی کے ذرائع اور خاص فرائض بھی مقرر کر دیئے۔ رپن نے تحصیلوں تعلقوں اور مجموعی موضعوں کے لئے بھی چھوٹے بورڈ بنانے کی اجازت دی لیکن ان کا رواج زیادہ نہیں ہوا۔

رپن کے جانشینوں کے وقت کے افسران نے ان اداروں کو زیادہ آزادی نہیں دی چیئرمین کی جگہ اکثر کلکٹر حاصل کر لیتا تھا۔ اور اس کے اثر کی وجہ سے ممبروں کا کام صرف ہاں میں ہاں ملانا رہ جاتا تھا۔ ملنٹو گو چیمسفورڈ اصلاحوں کے وقت تک یہی حالت رہی۔ اس وقت مقامی سوراج صوبجاتی وزیروں کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ سب ہی صوبوں میں ایک مقامی سوراج کا وزیر ہونے لگا اور مقامی خود انتظامی کا معقول انتظام کرنے کے لئے قانون بنائے گئے انکی رو سے رائے دینے والوں کی تعداد بڑھا دی گئی۔ منتخب ممبروں کی تعداد بھی بڑھا دی گئی اور چیئرمین غیر سرکاری منتخب شخص ہونے لگا۔ صوبہ متحدہ میں یہ اصلاحیں میونسپل ایکٹ (۱۹۱۶ء) اور ڈسٹرکٹ بورڈ ایکٹ (۱۹۲۲ء) کے ذریعہ کی گئیں۔

۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نے صوبوں کی مجلس آئینی کی رائے دینے والوں کی تعداد بڑھانے کی سفارش کی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں جو انتخابات ہوئے ان میں ترمیم شدہ قانون کے مطابق صوبوں میں رائے دینے والے بنائے گئے اس وقت یہ دیکھا گیا کہ آئینی مجلسوں کے ووٹر ہونے کے لئے میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے رائے دینے والوں سے بھی کم حیثیت کی ضرورت تھی حالانکہ ہونا اس کے بالکل برعکس چاہیئے۔ اس لئے صوبوں کی مجلس وزراء نے ان اداروں کی اصلاح کے لئے قانون بنانا چاہا۔ لیکن جنگ شروع ہونے پر جب ان لوگوں نے استعفے دیدیئے

تو یہ کام رُک گیا۔ صوبہ کے گورنر نے ایک خاص حکم کے ذریعہ ان اداروں کے ووٹ
دینے والوں کی حیثیت کی شرط وہی مقرر کر دی ہے جو کہ صوبجاتی آئینی مجلس کے و
کی ہے۔ اس لئے ان قاعدوں کے مطابق ان بورڈوں کے ووٹر وہ لوگ ہو سکتے ہیں
جو حدود انتخاب میں رہتے ہوں جن کی عمر ۲۱ سال سے زیادہ ہو، جو اسی فرقہ کے ہوں
جس کا ممبر انتخاب کرنا ہے اور جن میں مندرجہ ذیل شرائط میں سے کوئی ایک ضرور ہو

(۱) اپر پرائمری یا اس کے برابر کا امتحان پاس ہوں یا خواندہ عورت ہوں۔

(۲) کم از کم ۲۴ روپیہ سالانہ کرایہ کے مکان کے مالک ہوں یا کرایہ دار ہوں۔

(۳) کم از کم ۵ روپیہ سالانہ لگان والی زمین کے مالک ہوں یا ۱۰ روپیہ سالانہ لگان والی زمین کے کاشتکار ہوں۔ یا

(۴) جنہوں نے گذشتہ سال کم از کم ۱۵۰ روپیہ کی آمدنی پر انکم ٹیکس یا میونسپل ٹیکس دیا ہو۔

آج کل شہروں اور ضلعوں میں مختلف قسم کے مقامی سوراج کے ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ کلکتہ، بمبئی، مدراس، کراچی جیسے بڑے شہروں میں کارپوریشن ہوتے ہیں جن کی معمولی تنظیم میونسپلٹی کی سی ہوتی ہے لیکن ان کے اقتصادی اختیارات بڑے ہوتے ہیں اور وہ قرض بھی لے سکتے ہیں۔ ان سے چھوٹے درجہ کے شہروں میں میونسپل بورڈ ہوتے ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں ایسے بورڈوں کی تعداد ۷۵۸ تھی اور ان میں سے ۸۵ صوبہ متحدہ میں تھے۔ ان میں سے   سے زیادہ بورڈوں کی آبادی ۵۰،۰۰۰ سے زیادہ تھی اور ان کی کل آمدنی ۲۹ کروڑ کے قریب تھی۔ اس رقم کو وہ عوام کی تعلیم، حفظ صحت، سڑکوں، روشنی وغیرہ پر خرچ کر رہے تھے۔ بندرگاہوں میں پورٹ ٹرسٹ اور چھاؤنیوں میں کنٹونمنٹ بورڈ ہوتے ہیں ان کا نظام بھی میونسپل بورڈ سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن وہ مرکزی حکومت کی ماتحتی میں ہوتے ہیں چھوٹے قصبوں میں نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی اور ٹاؤن ایریا کمیٹی ہوتی ہے۔ صوبہ متحدہ میں انکے ممبروں کی تعداد ۵ یا ۷ ہوتی ہے۔ ان کی آمدنی اور ان کے اختیارات کم ہوتے ہیں لیکن ان کا

کام میونسپل بورڈ کا سا ہی ہوتا ہے اور وہ مقامی صفائی، تعلیم، سڑکوں کی مرمت اور روشنی وغیرہ کا انتظام کرتی ہیں۔

دیہاتوں کا انتظام کرنے کے لئے ضلع بورڈ ہوتے ہیں ان کی تعداد ۲۰۰ کے قریب ہے جن میں سے ۴۸ صوبہ متحدہ میں ہیں۔ ان کے کام بھی میونسپل بورڈوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ضلع بورڈوں کے نیچے تحصیل بورڈ یا تعلقہ بورڈ رہتے ہیں صوبہ مدراس میں یونین بورڈ بھی ہوتے ہیں۔

ان اداروں سے رعایا اور سرکار کو بہت فائدہ ہوا ہے انہوں نے مقامی کاموں کا بار اپنے کندھوں پر لیکر صوبائی و مرکزی سرکار کو سبک بار کر دیا ہے اور سرکار کی عزت کو بڑھا دیا ہے رعایا کو ان کے ذریعہ سیاسی تعلیم حاصل ہوئی ہے اور لوگوں نے خود مختار حکومت کا نیک موقع پایا۔ انہوں نے تعلیم پھیلانے، صفائی، حفظان صحت اور آمد و رفت کے ذرائع کی ترقی کے لئے بہت کام کیا ہے انہوں نے بازاروں میلوں، سینما گھروں وغیرہ کا انتظام کر کے رعایا کو آرام سے زندگی بسر کرنے میں مدد دی ہے۔

ضروری اصلاحیں باوجود ان تمام خدمات کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا کام تسلی بخش ہے اور ان کے نظام اور ان کے لائحہ عمل میں کافی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے ابھی رائے دہندگان کی تعداد کم ہے اور کچھ دن پہلے جب اس سے بھی کم تھی تب بہت سے نامناسب دباؤ ڈالکر ووٹروں کی آزادی چھین لی جا سکتی تھی۔ انتخاب فرقہ وارانہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے فرقوں میں دشمنی بڑھتی ہے اور اکثر لوگ فرقہ وارانہ حساب سے بورڈ کے کاموں کو چلانا چاہتے ہیں بورڈ کے ممبر اور اہلکار ہمیشہ رفاہ عام اور ایمانداری کا خیال نہیں رکھتے کہیں کہیں تو اتنی زیادہ گڑبڑ ہونے لگتی ہے کہ بورڈ کے اختیارات چھین لئے جاتے ہیں تمام لوگ کسی نہ کسی بہانہ سے روپیہ کھا جاتے ہیں اور خود کو و بورڈ کو بدنام کر کے عوام میں نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے

یہ ضروری ہے کہ ان اداروں کی تنظیم میں بنیادی اصلاحیں کی جائیں۔ رائے دہی کا اختیار ہر بالغ مرد اور عورت کو ملنا چاہیئے بورڈوں کے اختیارات اور ان کی آمدنی کے ذرائع بڑھا دینے چاہئیں۔ فرقہ بندی اور بے ایمانی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے تعلیم عامہ کی اصلاح ہونی چاہیئے اور ہمدردانہ نگرانی میں بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔

خاص تاریخیں

مدراس کارپوریشن کا بننا	۱۶۸۷ء
میونسپلٹیوں کی ابتداء	۱۸۴۲ء
لارڈ میو کی اصلاحیں	۱۸۷۰ء
رپن کی اصلاحیں	۱۸۸۲ء
صوبہ متحدہ کا میونسپلٹی ایکٹ	۱۹۱۶ء
صوبہ متحدہ کا ڈسٹرکٹ بورڈ ایکٹ	۱۹۲۲ء
انتخاب کے قاعدوں میں اصلاح	۱۹۴۴ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ مقامی سوراج کا کیا مطلب ہے؟ مقامی سوراج کے ادارے پہلے پہل کب اور کیوں قائم کئے گئے؟

۲۔ مقامی حکومت میں مقامی سوراج کے اداروں سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ یہ فائدہ اور زیادہ مقدار میں کیوں نہیں ہوا؟

۳۔ مقامی سوراج کے اداروں میں سے کچھ کے نام بتاؤ اور ان کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو لکھو۔

۴۔ مقامی سوراج کے اداروں میں کن اصلاحوں کی ضرورت ہے؟

اکتالیسواں باب

رائے عامّہ کی تنظیم

رائے عامّہ کی ابتداء

انگریزی تعلیم کے رائج ہونے سے ہندوستانیوں میں جذبۂ اتحاد اور بھی قوی ہونے لگا انگریزی تاریخ کو پڑھ کر ان کے دلوں میں بھی جمہوری آزاد حکومت کے ولولے اٹھنے لگے۔ کچھ لوگوں نے غیر ممالک کا سفر بھی کیا۔ انہوں نے یورپ کی اندرونی حالت کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنے ملک کی حکومت میں زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کرنے کی خواہش کرنے لگے اسی درمیان میں ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا۔ اس کی وجہ سے امن پسند لوگوں کو کافی ٹھیس لگی۔ سرکار زیادہ ہوشیار ہو گئی۔ اس نے ہندوستانیوں کو زیادہ سہولتیں دینے کا یقین دلایا۔ یونیورسٹیوں کی ترقی کی اور آئینی مجلسیں قائم کیں سیاسی بے اطمینانی کو بڑھانے میں اس زمانہ کی مذہبی تحریکوں کا بھی کافی حصہ ہے راجہ رام موہن رائے کا قائم کردہ برہمو سماج (۱۸۳۰ء) سوامی دیانند سرسوتی کا آریہ سماج (۱۸۷۳ء) میڈم بلیوٹسکی کے ذریعہ رائج کی ہوئی تھیوسوفیکل سوسائٹی (۱۸۷۹ء) اور دیگر بڑے بڑے مذہبی مصلحوں نے ہندوستانی رعایا کو اس کی گذشتہ عظمت کی یاد دلائی اس میں تعلیم کی اشاعت کی اور ان کے برے رسم و رواج کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے ہندوستانیوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا۔ سرکار کی پالیسی میں تبدیلی کرانے کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے کچھ صوبائی ادارے بنائے گئے۔ اسی زمانہ میں ہندوستان میں کچھ صوبائی زبانوں کے اخبار بھی شائع ہونے لگے ہیسٹنگز نے ان پر لگائی جانے والی ٹکٹ کی شرح کم کرکے ان کی فروخت بڑھانے میں مدد دی۔ ان کے ذریعہ رائے عامّہ

کی تنظیم ہونے لگی۔ سر چارلس مٹکاف نے ۱۸۳۶ء میں ہندوستانی اخباروں کو سرکار کی پالیسی پر زیادہ نکتہ چینی کرنے کی آزادی دیدی عام طور پر اخباروں نے اس آزادی کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ انیسویں صدی کے پچھلے نصف حصہ میں سریندر ناتھ بنرجی کا "بنگالی" اور ششر کمار گھوش کا "امرت بازار پتر" کا ملک کے مطالبوں کا اظہار زیادہ زور کے ساتھ کرنے لگے۔ لارڈ لٹن کے زمانہ میں کچھ کام ایسے ہوئے جن کی وجہ سے رعایا بہت بگڑی اور اخباروں نے ان پر سخت نکتہ چینی کی جس وقت بنگال میں قحط کی وجہ سے ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اسی وقت اس نے ملکۂ وکٹوریہ کی شہنشاہیت کا اعلان کرنے کے لئے ایک شاندار دربار کیا جس میں بہت روپیہ صرف کیا گیا۔ رعایا کو یہ جشن بے ہنگام بہت برا لگا۔ اور بنگال کے اخباروں نے اس کی بڑی برائی کی۔ لٹن اسے پڑھ کر بہت بگڑا اور اس نے صوبائی زبانوں کے اخباروں سے ضمانتیں طلب کیں اور حکم دیا کہ وہ فرقہ وارانہ مخالفت یا انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے والی کوئی خبر نہ چھاپیں یہ قانون بہت دن نہیں چلا۔ کیونکہ اس کے جانشین لارڈ رپن نے اسے رد کر دیا۔

البرٹ بل

رپن کے زمانہ میں ہی البرٹ بل پاس ہوا۔ اس بل کے پاس ہوتے ہی ہندوستان کے رہنے والے سب انگریز رپن سے ناراض ہو گئے۔ کچھ انگریزی اخباروں نے اسے بری طرح گالی دینا شروع کر دیا۔ اور تہذیب کی حد سے بھی تجاوز کر گئے انہوں نے جگہ جگہ پر اس کے خلاف مظاہرے کئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ البرٹ بل میں تبدیلی کر دی گئی اور ہندوستانی ججوں کو بغیر جیوری کی مدد کے جس میں کم از کم آدھے انگریز ہوں انگریزوں کا مقدمہ فیصل کرنے کا اختیار نہ رہا۔ غیر مہذبانہ مظاہروں اور گالی بکنے کی کامیابی پر ہندوستانی حیران رہ گئے انہوں نے اس واقعہ سے سبق حاصل کیا اور انہوں نے بھی ایسی ہی حرکتیں کر کے اختیارات حاصل کرنے کی ترکیب سوچی۔

جس وقت ہندوستان میں تعلیم، مذہبی اصلاح، مغربی تہذیب کے اثر، اخبارو

کی تحریک اور البرٹ بل کے واقعہ سے مزید اختیارات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر ہو رہی تھی۔ اسی وقت مسٹر اے، او ہیوم نے سوچا کہ اگر ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگ سال میں ایک بار ایک مقام پر جمع ہو سکیں تو ان کی مدد سے سوسائٹی کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے اس مقصد سے اس نے کلکتہ یونیورسٹی کے پرانے طلبہ کے نام ایک خط لکھا اور ان کا تعاون حاصل کیا۔ اس کے بعد ہیوم نے وائسرائے وقت لارڈ ڈفرن سے ملاقات کی۔ انہوں نے بھی ان کے مقصد کی تعریف کی اور اپنی ہمدردی ظاہر کی۔ ہیوم نے انگلینڈ کا سفر کر کے وہاں کے خاص لوگوں کا تعاون اور دعائے خیر حاصل کی۔ اس طرح ۱۸۸۴ء میں ہندوستانیوں کے جوش اور انگریزوں کی ہمدردی کی بناء پر انڈین نیشنل کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ اس کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۸۸۵ء میں گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج بمبئی میں ہوا۔ اس کے صدر مسٹر اومیش چندر بنرجی تھے اسی اجلاس کے بعد سے اس ادارہ کا نام انڈین نیشنل کانگریس پڑ گیا اور اسی نام سے وہ آج تک مشہور ہے۔

کانگریس کی بنیاد

کانگریس کے پہلے اجلاس میں صرف ۷۲ آدمی شامل ہوئے تھے لیکن خاص بات یہ تھی کہ وہ ملک کے ہر حصہ سے آئے تھے۔ کانگریس نے کئی خاص تجویزیں پاس کیں۔ اس نے آئین حکومت کی جانچ کے لئے ایک کمیشن مقرر کئے جانے کی درخواست کی اور کچھ ضروری اصلاحوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے انڈیا کونسل کے توڑنے، آئینی مجلسوں میں منتخب لوگوں کو لینے، جہاں آئینی مجلسیں نہ ہوں، ان صوبوں میں انہیں قائم کرنے، انڈین سول سروس کے امتحانات ہندوستان میں کرانے اور اس کے لئے زیادہ عمر کے لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت دینے اور فوجی خرچ کم کرنے کے مطالبے پیش کئے۔ ان تجویزوں کی ایک نقل گورنر جنرل اور ایک وزیر ہند کے پاس بھیجی گئی۔ تجویزوں کی عبارت بہت ہی شائستہ اور مؤدبانہ تھی۔

پہلے اجلاس کی کارگزاری

اسی طرح کی تجویزیں ہر سال پاس کی جاتیں اور سرکار کے پاس بھیج دیجاتی تھیں سرکار ان پر کوئی خاص توجہ نہیں کرتی تھی اخبار کے ذریعہ یہ تجویزیں تقریباً تمام تعلیم یافتہ لوگوں تک پہونچ جاتی تھیں اس طرح قومیت کی لہریں اٹھنے لگیں اسوقت کے لیڈروں میں سر سریندر ناتھ بنرجی، دادا بھائی نوروجی، گوپال کرشن گوکھلے۔ فیروز شاہ مہتہ، بدرالدین طیب جی اور امیش چندر بنرجی خاص ہیں گو بہت دن تک کانگریس کے سالانہ جلسوں میں عالیشان ملبوسات کا مظاہرہ، ضیافتوں کی ترتیب اور پُرجوش تقریریں ہی ہوتی رہیں، پھر بھی اخباروں کی ہمدردی اور صوبوں کے باہمی تعلقات سے کچھ فائدہ ضرور ہوا۔ اور کانگریس کے اثر سے وطنی جذبات زیادہ زور پکڑنے لگے۔ اور سنہ ۱۸۹۰ء میں سرکار نے واضح طور پر حکم جاری کیا کہ کوئی سرکاری ملازم اس کے جلسہ میں شریک نہ ہو۔ سنہ ۱۸۹۲ء کا قانون کچھ حد تک اس شائستہ تحریک کا ہی اثر ہے۔

سنہ ۱۸۹۲ء کی اصلاح

سنہ ۱۸۹۲ء سے سنہ ۱۹۰۵ء تک پھر کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا مگر کرزن کی حکمت عملی سے بے اطمینانی ضرور بڑھ گئی۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں جاپان نے روس پر فتح پائی۔ اس سے مشرقی ممالک میں کچھ زیادہ جوش پیدا ہونے لگا۔ بے اطمینانی اور جوش کے متحد ہوجانے سے تجویزوں کی زبان میں تیزی اور تقریروں میں سختی پیدا ہونے لگی۔ اسیوقت سنہ ۱۹۰۵ء میں کرزن نے بنگال کے ٹکڑے کئے اس سے بہت ناراضگی پھیلی اور کانگریس کی تحریک زیادہ زوردار ہو گئی۔ اصلاحوں کے مطالبہ کے ساتھ تقسیم بنگال کو رد کرنے کی بھی درخواست کی گئی۔

تقسیم بنگال سنہ ۱۹۰۵ء

آہستہ آہستہ کانگریس کے نوجوانوں نے کانگریس کی عاجزانہ پالیسی کی مذمت کی اور کہا کہ ادب و التجا کے ساتھ مطالبات کرنیکا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ سرکار کو اصلاح کرنے کیلئے مجبور کرنا

...م پارٹی کی ترقی

چاہتے تھے ان لوگوں کو گرم پارٹی کا لیڈر کہا جانے لگا ان میں بال گنگا دھر تلک لالہ لاجپت رائے دین چندر پال زیادہ مشہور ہیں تلک نے مہاراشٹر میں کیسری اخبار سے بڑی بیداری پیدا کر دی تھی۔ ایک بار قحط کے وقت لگان نہ دینے کی تحریک کی وجہ سے ۱½ سال کی سزائے قید بھی پا چکے تھے۔

سورت کانگریس

۱۹۰۶ء میں کلکتہ کانگریس میں جھگڑا بہت بڑھ گیا تھا۔ تلک اور ان کے ساتھی نرم پارٹی کا مذاق اڑانے لگے۔ دادا بھائی نوروجی نے اعلان کیا کہ کانگریس کا مقصد سوراج حاصل کرنا ہے اور اس طرح کچھ دن کے لئے جھگڑا ختم ہو گیا۔ آخر کار ۱۹۰۷ء سورت کی کانگریس کے وقت دونوں پارٹیاں علیحدہ ہو گئیں۔

اس عرصہ میں دو اور اہم واقعات ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کچھ ایسے لوگ تھے جو تشدد کے ذریعہ حکومت کو بدلنا چاہتے تھے انھیں لوگوں کے اثر سے اس وقت ہندوستان میں ایک انقلابی پارٹی پیدا ہو گئی یہ پارٹی اعلیٰ عہدہ داروں کی جان لیکر انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہتی تھی اس پارٹی نے کچھ لوگوں کو مار بھی ڈالا۔ اس پارٹی کو روکنے کے لئے سرکار نے کچھ دوسرے لوگوں کا تعاون حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس لئے سرکار نے کانگریس کی نرم پارٹی والوں کی طرف ہمدردی دکھانا شروع کیا۔ دوسری طرف سرکار نے سر سید احمد خاں کی مدد سے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی۔ ان کو ملازمتوں میں کچھ زیادہ سہولتیں دی جانے لگیں۔ مشرقی بنگال کو آسام سے ملا کر ایک نیا صوبہ بنانے میں بھی مسلمانوں کو خوش کرنے کی خواہش پوشیدہ تھی کیونکہ اس طرح مسلمان اکثریت کا ایک صوبہ بن گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ مسلمان ہندوؤں سے دشمنی رکھنے لگے۔ اور سرکار کی عنایتیں حاصل کر کے ان سے بڑھ جانے کی امید کرنے لگے۔ اسی مقصد سے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ ہز ہائینس آغا خان نے لارڈ منٹو سے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے درخواست کی کہ

ان کو آئینی مجلسوں اور مقامی سوراج کے اداروں میں الگ ممبر انتخاب کر کے بھیجنے کا اختیار دیا جائے اور مسلمان ممبروں کے انتخاب میں ہندوؤں کا کوئی دخل نہ رہے۔

مارلے منٹو اصلاح

مسلمان اور نرم پارٹی کے کانگریسیوں کو خوش کرنے کے لئے ۱۹۰۹ء میں منٹو مارلے کا اصلاحی قانون پاس کیا گیا۔ جس کی رو سے آئینی مجلسوں کے ممبروں کی تعداد بڑھا دی گئی۔ اور فرقہ وارانہ انتخابات شروع کئے گئے۔ کانگریس کی ایک بھی پارٹی ان اصلاحوں سے خوش نہ ہوئی۔

لکھنؤ کانگریس ۱۹۱۶ء

کچھ دن بعد ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کو رد کر دیا گیا۔ اور دو صوبوں کے بجائے بنگال بہار اور آسام کے تین صوبے بنائے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس وقت انگریزی سرکار کو ہندوستانیوں کے پورے تعاون کی ضرورت تھی۔ وزیراعظم مسٹر اسکوتھ نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہر ریاست کو خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو آزاد رہنے کا حق ہے۔ ان کا اشارہ بلجیم کی طرف تھا لیکن ہندوستانی سمجھنے لگے کہ شاید لڑائی کے بعد وہ بھی آزاد کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے جان توڑ کر سرکار کی امداد کی اندرونی شورشیں کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۱۶ء میں کانگریس کی دونوں پارٹیاں مل گئیں اور تلک اس کے مہتمم مقرر ہوئے۔ مسلم لیگ نے بھی کانگریس سے سمجھوتہ کر لیا۔ سرکار پر ان حالات کا کچھ اثر پڑا۔ ادھر یورپ میں اسے شکست فاش ہو رہی تھی۔ اس لئے ۱۹۱۷ء میں وزیر ہند مسٹر مانٹے گیو نے اعلان کیا کہ برٹش سرکار کا مقصد ہندوستان میں آہستہ آہستہ خود مختار حکومت قائم کرنا ہے۔ مسٹر مانٹے گیو نے وائسرائے وقت لارڈ چیمسفورڈ کی مدد سے اصلاحوں کے لئے ایک رپورٹ تیار کی۔ اس کی مخالفت کی گئی۔ اور اظہار ناراضگی کے لئے

کئی مقامات پر عام جلسے بھی کئے گئے۔ سرکار نے اس تحریک کو روکنے کے لئے رولٹ بل پاس کیا۔ رولٹ بل کی مخالفت کے لئے بھی جلسے کئے گئے۔ اس جرم میں بہت سے لوگ گرفتار بھی کئے گئے۔ اسی وقت جلیانوالہ باغ میں جنرل اڈائر نے نہتے اور پُر امن مجمعے پر گولی چلا کر سینکڑوں معصوم بچوں، بڈھوں اور عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ انگلینڈ میں بھی اس کی اس وحشیانہ حرکت کی مذمت کی گئی اور وہ واپس بلا لیا گیا۔

۱۹۱۹ء کی اصلاحات

اس بے اطمینانی اور ناراضگی کی فضا میں ۱۹۱۹ء کا اصلاحی قانون پاس ہوا۔ مہاتما گاندھی نے اس وقت کانگریس کی رہنمائی اپنے ہاتھ میں لی اور عدم تعاون کی تحریک شروع کی۔ ان کا کہنا تھا کہ سب ہندوستانیوں کو چاہیئے کہ گھریلو دھندوں کو ترقی دیں ولایتی مال کا بائیکاٹ کریں۔ سرکاری اسکول اور کالجوں کو چھوڑ دیں سرکاری عدالتوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں اور نئی آئینی مجلسوں کا مکمل بائیکاٹ کریں اس سوال پر کانگریس اور لیگ اور نرم و گرم پارٹی میں ہمیشہ کے لئے جھگڑا ہو گیا۔ لیگ اور گرم پارٹی کے لوگوں نے اصلاحوں سے حتی الامکان فائدہ اٹھانا چاہا اور گاندھی جی کی تحریک عدم تعاون کو غلط بتایا۔ سرکار نے اس تحریک کو سختی کے ساتھ دبانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کانگریس میں ایک نئی پارٹی سوراج پارٹی کے نام سے بن گئی۔ اس میں پنڈت موتی لال نہرو اور چترنجن داس خاص تھے۔ ان لوگوں نے آئینی مجلسوں میں داخل ہو کر اصلاحوں کو بیکار کر دینے کی کوشش کی۔ کچھ کانگریسی لیڈر ہندو سبھا میں مل گئے کیونکہ انہیں لیگ کا اقتدار بڑھتے دیکھکر شکوک پیدا ہونے لگے تھے۔ ان لوگوں میں پنڈت مدن موہن مالوی اور لالہ لاجپت رائے خاص تھے۔ اس طرح کانگریس کی طاقت کئی حصوں میں منقسم ہو گئی لیکن اس کا اقتدار بڑھتا ہی گیا۔ ۱۹۳۷ء میں کانگریس کو صوبہ متوسط اور بنگال میں اچھی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور انہوں نے سرکار کو اصلاحوں کو ملتوی کرنے پر مجبور کیا۔

سائمن کمیشن

مرکزی اسمبلی میں بھی کانگریس کا اقتدار بڑھ گیا۔ وٹھل بھائی پٹیل اسمبلی کے صدر منتخب کر لئے گئے۔ یہ کانگریس کی شاندار فتح تھی پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں سوراج پارٹی نے سرکار کی سخت نکتہ چینی کی۔ سرکار کو بھی بہت ہوشیار رہنا پڑا۔ ۱۹۲۵ء میں ان کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے سوراج پارٹی کا اقتدار گھٹنے لگا۔ اور ۱۹۲۶ء میں ہندو سبھا کا اقتدار بڑھنے لگا۔ ۱۹۲۷ء میں گاندھی جی کی رہنمائی میں جو کانگریس کے ممبر تھے وہ ڈھیلے پڑنے لگے اور سرکار سمجھنے لگی کہ کانگریس کافی کمزور ہو گئی ہے لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی ۱۹۲۷ء میں صرف انگریز ممبروں پر مشتمل سائمن کمیشن مقرر کیا گیا جس سے ہندوستانیوں میں بہت بے اطمینانی پھیلی سبھی مقامات پر کانگریس کا اقتدار بڑھنے لگا۔ سائمن کمیشن کا ہر جگہ بائیکاٹ کیا گیا۔ سرکار نے پھر جبر و تشدد سے اسے دبایا کئی جگہ مجمع برہم کرنے کے لئے لاٹھی چارج بھی کیا گیا اس میں چوٹ کھانے کے کچھ دن بعد لالہ لاجپت رائے کا انتقال ہو گیا سارے ہندوستان میں ان کی بڑی عزت تھی خاص طور پر پنجاب انہیں بہت مانتا تھا کچھ لوگوں نے یہ خبر پھیلا دی کہ انہیں دیدہ دانستہ پیٹا گیا تھا اور ان کی وفات اسی چوٹ کی وجہ سے ہوئی۔ عدم تعاون کی تحریک اور زور پکڑنے لگی اور ساتھ ہی ساتھ انقلابی پارٹی کا زور بھی بڑھنے لگا۔ کئی مقاموں پر بم پھٹے اور جانیں تلف ہوئیں کہیں کہیں باہمی نفاق کی وجہ سے ہندو مسلم دنگے بھی ہوئے۔ گاندھی جی نے سخت الفاظ میں اس سفاکی اور دنگوں کی مخالفت کی۔ ان کے اثر اور سرکار کی ہوشیاری سے ان کا زور کم ہو گیا۔ لیکن کانگریس کی تحریک جاری رہی۔

گول میز کانفرنس

۱۹۲۹ء۔ ۱۹۳۱ء کے درمیان میں سائمن کمیشن رپورٹ کی بنا پر نیا آئین حکومت تیار کرنے کے لئے تین گول میز کانفرنسیں ہوئیں پہلی کانفرنس میں کانگریس نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس وقت ہندوستان میں لارڈ ارون وائسرائے تھے۔ اور انگلینڈ میں ریمزے میکڈونلڈ وزیر

اعظم ہوئے۔ وہ مزدور پارٹی کے لیڈر تھے اس لئے ان کی حکمت عملی کچھ ہمدردانہ بھی ہندوستان میں سر تیج بہادر سپرو اور مسٹر جیکر نے ارون گاندھی پیکٹ کے بنانے میں بڑی مدد دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدم تعاون کی تحریک بند کر دی گئی۔ کانگریسی لیڈر چھوڑ دیئے گئے اور مہاتما گاندھی گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے انگلینڈ گئے۔ مسٹر محمد علی جناح کی ہوشیار رہبری کی وجہ سے لیگ کا اقتدار اس زمانہ میں کافی بڑھ گیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی اور بھی کئی چھوٹی موٹی پارٹیاں تھیں اور کانگریس میں بھی مسلمانوں کی تعداد کم نہ تھی۔ لیکن لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگی۔

گاندھی جی کو جلد ہی پتہ لگ گیا کہ گول میز کانفرنس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا

تیسری عدم تعاون کی تحریک

اس لئے وہ واپس چلے آئے ادھر ہندوستان میں ہوشیار سیاستدان ارون کی جگہ پر ولنگڈن وائسرائے ہوئے۔ انہوں نے کانگریس کو کچلنے کی پالیسی اختیار کی۔ سنہ ۱۹۳۰-۳۱ء میں بہت سے کانگریسی لیڈر پھر جیلوں میں پہونچ گئے اسی وقت جیل میں بیمار پڑ کر پنڈت موتی لال نہرو نے انتقال کیا۔ تحریک ڈھیلی پڑ گئی۔ ۱۹۳۵ء میں نیا قانون پاس ہو گیا اسے عمل میں لانے کے لئے کانگریس کا تعاون حاصل کرنا ضروری تھا اس لئے ایک ایک کر کے اس کے لیڈر رہا کر دیئے گئے۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں صوبجاتی آئینی مجلسوں کے لئے انتخابات ہوئے اس وقت

صوبجاتی سوراج

کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو تھے انہوں نے کل ہندوستان کا دورہ کیا۔ سب صوبوں کے خاص خاص لیڈروں نے ملک بھر میں دورے کر کے کانگریس کے ممبروں کے انتخاب کے لئے عوام سے اپیل کی۔ تقریباً سب ہی صوبوں میں کانگریس نے لیگ کے ممبروں کے ساتھ دوستانہ علیحدگی کی پالیسی پر عمل کیا۔ ۱۱ صوبوں میں سے ۸ میں کانگریس پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گئی۔ گورنروں نے ان کو یقین دلایا کہ وہ عام طور پر

اپنے خاص اختیارات کو استعمال نہیں کرینگے اس لئے ماہ جولائی ۱۹۳۷ء میں کانگریس کی وزارتی مجلسیں قائم ہوئیں اس وقت کانگریسی لیڈروں نے ملی جلی وزارتوں کو اعولاً برا بتایا کر خالص کانگریسی وزارتیں بنانے کی پالیسی پر زور دیا نتیجہ یہ ہوا کہ لیگ کی مخالفت بڑھ گئی۔ ان حالات میں کانگریسی وزارتوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ ایک طرف تو لوگ ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ان کی طرفداری کرتے ہیں اور دوسری طرف لیگ نے یہ کہنا شروع کیا کہ کانگریس کی حکومت میں مسلمانوں کے حقوق کی قربانی ہو رہی ہے۔ اس لئے کئی فرقہ وارانہ فساد ہوئے تقریباً سب وزارتوں نے ان ناہموار حالات کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا۔ بہت سی اہم اصلاحیں کیں جن سے کسان مزدوروں کی حالت سنبھل گئی تعلیم صحت اور حفاظت کی نشر و اشاعت ہوئی۔ اور انہوں نے دکھا دیا کہ ان میں صرف تحریک برپا کرنیکی ہی ہمت نہیں بلکہ حکومت کرنے کی بھی قابلیت ہے پنڈت جواہر لعل نہرو کے جانشین شری سبھاش چندر بوس نے ملی جلی وزارتیں بنانے کی طرفداری کی۔ آسام اور صوبہ سرحد میں بھی کانگریسی وزارتیں بن گئیں اور سندھ و بنگال کی غیر کانگریسی وزارتوں کی حالت ابتر ہو گئی۔ انہوں نے ایک مجلس بائی قومیت قائم کی اور اجتماعیت کی رفتار کو زیادہ تیز کرنا چاہا۔ کچھ لیڈروں نے اسے پسند نہ کیا اور بوس بابو کو استعفیٰ دینا پڑا۔

موجودہ جنگ ادھر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے پر کانگریسی وزارتوں نے استعفے دیدیے۔ ان کی جگہ پر گورنری حکومت قائم ہو گئی۔

وزارتیں بنانے کے وقت سے کانگریس میں کئی پارٹیاں پیدا ہو گئیں ان کی وجہ سے اس کا اثر گھٹنے لگا۔ اور اس کی طاقت منتشر ہو گئی۔ ایک پارٹی گاندھی جی کی پیروی کرنیوالوں کی تھی وہ عدم تشدد، ستیہ گرہ، کے ذریعہ ہی سوراج حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سردار ولبھ بھائی پٹیل، بابو راجندر پرشاد، مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خاں اور سروجنی نائیڈو خاص تھے۔ دوسری پارٹی فارورڈ

بلاک، تھی اس کے بانی سبھاش چندر بوس تھے۔ جب دوسرے لیڈروں نے ان کی پالیسی اختیار کرنا منظور نہ کیا تو انہوں نے اس پارٹی کی بنیاد ڈالی اس کا اثر زیادہ نہ تھا۔ کچھ دن بعد بوس چپکے سے ملک سے باہر چلے گئے اور دشمن سے مل گئے۔ اس وقت سے اس گروہ کا اثر اور بھی کم ہونے لگا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد فارورڈ بلاک نے کانگریس کی پالیسی سے مجبور ہو کر اس سے الگ ہونے کا خیال کیا۔ اگر اس کے لیڈر سبھاش چندر بوس زندہ ہیں اور واپس آجائینگے تو اس پارٹی کا اثر بہت بڑھ سکتا ہے۔ تیسری پارٹی اشتراک پسند لوگوں کی تھی وہ سرمایہ داری کی مخالفت کرتے تھے۔ عدم تشدد کو صرف ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور گھریلو صنعت وحرفت والی گاندھی جی کی چرخہ پالیسی کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان میں پنڈت جواہرلال نہرو۔ آچاریہ نریندر دیو۔ یوسف مہرعلی۔ بابو جے پرکاش نرائن وغیرہ خاص ہیں۔ چوتھی پارٹی اشتمالیت پسندوں (کمیونسٹ) کی تھی وہ کانگریس کی گاؤں اور شہروں کی کمیٹیوں کا اقتدار بڑھانا چاہتے تھے اور روس کی سرکار سے ملتی جلتی سرکار بنانا چاہتے تھے۔

کانگریس کے علاوہ اور کئی پارٹیاں ہیں جن کا اثر آزادی کی تحریک پر پڑا

دوسری پارٹیاں

مسلم لیگ اور ان کے لیڈر مسٹر جناح کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مسلم لیگ کا اقتدار کافی بڑھ گیا ہے آجکل وہ تحریک پاکستان کی نشرواشاعت کر کے مسلمانوں میں کافی جوش بھر رہے ہیں لیکن لیگ نے ابھی تک مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح کرنے یا ان میں معاشرتی اصلاحیں کرنے کی طرف کم توجہ دی ہے۔ اب وہ اس طرف بھی کچھ توجہ کر رہی ہے۔ مسلمانوں کی ایک دوسری اہم پارٹی نیشنل مسلم پارٹی ہے۔ یہ لوگ کانگریس سے مل کر جنگ آزادی میں ہاتھ بٹانا چاہتے ہیں اور پاکستان کے مخالف ہیں۔ ان کے علاوہ خاکسار۔ احرار۔ اجتماعی مسلم کانفرنس۔ خدائی خدمتگار

وغیرہ دوسری مسلم پارٹیاں ہیں ان کا اثر اکثر ایک ہی صوبہ یا کچھ ہی لوگوں تک محدود ہے۔

ہندوؤں میں زیادہ تر لوگ کانگریس میں تھے لیکن سنہ ۱۹۱۹ء سے لبرل پارٹی بن گئی۔ آج کل اس میں بڑے زبردست لیڈر ہیں لیکن ان کی پیروی کرنے والوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے ان کا اثر زیادہ نہیں ہے سرکار ان کی عزت کرتی ہے اور ان میں سے زیادہ تر سر یا ایسے ہی بلند خطابات سے ممتاز کئے گئے ہیں ونائک دامودر ساورکر کے صدر ہونے کے بعد سے ہندو مہاسبھا کا اثر پھر کچھ بڑھنے لگا۔ اور اس میں راجہ، سیٹھ اور زمیندار بھی شامل ہونے لگے۔

موجودہ حالت
سنہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء

جنگ کی حکمت عملی سے اتفاق نہ رکھنے کی وجہ سے جب کانگریس نے سرکار سے تعاون نہ کیا۔ تو مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کا اقتدار بڑھنے لگا۔ سندھ۔ آسام، صوبہ سرحد اور بنگال میں لیگی وزارتیں بن گئیں اور لیگ و مہاسبھا کے ممبر مرکزی و صوبائی سرکاروں میں اونچے عہدے پانے لگے۔ سرکار کو لڑائی جاری رکھنے کے لئے کافی رنگروٹ اور روپیہ مل ہی رہا تھا سرمایہ داروں اور مل کے مالکوں کی مدد سے سامان جنگ تیار کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں پڑتی تھی۔ اور گورنری حکومت ہونے کی وجہ سے سرکار سب کچھ کر سکتی تھی۔ اس لئے سنہ ۱۹۳۹ء - سنہ ۱۹۴۲ء میں سرکار نے کانگریس سے سمجھوتہ کرنے کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔ گاندھی جی نے جنگ کو برا بتایا۔ لیکن دوران جنگ میں سرکار کو پریشان کر کے حقوق کا مطالبہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آہستہ آہستہ حالات میں تبدیلی ہونے لگی سرکار کو کافی تعداد میں اچھے اور تعلیم یافتہ رنگروٹ حاصل کرنے میں مشکل پیش آنے لگی اور جگہ جگہ سے اس کے پاس یہ خبریں آنے لگیں کہ کانگریس کا عدم تعاون ہی اس کمی اور پڑا ہی کا خاص سبب ہے۔ لڑائی کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور اتحادی سلطنتوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے سرکار نے یہ محسوس کیا کہ

ہندوستانیوں کا دلی تعاون حاصل کرنا نہایت ضروری ہے جاپانی فوجیں ہندوستان کی سرحد تک آگئی تھیں ان کے حملہ کرنے پر ناراض ہندوستانی جاپانیوں سے ملکر سرکار کی حالت خراب کر سکتے تھے اس لئے مارچ ۱۹۴۲ء میں تجاویز کرپس کے ذریعہ سمجھوتہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ ادھر کانگریسی اداروں اور لیڈروں کے پاس یہ شکایتیں آنے لگیں کہ جنگ کی کوششوں کے سلسلے میں غریبوں پر بہت سختی کی جارہی ہے اس لئے کانگریسی لیڈروں نے خاموشی اختیار کرنا مناسب نہ سمجھا اور ۱۹۴۲ء کے ماہ اگست میں "ہندوستان چھوڑ دو" کی تجویز پاس کی گئی اس کے پاس ہوتے ہی ملک بھر میں کانگریسیوں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور وہ معلوم و غیر معلوم مقامات میں بلا میعاد قید کر دیئے گئے۔ حالاتِ جنگ کی پریشانی اور ہر دلعزیز لیڈروں کی اچانک گرفتاری سے بیزار ہو کر رعایا نے ایک زبردست انقلابی تحریک شروع کر دی۔ سرکاری دفتر جلا دیئے گئے۔ ریل کی پٹریاں اکھاڑ کر پھینک دی گئیں اور سرکاری خزانے لوٹ لئے گئے۔ سرکار نے جبر و تشدد سے اس تحریک کو روکنے کی کوشش کی اور لاٹھیاں، گولیاں، اور مشین گنیں وغیرہ استعمال کی گئیں اس لئے شعلۂ غضب اور مشتعل ہوا۔ اور کئی سرکاری ملازم جان سے مار ڈالے گئے۔ بالآخر سرکار نے حد سے زیادہ سختیاں کر کے تحریک کو دبا دیا اور اخباروں کی آزادی محدود کر دی۔

ملایا اور برما میں آزاد ہند فوج بنائی گئی تھی جس میں محض تربیت کی بنا پر ایک فوج اور سرکار منظم کی گئی۔ اس کی عنان نیتا جی سبھاش چندر بوس نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ہندوستان کی عارضی سرکار کو جاپان، جرمنی، اٹلی، منچوکو اور سیام وغیرہ کئی ملکوں نے منظور کر لیا۔ اس سرکار کے ممبروں نے جاپان کی مدد سے ہندوستان پر حملہ کرنے اور انگریزی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ اور جنگ میں اتحادیوں کی فتح ہونے پر اس پارٹی کے زیادہ تر لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ اور ان پر بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے کا مقدمہ چلایا

مہاتما گاندھی

پنڈت جواهر لال نہرو

مسٹر محمد علي جناح

کپتان پریمندر سنگھہ بھگت دنیای
دوسری جنگ عظیم میں وکٹوریہ
کراس تمغہ پانےوالا پہلا هندوستاني

گیا۔ پہلے مقدمہ کے ملزم شاہ نواز، سہگل اور ڈھلّن رہا کر دیئے گئے ہیں کیونکہ انکی موافقت میں سارے ملک میں تحریک پھیل گئی ہے۔

حالات بہتر ہونے پر سرکار نے مہاتما گاندھی کو رہا کر دیا۔ ان کی وجہ باہر کے حالات خراب نہیں ہوئے۔ لڑائی ختم ہونے پر کچھ اصلاح کرنا ضروری سمجھکر سرکار نے کانگریسی لیڈروں کو رہا کر دیا اور شملہ کانفرنس کے ذریعہ سمجھوتہ کرنا چاہا لیکن اسمیں کامیابی نہ ہوئی ۱۹۴۵ء کے ابتدائی مہینوں میں کانگریس کی طاقت بہت کم ہو گئی تھی لیکن گذشتہ چھ مہینوں میں اس نے وہ طاقت حاصل کر لی جو اسے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی اس نے ۱۹۴۲ء میں انقلاب برپا کرنیوالے لوگوں کی شجاعت اور قربانیوں کی تعریفیں کرکے انکے کاموں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے جس سے اسکی عزت اور ہردلعزیزی کو چار چاند لگ گئے ہیں آزاد ہند فوج کے ممبروں کے مقدموں اور انکے خاندانوں کی امداد کا انتظام کرکے اس نے ملک بھر میں ایک عدیم المثال جوش پیدا کر دیا ہے اور جگہ جگہ جے ہند اور دلّی چلو کے نعرے سنائی دینے لگے ہیں۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اسکی شاندار فتح ہوئی ہے اور اس نے اپنے پرانے ممبروں کو پھر اپنے ساتھ لینے کی کوشش شروع کر دی ہے موجودہ امید افزا حالات میں ہندوستان آزادی بہت نزدیک معلوم ہونے لگی ہے پارلیامنٹ کا ڈیلیگیشن اور کیبنٹ مشن کو بھیجکر مزدور سرکار نے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ہندوستانی مسئلہ کو حل کرنا چاہتی ہے ۱۹۴۶ء کے چناؤں بیرونی ممالک کے معاملوں کی پیچیدگی اور ہندوستانی لیڈروں کے مشورہ سے متاثر ہو کر مزدور سرکار یہ کہنے پر مجبور ہوئی ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑنے کو تیار ہے۔

موجودہ بیداری میں اخباروں اور لیڈروں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ہندوستان کی سب ہی پارٹیاں اخباروں کے ذریعہ اپنے خیالات کی اشاعت کرتی رہتی ہیں۔ کانگریس نے اس کا بہترین انتظام کیا ہے۔ اس نے غیر ممالک میں بھی اپنے خیالات کی اشاعت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مختلف پارٹیوں کے سالانہ جلسے ہوتے ہیں۔ ان کی کارروائی کے حالات اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ اس سے سرکار کو عوام کی ترقی کی رفتار کا حال معلوم ہوتا ہے اور رائے عامہ کی تنظیم میں آسانی ہوتی ہے۔ رعایا کو خاص مسئلوں کا علم حاصل ہونے کا موقع ملتا ہے اور اس کی بیداری میں اضافہ ہوتا ہے۔ سرکار کی طرف سے ان تمام پارٹیوں کے پُرامن اور آئینی کاموں کے لئے سہولتیں دی جاتی ہیں۔

خاص تاریخیں

کانگریس کی ابتداء	۱۸۸۵ء
سورت کانگریس	۱۹۰۷ء
لکھنؤ، کانگریس اور لیگ سے سمجھوتہ	۱۹۱۶ء
سائمن کمیشن	۱۹۲۷ء
کانگریسی مجلس وزراء	۱۹۳۷ء
دوسری جنگِ عظیم	۱۹۳۹ء
کرپس مشن اور ہندوستان چھوڑو کی تجویز	۱۹۴۲ء
خاتمۂ جنگ اور شملہ کانفرنس	۱۹۴۵ء
کیبی نیٹ مشن	۱۹۴۶ء

مشق کے لئے سوالات

۱۔ کانگریس کی بنیاد کب اور کیوں پڑی؟

۲۔ پہلے کانگریس کی پالیسی کیا تھی؟ وہ کن ذرائع سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونا چاہتی تھی؟

۳۔ تلک نے کانگریس کی حکمتِ عملی میں کیا تبدیلی کی؟

۴۔ مسلم لیگ کے قائم ہو جانے سے کانگریس پر کیا اثر پڑا؟
۵۔ مہاتما گاندھی نے کانگریس کی پالیسی میں کیا تبدیلیاں کی ہیں؟
۶۔ کانگریسی وزارتوں کو اپنے عہد حکومت میں کن وجوہات سے مشکلات پیش آ
۷۔ کانگریس کی خاص پارٹیوں اور ان کی پالیسی کو بیان کرو۔
۸۔ مسٹر جناح اور ساورکر کا ہندوستانی سیاسیات میں کیا مرتبہ ہے؟
۹۔ مختلف پارٹیوں کے ہونے سے سرکار اور عوام کو کیا فائدہ ہوا ہے؟

بیالیسواں باب
معاشرتی اور اقتصادی ترقی

موجودہ زمانہ میں دنیا کے تمام ممالک میں زبردست تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

موجودہ زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں یہ زمانہ (انیسویں و بیسویں صدی) کئی وجوہ سے بہت اہم ہے۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں برطانیہ کا اقتدار مستقل طور پر جم گیا اور سیاسی برہمی کے بجائے ملک میں ایک ہمہ گیر اقتدار قائم ہو گیا اس کی پالیسی کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کو اپنی بہت سی خرابیاں معلوم ہو گئیں اور وہ آزاد ہندوستانی حکومت قائم کرنے کے لئے پھر کوشش کرنے لگے۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے روز افزوں ارتباط اور تعلقات کا اثر ہندوستانی تہذیب اور معاشرت پر بھی پڑا کچھ ہندوستانی مغربی سائنس کی ترقی اور عیسائی مشنریوں کی تبلیغ سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ ہندوستانی مذہب اور معاشری تنظیم بالکل دقیانوسی اور خرابیوں سے پُر ہے تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ نکالے کی پیش گوئی کے مطابق رنگ و صورت میں ہندوستانی ہوتے ہوئے

بھی اپنے خیالات، لباس اور عادات واطوار میں انگریزوں کی طرح بن گئے اور ان کو ہندوستانی تہذیب سے چڑھ ہونے لگی۔ فتح ہندوستان کے بعد ہمارے حکمرانوں نے روح ہندوستان پر بھی فتح پانے کی کوشش کی۔

برہم سماج سنہ ۱۸۳۰ء

اس فتح کو روکنے کی پہلی کوشش راجہ رام موہن رائے (سنہ ۱۷۷۲ء۔ سنہ ۱۸۳۳ء) نے کی انہوں نے سنہ ۱۸۳۰ء میں 'برہم سماج' نام کی ایک سوسائٹی قائم کی۔ برہم سماج نے ایشور کی ہمہ جائی اور ہمہ گیری پر زور دیا اور اس قادر مطلق کی عبادت کی تعلیم دی۔ اس میں بت پرستی۔ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش اور پجاریوں کی عظمت کی تردید کی گئی اس مذہب کی خاص بنیاد اپنشد اور بودھ مذہب پر تھی۔ لیکن عیسائیوں اور یہودیوں کا بھی اس پر کچھ اثر پڑا۔ راجہ رام موہن رائے نے اس مذہب میں ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی تھی جن پر عیسائی نکتہ چینی کرکے تعلیم یافتہ ہندوؤں کو لامذہب کر لیتے تھے۔ ہندو سوسائٹی کو معزز بنانے کیلئے انہوں نے مروجہ خراب رسم ورواجوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے رسم ستی اور ذات پات کی مخالفت کی اور بیواؤں کی شادیوں اور ترغیب تعلیم کی موافقت کی۔ آگے چلکر برہم سماج میں دو حصے ہو گئے۔ ایک فرقہ تو اسے ہندو مذہب کے قریب رکھنا چاہتا تھا اور دوسرا زیادہ ترقی پسند ہو گیا جس کی وجہ سے لوگ اسے عیسائی مذہب کی ایک شاخ بتا کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔

آریہ سماج سنہ ۱۸۷۵ء

اسی زمانہ میں سنہ ۱۸۷۵ء میں سوامی دیانند سرسوتی (سنہ ۱۸۲۴ء۔ سنہ ۱۸۸۳ء) نے آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ سوامی دیانند نے صرف ویدوں کی تعلیم کی بنا پر ہندوستانی مذہب اور سوسائٹی کی خرابیوں کو دور کرکے اسے ترقی یافتہ بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مباحثوں اور مناظروں کے ذریعہ مخالف لیڈروں کو شکست دی اور اپنی برتری ثابت کی انہوں نے چھوا چھوت، ذات پات، بت پرستی، کم سنی کی شادی وغیرہ

سر سید احمد خاں

سری روندرناتھ، ٹھاکر

دنیا کا مشہور پہلوان گاما

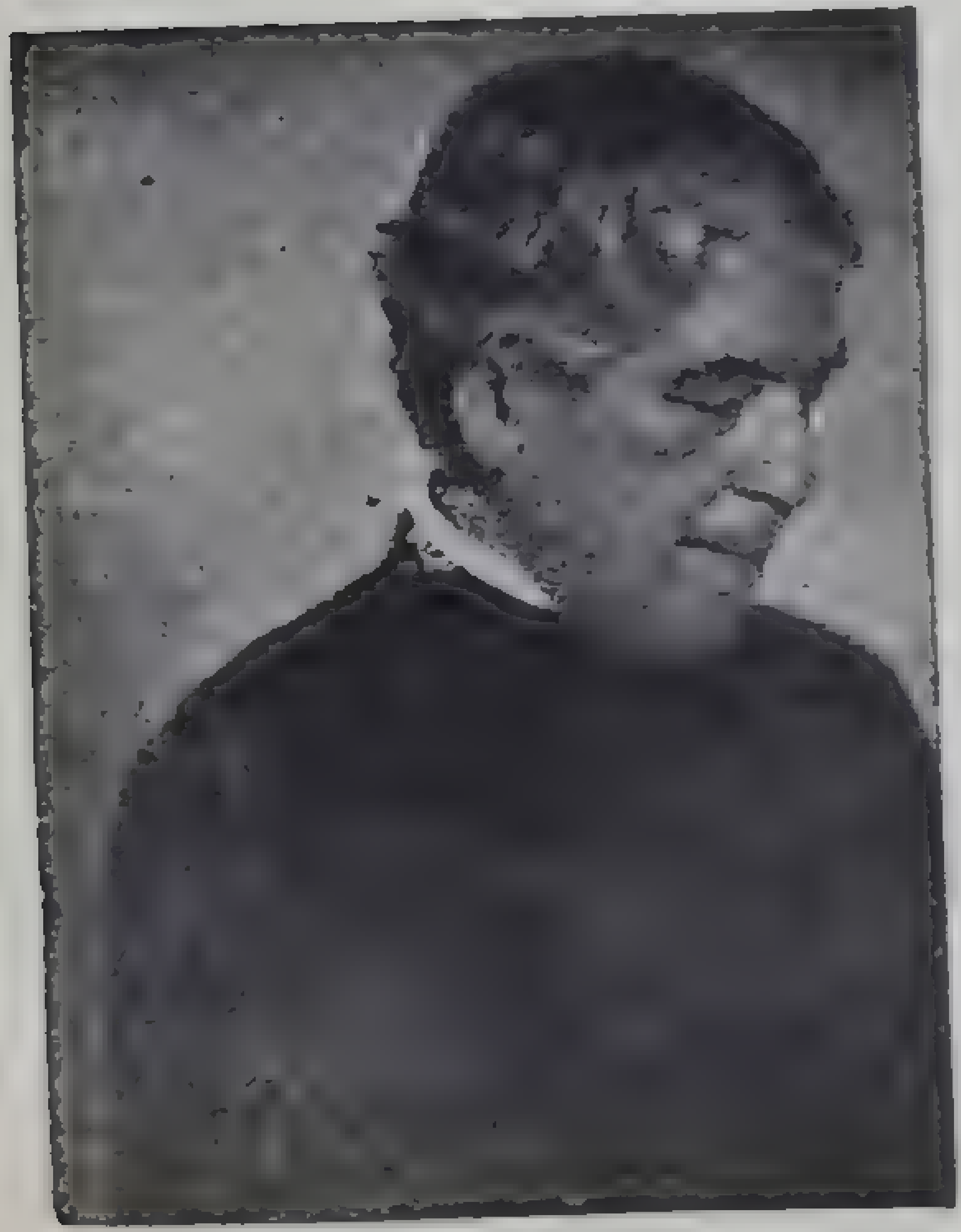

دنیا کے مشہور سائنس داں

کی سخت مخالفت کی اور رواج تعلیم، بین الذاتی خورد و نوش اور شادیاں غیر
کی شدھی (پاک کرلینا) اور بیواؤں کی شادی کی تائید کی۔ انکے حفظ و نشر
سے ہندوؤں میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی۔ ویدوں کی درس و تدریس میں
اضافہ ہوا۔ ہندوستانیوں کو پھر سے اپنی گذشتہ شان و عظمت کا علم ہوا اور
کچھ سماجی برائیاں کم ہوگئیں۔ نئی تعلیم گاہیں قائم ہوئیں خورد و نوش کی پابندیاں
کم ہوگئیں جس کی وجہ سے اندرونی تنظیم زیادہ مضبوط ہوگئی۔

دیگر ادارے

پرارتھنا سماج (۱۸۶۷ء)، رام کرشن مشن (۱۸۹۶ء) تھیاسوفیکل سوسائٹی
(۱۸۷۹ء) اور اسی طرح کے دیگر اداروں نے بھی ہندوستانیوں
میں تعلیم اور مذہب کے ذریعہ ہمدردی اور محبت بڑھانے کی
کوشش کی ہے انہوں نے بھی سماجی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور
غریبوں و مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرکے ان کی زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانے
کی کوشش کی ہے۔

وہابی اور احمدیہ تحریکیں

جس طرح ہندوؤں کی حالت سدھارنے کے لئے کئی مذہبی مصلحوں نے
کوششیں کیں اسی طرح مسلمانوں کو معزز اور بیدار کرنے
کے لئے وہابی، احمدیہ اور علی گڑھ کی تحریکوں نے کوشش
کی ہے وہابی صرف قرآن کو ہی مذہب کی بنیاد مانتے ہیں
اور ہر شخص کو اس کا مطلب لگانے کی آزادی دیتے ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے
وہ تمام مسلمانوں سے زیادہ وسیع الخیال ہیں۔ انہوں نے قبروں فقیروں وغیرہ کی
پرستش کی بھی مخالفت کی۔ اس ملک میں ان کی تبلیغ رائے بریلی کے سید احمد صاحب
(۱۷۸۲ء۔ ۱۸۳۱ء) نے کی تھی۔ ان کا اثر زیادہ نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے
مغربی تعلیم کی مخالفت کی۔ ان کے برخلاف سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) نے کہا
کہ اگر مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل نہ کی تو وہ سخت غلطی کریں گے۔ انہوں نے
مسلم تہذیب کو مغربی سائنس کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مذہبی

خیالات اور معاشری رسم و رواج کو بھی موجودہ حالت کے مطابق بنانا چاہا اور رسم پردہ، ناخواندگی اور مسلمانوں میں اونچ نیچ کے خیالات کو ہٹانے کی کوشش کی۔ ان کی ہی کوشش سے علی گڑھ کا مسلم اینگلو اورینٹل کالج قائم ہوا ۱۸۵۷ء جو آگے چلکر مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہوگیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی رائج کی ہوئی احمدیہ تحریک ان سب باتوں کو ہٹانا چاہتی تھی جو محمد صاحب کے زمانہ کے اسلام میں نہ تھیں انہوں نے قرآن کا آزاد مطلب نکالنے کی مخالفت کی۔ اور مسلمانوں کو زیادہ کٹر بنانا چاہا۔ ان تینوں میں سے علی گڑھ کی تحریک ہی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اسی کی وجہ سے مسلمانوں میں بیداری پھیلی۔

ہریجن تحریک

مذہبی مصلحین کی تعلیم سیاسی تحریکیں تعلیم اور اخباروں کے اثر سے سب ہی طبقوں میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے طبقہ اور سوسائٹی کو زیادہ اونچا اٹھانے کی کوشش کی ہے ہندو سوسائٹی میں دو خاص مسئلے تھے۔ اور ابھی تک ہیں۔ ان میں سے ایک ہے اچھوتوں کی حالت اور دوسری عورتوں کی وقعت۔ ان دونوں کے متعلق بھی بہت سی اصلاحیں ہوئی ہیں جن کا ذکر مختصراً ہی کیا جا سکتا ہے۔ مہاتما بدھ کے زمانہ سے ہی ہندوستان کے مذہبی مصلحین ذات پات اور چھوا چھوت کی مخالفت کرتے آئے ہیں اور وقتاً فوقتاً اونچی ذات کے لوگوں کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ اچھا ہوگیا ہے کبھی کبھی ان کے مسلمان اور عیسائی ہونے پر ان کے مذہب والے بھی اپنے مظالم کا احساس کرتے رہے ہیں۔ لیکن بیسویں صدی میں بھی اچھوتوں کی حالت ہندو سوسائٹی کی پیشانی پر داغ بد نما کی طرح موجود ہے۔ آریہ سماج کی تعلیم نے ان میں سے کچھ کو اوپر اٹھنے کا موقعہ دیا ہے مہاتما گاندھی نے ان کا نام ہریجن رکھدیا ہے اور ان کی کوششوں سے مختلف مقامات پر ہریجن کی حالت سنبھالنے کے لئے آشرم اور انجمنیں کھولی گئی ہیں۔ ایسا ہی ایک آشرم منشی ایشور سرن کی کوشش سے الہ آباد میں کام کررہا

ہے۔ یہ آشرم اور انجمنیں ہریجنوں کو تعلیم یافتہ بناتی ہیں۔ ان کو نشیلی چیزوں کو چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہیں اور انہیں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے قابل بناتے ہیں سرکار نے بھی ہریجنوں کی تعلیم کے لئے خاص سہولتیں عطا کی ہیں ہریجن طلبہ کو کتابیں اور وظیفے دینے کا انتظام کیا ہے اور ان کو سرکاری ملازمتوں میں بھی ترجیح دی جاتی ہے آئینی مجلسوں میں بھی ان کے نمائندوں کے لئے جگہیں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ ان سب وجوہات سے ان کی حالت سنبھل رہی ہے لیکن ابھی بہت کام باقی ہے۔ ہندو ذاتوں کے دماغ سے ابھی بہتری اور برتری کا بھوت نہیں اُترا ہے اور جب تک یہ نہیں ہوتا تب تک یہ کام نامکمل ہی رہے گا۔

عورتوں کی حالت

۱۸۲۹ء میں رسم ستی کو خلاف قانون قرار دیکر بیوہ عورتوں کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہوا اس سے ان کی عزت کچھ بڑھ گئی لیکن اس سے زیادہ ضروری چیز بیوہ عورتوں کی حالت میں اصلاح کرنا تھی۔ برہم سماج، آریہ سماج، اور تعلیم یافتہ لوگوں نے بیواؤں کی شادیوں کی موافقت کی ہے۔ پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر نے شاستروں کی مدد سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ قدیم ہندو سوسائٹی میں بیواؤں کی شادیاں رائج تھیں۔ ان کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۶ء میں سرکار نے ایک قانون بنا کر بیواؤں کو شادی کرنے کا اختیار دیدیا۔ آریہ سماج اور بہت سے ودھوا آشرموں نے بیواؤں کو خود پرور بنانے کی کوشش کی ہے اور ان کی شادیاں بھی کرا دی ہیں ۱۹۳۷ء میں سرکار نے ایک نیا قانون بنا کر بیواؤں کو خاندان کی ملکیت میں حقوق عطا فرمائے ہیں۔ بیواؤں کی تعداد بڑھنے کا خاص سبب کم سنی کی شادیاں اور بے جوڑ شادیاں ہیں بچپن کی شادیوں کو روکنے کے لئے ۱۹۳۰ء میں سرکار نے ایک قانون بنایا تھا جو شاردا ایکٹ کے نام سے مشہور ہے بے جوڑ شادیوں کو روکنے کے لئے بھی کوششیں کی گئی

ہیں۔ عورتوں میں تعلیم پھیلانے کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے قائم کئے گئے ہیں اور تعلیم یافتہ عورتوں نے صوبائی و کل ہندوستان کی کانفرنسوں کے ذریعہ اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت سرکار کے سامنے ایک بل پیش ہوا جس کے ذریعہ عورتوں کو باپ کی ملکیت میں حصہ دیا جانے والا ہے۔ اور کثرتِ ازدواج کی مخالفت اور طلاق کی آسانیاں حاصل کرنے کی تجویز ہے۔ اس طرح عورتوں کی حالت میں کافی اصلاح ہو گئی ہے وہ نئی آئینی مجلسوں کی ممبر کانگریس کی صدر، صوبائی حکومتوں میں وزیر، وکیل، ڈاکٹر، انجینیئر معلمہ وغیرہ کا کام قابلیت کے ساتھ انجام دے رہی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے زمانہ میں عورتوں نے جنگ کی کوششوں میں بھی کافی حصہ لیا تھا۔ اور ایک امدادی فوج نسواں یعنی ویمنس آگزیلیری کور بھی قائم کی گئی تھی۔ لیکن یہاں بھی ابھی بہت کام باقی ہے عورتوں کی تعلیم اور حفظانِ صحت کا انتظام ابھی بہت ہی ناقابلِ اطمینان ہے اور ملکیت و شادیوں کے معاملے میں ان کے حقوق مردوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں۔

صحتِ عامہ

ہندوستانی لوگوں کی خوراک اکثر ٹھیک نہیں ہوتی اور نہ عوام کو مناسب غذا کا علم ہی ہے جن کو اس کا کچھ علم بھی ہے ان کی مالی حالت اتنی خراب ہے کہ وہ صحت بخش کھانا کافی مقدار میں حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہندوستانیوں کی صحت خراب ہے۔ اور وہ بہت سی بیماریوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ سرکار اور نجی لوگوں نے اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے بہت سی تدبیریں کی ہیں۔ سرکار کا محکمہ صحت عامہ صفائی کا انتظام کرتا ہے اور بیماریوں سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے۔ پلیگ، ہیضہ، چیچک، میعادی بخار وغیرہ کے انجکشن لگائے گئے ہیں۔ جب ان بیماریوں کا قہر نازل ہوتا ہے تو سرکار مفت ان سے بچنے کے لئے ٹیکے لگوانے کا انتظام کر دیتی ہے۔ آنکھوں کا علاج، تپ دق، کالا زار، اور کوڑھ وغیرہ کے لئے الگ

شفاخانے کھولے گئے ہیں لیکن اس طرف بھی ابھی کافی ترقی کی ضرورت ہے۔ ہر گاؤں میں معقول علاج کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اور رعایا کی تعلیمی اور مالی ترقی کے ذریعہ انہیں تندرست رہنے کے قابل بنانا چاہیئے۔

جس طرح موجودہ زمانہ میں معاشرتی ترقی ہوئی ہے اسی طرح عوام کی

اقتصادی حالت

اقتصادی حالت میں بھی اصلاح کرنے کے لئے کچھ کوششیں کی گئی ہیں۔ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ لیکن کوئی بھی ملک صرف ایک پیشے پر پنپ نہیں سکتا۔ اتنے بڑے وسیع اور گنجان آباد ملک کے لئے خاص طور پر زراعت کے علاوہ دوسرے ذرائع معاش کا سہارا لینا ضروری ہے زمانہ وسطیٰ میں اس ملک کی معاشی حالت کافی اچھی تھی۔ اور اسی واسطے یورپ کے تجار یہاں آئے اس ملک میں کپڑے کی بنائی اور چھپائی کا کام عہد مغلیہ میں سر سبز رہا۔ غدر کے وقت تک یورپ میں صنعتی انقلاب ہو چکا تھا اس وقت سے سرکار ہند کی حکمت عملی پر انگریز تاجروں کا خاص اثر پڑا۔ اور یہاں کی صنعتی حکمت عملی انگلینڈ کی حکمت عملی کا ایک جزو بن گئی۔ اس لئے یہاں کا صنعتی زوال اور بعد میں گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں تھوڑی بہت ترقی انگریز سرمایہ داروں کی خواہش اور اسامیوں کے مطابق ہوئی۔ گذشتہ بیس سال میں قومی تحریک کی وجہ سے ملک والوں کی توجہ اس طرف زیادہ مبذول ہوئی ہے۔ دونوں جنگہائے عظیم سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہندوستانی صنعتوں کے پیچھے رہ جانے سے ہندوستان اور سلطنت برطانیہ کو کس قدر نقصان پہونچ سکتا ہے۔ وسط مشرق میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو سلطنت برطانیہ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس لئے اس جنگ کے زمانہ میں سرکار اور نجی تجار دونوں نے ہی ملک کی ترقی کی تجویزیں بنائی ہیں۔ ان کے مکمل طور پر عمل میں آئے بغیر اس ملک کی حالت سنبھل نہیں سکتی۔ یہاں ملک کی خاص صنعتوں کی ترقی

پر سلسلہ وار روشنی ڈالیں گے۔

زراعت غدر کے پہلے تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے زراعت اور کاشتکاروں کی حالت میں اصلاح کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔ ان کی توجہ صرف اس حد تک محدود تھی کہ سرکاری مالگزاری ادا ہوتی رہے۔ غدر کے انقلابی زمانہ میں کاشتکار پرانی رسموں سے بندھا ہوا تھا عام طور پر وہ زمینداروں کی مرضی کے مطابق ہی کھیت جوت سکتا تھا۔ زمیندار اپنی خواہش سے لگان میں اضافہ کر سکتے تھے، بیگار لیتے تھے اور ناراض ہوجانے پر کھیت مکان، جانور، درخت سب کچھ چھین کر اسے بھکاری بنا سکتے تھے۔ کھیتی ہمیشہ اچھی ہوتی نہیں ہے اس لئے جب کبھی قحط پڑا یا کوئی شادی پڑی تو کسان مہاجن کا مقروض بھی ہوجاتا تھا۔ زمیندار سے بچا ہوا کسان کا خون یہ چوسا کرتے تھے ایسی حالتوں میں ناگہانی مصیبتوں سے بھی بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اگر بارش وقت پر نہ ہوئی تو کسان برباد ہوجاتے تھے۔

ہندوستان کی پبلک کا زیادہ تر کام زراعت ہی ہے۔ کاشتکاروں کی ترقی اور مالیت پر ہی سرکار کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ منحصر ہے اس لئے زراعت کی ترقی کے لئے سرکار نے بہت سی ترکیبیں کی ہیں۔ ڈلہوزی کے عہد کے بعد لارڈ لارنس کے وقت میں کاشتکاروں کی حالت کی اصلاح کے لئے دو قانون پاس کئے گئے ۱۸۶۸ء کے اودھ ٹینینسی ایکٹ کے ذریعہ کاشتکاروں کو موروثی اختیارات دینے کی اسکیم بنائی گئی، اگر زمیندار پہلے ہی اس کو بیدخل کرے تو ایسے کاشتکار کو اس کی مالیت کا مناسب معاوضہ ملتا تھا جو اس نے کھیتوں کو سدھارنے میں خرچ کی ہو۔ ۱۸۶۹ء کے پنجاب ٹینینسی ایکٹ کے موجب پنجاب کے کاشتکاروں کو بھی اسی طرح کی سہولتیں دی گئیں اور زمینداروں کو بلاوجہ لگان بڑھانے کا اختیار نہ رہا۔ لارڈ میو نے ایک محکمۂ زراعت قائم کیا۔ اس نے جگہ جگہ پر سائنس کے رو سے کھیتی کرنے کے فارم کھولے۔ وہ

خیال کرتا تھا کہ کسان اور زمیندار اس کی نقل کرینگے اور زراعت میں ترقی کرینگے
اس نے آبپاشی کے لئے نئی نہریں بھی بنوائیں۔ لارڈ ڈفرن (۱۸۸۴ء تا ۱۸۸۸ء)
کے وقت میں بھی کاشتکاروں کی حالت سدھارنے کے لئے قانون بنائے گئے ۱۸۸۵ء
کے بنگال ٹیننسی ایکٹ کے ذریعہ کاشتکاروں کو اپنی زمین ہمیشہ کے لئے مل گئی اور
اس کا مناسب لگان مقرر کر دیا گیا اگلے سال اودھ کے کاشتکاروں کو اختیار
دیا گیا کہ کھیتوں کی حالت سدھارنے پر کم از کم ۷ سال تک وہ انجیں کے قبضے
میں رہے یا زمینداروں کا خرچ واپس کرکے کھیت ان سے چھڑا دیں (۱۸۸۷ء)
میں اسی طرح کا قانون پنجاب کے لئے بھی بنایا گیا اور مناسب مالگذاری مقرر
کر دی گئی۔ ڈفرن کے بعد کرزن (۱۸۹۹ء لغایت ۱۹۰۵ء) نے کاشتکاروں
کی حالت سدھارنے کی کوشش کی۔ اس نے ۱۹۰۰ء میں ایک قانون پاس کیا
جس کے مطابق پنجاب کے کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت ہوئی۔ اب مہاجن
نہ تو کاشتکاروں کی زمینیں خرید سکتے تھے اور نہ اسے ۲۰ سال سے زیادہ کے
کے لئے رہن رکھ سکتے تھے۔

تمام ہندوستان میں زراعت کی حالت درست کرنے کے لئے کرزن نے
ایک انسپکٹر جنرل آف ایگریکلچر مقرر کیا۔ اس کا کام نہ صرف نمونہ کے فارموں
کو چلانا تھا بلکہ وہ زراعت کی ترقی کے ذرائع کو ڈھونڈھ نکالنا تھا۔ کسانوں
کی حالت درست کرنے کے لئے ان کو مہاجنوں کے چنگل سے بچانا بہت ضروری
ہے۔ اس مطلب سے کرزن نے ۱۹۰۴ء میں متفق کمیٹیاں قائم کیں۔ جو ان کو کم
سود پر قرض دینے لگیں۔ کسانوں کو مہاجنوں سے بچانے کے لئے ۱۹۰۴ء میں
کم سود پر قرض دینے والی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی گئیں۔

قحط سالی کاشتکاروں کو زیادہ خوف بارش نہ ہونے و نیز طغیانی سے
لگا رہتا ہے انہیں دو کی وجہ سے قحط پڑتا ہے انگریزی حکومت کے زمانے
میں ۱۸۶۸ء، ۱۸۶۹ء، ۱۸۹۹ء، ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۷ء، ۱۹۰۸ء میں بڑی بڑی

قحط اکثر پڑ چکے ہیں۔ لارڈ کرزن نے قحط سالی سے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے مستقل انتظام کیا۔ اس نے ایک فیمن ریلیف فنڈ یعنی قحط زدوں کی امداد کے لئے فنڈ قائم کیا۔ اور ان کی امداد کے لئے مناسب تدبیریں کیں جہاں کہیں قحط پڑتا ہے وہاں سرکار کی طرف سے غلہ تقسیم کرایا جاتا ہے۔ مالگذاری معاف کی جاتی ہے۔ اور کچھ ایسے عام فائدے کے کام شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ جن میں کام کر کے قحط سے پریشان لوگ اپنے کھانے کا انتظام کر سکیں۔

بعد میں آبپاشی کے ہی مقصد سے کچھ نہریں بنائی گئیں جن میں شاردا نہر بہت مشہور ہے۔ انیسویں صدی کے آخر تک سرکار نے زراعت کے طریقوں میں بھی اصلاح کی ضرورتوں کو قبول کیا۔ اس لئے سنہ ۱۹۰۱ء میں ہندوستانی سرکار کا محکمۂ زراعت قائم ہوا اور وائسرائے کی کارکن کمیٹی کے ایک ممبر کے سپرد کر دیا گیا اس محکمہ نے زراعت میں اصلاح کرنے کے لئے نمونہ کے کھیت بنائے۔ کچھ زراعتی کالج قائم کئے اور کسانوں کو مویشی پالنے اور زراعت کے زیادہ مفید طریقوں کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے علاوہ اس محکمہ نے زراعت کے طریقوں میں علمی تحقیق بھی شروع کی۔ لیکن یہ سب کام بہت آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ لارڈ لنلتھگو (سنہ ۱۹۳۶ء۔ سنہ ۱۹۴۳ء) نے گائے بیلوں کی اصلاح نسل میں خاص مدد دی۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں صوبوں میں ذمہ دار سرکاریں قائم ہوئیں۔ ان سرکاروں نے مختلف صوبوں میں کسانوں کی فلاح و حفاظت کے لئے کئی قانون پاس کئے جن سے وہ زمیندار اور مہاجن کے ظلموں سے محفوظ رہ سکیں۔ کم سود پر قرضہ دینے والی کو آپریٹو سوسائٹیاں تو پہلے ہی قائم ہو چکی تھیں۔ گرام سدھار (اصلاحات دیہات) محکمہ نے بھی زراعت کی حالت سنبھالنے میں بڑا کام کیا۔ اس محکمہ کی کوششوں سے کسانوں میں کچھ ترقی نظر آ رہی ہے۔ زراعتی انجمنوں نے بھی کسانوں کا خیال اپنے حقوق کی طرف منعطف کیا ہے ادھر آبپاشی کے لئے بھی

کچھ اہم کام ہوئے ہیں۔ کچھ دریاؤں میں بند باندھ کر اور کہیں کہیں پر بجلی کے ذریعہ کنوؤں سے آبپاشی کا انتظام ہوا ہے جیسے کہ سکھر بند سے سندھ کا ملک سرسبز و شاداب ہوگیا ہے۔ اس صوبہ کے مغربی اضلاع میں کنوؤں سے بجلی کی مدد سے آبپاشی کا کام بہت کامیاب ثابت ہوا ہے اسے ٹیوب ویل اسکیم کہتے ہیں یہ سب ہوتے ہوئے بھی یہ حقیقت ہے کہ زراعت اور کاشتکاروں کی ترقی ان کی تعلیم اور زاویہ نگاہ کے بدلنے پر ہی منحصر ہے اور اس کے لئے قومی حکومت کی سخت ضرورت ہے اس دوران جنگ میں کاشتکاروں کو کچھ فائدہ ہوگیا ہے لیکن ان کی صحت تعلیم اور بود و باش اب بھی قابل رحم ہے۔

کپڑے کی صنعت اور پتلی گھر

زراعت کے بعد دوسرا اہم ذریعہ معاش کپڑے کا ہے۔ آجکل اس کے چار حصے ہیں۔ سوت، ریشم، اون اور جوٹ۔ سوت بافی کا کام ۱۹ ویں صدی کے آغاز تک خوب بڑھا چڑھا رہا ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اس کی ترقی چاہی اس وقت سوت کی کتائی و بنائی کا کام جولاہے اور کوری اپنے گھروں میں کرتے تھے۔ فیکٹریوں کا نام و نشان تک نہ تھا صنعتی انقلاب کے بعد انگلینڈ میں ملیں قائم ہوئیں اور وہاں قانوناً ہندوستانی کپڑے کی فروخت بند ہوگئی یورپ کے دیگر ممالک میں بھی ہندوستانی مال کی کھپت کم ہونے لگی۔ ہندوستانی کاریگروں کو اس سے دھکا لگا۔ لیکن ابھی پریشانی کی ابتدا ہی تھی۔ آہستہ آہستہ غیر ملکی ملوں نے ہندوستانی بازار پر بھی حملہ کیا۔ سرکار ہند کی پالیسی ایسی رہی کہ دیسی صنعتیں برباد ہوگئیں۔ اور انیسویں صدی کے آخر تک ہندوستانی بھی ولایتی کپڑے سے ہی گزر کرنے لگے۔ جولاہے اور کوری بھی اپنا پیشہ چلاتے رہے۔ لیکن اب وہ صرف معمولی کپڑا مقامی لوگوں کے لئے ہی بناتے تھے۔ یہ حالت انیسویں صدی کے اختتام تک رہی۔

انیسویں صدی کے آخر میں سرکار ہند آزاد تجارت کی طرفدار تھی لیکن اندر

آنے والے مال پر سرکاری آمدنی بڑھانے کے لئے محصول لگانا پڑا۔ ادھر ا
سوداگروں نے ہندوستان میں مزدور کافی سستے دیکھے۔ کپاس کا تو یہاں گ
ی تھا۔ اس لئے برطانوی سرمایہ داروں نے یہاں ملیں کھولیں۔ پہلے بمبئی ا
کلکتہ میں ملیں کھلیں۔ کلکتہ میں جوٹ مل بھی کھلی۔ ریلوے کے افسروں کی
پالیسی بندرگاہوں کی طرف ارزاں مال لے جانے کی تھی۔ تاکہ کچے مال
تبادلے میں آسانی ہو اور بندرگاہوں سے سامان لانے والی گاڑیوں ک
جاتے وقت بھی خالی نہ جانا پڑے۔ بہار میں کوئلے کی کانیں تھیں اس لئے
آہستہ آہستہ کچھ ملیں ملک کے اندر بھی کھلنے لگیں۔ اور شولاپور۔ ناگپور
کانپور، حیگاؤں۔ نرائن گنج۔ مدورا وغیرہ بھی اس صنعت کے مرکز ہو گئے۔
ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے ساتھ ساتھ سودیشی کا بھی رواج
ہوا۔ اس لئے ملوں کو کچھ امداد ملی۔ لیکن ان کے مال کی خاص نکاسی افریقہ
فارس وغیرہ میں بھی۔ پچھلی لڑائی کے وقت بھی کچھ ترقی ہوئی۔ اس جنگ
کے دوران میں سوت کے کپڑے کی صنعت میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی
صرف ان ملوں کی حالت میں اصلاح ہوئی جنہیں نقصان ہو رہا تھا۔ برٹش
انڈیا کی سرکاری پابندیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے ریاستوں میں بھی کچھ
ملیں بنی ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اب کچھ ریاستیں بھی ترقی کر رہی ہیں۔
ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوتی کپڑا بنانے والی ملیں اب سارے ملک میں
پھیل گئی ہیں۔ اس صنعت میں ترقی کرنے کا ابھی بہت موقع ہے ہندوستانی ملیں
بہت فینسی کپڑا اب بھی نہیں بنا پاتیں۔ ان کے اوزار و کلیں پرانی ہیں اور کام کرنے کا
طریقہ زیادہ فائدہ مند نہیں ہے۔ اس کا خاص سبب اس ملک میں کلوں اور مشینوں کے
بنانے کی مشکلات اور ٹیکنیکل تعلیم کی زبردست کمی ہے ہمیں غیر ممالک سے مشینیں
اور کاریگر منگانے پڑتے ہیں۔ امید ہے کہ اب لڑائی ختم ہو جانے پر اور سیاسی جمود
کے حل ہونے پر اس طرف بھی ترقی ہوگی۔

بنگال دنیا بھر کی جوٹ کی صنعت و تجارت کا مرکز ہے اسلئے اس صنعت
ترقی کا بہت ہی اچھا موقع ہے۔ لیکن یہ تجارت زیادہ تر برطانوی سرمایہ دار
کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے ملک کی بہبودی کو زیادہ اہمیت نہیں دی
اس لئے اس کی ترقی زیادہ نہیں ہوئی۔ ملک کے سرمایہ داروں نے بھی اس
طرف اب کچھ دلچسپی لی ہے۔ لڑائی کے زمانہ میں جوٹ کی صنعت زوال پذیر
ہوگئی ہے کیونکہ غیر ملکوں کی تجارت کم ہوگئی ہے۔

اس ملک میں ریشم کی دستکاری برائے نام ہے۔ عموماً کپڑا اور کچا مال
جاپان اور چین سے آتا تھا۔ لڑائی کے زمانہ میں دونوں ملکوں سے مال آنا
بند ہوگیا تھا۔ اس لئے ریشم کا دام بہت بڑھ گیا۔ اس کے خاص مرکز کا شمیر
بنارس، بھاگلپور اور میسور وغیرہ ہیں۔

اون کا کام بھی ابھی اس ملک میں بہت پچھڑا ہوا ہے برٹش عہد
میں اس کام پر سب سے پیچھے توجہ دی گئی۔ کیونکہ کچا مال ملک میں کم ہے۔
اور اچھا بھی نہیں ہے۔ کانپور اور پنجاب میں دھاریوال و امرت سر اس
صنعت کے خاص مرکز ہوگئے ہیں۔

کانگریس اور گاندھی جی کی کوششوں سے، ہاتھ سے بنے ہوئے مال کی
چرخہ سنگھ طرف بھی لوگوں نے توجہ کی۔ گاندھی چرخہ سنگھ نے کھادی کو رائج
کر کے سوت اور اون کے چھوٹے دستکاروں کو بہت ہی اوپر اٹھانے
کی کوشش کی ہے۔ یہ صنعت تقریباً مر چکی تھی۔ لیکن اب پھر سے اس نے ترقی کی
ہے اور اس لڑائی کے دوران میں جبکہ ملوں کا کپڑا زیادہ تر فوجی ضرورتوں کو پورا
کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ ان صنعتوں کی حالت سنبھل گئی اس پرانی اور اہم صنعت
اور دستکاری کی حفاظت کی سخت ضرورت ہے۔ ہندوستان جیسے مواضعات
کے ملک میں بہت سی ملیں کھل جانے پر بھی ان کی ترقی کی کافی گنجائش
رہے گی۔

لوہے اور کوئلے کا کاروبار

زراعت اور بُنائی کے روزگار کے بعد لوہے اور کوئلے کے کاروبار کا نمبر آجکل کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے یہ دونوں کاروبار بہت ہی اہم ہیں۔ غدر کے وقت تک لوہے کا کاروبار بہت ہی معمولی اور محدود تھا۔ بعد میں بھی زیادہ تر کچّا لوہا باہر جاتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں جمشید جی نوشیرواں جی ٹاٹا نے بہار میں ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ اور وہاں پر جمشید پور کا شہر آباد ہو گیا۔ ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور کمپنیاں بھی قائم ہوئیں۔ اس لڑائی کے شروع ہونے تک بھی یہ ملک لوہے کے زیادہ تر سامان کے لئے دوسرے ملکوں کا پابند تھا۔ اور کچا لوہا یہاں سے باہر جاتا تھا۔ اس صنعت کے زوال کا خاص سبب برطانیہ کا حسد اور اس کی وجہ سے سرکاری تذلیل تھی۔ اس وقت تک لوہے کی کمپنیاں لوہے کی صرف معمولی چیزیں بناتی تھیں انہیں انجن، مشینیں وغیرہ بنانے کی اجازت نہ تھی۔ لڑائی کا سامان بھی باہر ہی سے آتا تھا۔ اس لڑائی نے سرکار کی آنکھیں کھول دی ہیں اور ٹاٹا کمپنی کو ریلوے انجن اور ہلکی مشینری بنانے کی اجازت مل گئی ہے۔ بہار کے علاوہ یہ کام صرف میسور میں ہے۔ ابھی اس کی ترقی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے سلطنت کی حفاظت کیلئے یہ ضروری ہے کہ سرکار اس کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی اتنی ترقی کرے کہ ہندوستان کم از کم اپنی کل ضروریات کو پورا کرنے لگے۔

دوسرے کام

بیسویں صدی میں شکر، سیمنٹ، دیاسلائی، کاغذ، اور دواؤں کے بھی کارخانے کھلے ہیں۔ ان میں شکر سب سے اہم ہے جاوا کی شکر بند ہوتے ہی اس کام نے بڑی ترقی کی ہے۔ زیادہ تر ملیں مشرقی صوبہ متحدہ اور بہار میں ہیں۔ کچھ صوبہ بمبئی میں بھی ہیں۔ لڑائی سے اس صنعت کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا سیمنٹ کا کام بھی اسی صدی میں شروع ہوا۔ آج کل ملک کی ضرورتیں اس سے پوری ہو جاتی ہیں۔ دورانِ جنگ میں ہوائی اڈوں کی تعمیر

وکٹوریہ ٹرمینس اسٹیشن—بمبئی

ہونے سے اس کام میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔

دیاسلائی کا کام بھی جنگی بچانے کے لیے باہر کی کمپنیوں نے ہی شروع کیا ہے۔ اس میں بھی ابھی ترقی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کچا مال لکڑی و فاسفورس کافی مقدار میں یہاں ملتا ہے۔ کاغذ کا کام زیادہ تر بنگال میں ہی محدود ہے ٹیٹا گڈھ مل سب سے بڑی فیکٹری ہے۔ چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں اس صوبہ میں بھی ہیں، جن میں سے ایک لکھنؤ میں ہے۔ دوسرے کام جن میں کافی ترقی ہوئی ہے اور ابھی کافی ترقی کی ضرورت ہے شیشہ، چمڑا، فلم وغیرہ ہیں۔ شیشے کے کچھ مرکز بمبئی اور صوبہ متحدہ میں ہیں۔ چمڑے کے کارخانے کلکتہ کانپور، مدراس، بنگلور، آگرہ وغیرہ میں ہیں۔ فلم کمپنیاں زیادہ تر بمبئی اور کلکتہ میں ہیں۔ اور کچھ لکھنؤ، لاہور، مدراس، پونا وغیرہ میں بھی کھل گئی ہیں۔ قومیت کی تعمیر میں اس صنعت کا بھی کافی ہاتھ رہے گا۔

معدنیات

معدنیات کی پیداوار میں بھی اس دور میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ کوئلہ یہاں سے باہر بھی بھیجا جاتا ہے۔ زیادہ تر کانیں بہار اور چھوٹا ناگپور میں ہیں۔ اور لوہے کی معدنیات کے پاس ہی ہیں۔ لوہے اور کوئلے کے علاوہ آسام میں مٹی کا تیل۔ میسور میں سونا اور بہار میں سیسہ، جستہ، ابرک وغیرہ ملتے ہیں۔ حالانکہ کوئلہ کا کاروبار برابر ترقی کرتا گیا ہے پھر بھی اس کی پیداوار اور حفاظت پر نگرانی کی ضرورت ہے کیونکہ موجودہ ممالک کی طاقت کا ایک خاص جزو کوئلہ ہے۔

آمد و رفت کے ذرائع

ان سب روزگاروں کی ترقی کے لئے آمدورفت کے ذرائع ضروری ہیں۔ آجکل آمدورفت کے ذرائع ہیں۔ سڑکیں، ریل، سمندری اور ہوائی جہاز خاص ہیں۔ عہد برطانیہ میں ان کی تعمیر پر بھی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے۔ آجکل پختہ سڑکوں کی لمبائی تقریباً ۱۵۰۰۰ میل ہے جبکہ اس لڑائی کے دوران میں کافی سڑکیں بنی ہیں۔ اب سرکار

کی توجہ اس طرف ہوئی ہے اور ریلوے کمپنیوں کے تعاون سے سڑکوں کے بڑھانے کی تجویز بنائی گئی ہے۔ سرکار نے ایک سڑک فنڈ قائم کیا ہے جس کے ذریعہ کافی ترقی ہوئی ہے۔

ریلوں کی ابتداء ڈلہوزی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ کئی کمپنیاں بنتی گئیں۔ جنگ عظیم کے بعد سرکار نے ریلوں کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کیا۔ اس لئے کئی کمپنیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ ۱۸۵۹ء میں صرف ۵۰۰۰ میل لائن بنانے کا ٹھیکہ دیا گیا تھا۔ لیکن ۱۹۳۹ء میں ۴۱۰۰۰ میل ریلوے لائنیں تھیں لیکن اس وسیع ملک میں ریل کی لائنوں کا جال اور گھنا ہونا چاہیئے۔ تب ہی یہاں کی زراعت اور تجارت کی ترقی ممکن ہوگی۔ ملک میں ریل کی پٹری اور انجن بننے لگے ہیں اس سے امید ہے کہ اب جلد ترقی ہوگی۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے قبل ریلوے کی حکمت عملی آمد و رفت کے ممبر کے تابع تھی لیکن اس ایکٹ کے عمل میں آنے سے ریلوے کی پالیسی کو ملک کی ضرورتوں کے مطابق چلانے کے لئے ایک ریلوے فیڈرل اتھارٹی قائم ہوئی ہے وہی اس کی پالیسی کی عامل ہے ریلوے بجٹ بھی سرکاری بجٹ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اور نئی لائنیں بنانے اور ٹھیک انتظام کرنے کے لئے کافی روپیہ الگ کر دیا جاتا ہے لیکن ابھی ریلوں کی پالیسی میں ملک کی فلاح و بہبود کے ذرائع اختیار کرنے میں بڑی کمی ہے۔

اس جنگ سے قبل ہی کچھ ولایتی ہوائی راستہ کی کمپنیاں بن چکی تھیں۔ جن کے جہاز بڑے بڑے شہروں سے ہو کر جایا کرتے تھے۔ دوران جنگ میں بہت سے ہوائی اڈے بن گئے ہیں۔ اور حال ہی میں یعنی یکم جنوری ۱۹۴۶ء سے دلی کلکتہ، دلی پشاور، دلی بمبئی۔ بمبئی کلکتہ اور دلی کراچی کے درمیان ہوائی سروس کا انتظام ہو گیا ہے۔ اور ڈاک، سامان و مسافروں کے لے جانے کے لئے ان کا استعمال ہو رہا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جائیگا۔ ہوائی جہازوں کا روز افزوں استعمال لازمی ہے۔

ہندوستان کا ساحل سمندر کافی لمبا ہے اس لئے یہاں پر مالی کرنے
سمندری جہازوں کی بہت سی کمپنیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ اس صدی میں
کی تجارت کا کچھ حصہ دیسی جہازوں کے ہاتھ آگیا ہے۔ دوسرے ملکوں
تجارت کے لئے بھی جہازی کمپنیاں بنی ہیں جن میں سندھیا اسٹیم نیوگیشن
کمپنی وزگاپٹم خاص ہیں۔ امید ہے کہ اب جنگ کے بعد اس روزگار میں
بھی ترقی ہوگی۔

خبر رسانی کی آسانیوں کے لئے ریل، ہوائی جہاز وسمندری جہاز وغیرہ

تار۔ ڈاک، ریڈیو کے ذریعہ ڈاک بھیجنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ڈاک کے علاوہ تار، ٹیلیفون اور ریڈیو کا بھی رواج
ہوگیا ہے جو روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اب بہت سے مواضعات میں بھی
ریڈیو لگا دیا گیا ہے۔ ہر ملک کے کاروبار کی ترقی وہاں کے بینکوں پر
منحصر رہتی ہے۔ اس ملک میں چھوٹی موٹی بینکیں انیسویں صدی سے ہی ترقی

بینک ہو گئی تھیں۔ لیکن کوئی قومی پالیسی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر بینکیں ٹوٹ جاتی تھیں جن سے سوداگروں کو بڑی تکلیف ہوتی تھی، گذشتہ
جنگ عظیم کے بعد ان کی نگرانی کے لئے قانون بنے۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطابق
رزرو بینک قائم ہوا۔ جو ملک کی قومی بینک کے مانند ہے۔ اس کا کام دوسری
بینکوں پر نگرانی رکھنا، ان کی مدد کرنا، سرکاری روپیہ کی حفاظت کرنا اور
نوٹ وغیرہ بنانا ہے۔

اس جنگ عظیم کے قبل تک ان بینکوں اور بیمہ کمپنیوں نے کافی ترقی کی تھی لیکن
وہ اندرونی تجارت اور روزگار میں ہی مدد دے سکتی تھیں۔ بیرونی تجارت
غیر ملکی بینکوں اور وزیر ہند کی مدد کے سہارے ہی ہوتی تھی۔ اس جنگ کے
دوران میں کئی بینکیں قائم ہوئی ہیں جن میں بھارت بینک سب سے بڑی ہے۔ اس
بینک کے مالک اپنی شاخیں غیر ممالک میں بھی کھول کر ہندوستان

کے ممالک غیر سے تجارت کرنے والے سوداگروں کی مدد کرینگے۔

ملک کے کاروبار کی کافی ترقی کے لئے تجویزیں بنا کر آگے بڑھنا ضروری ہے اس جنگ کے دوران میں پرشوتم داس ٹھاکرداس کی رہنمائی میں بمبئی کے ۷ تجاروں نے ایک تجویز شائع کی کہ کس طرح ملک کی قومی آمدنی بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ عوام کی اقتصادی حالت، صحت اور تعلیم وغیرہ میں ترقی ہو۔

تعمیرات مابعد جنگ کی تجویزیں

سرکار نے بھی ایک محکمۂ تجاویز (Planning) کھولا اور سر اردشیر دلال کے سپرد کیا۔ اس محکمہ نے کئی روزگاروں سے تعلق رکھنے والی تجویزیں بنائی ہیں صوبوں کی سرکاروں نے بھی اپنی اپنی تجویزیں تیار کی ہیں۔ ہندوستان کی معاشرتی اور سیاسی ترقی کے لئے ان کا مناسب طریقہ سے عمل میں آنا ضروری ہے۔ اس لئے سرکاری اور غیر سرکاری سب ہی لوگوں کی توجہ اس طرف ہے۔ بمبئی کے تجاروں کے خیال کے مطابق ۱۵ سال کے اندر پھر سے ہندوستان کی اقتصادی خوشحالی ممکن ہے۔ سرکاری تجویز کے مطابق ۴۵ سال لگیں گے کانگریس کی تجویز جو وردھا میں بنائی گئی۔ وہ گاؤں اور چھوٹے کارخانوں کی بنیاد پر ہی ملک کی تعمیر کیا چاہتی ہے۔

درحقیقت اگر جنگ کے لئے روپیہ کی کمی نہیں پڑتی تو قومی اقتصادی تعمیر کے لئے بھی روپیہ مل سکتا ہے ملک میں جلد از جلد ممالک غیر سے مشینیں منگا کر نئی نئی فیکٹریاں کھلنی چاہئیں۔ جن میں مشینیں بھی بن سکیں ملک کے آمد و رفت کے ذرائع اور بنکوں میں بھی ترقی ہونی چاہیئے۔ لیکن ان تمام ترقیوں سے ملک کو پورا فائدہ اسی وقت ہوگا۔ جبکہ ملک کے ہی لوگ ان کاموں میں خاص حصہ لے سکیں۔ اس لئے اقتصادی اصلاحوں کے ساتھ ہی ساتھ تعلیم اور صحت وغیرہ کی بھی اصلاح ہونی چاہیئے۔ عوام میں خود اعتمادی [illegible] سے حتی الامکان جلد فائدہ اٹھانے کی استعداد اور شوق پیدا کرنے کے

لئے سیاسی حالت کی اصلاح سب سے زیادہ ضروری ہے۔

خاتمہ

حالانکہ ہندوستانی اپنی موجودہ حالت سے مطمئن نہیں ہیں لیکن انہوں نے گذشتہ ۶۰ سالوں میں کافی ترقی کی ہے۔ کاروبار کی موجودہ گری ہوئی حالت میں بھی ہندوستان کا کاروباری ملکوں میں آٹھواں نمبر ہے اور بین الاقوامی مزدور جماعت اور بین الاقوامی کاروبار کی جماعتوں میں اس کو جگہ ملنے لگی ہے۔ ٹاٹا اسٹیل کمپنی سلطنت برطانیہ میں بننے والے اچھے سے اچھے اسپات کو بناتی ہے۔ سائنس کی تعلیم میں پچھڑے ہونے پر بھی اس ملک میں جگدیش چندر بسو، پرفل چندر رائے۔ سی۔ وی۔ رمن۔ میگھ ناتھ ساہا وغیرہ ساری مہذب دنیا میں شہرت حاصل کر چکے ہیں موجودہ زمانہ کی سب سے بڑی شخصیت یعنی مہاتما گاندھی نے بھی اسی زمانہ میں اہنسا اور راست بازی کی تعلیم دی ہے۔ رویندر ناتھ ٹیگور جیسے ادیب، سر رادھا کرشنان جیسے ماہر سیاست، بین الاقوامی ویویکانند اور رام تیرتھ جیسے عالم بھی اسی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ یہ سب بین الاقوامی شہرت حاصل کرنیوالی ہستیاں تھیں اور اب بھی ہیں۔ غلام ہونے پر بھی ہندوستان کے لیڈر ہمسایہ غلام ملکوں کی جنگ آزادی میں رہنمائی کر رہے ہیں اور پنڈت جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس نے مشرقی ممالک میں بڑی شہرت پائی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانی سپاہیوں نے بہترین ہمت و مردانگی کا ثبوت دیا ہے اور وکٹوریہ کراس حاصل کئے ہیں۔ شناوری میں روپن جی کشتی میں گاما، کھیلوں میں ہاکی ٹیم اور نرت (رقص) میں اودے شنکر بھٹ بین الاقوامی عزت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ صوبجاتی اور ملکی میدان میں مختلف سمتوں میں ترقی ہوئی ہے۔ اتنی ترقی ہونے پر بھی ہماری پریشانی کا کیا سبب ہے؟ اس ملک کا دیگر مہذب ممالک کی بہ نسبت پچھڑا ہوا ہونا۔ ہمارے ملک میں ۸۵ فیصدی سے زیادہ لوگ ناخواندہ ہیں۔ ہمارے یہاں صرف

ایک صوبہ میں ایک سال کے اندر ۳۵ لاکھ سے زائد انسان غلّہ کی کمی کی وجہ سے بھوکوں مرجاتے ہیں (بنگال کا قحط) ہماری زندگی کا معیار بہت نیچا ہے اور ہمارے کھیتوں کی زمین نہایت زرخیز ہونے پر بھی پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ آمدورفت کے ذرائع اب بھی ناکافی اور تکلیف دہ ہیں۔ ان ہی خرابیوں کو ہٹا کر آرام، خوش حالی، تعلیم اور فارغ البالی قائم کرنے کی زبردست خواہش ہی موجودہ بے اطمینانی کا خاص سبب ہے۔

مشق کے لئے سوالات

۱۔ ہندوستانی سوسائٹی میں کیا خاص خرابیاں ہیں؟ ان کو دور کرنے کے لئے کن اداروں نے کیا کیا کوششیں کی ہیں؟

۲۔ ہندوستانیوں کی صحت کیوں درست نہیں ہے؟ صحت کی اصلاح کے لئے سرکار نے کیا انتظام کیا ہے؟

۳۔ ہندوستانیوں کے خاص کاروبار کیا ہیں؟ زراعت کی حالت سنبھالنے کے لئے سرکار نے کیا کام کیا ہے؟

۴۔ گاندھی چرخہ سنگھ کس مقصد سے قائم کیا گیا تھا؟ اس سے ملک کو کیا فائدہ ہوا ہے؟

۵۔ اس ملک میں آمدورفت کے ذرائع میں کن اصلاحوں کی ضرورت ہے؟

۶۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانیوں نے کن سمتوں میں ترقی کی ہے؟ ہندوستانیوں کی موجودہ بے اطمینانی کا کیا سبب ہے؟

تمام شُد

ضمیمہ ۱۔ شجرے

ناگ خاندان (۵۴۳ ق م۔ ۴۱۱ ق م)

بھٹیہ
|
بمبسار (۵۴۳ ق م۔ ۴۹۱ ق م)
|
اجات شترو (۴۹۱ ق م۔ ۴۵۹ ق م)
|
اداین (۴۵۹ ق م۔ ۴۴۳ ق م)
|
درشک (؟۔ ۴۱۱ ق م)

ششوناگ خاندان (۴۱۱ ۔ ۳۴۳ ق م)

ششوناگ (۴۱۱ ۔ ۳۹۲ ق م)
|
کالا اشوک (۳۹۳ ۔ ۳۶۵ ق م)
|
نندوردھن (۳۶۵ ۔ ۳۴۳ ق م)

نند خاندان (۳۴۳ ۔ ۳۲۱ ق م)

مہاپدم نند (۳۴۳ ۔ ؟ ق م)
|
گھنا نند (؟۔ ۳۲۱ ق م)
(نام پسران نامعلوم)

موریہ خاندان (۳۲۱ ۔ ۱۸۴ ق م)

چندرگپت موریہ (۳۲۱ ۔ ۲۹۷ ق م)
بندوسار امترگھات (۲۹۷ ۔ ۲۷۲ ق م)

ششم ، اشوک (سنہ ۲۷۲ ـ سنہ ۲۳۲ ق م) ، دیگر فرزند

کنال ، جلاک ، مہیندر ، چارومتی ، سنگھ متر

دشرتھ (سنہ ۲۳۲ ـ سنہ ۲۲۴ ق م) ، سمپرتی (سنہ ۲۲۴ ـ سنہ ۲۱۶ ق م)

سالشوک (سنہ ۲۱۶ ـ سنہ ۲۰۶ ق م)

سومشرمن (سنہ ۲۰۶ ـ سنہ ۱۹۹ ق م)

شت دھنون (سنہ ۱۹۹ ـ سنہ ۱۹۱ ق م)

وربدرتھ (سنہ ۱۹۱ ـ سنہ ۱۸۴ ق م)

کشان خاندان (سنہ ۷۸ء ـ سنہ ۱۷۶ء)

کنشک (سنہ ۷۸ء ـ سنہ ۱۰۶ء)

ہوشک (سنہ ۱۰۶ء ـ سنہ ۱۳۸ء)

وسودیو (سنہ ۱۳۸ء ـ سنہ ۱۷۶ء)

گپت خاندان (سنہ ۳۲۰ء ـ سنہ ۵۲۷ء (؟))

گپت

گھٹوت کچ

چندر گپت اول (سنہ ۳۲۰ء ـ سنہ ۳۳۰ء)

سمدر گپت (سنہ ۳۳۰ء ـ سنہ ۳۷۵ء)

چندر گپت دوم (سنہ ۳۷۵ء ـ سنہ ۴۱۳ء)

گووند گپت ، کمار گپت (سنہ ۴۱۳ء ـ سنہ ۴۵۵ء) ، پربھاوتی

مہاراجہ گپت

اسکند گپت (۴۵۵ء۔۴۶۷ء) | پورو گپت (۴۶۷ء۔۴۶۹ء) | بدھ گپت (۴۷۶ء۔۴۹۶ء) | بھانو گپت (۴۹۶ء۔۵۱۵ء)

نرسنگھ گپت (۴۶۹ء۔۴۷۳ء) | تتھاگتا گپت

کمار گپت دوم (۴۷۳ء۔۴۷۶ء) | وجر (؟۔۵۲۷ء)

وردھن خاندان (۵۸۰ء۔۶۴۷ء)

پشپ بھوتی

پربھاکر وردھن (۵۸۰ء۔۶۴۷ء)

راجیہ وردھن (۶۰۵ء۔۶۰۶ء) | ہرش وردھن (۶۰۶ء۔۶۴۷ء) | راجیہ شری

غلام خاندان (۱۲۰۶ء۔۱۲۹۰ء)

قطب الدین ایبک (۱۲۰۶ء۔۱۲۱۰ء)

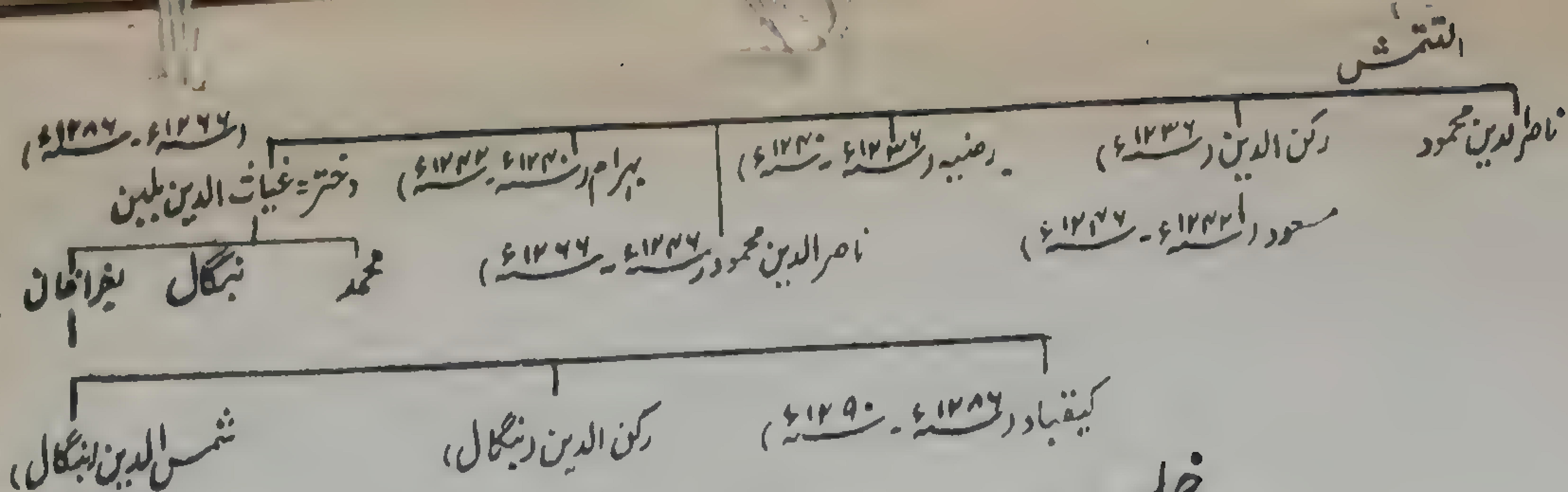

خلجی خاندان (۶۱۲۹۰ء۔ ۶۱۳۲۰ء)

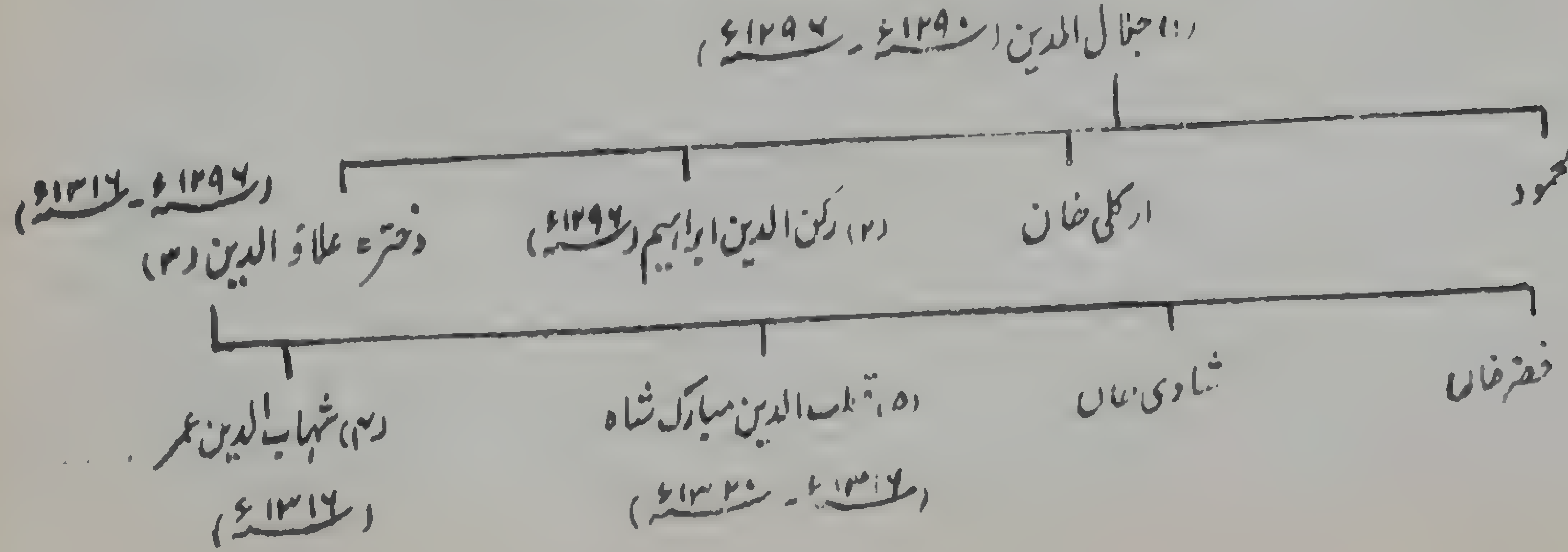

تغلق خاندان (۱۳۲۰ء۔ ۱۴۱۲ء)

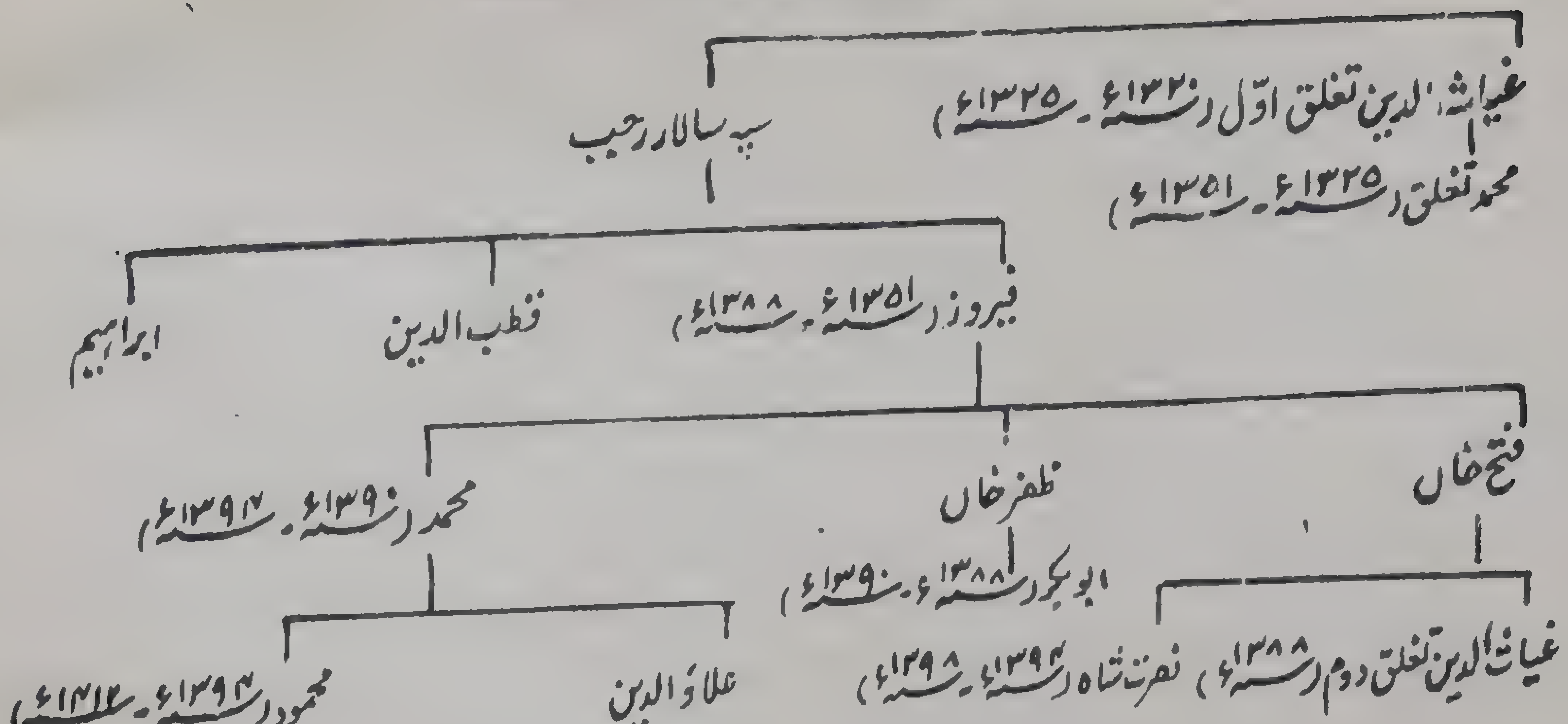

سیّد خاندان (۱۴۱۴ء۔ ۱۴۵۱ء)

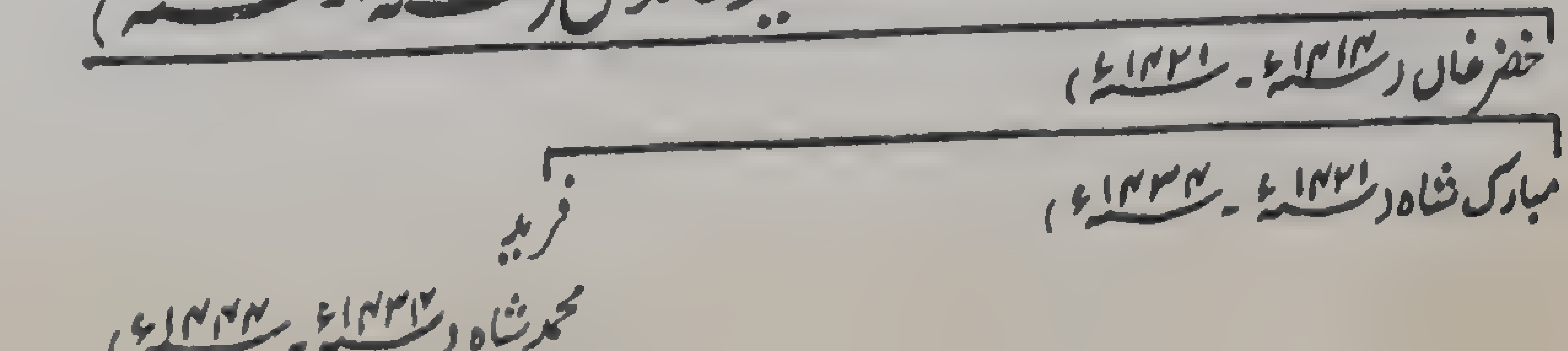

لودی خاندان (۱۴۵۱ء۔ ۱۵۲۶ء)

بہلول لودی (۱۴۵۱ء۔ ۱۴۸۸ء)

- سکندر شاہ (۱۴۸۹ء۔ ۱۵۱۷ء)
  - ابراہیم (۱۵۱۷ء۔ ۱۵۲۶ء)
  - اسمٰعیل
  - حسین
  - محمود
- مبارک
- عالم
- یعقوب

سور خاندان (۱۵۴۰ء۔ ۱۵۵۵ء)

ابراہیم خاں

- حسن خاں
  - (۱) شیر شاہ (۱۵۴۰ء۔ ۱۵۴۵ء)
    - (۲) اسلام شاہ (۱۵۴۵ء۔ ۱۵۵۴ء)
  - نظام خاں
    - (۴) محمد عادل شاہ (۱۵۵۴ء۔ ۱۵۵۶ء)
    - دختران
- غازی خاں
  - (۵) ابراہیم (۱۵۵۵ء)
- نامعلوم
  - (۶) سکندر شاہ (۱۵۵۵ء)

مغلیہ خاندان

- (۱) ظہیر الدین بابر (۱۵۲۶ء ـ ۱۵۳۰ء)
  - (۲) ہمایوں (۱۵۳۰ء ـ ۱۵۵۶ء)
    - (۳) اکبر (۱۵۵۶ء ـ ۱۶۰۵ء)
      - (۴) جہانگیر (۱۶۰۵ء ـ ۱۶۲۷ء)
        - خسرو
        - پرویز
        - (۵) شاہجہاں (۱۶۲۸ء ـ ۱۶۵۸ء)
          - دارا
          - شجاع
          - (۶) اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء ـ ۱۷۰۷ء)
            - محمد
            - (۷) بہادر شاہ اوّل
              - شاہ عالم اوّل (۱۷۰۷ء ـ ۱۷۱۲ء)
            - اعظم
            - اکبر
              - نیک اختر (۱۷۱۹ء)
            - کام بخش
          - مراد
        - شہریار
      - مراد
      - دانیال
    - مرزا حکیم
  - کامران
  - عسکری
  - ہندال

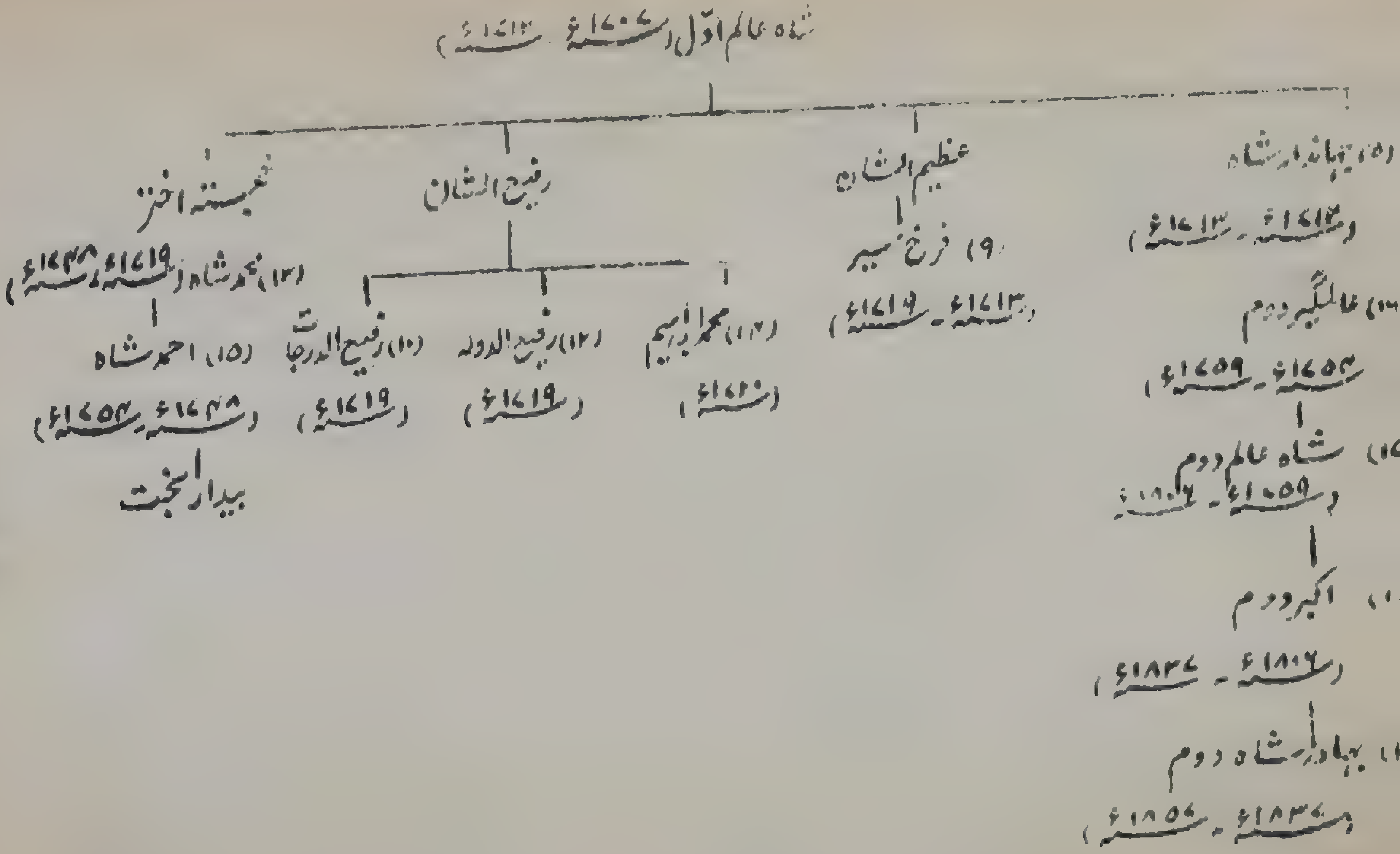
شاہ عالم اوّل (۱۷۰۷ء - ۱۷۱۲ء)
(۸) جہاندار شاہ (۱۷۱۲ء - ۱۷۱۳ء)
عظیم الشان
(۹) فرخ سیر (۱۷۱۳ء - ۱۷۱۹ء)
رفیع الشان
(۱۴) محمد ابراہیم (۱۷۲۰ء)
(۱۲) رفیع الدولہ (۱۷۱۹ء)
(۱۰) رفیع الدرجات (۱۷۱۹ء)
خجستہ اختر
(۱۳) محمد شاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء)
(۱۵) احمد شاہ (۱۷۴۸ء - ۱۷۵۴ء)
بیدار بخت
۱۶) عالمگیر دوم (۱۷۵۴ء - ۱۷۵۹ء)
(۱ شاہ عالم دوم (۱۷۵۹ء - ۱۸۰۶ء)
(۱ اکبر دوم (۱۸۰۶ء - ۱۸۳۷ء)
(۱ بہادر شاہ دوم (۱۸۳۷ء - ۱۸۵۷ء)

بھونسلا خاندان

مالوجی

جیجی بائی = شاہ جی = تُکا بائی

اکوجی (تنجور)

شواجی اوّل (۱۶۷۴ء۔ ۱۶۸۰ء)

سئی بائی

سوارا بائی

تارا بائی — راجہ رام (۱۶۸۹ء۔ ۱۷۰۰ء) — راجس بائی

شواجی دوم (۱۷۰۰ء۔ ۱۷۰۸ء)

شمبھوجی دوم (کولہاپور)

شمبھوجی اوّل (۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۹ء)

شاہو اوّل (۱۷۰۸ء۔ ۱۷۴۸ء)

رام راجا (پسر متبنیٰ)

شاہو دوم

پرتاپ سنگھ (ستارا)

شاہوجی راجہ

پیشوا خاندان

وشوناتھ

بالاجی وشوناتھ (۱۷۱۳ء۔ ۱۷۲۰ء)

باجی راؤ اوّل (۱۷۲۰ء۔ ۱۷۴۰ء)

چمن جی آپا

بالاجی باجی راؤ (۱۷۴۰ء۔ ۱۷۶۱ء)

سداشیو راؤ بھاؤ

رگھوناتھ راؤ (راگھوبا) (۱۷۷۳ء۔ ۱۷۷۴ء)

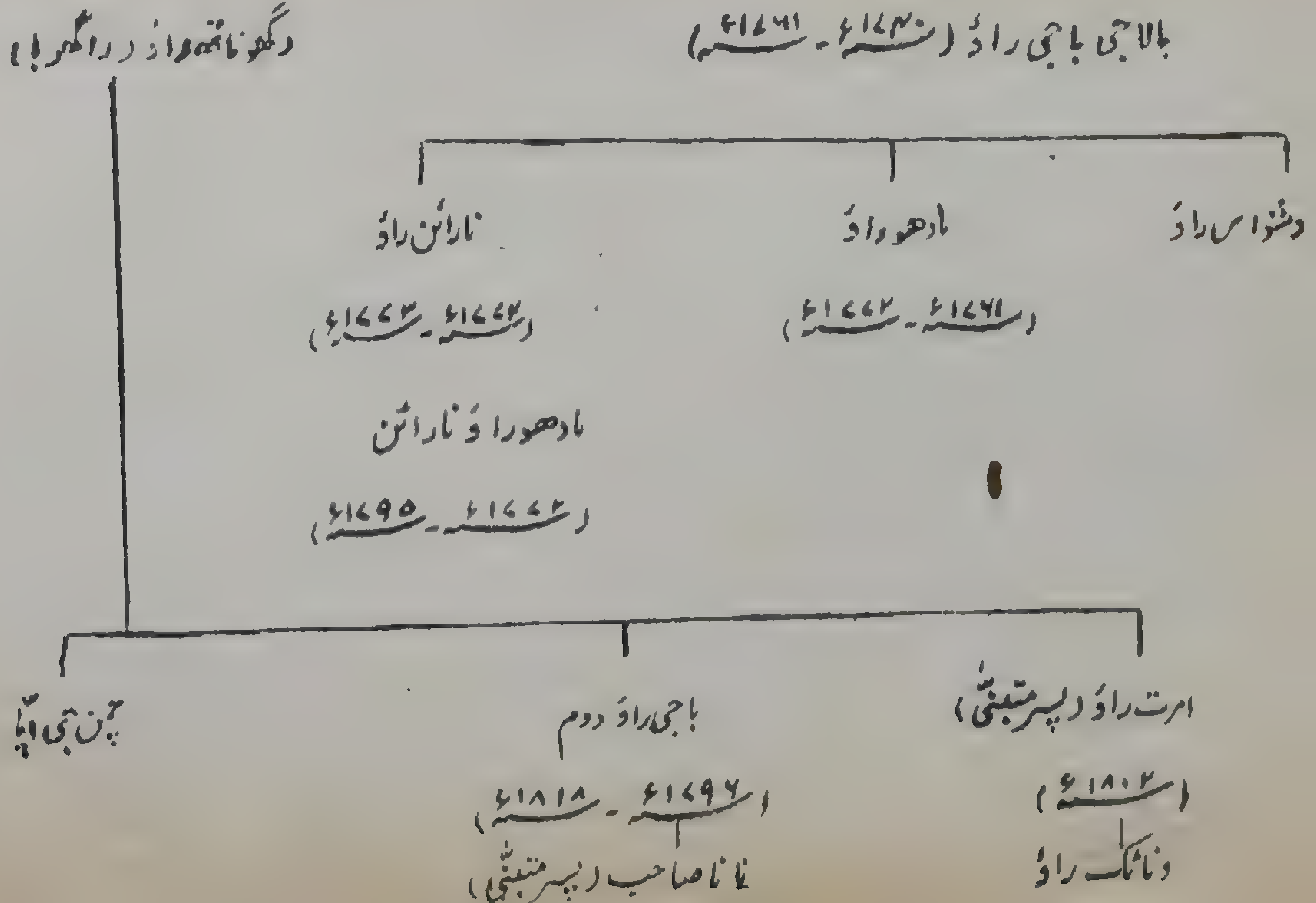
بالاجی باجی راؤ (۱۷۴۰ء - ۱۷۶۱ء)
رگھوناتھ راؤ (راگھوبا)
وشواس راؤ
مادھو راؤ
(۱۷۶۱ء - ۱۷۷۲ء)
نارائن راؤ
(۱۷۷۲ء - ۱۷۷۳ء)
مادھو راؤ نارائن
(۱۷۷۴ء - ۱۷۹۵ء)
امرت راؤ (پسر متبنیٰ)
(۱۸۰۲ء)
ونائک راؤ
باجی راؤ دوم
(۱۷۹۶ء - ۱۸۱۸ء)
نانا صاحب (پسر متبنیٰ)
چمن جی اپا

ضمیمہ ۲
بنگال کے گورنر جنرل

نام	زمانہ	خاص واقعات
(۱) وارن ہیسٹنگز	۱۷۷۳ء - ۱۷۸۵ء	کونسل اور سپریم کورٹ سے جھگڑا۔ مرہٹوں کی پہلی لڑائی میسور کی دوسری لڑائی۔ پٹ کا انڈیا بل۔
(۲) سر جان میکفرسن	۱۷۸۵ء	
(۳) لارڈ کارنوالس	۱۷۸۶ء - ۱۷۹۳ء	عدالتوں، لگان اراضی اور ملازمتوں میں اصلاحیں میسور کی تیسری لڑائی۔
سر جان شور	۱۷۹۳ء - ۱۷۹۸ء	دست اندازی نہ کرنے کی حکمت عملی۔ دیسی ریاستوں میں فرانسیسیوں کی سازش۔
لارڈ ویلزلی	۱۷۹۸ء - ۱۸۰۵ء	امدادی صلح۔ میسور کی چوتھی لڑائی۔ مرہٹوں کی دوسری اور تیسری لڑائیاں۔
لارڈ کارنوالس	۱۸۰۵ء	
سر جان بارلو	۱۸۰۵ء - ۱۸۰۷ء	مرہٹوں سے نئے معاہدے۔
لارڈ منٹو	۱۸۰۷ء - ۱۸۱۳ء	سرحدی ریاستوں سے معاہدے۔ فرانسیسی نو آبادیوں پر قبضہ
لارڈ ہیسٹنگز	۱۸۱۳ء - ۱۸۲۳ء	عدالتوں اور ملازمتوں میں اصلاحیں۔ گورکھوں کی لڑائی پنڈاریوں اور مرہٹوں کا دبایا جانا۔ راجپوتوں کا مطیع ہونا تعلیمی اداروں کی امداد۔
لارڈ ایمہرسٹ	۱۸۲۳ء - ۱۸۲۸ء	برما کی پہلی لڑائی۔
لارڈ ولیم بینٹنک	۱۸۲۸ء - ۱۸۳۳ء	ٹھگی کا فرو ہونا۔ رسم ستی کی ممانعت۔ اقتصادی اصلاحیں اونچے عہدوں پر ہندوستانیوں کا تقرر۔ عدالتوں، پولیس اور ملازمتوں میں اصلاحیں میسر۔ کچھار۔ جنتیا اور کورگ کا انگریزی سلطنت میں شامل ہونا۔

ہندوستان کے گورنر جنرل

نام	زمانہ	خاص واقعات
(۱) لارڈ ولیم بینٹنگ	۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۵ء	تعلیمی اصلاحیں۔ لاء ممبر کا تقرر۔
(۲) سر چارلس میٹکاف	۱۸۳۵ء سے ۱۸۳۶ء	پریس کی آزادی کا قانون
(۳) لارڈ آکلینڈ	۱۸۳۶ء سے ۱۸۴۲ء	افغانوں کی پہلی لڑائی۔ رنجیت سنگھ کی وفات۔
(۴) لارڈ ایلن برا	۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۴ء	فتح سندھ
(۵) لارڈ ہارڈنج	۱۸۴۴ء سے ۱۸۴۸ء	سکھوں کی پہلی لڑائی۔
(۶) لارڈ ڈلہوزی	۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء	سکھوں کی دوسری لڑائی ضبطی کی پالیسی۔ وسعتِ سلطنت اور حکومت میں اصلاحیں۔ ریلوں کی ابتداء۔
(۷) لارڈ کیننگ	۱۸۵۶ء سے ۱۸۵۸ء	یونیورسٹیوں کا قائم ہونا ۱۸۵۷ء کی بغاوت کمپنی کا خاتمہ

ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے

نام	زمانہ	خاص واقعات
(۱) لارڈ کیننگ	۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۲ء	ریلوں میں اضافہ آئینی مجلسوں کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ۔ لگان کا قانون۔ ہائی کورٹوں کا قائم ہونا۔
(۲) لارڈ ایلگن	۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۳ء	

نام	زمانہ	خاص واقعات
سرجان لارنس	۱۸۶۳ء۔ ۱۸۶۹ء	افغان پالیسی ٹیننسی ایکٹ۔ قحط
۴) لارڈ میو	۱۸۶۹ء۔ ۱۸۷۲ء	انبالہ دربار۔ صوبائی حکومت میں اصلاح ۔ میو کالج اجمیر۔
، لارڈ نارتھ برک	۱۸۷۲ء۔ ۱۸۷۶ء	افغان پالیسی ۔
) لارڈ لٹن	۱۸۷۶ء۔ ۱۸۸۰ء	افغانوں کی دوسری لڑائی۔ پریس ایکٹ قحط اور دربار ۔
) لارڈ رپن	۱۸۸۰ء۔ ۱۸۸۴ء	افغان پالیسی۔ البرٹ بل۔ تعلیمی اصلاحیں ۔ مقامی سوراج اور پریس کی آزادی ۔
لارڈ ڈفرن	۱۸۸۴ء۔ ۱۸۸۸ء	کانگریس کی بنیاد پڑنا۔ شفاخانوں میں اضافہ۔ برما کی تیسری لڑائی ۔
لارڈ لینس ڈون	۱۸۸۸ء۔ ۱۸۹۴ء	دوسرا انڈین کونسل ایکٹ۔ سرسیّد احمد کے ذریعہ مسلمانوں کی تنظیم ۔
لارڈ ایلگن دوم	۱۸۹۴ء۔ ۱۸۹۹ء	
لارڈ کرزن	۱۸۹۹ء۔ ۱۹۰۵ء	پلیگ اور قحط ۔ انتظام حکومت میں اصلاحیں۔ بیرونی حکمتِ عملی۔ بنگال کی تقسیم ۔
لارڈ منٹو دوم	۱۹۰۵ء۔ ۱۹۱۰ء	مسلم لیگ کا قائم ہونا۔ کانگریس کی ترقی مارلے منٹو اصلاحیں ۔
لارڈ ہارڈنج	۱۹۱۰ء۔ ۱۹۱۶ء	ہائی کورٹوں میں اصلاحیں۔ پہلی جنگِ عظیم۔
لارڈ چیمسفورڈ	۱۹۱۶ء۔ ۱۹۲۱ء	تحریک عدم تعاون ، آئین حکومت میں

نام	زمانہ	خاص واقعات
		اصلاح۔ رعایا میں بے اطمینانی۔
(۱۵) لارڈ ریڈنگ	۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۶ء	سوراج پارٹی کا زور پکڑنا، دبانے کی حکمتِ عملی۔ کانگریس میں نفاق۔
(۱۶) لارڈ ارون	۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء	انتظام حکومت میں اصلاحوں کی تیاری کانگریس سے سمجھوتہ۔ گول میز کانفرنس۔
(۱۷) لارڈ ولنگڈن	۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء	عدم تعاون کی تحریک کا دبایا جانا۔ جدید آئینِ حکومت (۱۹۳۵ء)
(۱۸) لارڈ لنلتھگو	۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۳ء	صوبائی سوراج کا قائم ہونا۔ دوسری جنگ عظیم۔ تجویز کرپس۔ تحریک اگست
(۱۹) لارڈ ویول	۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء	کانگریسی لیڈروں کی رہائی۔ شملہ کانفرنس جنگِ عظیم کا خاتمہ۔ مرکزی اور صوبائی آئینی مجلسوں کے لئے انتخابات لیبر پارٹی کی پالیسی۔ کیبنٹ مشن کا اعلان نئی درمیانی ہندوستانی سرکار و قانون بنانے والی کمیٹی کا قائم ہونا۔
(۲۰) لارڈ ماؤنٹ بیٹن	۱۹۴۷ء	انڈین یونین اور پاکستانی گورنمنٹ کا وجود۔

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY LIBRARY
No. 16293
Date 25.x.56